Dave

Dare

Dare



نصاب سلسلۂ عمرانیات جامعۂ عثمانیہ

یورپ کا عصرِ جدید

جلد سوم

تصنیف

سی۔ اے۔ فائف ایم۔ اے

ترجمہ

مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی

رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی

سنہ ۱۳۴۹ھ سنہ ۱۳۴۰ف سنہ ۱۹۳۰ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن



فہرست مضامین یورپ کا عصر جدید جلد سوم

باب اول

(از صفحہ ۲ تا ۳۹)

لوئی نپولین ۔ اس کا انتخاب مجلس میں ۔ انتخاب صدارت پر ۔

باب دوم

(از صفحہ ۴۰ تا ۱۴۱)

آسٹریہ اور اطالیہ ۔ وی آنا ، از مارچ تا مئی ۔ بادشاہ کی فراری ۔ بوہیمیہ کی قومی تحریک ۔ وی ڈیش گراٹز پراگ کو مسخر کرتا ہے ۔ وروناکی نواح کی معرکہ آرائی پاپائی عمراسلہ نیپلز حال مئی میں ۔ لمبارڈی کی نسبت خط کتابت ۔ وینیشیہ کی تسخیر مکرر ۔ جنگ کسٹوزا ۔ آسٹریہ والوں کا داخلہ میدان میں ۔ ہنگری اور دربار آسٹریہ ۔ سربیون کا حال جنوبی ہنگری میں ۔ سربیون کی مجلس کارلووٹز ۔ جلاکیک ۔ کروشیہ کے معاملات ۔ جلاکیک ۔ دربار شاہی اور ہنگری کی تحریک ۔ لیمبرگ کا قتل ۳ اکتوبر کا اعلان وی آنا ۶ اکتوبر کو ۔ بادشاہ کی پناہ گزینی اول موٹز میں ۔ ون ڈیش گراٹز وی آنا کو فتح کرتا ہے ۔ کریم سیر کی مجلس ملکی شیوازن برگ وزیر ۔ فرڈی نینڈ کی دست برداری کریم سیر کی مجلس کا انفساخ "منشور وحدت ومساوات" ہنگری ۔ ٹرین سلونیہ سے روانی ۔ آسٹروی سپاہ کا قبضہ پیسٹ پر ۔ ڈبرک زین میں ہنگری حکومت ۔ اہل آسٹریہ کا اخراج ہنگری سے ۔ ہنگری کی آزادی کا اعلان ۔ روس کی مداخلت ۔ ہنگری کے معرکے موسم گرما میں ۔ ولاگوس کی قبول اطاعت ۔ اطالیہ ۔ روسی کا قتل ٹسکنی ۔ لمبارڈی میں ماہ مارچ کے معرکے ۔ نووارا ۔ چارلس البرٹ کی بادشاہی سے دست برداری ۔ وکٹر امان ول ۔ ٹسکنی میں بادشاہی کی بحالی ۔ فرانس کی مداخلت رومہ میں ۔ اودی نو کی شکست ۔ اودی نو واپسیپ ۔ فرانسیسوں کا داخلہ رومہ میں ۔ بحال شدہ پاپائی حکومت سقوط وینس ۔ فرڈی نینڈ صقالیہ کو دوبارہ فتح کرتا ہے ۔ حالات جرمانیہ ۔ فرنک فرٹ کی قومی مجلس ۔ مالٹو کی ہنگامی صلح ۔ برلن اپریل سے ستمبر تک ۔ پروشیہ کی فوج ۔ پروشیہ کی ملکی مجلس کے آخری ایام ۔ پروشیہ

بروئے منشور۔ آئین عطا ہوتا ہے۔ جرمانیہ کی قومی مجلس۔ اور آسٹریہ۔ فریڈرک ولیم چہارم کا انتخاب بادشاہی پر وہ تاج پہننے سے انکار کرتا ہے مجلس قومی کا خاتمہ۔ پروشیہ کی کوشش ایک جداگانہ اتحاد کے لئے۔ ارفرٹ کی مجلس متحدہ۔ آسٹریا کی کارروائی۔ مسیحی ایل۔ فرینک فرٹ کی مجلس متحدہ کی بحالی۔ اول موٹز۔ شیلس وگ ہولسٹین۔ جرمانیہ ۱۸۴۹ء کے بعد۔ آسٹریہ ۱۸۵۱ء کے بعد۔ فرانس ۱۸۴۸ء کے بعد۔ لوئی نپولین پیغام اکتوبر۔ حقوق رائے کی حدبندی کا قانون۔ لوئی نپولین اور فوج۔ آئین کی مجوزہ ترمیم۔ ناگہانی انقلاب۔ نپولین ثالث کا اعلان بادشاہی۔

باب سوم

(از صفحہ ۱۴۸ تا ۲۰۱)

ذیلی عنوان: انگلستان و فرانس ۱۸۵۱ء میں۔ روس بعہد نکولاس میں ہنگری کے پناہ گزیں۔ مقامات مقدس پر روس و فرانس کا جھگڑا۔ نکولاس اور سفیر برطانیہ لارڈ اسٹریٹ فورڈ ڈی رڈ کلف۔ منشیکوف کی سفارت۔ روسی افواج ولایات ڈینیوب میں داخل ہوتی ہیں۔ لارڈ ابرڈین کی مجلس وزرا۔ بیڑے کا حرکت میں آنا۔ وی آنا والی یادداشت۔ بیڑے کا دردانیال سے گزرنا۔ ترکی بیڑے کی بربادی۔ اسنوپ پر۔ اعلان جنگ۔ آسٹریا کا طرز عمل۔ پروشیہ کا طرز عمل۔ مغربی سلطنتیں اور اتحاد یورپ۔ سلسٹریا محاصرہ ولایات کا تخلیہ۔ مغربی سلطنتوں کے دیگر مقاصد۔ کریمیہ پر فوج کشی۔ جنگ الما۔ حرکت جناحی۔ بالاکلاوا۔ انکرمین۔ کریمیہ میں موسم سرما۔ نکولاس کی وفات وی آنا کی مجلس مشاورت۔ آسٹریہ۔ محاصرے کے حالات۔ نپولین ثالث کے ارادے۔ کان روبر اور پلیسیئر۔ ناکام حملہ۔ جنگ تشرنایا۔ تسخیر مالاکوف۔ سقوط سیاستوپول سقوط قارص۔ صلح کی گفتگو۔ مشاورۂ پیرس۔ صلح نامہ پیرس۔

ولایات ڈینیوب سلطنت عثمانیہ میں نااتفاقی چلی جاتی ہے۔ صلح نامہ پیرس کی نظر ثانی سنہ ۱۸۷۱ء میں۔

باب چہارم

(از صفحہ ۲۰۲ تا ۲۵۴)

پیڈمونٹ سنہ ۱۸۴۹ء کے بعد۔ ازیگ لیو کی وزارت۔ کاوور صدر اعظم مقرر ہوتا ہے۔ کاوور کے ارادے۔ جنگ کریمیہ کے متعلق اس کی حکمت عملی۔ اس کا حصہ مشاورۂ پیرس میں۔ کاوور اور نپولین ثالث۔ پلوم بیر کی ملاقات۔ اطالیہ میں طیاریاں۔ معاہدہ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء۔ ثالثی کی کوشش۔ آسٹریا کا پیام جنگ۔ سنہ ۱۸۵۹ء کے معرکے۔ ماگنتا۔ وسط اطالیہ کی کیفیت سولفرینو۔ نپولین اور پروشیہ۔ ولافرانکا کی ملاقات۔ مجوزہ مجلس۔ پاپا اور مجلس ملکی۔ کاوور دوبارہ عہدہ قبول کرتا ہے۔ کاوور اور نپولین۔ روماناا اور ریاستوں کا الحاق پیڈمونٹ میں۔ سیوائے اور نیس فرانس کو دیئے جاتے ہیں۔ اس بازگزاشت پر کاوور کی رائے۔ ممالک یورپ کے خیالات۔ نیپلز۔ صقالیہ گیری بالڈی مارسالا میں لنگر ڈالتا ہے۔ تسخیر پالرمو۔ نیپلز والے صقالیہ کو خالی کر دیتے ہیں کاوور اور جنگجو فرقہ۔ کاوور کا طرز عمل نیپلز کے بارے میں۔ گیری بالڈی اندرون اطالیہ میں۔ پرسانو اور ولا مارینا نیپلز میں۔ گیری بالڈی نیپلز میں۔ پیڈمونٹ کی فوج امبریا اور ''مارچیز'' کے علاقہ میں داخل ہوتی ہے۔ سقوط انکونا۔ گیری بالڈی اور کاوور۔ فوج کا ولٹرنو کے کنارے پہنچنا۔ سقوط گیتا۔ کاوور کی حکومت عملی رومہ اور وینس کے متعلق۔ کاوور کی وفات۔ آزاد ریاست کا آزاد کلیسا۔

باب پنجم

(از صفحہ ۲۵۵ تا ۳۲۷)

جرمانیہ سنہ ۱۸۵۸ء کے بعد۔ پروشیہ میں زمانہ اتالیقی۔ فوج کی تنظیم۔ شاہ ولیم اول

بادشاہ اور مجلس کا مناقشہ۔ بسمارک۔ نزاع جاری رہتی ہے۔ آسٹریہ ۱۸۵۹ء
سے۔ سند شاہی مجریہ ماہ اکتوبر۔ ہنگری کا مقابلہ "ریشرات"، روس، الگزنڈر ثانی
کے عہد میں۔ زرعی غلاموں (سرفوں) کی رستگاری۔ پولینڈ ۱۸۶۳ء کی بغاوت۔
زرعی قوانین، پولینڈ میں۔ شلیسوگ ہولسٹائن۔ فریڈرک ہفتم کی وفات۔
بسمارک کے منصوبے۔ شلیسوگ کے معرکے۔ مشاورۂ لنڈن۔ معاہدۂ ویانا۔
انگلستان اور نپولین ثالث۔ پروشیہ اور آسٹریہ۔ اقرار نامہ گاسٹین۔ اطالیہ۔
پروشیہ اور اطالیہ کا اتحاد۔ بزم شوریٰ کی تجاویز ناکام رہتی ہیں۔ محاربہ آسٹریہ
و پروشیہ۔ نپولین ثالث۔ کونگ گراٹز۔ کستوتزا۔ نپولین کی ثالثی۔ عہد نامہ پراگ۔
جنوبی جرمانیہ۔ فرانس کو معاوضہ دینے کی تجویزیں۔ آسٹریہ اور ہنگری۔ ڈیاک۔
آسٹریہ ہنگری میں ثنوی نظام حکومت۔

باب ششم

(از صفحہ ۳۲۸ تا ۳۹۱)

نپولین ثالث۔ مہم میکسیکو۔ فرانسیسیوں کی پسپائی اور میک سی می لیان کا مارا جانا۔
لکسمبرگ کا مسئلہ۔ فرانس کی پروشیہ سے برہمی۔ آسٹریہ۔ اطالیہ۔ مین تانا۔ جرمانیہ ۱۸۶۶ء
کے بعد۔ تخت ہسپانیہ کے ہوہن زولرن خاندان کے شہزادے لیوپولڈ کی امیدواری۔
فرانسیسی بیان۔ بین دتی اور شاہ ولیم۔ لیوپولڈ کی مراجعت اور ضمانت طلبی۔ ایمس کا
تار۔ جنگ۔ فرانس کے متوقع حلیف۔ آسٹریہ۔ اطالیہ۔ پروشیہ کے منصوبے۔
فرانسیسی سپاہ۔ فرانس کمتری کے اسباب۔ ویزن برگ۔ وورٹ اسپی کرن۔ بورنی۔
مارلانور۔ گریولوت۔ سیدان۔ پیرس میں جمہوریت کا اعلان۔ فاروے اور
بسمارک۔ محاصرۂ پیرس۔ گان بیتا کا ورود تور میں۔ لوار کی فوج۔ سقوط میٹز۔ اور
لیان کی لڑائی۔ شامپینی کے محصورین کی تاخت۔ اضلاع شمال، لوار اور مشرق
کی فوجیں۔ بورباکی تباہی۔ پیرس کی قبول اطاعت اور ہنگامی صلح۔ مبادیات صلح۔

جرمانیہ۔ سلطنت جرمانیہ کی تاسیس۔ بلدیۂ پیرس دوسرا محاصرہ۔ جنگ کے اثرات روس واطالیہ پر۔ رومہ۔

باب ہفتم

(از صفحہ ۳۹۲ تا ۴۲۱)

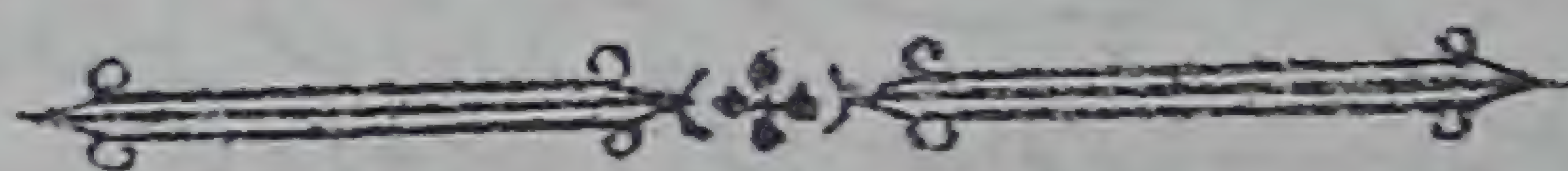
ذیلی عنوان :۔ فرانس سنہ ۱۸۷۱ء کے بعد۔ سلاطین ثلاثہ کا پیمان مودت۔ ہرزی گودینہ کی بغاوت۔ اندراسی کی یادداشت۔ سالونیکا میں قنصلوں کا قتل۔ برلن کی یادداشت۔ انگلستان کا اختلاف۔ سلطان عبدالعزیز کا خلع۔ بلغاریہ کے قتل عام۔ سرویہ اور جبل اسود کا اعلان جنگ۔ اہل انگلستان کی رائے۔ ڈزرائیلی۔ بادشاہوں کی ملاقات رکیس ٹیڈٹ میں۔ محاربہ سرویہ۔ زار کا اعلان۔ استنبول کا مشاورہ۔ اس کی ناکامی۔ اقرارنامۂ لندن۔ روس کا اعلان جنگ بلقان میں پیشقدمی۔ عثمان پاشا پلونا میں۔ پلونا میں دوسری یورش۔ درہ شپکا۔ رومانیہ۔ پلونا پر تیسری یورش۔ ٹوڈل بن۔ سقوط پلونا۔ بلقان سے عبور۔ متارکۂ جنگ۔ انگلستان۔ دردانیال میں بیڑے کا داخل ہونا۔ عہدنامہ سان ستی فانو۔ انگلستان وروس۔ خفیہ قرارداد۔ ترکی سے اقرارنامہ۔ موتمر برلن۔ عہدنامہ برلن۔ بلغاریہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یورپ کا عصر جدید

جلد سوم

باب اوّل



ذیلی عنوان:- یورپ کی کیفیت ۱۸۱۵ء اور ۱۸۴۸ء میں - پیرس کے انقلاب سے ماقبل اور مابعد کی شورش، مغربی جرمانیہ میں - اسٹریہ اور ہنگری - ماہِ مارچ کا انقلاب وی آنا میں - میٹرنش کی فراری ہنگری کی مجلس اضلاع - ہنگری کا استحصال آزادی - بوہمیہ کی تحریک - مقامی آزادی کا وعدہ بوہمیہ سے - لمبارڈی میں ہنگامہ - وینس میں ایضاً پیڈمونٹ کی جنگ اسٹریہ سے - تمام اطالیہ کے اسٹریہ سے جنگ کرنے کے آثار - ایام مارچ برلن میں - فریڈرک ولیم رابع - قومی مجلس کا اقرار - شلیس وگ وسٹیسن - ہولسٹین میں بغاوت - جرمانیہ اور ڈنمارک کی جنگ - جرمنوں کی مجلس ملکی کا پیش خیمہ - جمہوریت پسندوں کی سرکشی بیڈن میں - جرمانیہ کی قومی مجلس کا انعقاد فرینک فرٹ میں - یورپ کی عام حالت مارچ ۱۸۴۸ء میں - فرانس کی ہنگامی حکومت - قومی کارخانے - حکومت اور سرخ پوش جمہوریئین پسند - فرانس کی ملکی مجلس ۱۵ مئی کا بلوہ - قومی کارخانوں کے خلاف کارروائیاں - جون کے "چہار روز"

باب

سکے دوسے ناک۔ لوئی نپولین۔ اس کا انتخاب مجلس میں۔ انتخاب صدارت پر

سنہ ۱۸۴۲ء میں لوئی فلیپ یا میٹرنش کے سوا بہت کم ایسے مدبر زندہ تھے جنھیں انقلاب فرانس کا بپا ہونا یاد ہو۔ یہ معدودے چند افراد جن کی نظر ساٹھ برس پہلے کے واقعات تک پہنچ سکتی تھی، اس بات کا مقابلہ کر سکتے تھے کہ ہر حملہ جو فرانس میں حکومت وقت پر ہوا، اس کا یورپ کے دوسرے ملکوں پر کیا اثر ہوا اور اسی کو پیش نظر رکھکر اُنہیں اس تغیر کا اندازہ ہو سکتا تھا جو ایک ہی پُشت میں براعظم یورپ کی سیاسی فضا میں رونما ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۷۸۹ء کے انقلاب نے فرانس کے ہمسایہ ملکوں کے باشندوں میں بڑا ہیجان پیدا کیا لیکن فرانس کے باہر کسی بڑے پیمانے پر عام باشندوں میں کبھی کوئی ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں چارلس دہم کا اخراج ہوا تو اسی سلسلے میں اطالیہ میں، پھر پولینڈ اور بلجیم میں ملکی بغاوتیں ہوئیں اور شمالی جرمنی کی چھوٹی ریاستوں میں آئینی حکومت کیلئے کشمکش ہونے لگی۔ اور اب دوسری مرتبہ لوئی فلیپ سنہ ۱۸۴۸ء میں سرنگوں ہوا تو سارے وسطی یورپ میں بھونچال سا آگیا۔ دریائے رائن کے صوبوں سے لے کر سلطنت عثمانیہ کی سرحدوں تک سوئیٹزرلینڈ کی جمہوریت کے سوا کوئی حکومت ایسی نہ تھی جو خطرے میں نہ پڑ گئی ہو۔ کوئی قوم ایسی نہ تھی جو کم و بیش اپنی پوری آزادی کا دعویٰ نہ منوانا چاہتی ہو۔ وہ آبادیاں جن کے خواب گراں میں عہد نپولین کے دھماکے بھی خلل نہ ڈال سکے تھے، آج انہی ولولوں سے بیتاب تھیں جنھیں اطالیہ اور جرمنی میں سنہ ۱۸۱۵ء سے لے کر اب تک استبداد و مطلق العنانی کی کوئی سختی بھی پوری طرح فرو نہیں کر سکی تھی۔ سیاسی ہل چل کا دائرہ برابر وسیع ہوتا گیا اور یہاں بے حسی یا کسی دور کے بادشاہ کے ساتھ بہت قدیم عقیدت مندی نے لوگوں کو ایسا پنبہ بگوش رکھا تھا کہ مدتوں تک عہد جدید کی کوئی صدا اُن کے کان میں نہ جا سکی، وہاں بھی اب ہر طرف اضطراب و اضطراب کی کیفیت اور قوم کے عہد اقتدار کے آغاز ہونے کی تمنائیں تھیں۔ یہ حال خاص کر سلطنت آسٹریہ کی باجگذار اسلافی قوموں کا تھا، جو انیسویں صدی کے ابتدائی سنین تک بالکل گونگی تھیں۔ لیکن اب اِن میں بھی حب وطن کی روح سرایت کرنے لگی اور وہ خود اختیاری

یورپ کی کیفیت سنہ ۱۷۸۹ء اور سنہ ۱۸۴۸ء میں۔

حکومت طلب کر رہی تھیں۔ واضح رہے کہ گو قومی آزادی، اور آئینی آزادی دو جداگانہ چیزیں ہیں لیکن یورپ کے بہت بڑے حصے میں ۱۸۴۸ء تک ان کے عمل کو ایک ہی شے خیال کیا جاتا تھا اسی لئے اگر کوئی شخص گمان کرے کہ ممالک یورپ میں جو ہنگامے اس زمانے میں ہوئے وہ صرف وسیع پیمانے پر اسی نوعیت کے جمہوری ہنگامے تھے جیسے پیرس میں ہوتے رہے، تو اس کا نقطۂ نظر غلط ہوگا اور وہ واقعات کو ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھ سکے گا۔ کیونکہ فی الواقع ۱۸۴۸ء میں یورپ والے شخصی یا امیرانہ نظام حکومت کے بدلے محض مقبول عوام حکومت ہی کے طلبگار نہ تھے بلکہ ان کا مقصود کچھ زیادہ تھا۔ ملک کو قومی بنانے کی کوشش، لوگوں کے حقوق میں محض اضافہ یا مساوات کی کوشش کی نسبت یقیناً زیادہ وسیع اغراض و مقاصد کی حامل تھی۔ اسی اصول قومیت کی تحریک کو سمجھنے کے بعد ہم اس عہد کے ان رجحانوں کا ٹھیک مطلب سمجھ سکتے ہیں جو بادی النظر میں ایک دوسرے کے متضاد دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ جرمنی میں تو ایک قوم کئی حکومتوں میں منقسم تھی لہذا وہاں کی قومی امنگ وحدت و اتحاد کی طرف لے جا رہی تھی آسٹریہ میں کئی مختلف قومیں واحد فرماں روا کے ماتحت شیرازہ بند تھیں۔ لہذا وہاں کی قومی امنگ کا تقاضا علیحدگی اور خودمختاری تھا۔ ان دونوں ملکوں میں ۱۸۴۸ء کی جدوجہد ناکام رہی۔ اور اسی طرح اطالیہ میں، جہاں اجانب کا تسلط اور گھر والوں کی مطلق العنانی ایک دوسرے کے ساتھ عجیب طور پر وابستہ ہو گئے تھے۔ لیکن وہ مسائل نزاعی جنھوں نے یورپ میں ہل چل ڈال رکھی تھی عرصے تک نظرانداز نہیں کئے جا سکتے تھے اور انہی کے تصفیے نے آیندہ پچیس برس کو یورپ کی تاریخ میں مشہور و یادگار زمانہ بنا دیا ہے۔ جرمنی اور اطالیہ میں تو یہ تصفیہ کامل ہوا مگر آسٹریہ کے معاملے میں جزوی اور ہنگامی رہا۔

مغربی جرمانیہ کی شورش

خاندان اورلیون کی بادشاہی کے ایکا ایکی نابود ہو جانے اور پیرس میں جمہوریت کے اعلان نے رائن پار کی حکومتوں کو بہت منغض کیا۔ ان کی اپنی مشکلات میں پہلے ہی اضافہ ہو رہا تھا اور رعایا کی مخالفت روز بروز سخت اور زیادہ بیباکانہ ہوتی جاتی تھی۔ ۱۸۴۷ء کے موسم خزاں میں آزاد خیال مبعوثین کا جلسہ ہوا اور اس میں متحدہ ریاستوں کے آئین کی اصلاح اور ایک

باب ۱

"جرمن پارلیمنٹ" قائم کئے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک جمہوریت طلب یا انقلاب پسند فریق بھی موجود تھا۔ اس کی تعداد قلیل تھی مگر وہ نہایت تند مزاج اور دریدہ دہن تھا۔ اس کے مقاصد سب پر آشکار اور اخباروں میں اس کے چند مسلمہ وکیل تھے۔ جونہی پیرس کے انقلاب کی خبر فرانس کی سرحد سے پار ہوئی، جرمنی کی چھوٹی ریاستوں میں اصلاح کا شور ایسا مچا کہ اسے فرو کرنا محال ہو گیا۔ ہر جگہ وزیروں نے استعفے داخل کر دئے۔ عوام کے مطالبات تسلیم کر لئے گئے اور ان اشخاص کو عہدوں پر مقرر کیا گیا جو اخباروں کی آزادی، جوری سے مقدمات اور متحدہ آئین کی اصلاح کے لئے جد و جہد میں حصہ لیتے رہے تھے۔ مجلس ریاست ہائے متحدہ یعنی فیڈرلی ڈائیٹ اس تمام مدت میں استبداد کا آلہ کار بنی رہی تھی لیکن اب زمانے کے آگے اس کا سر بھی جھک گیا اور اس نے احتسابی قوانین منسوخ کر کے ریاستوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے وکلائے خصوصی کو فرینکفرٹ بھیجیں کہ جرمنی کی تنظیم جدید پر بحث و گفتگو کی جائے۔ مگر اصل یہ ہے کہ حکومت اور اس کے مخالفوں کی کشتی کا فیصلہ فرینکفرٹ یا چھوٹے پایتختوں میں ہونا نہ تھا بلکہ انقلاب کے جذبات نے استبداد کے حصن حصین اور مقدس خانقاہ، یعنی خود وہی اینا پر یورش کی جہاں سے یورپ کے ہر حصے کے لئے صدہا فتاوی آزادی کے خلاف نافذ ہوتے رہے تھے۔ وہاں کا صاف مطلع بھی تاریک ہو گیا اور میٹرنش آنے والے طوفان کے مقابلے میں بے دست و پا رہ گیا۔

آسٹریہ۔ آسٹریہ کے پایۂ تخت میں ۱۸۴۸ء تک سیاسی زندگی ایسی مفقود و بے نشان تھی کہ جب یکایک سب کے دلوں میں یہ اذعان وارد ہوا کہ قدیم نظام کسی طرح سلامت نہیں رہ سکتا، تو اس وقت حکومت کا سامنا کرنے کے لئے نہ سیاسی سرگروہ تھے نہ اصلاح کی ایسی تجاویز جن کو لوگوں کی معقول تعداد تسلیم کر چکی ہو۔ لوگوں کی بے اطمینانی کا اظہار سب سے اوّل کیا تو مجلس تجار اور بعض ادبی انجمنوں کے محضروں نے۔ اور وہ بھی مطالب کے اعتبار سے مبہم تھے اور لب و لہجہ میں ذرا بھی درشتی نہ رکھتے تھے۔ البتہ جب ہنگری کی مجلس کے ایوان زیریں نے ۳ مارچ کو بعض قرار دادیں منظور کیں اور ان الفاظ کی جن میں یہ

باب (۱) قرار دادیں کوسوت نے منوائی تھیں، اطلاع ملی تو پایۂ تخت میں بھی شدت کا رنگ آگیا۔ کیونکہ اس لگیار (= مجاری) سرگروہ (کوسوت) نے ضبط و آداب کو بالائے طاق رکھکر صاف صاف سنا دیا تھا کہ خاندان شاہی کی خیر اسی میں ہے کہ وہ ہنگری میں خود ارکان مجلس سے وزرا کا تقرر کرے جو مقامی مجلس اضلاع کے سامنے جواب دہ ہوں اور نیز تمام ممالک محروسہ میں آئینی حکومت قائم کردی جائے۔ وہ پکارا کہ "یہ زہر بھری ہوا جو آہستہ آہستہ ہمارے اوپر آکر چھاتی اور ہمارے اعصاب کو مفلوج و معطل کرتی ہے اور جب کبھی ہم اڑنا چاہتے ہیں، تو ہم کو بےکل کردیتی ہے، نظام دہی آنا ہی کے مرگھٹ سے نکلتی ہے۔ پس جب تک دوسرے صوبوں میں حکومت کا وہ طریقہ جو ہر آئینی اصول کی کھلی ہوئی ضد ہے، جاری ہے اس وقت تک ہنگری کا مستقبل کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہمارا مقصد عظمیٰ یہ ہے کہ آئندہ فوز و فلاح کی بنیاد آسٹریہ کی تمام قوموں کے بھائی چارے پر رکھی جائے اور اس اتحاد کی بجائے جو کوتوالی اور سنگین کے زور سے قائم ہے آزاد آئین کا رشتہ پائیدار ہمیں شیرازہ بند رکھے"۔ غرض، جب ہنگری کی مجلس اس طرح تمام سلطنت کے واسطے سینہ سپر ہو رہی تھی تو پھر وی انیا کے باشندے اپنے مطالبات میں کسی سے دب کے رہنے والے نہ تھے چنانچہ پوری سلطنت کے واسطے آئین جاری کرنے کا خیال عام طور پر لوگوں نے مان لیا اور تجویز ہوئی کہ اسی مطلب کی ایک عرضداشت بادشاہ کی خدمت میں مشرقی اسٹریہ کی مجلس طبقات کی طرف سے پیش کی جائے جس کا اجلاس اتفاق سے ۱۳ مارچ کو ہونا قرار پایا تھا۔ مگر اس عرصے میں قومی خدمت کا سہرا طلبہ کے سر رہا اور سارے شہر میں غلغلہ سا برپا ہوگیا۔ ایک افواہ یہ پھیلی کہ سلطنت دوالیہ ہوگئی اور سرکاری سکہ قرطاس (= نوٹ) ادا کرنے سے انکار کرنا چاہتی ہے، جس سے ہر کہ ومہ یہ سمجھنے لگا کہ کوئی سخت مصیبت ملک پر آنے والی ہے[1]۔

---

[1] میٹرنش، ہفتم ۳۳۵ و ۴۰۳ - وٹزتون، "پریس انڈ ڈمیں" (۱۸۴۳ء تا ۱۸۶۲ء) صفحہ ۰، کوسوت: "ورک" (۱۸۸۵ء)، جلد دوم صفحہ ۰، پیلرس ڈورف، "رک طیک" ۲۴ - رشور (Das Jah)

باب (۱)

وی آنا میں انقلاب مارچ

مشرقی اسٹریا کی مجالس طبقات ایسی کس مپرسی میں پڑی تھیں کہ معمولاً ان کے کسی جلسے اور کارروائی کی شہر والوں کو خبر بھی مشکل سے ہوا کرتی تھی۔ لیکن محض اس اتفاق نے کہ ان کا اجلاس عین اس کشاکش کے موقع پر ہونے والا تھا، انھیں ایک بہ ایک بہت باوقعت بنا دیا اور یقین کیا جانے لگا کہ فیصلے کی بات اسی مجلس کے مباحثوں میں ہوگی۔ پس ۱۳ مارچ کی صبح کو لوگوں کا مجمع یہ مجمع طالب علموں کی سرگردگی میں، ایوان مجلس کے چاروں طرف آن آن کے مجتمع ہوگیا۔ پھر ادھر تو مجلس کے اندر بحث ہو رہی تھی اور ادھر مجلس کے باہر بازاری خطیب کھڑے مجمع کو مشتعل کر رہے تھے۔ ہنگامہ بڑھتا جاتا تھا کہ آخرکار ایوان مجلس کے ایک دریچے سے ایک پرچہ نیچے پھینکا گیا جس میں لکھا تھا کہ مجلس صرف ایک حد تک توحی تجاویز تسلیم کرنے پر مائل ہے۔ یہ سننا تھا کہ مجمع سے ایک شور اٹھا اور خود ایوان مجلس پر حملہ کیا گیا پھر مجلس کے سربرآوردہ ارکان مجبور کئے گئے کہ ایک وفد کے سرگروہ بنیں جو لوگوں کے مطالبات منوانے کی غرض سے قصر شاہی کی طرف روانہ ہوا۔ مگر شہنشاہ جو کسی وقت بھی معاملات پر غور و خوض کرنے کے لائق نہ تھا، اس وقت اور آیندہ دو دن تک سامنے نہیں آیا۔ میٹرنش اور سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داروں میں جو شوریٰ کے واسطے جمع تھے، وفد سے ملاقات کی۔ اس عرصے میں بازاروں میں مجمع زیادہ کثیر و مشتعل ہوتا گیا اور مجلس کے ایوان اور نیز جوالی قصر شاہی کی حفاظت کے لئے سپاہی پہنچنے لگے۔ کچھ دیر گڑبڑ مچی رہی پھر فوج کا ایک نیا دستہ آگے بڑھا تو اسے غلطی سے لوگوں نے سمجھا کہ حملہ کر رہا ہے۔ لہذا بلوائیوں نے جو ایوان مجلس پر زبردستی قابض ہو گئے تھے، کھڑکیوں سے سپاہیوں کے سر پر ٹوٹی ہوئی میز کرسیاں پھینکیں۔ اس پر ایک باڑ چلائی گئی جس سے کئی جانیں ضایع ہوئیں۔ گولی چلنے کی آواز سے شہر میں اور بھی زیادہ ہنگامہ برپا ہوا۔ مورچے تیار کئے گئے

تقیہ حاشیہ صفحہ (۵) ،، دستاویزات اول اور ۱۹۱ - سپرنگر: "گشینخٹ اوسٹریک" دوم ۱۸۵ اور، ارانی وکانٹ سیلین "انقلاب ہنگری" اول ۱۲۸ تا

جانے لگے اور عوام کی سپاہیوں سے دست بدست جنگ ہوئی۔ شام ہوتے، وفد پہ وفد قصر شاہی میں پلا پڑتا تھا کہ حکام سے مطالبات مان لینے پر اصرار کرے۔ اس وقت تک حکام میں میٹرنش اس شورش و سرکشی کو معمولی سمجھنے میں قریب قریب تنہا رہ گیا تھا، آخر کار وہ بھی رضامند ہو گیا کہ اصلاح کی بعض معین تجاویز قبول کرا جائیں وہ برابر کے کمرے میں اس غرض سے ہٹ گیا تھا کہ اخباروں پر سے قیود ہٹا دینے کے حکم کا مسودہ تیار کرے کہ اس کی عدم موجودگی میں اہل وفود نے جو ایوان شوریٰ میں آبھرے تھے، ایک آواز بلند کی کہ "لینا میٹرنش گویا" یہ مسن مدبر اپنی جگہ پر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس کے سارے ہمصفیر ساتھ چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے بعض خاندان شاہی کے افراد تو مدت سے اس کے مخالف تھے اور بعض وہ تھے جو مُصر تھے کہ وقت ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے مراعات کر دینی چاہئیں مگر میٹرنش نے ان کی صلاح نہ مانی تھی۔ اب اس کو نظر آ گیا کہ اس کے اقتدار کا دور گزر گیا۔ پس اسی رعب و داب اور ضبط و خودداری کے ساتھ جو عہد عروج میں اس کی صفت تھی، اس نے چند لفظ کہے اور اپنا استعفیٰ بادشاہ کے حوالے کرنے کی غرض سے واپس چلا گیا۔

انتالیس برس تک میٹرنش کچھ اس طرح آسٹریہ کا مجسم نظام حکومت بنا رہا تھا کہ اس کے عزل سے معلوم ہوتا تھا کہ اس پورے نظام حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

میٹرنش کی فراری۔ | پایۂ تخت میں ہنگامہ تو محض اس کے استعفیٰ کی خبر ہی سے دب گیا تھا لیکن لوگوں کو اس نے اپنا ایسا دشمن بنا لیا تھا کہ اس کا معاندین کی دسترس میں ہونا خدشے سے خالی نہ تھا پس ۱۳۔ مارچ کی رات کو ایک وفادار معتمد نے وہی اپنا پہنچا دیا اور چند روز وہاں مخفی رہنے کے بعد وہ سیکسنی کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ اس کی ہجرت خاصی طویل ثابت ہوئی لیکن شاید کسی نے اپنی جلاوطنی کو اس بشاشت سے نہ گزارا ہو گا اور شاید ہی کسی کو یہ کامل تسکین اتنی موجب انبساط نہ ہوئی ہو گی جتنی میٹرنش کو، کہ جب دنیا نے اپنے ایک ہی عاقل و فرزانہ اور سچے مدبر کو گھر سے نکالا تو اس کا کیسا خمیازہ بھگتا اور کیا کیا مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ ممالک یورپ کی حکومتوں میں جو ہل چل اور بھاگڑ مچی ہوئی تھی اسی کے سلسلے میں

باب (۱) میٹرنش بھی برطانیہ آیا جو اس وقت بھی ویسا ہی محفوظ ملک تھا جیسا پچپن برس پہلے جب وہ پہلی دفعہ یہاں آیا تھا۔ ڈیوک آف ولنگٹن اور اعلیٰ طبقے کے سربرآوردہ افراد نے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور جب لندن کا موسم آخر ہوا تو وہ اپنے جنوبی وطن کی ہوا کبھی اور دھوپ کی تلاش میں برائی ٹن آیا اور یہاں دونوں چیزیں اسے میسر آئیں۔¹

وی آنا کے ان واقعات کا سبب ایک حد تک ہنگری کی مجلس اضلاع میں کوسوت کی سرگرمی ہوئی تھی مگر اب خود وی آنا کے ہنگامے سے ہنگری کی قومی تحریک کو انتہا درجے کی قوت پہنچنے کی نوبت آئی۔ ۱۳ مارچ تک وہاں کے دارالعمائد نے مجلس ماتحت کی اس قرارداد کو کہ انتظامی حکومت قوم کے ہاتھ میں آئے، منظور کرنے ہنگری کی مجلس اضلاع میں تامل کیا تھا۔ لیکن ۱۳ مارچ کے بعد بغیر مخالف رائے کے اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا اور ۱۵ تاریخ کو ایک وفد وی آنا بھیجا گیا کہ بادشاہ کے حضور میں ایک عرضداشت پیش کرے جس میں دستوری وزارت قائم کرنے کے ماسوا یہ استدعا بھی تھی کہ اخباروں کو آزادی، اور مذاہب کو مساوات دی جائے، مقدمات کا

¹ ودمیٹرنش "ہشتم"، ۱۸۱۔ انگریزی معاشرت کے ہر پہلو پر میٹرنش نے جس جوش و شوق سے رائے زنی کی ہے وہ قابلِ تعجب ہے۔ انگلستان سے وہ برسلز میں ٹھہرتا ہوا اپنی جوہانس برگ کی جاگیر میں آیا اور پھر ۱۸۵۲ء میں واپس وی آنا پہنچ گیا جہاں اسے سابقہ عہدہ تو نہیں ملا مگر طبقۂ اعلیٰ میں وہی قدر و منزلت حاصل ہو گئی جو پہلے تھی۔ جنگ کریمیہ کے زمانہ میں وہ زندہ تھا اور اس جنگ کے متعلق متعدد یادداشتیں اس نے تحریر کی ہیں اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کس کے لئے لکھی گئی تھیں۔ ۱۸۵۹ء میں فرانس سے جنگ چھڑنے تک ہم اسے قلم فرسائی میں مصروف پاتے ہیں۔ وہ جنگ ماگنٹا کی خبر سننے تک زندہ رہا گو یہ صدمہ اٹھانا اس کے نصیب میں نہ تھا کہ اطالیہ میں مستقل بادشاہی کا قیام اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔ اس نے ۱۱ جون ۱۸۵۹ء کو ستاشی برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موتمر وی آنا کے شرکا میں سے فقط میٹرنش ہی ایسا مدبر نہ تھا جو خاندان نپولین کے دوسرے دور بادشاہی تک جیتا رہا بلکہ روسی وزیر خزانہ نسل رود ۱۸۶۲ء تک اور رازوموسکی جو جنگ آسٹرلٹز کے وقت روس کا وزیر خارجہ تھا ۱۸۶۱ء تک زندہ تھے۔

فیصلہ جوری کے ذریعے ہوا اور قومی تعلیم کا انتظام مرتب کیا جائے۔ اس وفد کے وی اینا پہنچنے تک وہاں کی حکومت باضابطہ یہ اعلان کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی کہ وہ ساری سلطنت میں آئینی حکومت قائم کرنے کا عام مطالبہ تسلیم کرتی ہے۔ اہل ہنگری کا وی اینا کے بازاروں میں دھوم سے استقبال ہوا اور دوسرے دن خود شہنشاہ نے انھیں شرف باریابی عطا فرمایا اور ان کی عرضداشت کے مطالب پر اجمالی رضامندی ظاہر کی۔ وفد پریس برگ میں واپس آیا اور "پلاتین" یعنی ہنگری میں بادشاہ کے نائب (امیر الاعلیٰ اسٹیفن) نے بلا تاخیر ایک نہایت ہر دلعزیز امیر کاونٹ باتھیانی کو بلا کر قومی وزارت کی ترتیب اس کے تفویض کی۔

یہاں تک تو مجلس اضلاع، ہنگری کی قومی تحریک میں سب سے آگے تھی لیکن پست میں انقلاب پسندوں نے جو نظام تیار کیا اس کے مقابلے میں وہ بالکل گرد ہو گئی کیونکہ پست میں مگیاری نسل کا جوش اور جب قومی اپنی اصلی آن بان کے ساتھ ظاہر ہوا یہاں پریس برگ کے اہل تدبر کی جو نشیب و فراز زمانہ دیکھے ہوئے تھے مصلحت بینی کی آمیزش تھی نہ وہ اسباب حائل تھے جو دربارِ شاہی کے حوالی میں لامحالہ اپنا اثر ڈالتے رہتے ہیں۔ غرض پست میں جو شورش بپا ہوئی اس میں جمہوریت کے ساتھ ساتھ قومیت کی وہ حرارت بھری تھی کہ لوگوں نے مصلحت اور حکومت آسٹریہ کا سب پاس و لحاظ، جو مجلس اضلاع کو متاثر کرتا تھا، الگ اٹھا کے پھینک دیا۔ اس شہر کا سچا نمایندہ کوسوت تھا۔ اب اس کی بن آئی اس کے اشارے سے مجلس نے ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے مرکزی حکومت کے وہ سب محکمے جن کے ذریعے دربار آسٹریہ ہنگری کے ملکی معاملات پر حکمرانی کرتا تھا، منسوخ کر دیے گئے۔ وزیروں کی ایک فہرست پیش ہوئی اور منظور کر لی گئی جس میں نہ صرف وہ وزیر تھے جن کی مقامی کاروبار کے واسطے ضرورت ہوتی بلکہ صیغۂ جنگ، مالیات اور امور خارجہ کے بھی وزیروں کا نام تھا۔ پھر اس غرض سے کہ ساری قوم اپنی جدید حکومت کے گرد مجتمع ہو جائے، مجلس نے ایک جنبش قلم سے کسانوں کو تمام قیود سے جو زمینداروں کی خدمت کے متعلق عائد تھیں، آزاد کر دیا اور انھیں آزاد مالکانِ زمین بنا دیا۔ جاگیرداروں سے اس نقصانِ خدمت کی تلافی یا عوض کی نسبت سوائے اس کے کوئی لفظ نہیں کہا گیا کہ یہ ایک قسم کا قرض حسنہ قوم کے

باب ۱

ذمہ واجب الادا ہے۔

آئندہ چند روز میں یہ سب کارروائیاں جو مجلس ہنگری نے کوسوت کی تحریک سے منظور کی تھیں، تصدیق کے لئے بادشاہ کے پاس وی اینا بھیجی گئیں۔ واضح رہے کہ میٹرنِش کا عزل اگرچہ نہایت اہم تھا لیکن حقیقت میں اس کی علیحدگی سے حکومت آسٹریہ میں وہ فرق نہیں پیدا ہوا جس کی عوام کو توقع تھی۔ جو نئی وزارت وی آینا میں مرتب ہوئی وہ موروثی حکام کے طبقے کے افراد پر مشتمل تھی اور گو اس کے بعض ارکان اپنے پہلے سرگروہ کی نسبت زیادہ آزاد خیال تھے لیکن ان سب کی زندگی اسی قدیم نظام کے رسم و رواج میں بسر ہوئی تھی اور وہ خوشی خوشی کسی انقلاب کا آلہ بن جانے پہ ہرگز مائل نہ تھے۔ ان کو بالکل صاف نظر آتا تھا کہ پریس برگ میں مجلس ہنگری کی کارروائی بجز اس کے کوئی معنی نہیں رکھتی کہ ملک ہنگری کو سلطنت آسٹریہ سے بالکل جدا کر دیا جائے۔ مرکزی حکومت سے جداگانہ محکمۂ جنگ، مالیات اور امور خارجہ کی وزرائیں قائم ہونے سے ہنگری اور آسٹریہ کی دوسری موروثی ریاستوں میں کوئی باہمی تعلق باقی نہ رہ سکتا تھا بجز برائے نام بادشاہ کی ذات کے، جو اتفاق سے ان دنوں محض ایک اپاہج آدمی تھا۔ اس پریشانی اور بے دست و پائی میں میٹرنِش کے جانشینوں نے صلاح مشورے کے لئے ہر طرف نظر دوڑائی۔ ہنگری کا امیر الامرا زور دیتا تھا کہ آسٹریہ کے سامنے صرف تین راستے ہیں:۔ یا تو وہ ہنگری کی شورش کا بزور شمشیر قلع قمع کرنے کی کوشش کرے لیکن اس غرض کے لئے جو فوجیں مل سکتی تھیں انکی تعداد کافی نہ تھی۔ یا وہ ملک سے بالکل قطع تعلق کر لے اور گلیشیہ کی طرح یہاں بھی کسانوں کو جاگیرداروں پر حملہ کرنے اور لڑنے مرنے دے۔ مگر یہ شرافت و دیانت کی حکمت عملی نہ تھی، دوسرے مجلس ہنگری کی کارروائی نے پہلے ہی کسانوں کو وہ سب حقوق دے دیئے تھے جو کسی خانہ جنگی کے ذریعے وہ حاصل کرنا چاہتے۔ پس تیسری اور آخری صورت یہ تھی کہ حکومت سر دست شدنی بات کے آگے سر جھکا دے اور بتھیانی کی وزارت سے صلح کر کے اندر ہی اندر تیاری کرے کہ جب موقع ہاتھ آئے تو پوری قوت کے ساتھ مقاومت کی جا سکے۔ امیر الامرا اسی آخری تدبیر کو اختیار کرنے کی رائے دیتا تھا اور دربار آسٹریہ بھی اسی طرف مائل تو ہوا مگر اس نے

ہنگری کا استحصال آزادی۔

یہ گوارا نہ کیا کہ فریق مقابل کے مزاج کی کچھ اور آزمائش کئے بغیر اسے قبول کرے چنانچہ ایک بادشاہی پروانہ پریس برگ روانہ کیا گیا جس میں اعلان تھا کہ باتھیانی کی وزارت کو بادشاہ نے شرف قبولیت دیا مگر اُن مرکزی محکموں کا جنھیں مجلس نے توڑ دیا ہے، قائم رہنا ضروری ہے لہٰذا ہنگری کے وزیر جنگ اور وزیر مالیات کے فرائض صرف محکمے کے اعلیٰ عہدہ داروں کے سے رہیں گے اور وہ وی آینا کے بالادست حکام کے احکام کے تابع ہوں گے۔ اس جواب کے پہنچنے میں جو تاخیر ہوئی تھی اسی سے پست اور پریس برگ کے قومی سرگروہ متوہّم ہو گئے تھے کہ نتیجہ حسب مُراد نہ ہوگا۔ جب جواب شایع ہوا تو سارا ملک ہتھیار سنبھال کر بغاوت پر تُل گیا۔ باتھیانی نے اُن شرائط پر عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور خود امیر الامرا نے صاف کہہ دیا کہ میرا اب ہنگری میں قیام رکھنا غیر ممکن ہے۔ غرض حکومت اسٹریہ چھیڑ کر کے خود ایسی دہشت زدہ ہوئی کہ اپنے سابقہ احکام کو مسترد کر دیا اور مجلس کی پیش کردہ تجاویز کو تمام و کمال قبول کر لیا۔ البتہ یہ شرط بڑھا دی کہ زمانۂ جنگ میں ہنگری کے باہر فوجوں سے کام لینے اور سپہ سالار مقرر کرنے کا اختیار بادشاہی حکّام کے ہاتھ میں رہے گا۔[1]

اس طرح ریاست ہنگری نے ایک آزاد مملکت کا مرتبہ حاصل کیا اور صرف بادشاہ کی ذات کے وسیلے سے اسٹریہ کے ساتھ اس کا تعلق باقی رہ گیا۔ یہ بہت بڑا، مہتم بالشان تغیر تھا اور اُن لوگوں کی نظر میں نہایت مخدوش و مہلک جو مرکزی حکومت کے سوا اور کسی قسم کے اتحاد حکومت کا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے۔ بایں ہمہ مگیاروں کی اس فتح نے وی آنا کے جرمن آزاد خیالوں میں بجز اطمینان کے اور کوئی ناگواری نہیں پیدا کی۔ استبداد کا سابقہ اور شکست خوردہ نظام اس درجہ تکلیف دہ

بوہیمیہ کی قومی تحریک۔

اور قابل نفرت تھا کہ اس کے دشمنوں کی ہر کامیابی پر خوشی کے شادیانے بجائے جاتے تھے اور ہر کامیابی مقصدِ خیر کی فتح مانی جاتی تھی خواہ اس کے بعید نتائج کچھ ہی کیوں نہ برآمد ہوں حتیٰ کہ ایسے علاقوں میں بھی جہاں بہت مقتدر جرمن

---

[1] آلڈر راسٹائن و۔ آرکو دیز انگلیشن ہنگیرین، اول، ۲۰۔ اریانی و کامسین: اول، ۱۸۴۔ اسپرنگر۔ دوم، ۲۱۹۔

۱۸۴۸ء عنصر موجود ہو، جیسا کہ ہنگری میں نہ تھا، اور اس عنصر کی اغراض کو صوبے والوں کے حقوق دو عادی سے نقصان کا اندیشہ ہو، وہاں کی نسبت بھی حکومت کو امید نہ تھی کہ اگر وہ رعایا کو دبانا چاہے گی تو پائے تخت والے اس کی امداد کریں گے۔ اس کے تجربے کا موقع بھی جلد آگیا۔ یعنی بوہیمیہ کے زیکوں نے مگیاروں کی دیکھا دیکھی وہی راستہ اختیار کیا۔ یورپ کی قوموں میں چک نسیاً منسیا تو ہو چکے تھے مگر ان کی زبان کی بقا کی بدولت اور کہنا چاہئے کہ صرف اسی ایک چیز سے قومی حریت کا نشان محفوظ رہا تھا۔ بوہیمیہ کی حدود کے اندر جرمن آبادی اتنی کثیر تعداد میں بس گئی تھی کہ اس دولتمند اور ذی اقتدار جماعت میں اصل اسلافی (یعنی چک) باشندوں کا بہت جلد جذب ہو جانا کچھ بعید از قیاس نہ تھا۔ لیکن ۱۸۳۰ء سے چکوں کی قومی تحریک رفتہ رفتہ قوت پکڑ رہی تھی۔ ۱۸۴۸ء کی شورش کے شروع شروع میں کوشش کی گئی تھی کہ باشندگان پراگ کی طرف سے جو مطالبے کئے جا رہے ہیں ان کو ایک آئینی صورت دے کر ملک کے تمام طبقوں کو اس بارے میں متحد کر لیا جائے۔ مگر وی آینا کے انقلاب اور مگیاروں کی فتحمندی نے اس حکمت عملی کو بالکل غت ربود کر دیا اور پراگ کی رہبری تجربہ کار اہل جاہ کے ہاتھ سے نکل کر قومی جادو بیانوں کے قبضے میں آگئی جن کا بازاروں میں دور دورہ تھا بجا لیکہ سابقہ سرگروہ بوہیمیہ کی جرمن آبادی کی تہذیب و تعلیم کا نمونہ ہوں تو ہوں، چکوں کی حب قومی کی اصلی شان ان میں نہ تھی۔ بہر حال، جب وی آینا کی وزارت نے ان مطالبات کو ماننے میں لیت و لعل کی جو بوہیمیہ کے زیادہ اعتدال پسند اہل الرائے کے زیر اثر مرتب کئے گئے تھے تو اس کا نتیجہ الٹا یہ نکلا کہ اہل اعتدال کا اثر تو خاک میں مل گیا اور نئے مطالبات کی جو فہرست پیش ہوئی وہ سابق سے کہیں زیادہ انقلاب انگیز تھے ساتھ کے ساتھ پراگ والوں نے ایک قومی فوج مرتب کرنی شروع کر دی۔ ہتھیار تقسیم کئے جانے لگے۔ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اب دربار آسٹریہ کو چار و ناچار سب درخواستیں قبول کرنی پڑیں

مقامی خود مختاری کا وعدہ

اور بوہیمیہ کو مقامی خود مختاری اور مجلس وضع قوانین دینے کا وعدہ کر لیا گیا۔ یہ قرار پایا کہ ریاست کے نئے آئین اسی جدید مجلس کے سامنے منظوری کے لئے پیش کئے جائیں گے۔

اسی طرح دربار وی اینا کے ماتحت کئی ملکوں نے عملاً اس کی حکومت کا جوا کندھے سے اتار پھینکا۔ بایں ہمہ اس حد تک وہاں کی رعایا میں خود خاندان ہیپس برگ کے خلاف علانیہ بغاوت نہ ہوئی نہ کسی بیرونی طاقت نے اس کی کوئی فوجی اعانت کی تھی۔ مگر کوہستان الپس کے پار خاندان شاہی سے اس تعلق کو بھی کھلے بندوں منقطع کر دیا گیا اور حکومت آسٹریہ کے ہمیشہ کے واسطے ختم ہو جانے کی ڈونڈی پٹ گئی۔

۱۸۴۸ء کے شروع سے لامبارڈی پر آسٹریہ کا تسلط محض بہت بڑی فوجی قوت کی نمائش کے بل پر قائم تھا۔ انقلاب پیرس نے اس ملک میں بیم و رجا دونوں قسم کے جذبات پیدا کیے تھے۔ مگر انقلاب وی آنا کی خبر ہوتے ہی میلان میں بغاوت ہو گئی۔ آسٹریہ کا فوجی سپہ سالار بڑا آزمودہ کار سپاہی تھا اور ۱۸۰۵ء کے ترکی محاربات سے لیکر اب تک ہر معرکے میں اعزاز و ناموری پا چکا تھا۔ ملک میں بغاوت اور جنگ کی آمد بھی اس نے بہت پہلے سے تاڑ لی تھی۔ بایں ہمہ جب وہ نازک موقع فی الواقع آپہنچا تو معلوم ہوا کہ سد باب کے لئے ایسکا فوجی انتظام ہنوز نا مکمل ہے۔

لمباڑدی کی بغاوت
۱۸- مارچ -

میلان میں فوجیں بہت بے موقع جمائی گئی تھیں دوسرے حکام کے دفتر اور فوجی مستقر میں عرضاً آدھا شہر حائل تھا۔ پس ۱۸- مارچ کو بغاوت شروع ہوئی تو اس کے ریلے میں ہر چیز بہ گئی۔ شہر کا عامل اوڈونل گرفتار ہو گیا اور اسے مجبوراً ان دستاویزوں پر دستخط ثبت کرنے پڑے جن میں شہر کی حکومت مجلس بلدیہ کے حوالے کرنے کے احکام تھے۔ اس وقت راڈیٹسکی نے شہر میں جو باڑیں بنائی گئی تھیں ان پر حملہ کیا اور ناف شہر تک گھس گیا۔ لیکن چھتوں اور دریچوں سے جو مسلسل آگ برس رہی تھی اس میں ٹھہرنا مشکل تھا۔ لہٰذا ۱۹ کی رات کو وہ فصیلوں کی جانب ہٹ آیا۔ آیندہ دو دن حوالی شہر اور دروازوں پر برابر لڑائی ہوتی رہی۔ آس پاس کے سب قصبوں کی مقامی فوجیں اپنے سپہ سالار کی کمک کے واسطے طلب کی گئیں مگر اہل اطالیہ نے راستے سے پل اور سڑکیں توڑ دی تھیں لہٰذا لمبارڈی کی ساری فوجوں میں سے صرف ایک دستہ میلان تک پہنچ سکا۔ ادھر راڈیٹسکی کو اطلاع ملی کہ پیڈمونٹ کا بادشاہ اس پر فوج کشی کر رہا ہے۔ تب اس نے ساری فوج کو

باب (۱)

اسیر ہونے کے جوکھوں میں ڈالنے کی بجائے میلان کو ہاتھ سے دے دینا گوارا کیا اور شہر خالی کرنے کی ٹھان لی۔ اسٹریہ والوں کی پسپائی ۲۲ مارچ کی رات کو شروع ہوئی اور راڈیٹسکی میلان سے ہٹ کر منچیو اور ورونا میں چلا آیا جہاں خود اُس نے شمالی اطالیہ میں آسٹریہ کے نظام وفاعی کا مرکز تیار کیا تھا۔

وینس کی بغاوت۔

وینس، لمبارڈی کے صدر مقام کی پہلے ہی تقلید کر چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے ساحل اڈریاٹک کے عسکری اور غیر عسکری عہدہ دار وی اینا کے ۱۳ مارچ کے انقلاب کی خبر سُن کر بالکل حیران و بے حواس ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے اپنے سیاسی قیدیوں کو رہا کیا تو اُن میں اسٹریہ کے ایک لائق اور جانی دشمن ڈانیلی مانن کو بھی چھوڑ دیا۔ پھر عوام کے سرگروہوں سے آئینی مسائل پر بحث مباحثہ کرنے لگے۔ قومی فوج مرتب کرنے کی بھی اجازت دے دی بلکہ آخر میں گولہ بارود اور بندرگاہ کا کارخانہ مجملہ ذخائر سمیت اسی فوج کی تحویل میں دے دیا۔ اس کے بعد سے حکومت کا گویا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ مانن نے "جمہوریہ سینٹ مارک" کے قیام کی منادی کرادی اور ہنگامی حکومت کا خود صدر بنا۔ چھاؤنیوں میں جو اطالوی فوجیں تھیں وہ آ کر قومی تحریک میں شامل ہو گئیں۔ پولا کے جنگی جہازوں میں اکثر ملّا اطالوی تھے اور اگر ساحل کے توپ خانے انکی طرف سیدھے نہ کر دیے جائیں تو وہ بھی جہاز لے کر باغیوں سے آ ملتے۔ بہرحال وینس تو بغیر کسی جنگ کے اسٹریہ کے قبضے سے نکل گیا۔ پھر بغاوت شمال اور مغرب میں ہر طرف قریہ بہ قریہ پھیلی تاآنکہ بروداڈیچ کے قلعوں اور منچیو کے سوا جہاں راڈیٹسکی نے بزدلی کے مشورے کو مطلق نہ سنا اور بلا خوف وخطر اپنی جگہ پر جما رہا، اور کوئی علاقہ آسٹریہ کے پاس باقی نہ رہا۔ قومی تحریک نے پیڈمونٹ کو بھی اپنے ساتھ کھینچ لیا۔ ٹیورن کے برطانوی سفیر نے بادشاہ کو بہت سمجھایا کہ آسٹریہ کی جنگ میں شریک نہ ہو، اس نے مطلق شنوائی نہ کی۔ ۲۴ مارچ کو چارلس البرٹ کی طرف سے اعلان چھپ گیا جس میں لمبارڈی والوں سے امداد کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اور دو دن بعد اسکی فوجیں میلان میں داخل ہو گئیں۔[1]

پیڈمونٹ کی جنگ میں شرکت

[1] ٹائن بی۔ ڈانیو مانن سنہ ۴۸ء، اول ۱۰۶۔

باب ۱

تیس سال سے حکومتِ آسٹریہ برابر اس دعوی پر قائم رہی تھی کہ شمالی اطالیہ میں تسلط کی بنا پر اسے یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ اس جزیرہ نما کی دوسری تمام ریاستوں کا سیاسی آئین بھی اس کی نگرانی میں رہے۔ اسی دعوی کو اس نے دو دفعہ بزورِ شمشیر منوایا۔ ایک تو ۱۸۲۱ء میں نیپلز میں مداخلت کر کے اور دوسری مرتبہ ۱۸۳۱ء میں پاپائی ریاستوں پر قبضہ کر کے اور حق یہ ہے کہ وہی آنا کے ارباب حل و عقد گویا پوری طرح جانچ تول کے وہ طرز عمل اختیار کئے رہے جس سے کوئی شخص یہ خیال نہ کر سکے کہ آسٹریہ کی حیثیت اطالیہ کے کسی حصّے میں بھی معمولی ہمسائے کی سی ہے جو بغیر کسی تازہ اشتعال کے اپنی زمین پر چپ چاپ زندگی گزارتا ہو۔

آسٹریہ کے خلاف اطالیہ میں عام طور پر جنگ چھڑ جاتی ہے

رہے پامرسٹن یا اور کسی اہل الرّائے کے مشورے جو اطالیہ والوں کو سمجھاتے بجھاتے تھے کہ اس وقت آسٹریہ جن مشکلات میں گرفتار تھی اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھائیں، تو اگر جنگی کامیابی کی خفیف سی امید ہونے کے باوجود بھی اہل اطالیہ ان مشوروں کو مان لیتے تو یہ ان کی انتہا درجے کی سادہ لوحی ہوتی۔ سلطنت آسٹریہ کا مفلوج و معطل ہوتا ہی آسٹریہ کے خلاف لڑنے کی ایسی وجہ تھی جس کا کوئی جواب نہ ہو سکتا تھا۔ جس وقت تک بادشاہ آسٹریہ کا اطالیہ کے کسی حصّے پر بھی سکہ رواں تھا، اس وقت تک اطالیہ کے کسی دوسرے حصّے کی آزادی سے لامحالہ اس کی اغراض کو نقصان پہنچتا۔ پس اگر اطالیہ والے شرافت کی ترنگ میں آ کر اس موقع پر خاموش ہو رہیں اور حکام وہی آنا کے ہاتھ میں دوبارہ پوری قوت آ جانے کا انتظار کریں تو اس کے معنی یہ تھے کہ آئندہ جب کبھی وہ اندرونی آزادی کے لئے ہاتھ پاؤں ہلائیں، تو انھیں اسی بے دردی سے پامال کر دیا جائے جس طرح اُن کی پہلی کوشش کو کر دیا گیا تھا۔ غرض ہر صاحب نظر محب وطن سمجھتا تھا کہ ساری قوم کے مل کر پورا زور لگا دینے کا وقت یہی ہے۔

اطالیہ کی سیاسی حالت بعض اعتبارات سے متحدہ کارروائی کرنے کی مساعد بھی نظر آتی تھی۔ جنوری ۱۸۴۸ء میں پلرمو کی بغاوت کے بعد ہر جگہ استبداد کا تختہ الٹ گیا۔ وہ وزیر برسر اقتدار ہوئے جن میں کم سے کم خاص تعداد ایسے اشخاص کی تھی جو قومی جذبات سے بھی ہمدردی رکھتے تھے سب سے بڑھ کر یہ کہ خود پاپائے روما مائل نظر

آتا تھا کہ اجانب کے مقابلے میں متحدہ اطالیہ کی سرگردہی کرے۔ یہ اسباب تھے جنھوں نے اطالیہ کے حکمراں خاندانوں کو چار و ناچار ہتھیار سنبھالنے پر مجبور کر دیا خواہ وہ دل میں اس کے خلاف ہی کیوں نہ تھے۔ اور بغیر اعلان جنگ کے نیپلز، فلورنس اور روما سے فوجیں شمال کی طرف بھیجی جانے لگیں کہ قومی جدوجہد میں شاہ پیڈمونٹ کے شانہ بشانہ جنگ کریں۔ ہزاروں آدمی از خود جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ شاید یہی موقع تھا کہ مقدس پاپا نے ایک حریت اور جواں مردی کے کام کے لئے لوگوں کو دعائیں اور برکت دی۔ دوسری طرف یہ واضح رہے کہ اسی تحریک سے جو آزاد خیال وزرا کو برسر اقتدار لائی یہ بھی اندیشہ تھا کہ وہ تشدد بدامنی کا رنگ نہ اختیار کر لے۔ کیونکہ حکومتوں نے جس حد تک رعایتیں دی تھیں وہ ان لوگوں کی نظر میں کچھ بھی وقعت نہ رکھتی تھیں جو گھنٹہ بھر میں جمہوریت کے سارے مدارج کاٹ کر جانے کا ارمان رکھتے تھے دوسرے ابھی یہ دیکھنا باقی تھا کہ آیا اہل اطالیہ میں وہ سیاسی دانش بھی موجود ہے کہ مقامی رشک و حسد پر غلبہ پائے اور حکام کے خطرات اور عوام کے پرشور جذبات دونوں کا رخ ایک مقصد وحید کی طرف پھیر دے۔ یا یہ کہ سارا قومی کام محض رجعت پسندوں اور پرجوش مقرروں یا بازار کے لفنگوں اور دربار کی ٹولیوں کی باہمی جوتی پیزار کی بدولت خاک میں رل جائے گا[1]۔

آسٹریہ نے جہاں ایک طرف اطالیہ کی گردن دبا رکھی تھی وہیں دوسری طرف جرمانیہ پر بھی اس کا پورا دباؤ تھا۔ پس، اگرچہ میٹرنش کی معزولی سے پہلے ہی رہائن کے مشرقی ممالک میں انقلاب کا سیلاب پورے طور پر آچکا تھا لیکن اس واقعے سے انہیں، خاص کر برلن میں، اور بھی قوت پہنچی ماہ مارچ کے شروع ہی سے پرشیہ کے پائے تخت کا رنگ بدلا ہوا نظر آتا تھا۔ یہ شہر ہنگامی ضوابط کا گھر تھا مگر اب ہر روز یہاں عام جلسے ہو رہے تھے اور جوش بھرے لوگوں کے اژدہام سے بازاروں میں چلنے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ بادشاہ کی خدمت

باب (۱)

ماہ مارچ کے دن برلن میں

---

[1] بیان کی۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں جن وفود نے اسی قسم کے مطالبات جیسے جرمانیہ کے شہر شہر میں کئے جا رہے تھے پیش کئے
انہیں لیت ولعل کے جواب ملے۔ لوگوں میں اشتعال بڑھا اور ۱۳۔ مارچ کو اہل شہر اور
فوج والوں میں آویزشیں شروع ہوئیں۔ یہ اگرچہ بہت معمولی تھیں لیکن عوام اور ان کے
سرگروہوں کو بے تاب کرنے کے لئے کافی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے بادشاہ کو مطالبات
کی منظوری دینے یا مخالفت کرنے میں تذبذب ہو رہا تھا۔ تا آنکہ وی آینا میں انقلاب
برپا ہوا اور ۱۵۔ مارچ کو اس کی اطلاع برلن پہنچ گئی جس سے معاملات اور بھی نازک
ہو گئے۔ ۱۷۔ تاریخ کو بازاروں کے ہنگامے یک بیک رک گئے۔ لوگوں نے
سمجھ لیا کہ اگلے دن یا تو حکومت عوام الناس کے ساتھ صلح وآشتی پر اتر آئے گی
اور یا بڑے پیمانے پر شورش و سرکشی کو دفع کرنے کی تدبیر کرے گی۔ چنانچہ ۱۸۔
کی صبح جوق درجوق لوگ شاہی محل کی طرف روانہ ہوئے جس کے گرد فوجی
پہرہ قائم تھا۔ دوپہر کے قریب ایک شاہی فرمان شائع ہوا اور اس میں پرشیہ
کی مجلس اضلاع کے ۲۔ اپریل کو جمع ہونے کا حکم تھا نیز یہ اعلان کہ بادشاہ نے
تمام جرمانیہ کی متحدہ مجلس کی تاسیس اور ہر جرمن ریاست میں آئینی حکومت قائم
کرنے کی کوشش کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس اعلان سے اور زیادہ تعداد میں لوگ
محل کی طرف آنے لگے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ آنا اظہار رضامندی کی
غرض سے تھا۔ لیکن محل کے سامنے جو مجمع اکٹھا تھا اس نے فرمان کا مطلب پوری
طرح نہیں سمجھا اور بادشاہ نے تقریر کرنی چاہی تو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر
جب منتشر ہونے کے لئے کہا گیا تو انبوہ عام نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور جواب
میں شور کیا کہ فوجوں کو ہٹا دیا جائے۔ اسی گڑبڑ اور ہنگامے میں عام سپاہیوں کی
طرف سے بغیر حکم کے دو گولیاں چلیں جس سے بھیڑ میں سخت خوف و اضطراب پیدا
ہو گیا اور بلا کسی معلوم سبب کے پیچھے سے پیادہ و سوار فوج عوام پر آگری۔ یہ بھیڑ
تو فوراً بھاگ کھڑی ہوئی لیکن اب شہر والوں نے لڑائی کا انتظام کیا۔ گلی کوچوں میں
باڑیں اور مورچے تیار کر لئے گئے اور شام سے لے کے رات گئے تک لڑائی
جاری رہی۔ اس اثنا میں بادشاہ کے پاس وفود پہنچے اور التجا کی کہ فوجوں کو شہر
سے ہٹا لیا جائے۔ بادشاہ واقعات کی اس افتاد سے خود پریشان اور متاسف

باب (۱)

تھا تاہم کچھ عرصے تک وہ اس کوشش میں رہا کہ شہر کے مورچے حوالے کردئے جانے کی شرط پر لڑائی روکی جائے۔ لیکن جس قدر رات گزرتی گئی، سپاہی تھکتے گئے اور بعض کامیابیوں کے باوجود وہ اپنے شہری حریفوں کو پوری طرح مغلوب نہ کرسکے۔ پس یا تو اس شک کے باعث کہ شاید اس جدوجہد میں آخری کامیابی میسر نہ آئی اور یا اس لئے کہ اسے مزید کشت وخون ہونا گوارا نہ تھا آخر بادشاہ دب گیا اور ۱۹- کی صبح کو اس نے سپاہ کے ہٹا لئے جانے کا حکم دے دیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ محل پر فوجی پہرہ قائم رہے لیکن حکم کے سمجھنے میں غلطی ہوی اور ساری فوج برلن کے باہر ہٹالی گئی۔ اس طرح محل بلا فوجی پاسبانی کے رہ گیا اور گو اس سے رہنے والوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا گیا پھر بھی بادشاہ کو احساس ہونے لگا کہ لوگ اب اس سے من مانی شرطیں قبول کراسکتے ہیں۔ رات کی آویزش میں جو لوگ کام آئے تھے ان کی لاشیں محل کے صحن میں لائی گئیں۔ ان کے زخم کھول کھول کے دکھائے گئے اور بادشاہ جھروکے میں سامنے آیا تو اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ نیچے صحن میں اُترے اور لاشوں کے روبرو سر برہنہ کھڑا ہو۔ پھر ایک جدید وزارت کے تقرر سے صورت حالات میں تغیر ہونے کی باضابطہ تصدیق ہوگئی۔ ؎۱

برلن میں فوج اور باشندگان شہر کی جنگ کی بنا غلط فہمی کو قرار دیا گیا اور یہ بات غلط نہ تھی۔ واقع میں فریڈرک ولیم اپنی رعایا کے ضروری مطالبات تسلیم کرنے پر پہلے ہی آمادہ ہوچکا تھا اور دوسری طرف خود برلن کے لوگوں میں بادشاہ کی ذات سے کوئی عام عناد نہیں پایا جاتا تھا۔ البتہ شورش کرنے والوں کے ایک قلیل گروہ نے جس میں بعض افراد جرمانیہ کے نہ تھے، غالباً جان کر ایسی تدبیر کی کہ بادشاہ پر بھی جنگی حملہ کردیا جائے۔ بہر حال جب لڑائی تھم گئی تو پھر بادشاہ اور اہل ملک میں صلح وآشتی ہوجانے میں کوئی خاص رکاوٹ باقی نہ رہی۔ فریڈرک ولیم نے وہ راہ اختیار کی جس سے اس کا جذبۂ خودبینی نہ صرف قائم رہا بلکہ سیر ہوگیا۔ اصل میں

؎۱ (Die Burliner) وغیرہ نیز دیکھو اسٹرن (Stern) جو برلن کے ان ہنگاموں میں خود موجود تھا۔ اگرچہ عام طور پر وہ مستند مصنف نہیں ہے۔

اس وقت تمام جرمن آزاد خیالوں کو ممالک جرمانیہ کے اتحاد کی اتنی لو لگی ہوئی تھی کہ علیحدہ علیحدہ ریاستوں میں آزادی کے آئین جاری کئے جانے کی بھی نہ تھی۔ یہ صحیح ہے کہ برلن میں ہنگامے کا سبب یہ تھا کہ بادشاہ نے اندرونی اصلاحات قبول کرنے میں دیر لگائی۔ لیکن ممالک جرمانیہ کے اتحاد کے سامنے یہ خانگی جھگڑے کچھ وقعت نہ رکھتے تھے بشرطیکہ خود شاہ پرشیہ اس مقصد معظم کی خاطر وہ کام کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو جو ضروریات زمانہ کے مناسب حال تھا۔ چنانچہ پایۂ تخت میں امن وامان ہونے کے بعد سب سے پہلا ارادہ فریڈرک ولیم نے یہی کیا کہ اپنی رعایا کے سامنے علانیہ وطن آبائی کی خدمت کا بیڑا اٹھایا اور ۲۱۔ مارچ کی صبح کو یہ اطلاع شایع کردی گئی کہ شاہ پرشیہ نے جرمن قوم کی سرگروہی اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور وہ آج ہی قدیم جرمن لباس میں گھوڑے پر سوار برآمد ہوگا۔ پھر مقررہ وقت پر فریڈرک جلوس کے آگے آگے اس شان سے گھوڑے پر نکلا کہ سنہری، سفید اور سیاہ، تین رنگوں کا تاج زیب سر تھا اور یہ وہ رنگ تھا کہ ۱۸۱۵ء سے محبان وطن اس کے والہ وشیدا تھے اور جرمانیہ کی حکومتیں اسے دیکھ کر چڑتی تھیں۔ بازاروں سے گزرتے میں لوگوں نے "شہنشاہ" کے لقب سے فریڈرک ولیم کی سلامی اتاری لیکن اس نے یہ خطاب قبول کرنے سے تحاشی کی اور بہت سی قسم ہائے غلیظ و شدید کے ساتھ یقین دلایا کہ میں کسی جرمن امیر و شہریار کو اس کے حقوق شاہی سے محروم کرنے کی نیت نہیں رکھتا۔ پھر جہاں کہیں یہ سوانگ راستے میں ٹھیرا وہاں چیدہ سامعین کے سامنے بادشاہ نے پرشوکت ومبہم الفاظ میں، ملک کے مشترکہ خطرے کا ذکر کیا، جس کی وجہ سے بادشاہ پر کیا کیا کچھ ذمہ داریاں عائد ہوگئی تھیں۔ شام کو یہ بادشاہی تقریریں لفاظی کا عنصر کسی قدر کم کرنے کے بعد "حقیقت حال" کے پیرائے میں شایع کردی گئیں۔ اس میں لکھا تھا کہ "جرمانیہ کے اندر ابال آرہا ہے اور باہر کئی طرف سے وہ خطرے کی زد میں ہے۔ اس خطرے سے نجات کی شکل صرف یہ ہے کہ جرمن رؤسا و عوام شخص واحد کی سرگروہی میں متحد ہوجائیں۔ اس پرخطر ساعت میں ایسی سرگروہی کی خدمت میں اپنے ذمے لیتا ہوں۔ آج میں نے قدیم جرمن

باب

لباس اختیار کیا اور سلطنت جرمانیہ کے برگزیدہ عَلَم کے نیچے آکر اپنی رعایا کو بھی اُسی کے ماتحت جمع کر دیا ہے۔ آیندہ پرشیہ، جرمانیہ کے اندر جذب رہے گی [1]

بادشاہ کا برلن میں یہ گشت اور ساری جرمانیہ کا سردار بن بیٹھنا، چھوٹے والیان ریاست کے کتنا ہی خلاف طبع اور چھوٹی ریاستوں کے آزاد خیال افراد کو کیسا ہی گراں گزرا ہو (کیونکہ ان کے نزدیک یہ منصب قوم کی طرف سے ملنا چاہیے تھا نہ یہ کہ بادشاہ از خود اسے اختیار کرلے) اس کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ فریڈرک ولیم نے اپنی رعایا میں کسی حد تک دوبارہ درجۂ قبول پالیا اور اس قابل ہو گیا کہ عطائے مراعات کا مسئلہ پھر بغیر کسی ذلت و شرمندگی کے طے کرے۔ ورنہ ۱۸-مارچ کے رنج دہ واقعات نے اُس تمام کارروائی ہی کو گاؤ خورد کر دیا تھا۔

قومی مجلس کا وعدہ۔

غرض شہر برسلو کے ایک وفد کے جواب میں جس نے درخواست کی تھی کہ اضلاع کی مجلسیں ملا کر جو مجلس بنائی گئی ہے اسکی بجائے باضابطہ انتخابی مجلس قائم ہونی چاہیے بادشاہ نے وعدہ کیا کہ جس وقت یہ متحدہ مجلس ضوابط انتخاب مرتب کرلے گی، تو پھر بلا تاخیر قوم کی نیابتی مجالس کا انعقاد کر دیا جائے گا۔ پھر اسی قومی مجلس میں حکومت اپنی تجاویز پیش کرے گی۔ جن سے شخصی آزادی، عام جلسوں اور انجمنوں کا حق، جیوری کے ذریعہ مقدمہ، وزرا کی جوابدہی اور عدالت کی آزادی کے حقوق مسلم ہو جائیں۔ ایک شہری فوج بنانے کا قاعدہ مرتب کرنے کی بھی تجویز تھی جسے اپنے سردار خود منتخب کرنے کا حق ہوگا اور فوج باقاعدہ کے لئے لازم کر دیا جائے گا کہ سپاہی آئین حکومت کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔ عدالت کے موروثی اختیارات اور کوتوالی والوں کے اپنے حلقے میں امتیازی حقوق منسوخ کرنے تھے اور یکساں طور پر سب کے لئے قانون کی پابندی عائد کی جانے والی تھی۔ مختصر یہ کہ پرشیہ کے

---

[1] اسکے الفاظ یہ تھے :- "Preussen geht fortan in Dentchland auf"

[2] دیکھو "ریڈن فریڈرک ولہلم" صفحہ ۹، ایک زمانے کے بعد، بامرین سے گفتگو کرتے وقت فریڈرک ولیم نے برلن میں اپنی گشت کا حال ان الفاظ میں بیان کیا کہ "وہ ایک سوانگ تھا جسے مجھے خواہ مخواہ بھرنا پڑا"، اگر یہ درست ہو تو بھی وہ لسانی اور یاد خوانی تو بادشاہ ہی کی تھی۔

باب (۱) آزاد خیالوں کے جملہ مجوزہ مطالبات پر عمل کرنے کا وعدہ تھا۔ اس طرح برلن میں اور جرمن ریاستوں کے دوسرے صدر مقامات میں ترقی طلب گروہ کی جیت یقینی معلوم ہونے لگی۔ حکومت پہلے کی طرح حقوقِ عوام کے راستے میں سدِ راہ نہ رہی اور جب ۲۲۔ مارچ کو ان لوگوں کے جنازے جلوس کے ساتھ اٹھائے گئے جو گذشتہ ہنگامے کے وقت شاہی فوج سے لڑنے میں مارے گئے تھے اور بادشاہ نے از خود ان کی تعظیم و تکریم کی رسم ادا کی تو عام طور پر یہی سمجھا گیا کہ یہ اس کے حقیقی جذبات کا اظہار ہے۔

اپنے اعلان میں فریڈرک ولیم نے جرمانیہ کے جن بیرونی خطروں کا ذکر کیا تھا ان سے اس کی مراد وہ اندیشے تھے جو فرانس میں دوبارہ جمہوری حکومت قائم ہونے سے عام طور پر پیدا ہو گئے تھے کہ یہ جمہوریت بھی پہلی کی طرح دراز دستی کرے گی۔ یہ خوف بے بنیاد ثابت ہوا تاہم بادشاہ پوری جرمن قوم کا سپاہی بننے کا فی الواقع ارادہ رکھتا تھا۔ اس کی نظر میں کسی ہمسایہ سلطنت کے ساتھ جنگ چھڑ جانے کا قرینہ کچھ بھی بعید نہ تھا۔ اسی زمانے میں شلزوگ ہولسٹائن کی ریاستوں نے حکومت ڈین مارک سے بغاوت کی اور جرمانیہ میں ان لوگوں کے متعلق کمال توجہ اور ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ ان اضلاع کے باشندے شلزوگ کے چند حصوں کے سوا، جرمن قوم کے تھے اور ہولسٹائن کی ریاست تو فی الواقع ریاست ہائے جرمانیہ کی لڑی میں شامل تھی۔ عوام کی نظر میں ان ریاستوں کا ڈین مارک کے ساتھ تعلق قریب قریب وہی تھا جو ۱۸۳۷ء سے قبل ہنوور کا انگلستان سے رہا۔ یعنی شاہ ڈین مارک شلزوگ اور ہولسٹین کا ڈیوک (امیر) تو ضرور تھا لیکن اس سے یہ لازم نہ آتا تھا کہ یہ علاقے مملکت ڈین مارک کا حقیقی جزو تھے اسی طرح جس طرح ہنوور سلطنت برطانیہ کا جزو نہ ہو گیا تھا۔ دوسرے قانون وراثت میں اختلاف تھا کہ ڈین مارک میں تو دختری اولاد وارث تاج و تخت ہو سکتی تھی لیکن شلزوگ ہولسٹین میں صرف نرینہ اولاد حقدار مانی جاتی تھی۔ ڈین مارک والے پورے علاقے میں تو وارث ذکور کی شرط کو تسلیم نہیں کرتے تھے مگر ہولسٹین کے خاص خاص حصوں میں انھیں بھی اقرار تھا کہ وہاں عورتیں قانوناً وارثِ حکومت نہیں ہو سکتیں۔

شلزوگ ہولسٹائن۔

ڈین مارک کی حکومت جرمنوں کے اس دعوے کو بھی نہیں مانتی تھی کہ حقیقت میں دونوں ریاستیں شامل ہوکر بجائے خود واحد ریاست ہیں یا اِن کے حقوق شاہی ڈین مارک کے دوسرے علاقوں سے مختلف اور مخصوص ہیں۔ بہرحال، اس معاملے میں اصلی پیچیدگی یہی آپڑی تھی کہ اِن ریاستوں کے رہنے والے جرمن قوم سے تھے۔ جب تک اہل جرمانیہ میں بہ حیثیت ہمنسل ہونے کے کوئی قومی احساس نہیں تھا، اس وقت تک انھیں شلزوگ ہولسٹین کے ملحقات ڈنمارک سے الحاق کردیئے جانے کی بھی چنداں شکایت نہ ہوئی۔ لیکن ادھر تو جرمنوں میں ۱۸۱۳ء کی جنگ استخلاص نے قومی احساس کو شدومد سے دوبارہ زندہ کیا اور ادھر اتفاق سے قریب یہی زمانہ تھا جب کہ مُلک ناروے نے شاہ ڈنمارک کی حکومت سے خلاصی پائی اور اس واقعے نے کوپن ہاگن کی سرکار کو مجبور کیا کہ وہ مذکورۂ بالا ریاستوں کے جرمن باشندوں پر سرکاری محاصل کے بار کو پہلے سے کہیں زیادہ بڑھادے۔ اسی زمانے سے ان علاقوں کے لوگوں میں حکومت سے بد دلی پھیلنے لگی اور اس کا اثر خصوصیت کے ساتھ آلتونا اور کیل کے اضلاع میں نمایاں ہوا جہاں برابر کے شہر ہیمبرگ کی مثل، خالص جرمن آبادی تھی۔ ۱۸۳۱ء کے بعد جب شلزوگ اور ہولسٹین میں صوبہ وار مجالس طبقات قائم کی گئیں تو قومی تحریک بہت طاقت پکڑ گئی۔ لیکن اس کے بعد ڈنمارک میں بھی اسی رجعت کا دور دورہ ہوا جس کے اثرات ان دنوں تمام ممالک یورپ میں نمایاں تھے۔ چنانچہ کئی سال بعد، کہیں ۱۸۴۴ء میں جاکے جرمن قومیت کا آوازہ دوبارہ اِن صدیوں میں اس وقت بلند ہوا جبکہ جرمن فریق کے خارج البلد سرگروہ لورن سن کی ایک کتاب اس کی وفات کے بعد شایع ہوئی جس میں اِن ریاستوں کے حقوق کو تاریخی دلایل سے ثابت کیا گیا تھا۔ اس زمانے سے شلزوگ ہولسٹین کا ڈنمارک سے انقطاع، سیاسیات کا ایک عملی مسئلہ سمجھا جانے لگا۔ شاہ ڈنمارک کرسچین ہشتم کا اکلوتا بیٹا تھا اور گو اسکی شادی کو مدت گزرچکی تھی لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی تھی لہذا اسکے بعد فرماں روا خاندان کا کوئی نرینہ وارث نہ تھا۔ اسی کو پیش نظر رکھکر ڈنمارک کی مجالس طبقات نے ہر صوبے کی طرف سے ایک عرضداشت مرتب کی جس میں بادشاہ سے درخواست کی گئی تھی کہ

باب ۱

وہ اعلان کر دے کہ ملک کے تمام حصے یکساں ہیں اور ان سب میں ڈنمارک ہی کا قانونِ وراثت نافذ رہے گا۔ اس پر ہولسٹین کی مجلس نے نومبر ۱۸۴۶ء میں یہ قرارداد منظور کی کہ یہ دونوں ریاستیں مملکتِ ڈنمارک سے جداگانہ اور واحد علاقہ ہیں اور ان میں صرف توریثِ ذکور کے قانون کا عمل ہے۔ پھر دو سال تک ایک جماعت ماہرینِ قوانینِ وراثت پر غور کرتی رہی اور اس وقفے کے بعد شاہ کرسچین کی طرف سے ایک اعلان شایع ہوا کہ شلیس وگ میں تو وراثت کا قانون وہی ہے جو ڈنمارک خاص میں، باقی رہے ہولسٹین کے وہ اقطاع جہاں مختلف عملدر آمد ہے، تو ہم بادشاہی کی وحدت قائم رکھنے میں کوشش کا کوئی وقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے۔ اس اعلان پر شلز وگ اور ہولسٹین دونوں صوبوں کی مجلس طبقات نے اپنے اعتراضات پیش کئے لیکن بادشاہ نے انھیں قبول نہ کیا۔ تب مجلس کے ارکان بالاتفاق مستعفی ہو گئے اور ہولسٹین کی طرف سے جرمانیہ کی مجلس ریاست ہائے متحدہ یعنی فیڈرل ڈایٹ سے دادرسی کی درخواست بھیجی گئی۔ اس مجلس نے جواب میں صرف قانونی حقوق کا اعلان کیا۔ لیکن جرمانیہ میں عام طور پر قوم کے ان بچھڑے ہوئے افراد کے ساتھ کمال ہمدردی پیدا ہوئی جو ایسی بامردی سے ایک غیر سلطنت میں ضم ہونے کے خلاف کشمکش کر رہے تھے۔ ادھر شلز وگ اور ہولسٹین کے مستعفی ارکان مجلس گاؤں گاؤں پھرتے رہے اور تمام باشندوں میں حکومت کی مخالفت کا جوش پھیلا دیا حکومت نے اس مخالفت کو فرو کرنے کے لئے جو جابرانہ تدابیر اختیار کیں وہ پہلی ساری تدبیروں سے زیادہ سخت تھیں[1]۔

ہولسٹین کی بغاوت۔

صورت حالات یہ تھی جب کہ ۲۰۔ جنوری ۱۸۴۸ء کو شاہ کرسچین نے وفات پائی اور خاندان کا آخری نرینہ وارث فریڈرک ہفتم بادشاہ ہوا۔ اس نے شروع ہی میں یہ کام کیا کہ ایک آئین مملکت کا مسودہ شایع کیا جس میں تمام اقطاع ملک کو بالکل مساوی مرتبے پر رکھا گیا تھا۔ اس آئین کی تکمیل منتخب شدہ مبعوثین پر منحصر تھی مگر اس سے قبل کہ یہ مبعوث جمع ہوں انقلاب پیرس کی لرز بحر شمالی کے ساحلی مقامات تک پہنچ گئی۔ التونا کے ایک عام جلسے میں

---

[1] (Droysen) وغیرہ اور دوسرے پہلو کے لئے دیکھو (Noten) Zur Blenchtang

باب (۱)

مطالبہ کیا گیا کہ شلزوگ کو بھی ریاست ہائے جرمانیہ میں داخل کیا جائے اور شلزوگ و ہولسٹین کے واسطے جداگانہ آئین حکومت مرتب ہو۔ صوبے کی مجلس طبقات نے بھی اس تجویز کو منظور کر لیا اور ایک وفد کوپن ہاگن بھیجا کہ یہ اور دیگر مطالبات بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے لیکن آیندہ چند ہی روز کے اندر کوپن ہاگن میں ایک جمہوری تحریک پھیلنے کے طفیل جو نئی وزارت مرتب ہوئی اس میں سرتاپا خاص ڈنمارک کے محبانِ وطن شامل تھے جو قول قرار کر چکے تھے کہ شلزوگ کو مملکت ڈنمارک میں ضم کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر صوبۂ ہولسٹین کے لوگوں نے بادشاہ کے جواب کا جو وفد کو ملتا انتظار بھی نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے کام شروع کر دیا۔ ایک ہنگامی حکومت کیل میں تیار کر لی گئی (۲۴۔ مارچ) سپاہیوں نے لوگوں کا ساتھ دیا اور دیکھتے دیکھتے بغاوت سارے صوبے میں پھیل گئی۔ چونکہ وراثتِ شاہی کے قانون بدلنے کی تجویز شاہ ڈنمارک کی جانب سے ہوئی تھی لہٰذا ہولسٹین والوں کا انحراف کرنا گویا اپنے مسلمہ حق کے واسطے لڑنا تھا۔ پس شاہ پروشیہ نے بھی اس قرارداد کو تسلیم کر لیا جو ہولسٹین کی مجلس نے ۱۸۴۶ء میں کی تھی اور یہ اعلان کر کے کہ ہم تخت کے اصلی وارثوں کی بزورِ شمشیر حمایت کریں گے، حکم دیا کہ پروشوی فوج ہولسٹین میں داخل ہو جائے۔ فرینکفرٹ کی مجلس ریاست ہائے متحدہ کو بھی اب چار و ناچار سارے ملک جرمانیہ کی رائے کا اظہار کرنا پڑا اور اس نے مطالبہ کیا کہ شلزوگ کا ہولسٹین سے

جرمانیہ اور ڈنمارک کی جنگ

چولی دامن کا ساتھ ہے پس اس کو بھی جرمانیہ کی متحدہ ریاستوں میں شامل کر دیا جائے۔ شاہ ڈنمارک کا امیر ہولسٹین ہونے کی حیثیت سے اس جرمن مجلس میں قائم مقام رہا کرتا تھا۔ مذکورۂ بالا قرارداد مجلس نے منظور کی تو یہ قائم مقام فرینکفرٹ سے رخصت ہو گیا اور ایک طرف ڈنمارک دوسری طرف پروشیہ مع ریاست ہائے متحدہ حالت جنگ قائم ہو گئی۔

اہل جرمانیہ میں قومی اتحاد کی پرجوش تمنا نے پہلے ہی قومی جذبات کے ظاہر کرنے کا ایک وسیلہ مہیا کر لیا تھا۔ اور گو اسے کوئی قانونی مرتبہ یا آئینی اقتدار حاصل نہ تھا، تاہم اس میں اتنی قوت ضرور تھی کہ بدنام و فرسودہ مجلس رؤسائے متحدہ سے نیز اکثر سرکاروں سے جو انقلاب سے بچ رہی تھیں، اپنی رائے کے

مجلس جرمانیہ کا پیش خیمہ ۳۰ مارچ تا ۴ اپریل۔

باب (۱)

مطابق کام دے لے۔ اس سے ہماری مراد وہ مجلس ہے جسے ایک جماعت نے فرینک فرٹ میں مدعو کیا۔ اور آزاد خیال گروہ کے تقریباً پانسو افراد جنھوں نے کسی نہ کسی صورت میں ملکی معاملات میں حصّہ لیا تھا ۳۰۔ مارچ کو فرینک فرٹ میں مجتمع ہوئے کہ تمام ممالک جرمانیہ کی مجلس مبعوثین قائم کرنے کی ضروری تیاریاں کریں۔ یہ اجتماع "مقدمۂ مجلس" کے نام سے مشہور ہے اور اس کا اجلاس فقط پانچ دن تک ہوا۔ نئی مجلس کے انتخاب اور اتحاد جرمانیہ میں نئے اضلاع داخل کرنے کے متعلق ان جلسوں میں جو قراردادیں ہوئی تھیں، انھیں مجلس رؤسا نے قبول کر لیا اور مجموعی طور سے ان پر عمل درآمد بھی ہوا۔ دوسرے انہی جلسوں میں ۱۸۱۹ء کے شدید قوانین اور بعد کے جور و تعدّی پر بڑی لعنت ملامت کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس رؤسا کے جتنے ارکان اُن منحوس ایام کے قبل سے اس منصب پر فائز تھے وہ سب بلا تاخیر علیحدہ ہو گئے۔ اس ابتدائی مجلس سے توقع تھی کہ سب سے اہم کام وہ یہ کرے گی کہ ملکی آئین کا ایسا مسودہ مرتب کر دے کہ جس پر قومی مجلس غور و فکر کرے۔ لیکن اس بارے میں کوئی کام نہ ہوا اور ۳۱۔ مارچ سے ۴۔ اپریل تک جو بحثیں ہوتی رہیں وہ محض بادشاہی اور جمہوریت پسند فرقوں کی زور آزمائیاں تھیں۔ جمہوریت پسندوں نے آیندہ حکومت کے متعلق اپنی جداگانہ تجویز پیش کی تھی۔ لیکن جب اس میں بہت زیادہ اکثریت ان کے خلاف ہوی اور انھیں شکست ہو گئی تو انھوں نے تحریک کی کہ باضابطہ قومی مجلس کے انعقاد تک موجودہ مجلس اجلاس کرتی رہے۔ گویا وہ ہنگامی طور پر مجلس ملکی کے فرائض و اختیارات انجام دیتی رہے۔ لیکن اس میں بھی انھیں ناکامی ہوی اس وقت طالبانِ جمہوریت کے انتہا پسند گروہ نے تہیہ کر لیا کہ جنگی بغاوت کا علم بلند کیا جائے اور حیرت ہے کہ انھوں نے اپنی اصلی قوت کا کس قدر غلط اندازہ کیا تھا۔ بہر حال، انھوں نے رائن پار کے ایک جرمن گروہ کو اپنے ساتھ لیا جو وطن سے بھاگے ہوئے تھے اور خود انھی کی عہد انقلاب کے فرانسیسی اور پول سپاہی دستگیری کر رہے تھے۔ انھوں نے باڈن میں جمہوریت کا پرچم اڑایا۔ جو فوج شورش فرو کرنے کے واسطے بھیجی گئی اس کے مقابلے میں یہ لوگ چند روز تک مایوسی اور زبوں حالی کے

بیڈن میں جمہوریت پسندوں کی سرکشی۔

باب ا

ساتھ ایڑیاں سی رگڑتے رہے۔ ورنہ خود باڈن میں جہاں کے لوگ جمہوری ولولوں میں تمام جرمن ریاستوں سے آگے تھے اور خاص طور پر فرانس و سوئیٹ زرلینڈ کے جمہوری اثرات کے تحت میں رہتے تھے۔ اس بغاوت کی عام باشندوں نے کوئی قابلِ لحاظ حمایت نہ کی اور جرمانیہ کے دوسرے اقطاع میں اس کی ذرا ہمت افزائی نہ کی گئی۔ بغاوت کے سرغنہ تباہ ہو گئے۔ ان میں سے بہترین افراد ریاستہائے متحدہ امریکہ کو بھاگ آئے تھے اور جب ۱۳ برس بعد اس ملک میں غلامی کے خلاف جدوجہد شروع ہوئی تو ان لوگوں نے اپنے وطن اصلی کی نسبت اس وطن ثانی کی شائستہ تر خدمات انجام دیں۔

فرینک فرٹ کی ابتدائی مجلس ۴ - اپریل کو برخاست ہوئی تو اُس نے پچاس اشخاص کی ایک ذیلی مجلس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ قومی مجلس کی ضروری تیاریوں کا کام جاری رکھے جسے اس بڑی مجلس نے اس قدر ناقص طور پر انجام دیا تھا۔ البتہ ایک بات ضرور مسلّم ہو گئی تھی وہ یہ کہ جرمانیہ کا آیندہ نظامِ حکومت جمہوری نہیں ہوگا۔ اسی طرح وقتی جوش نے جن لوگوں کو اندھا نہیں کر دیا تھا ان کے نزدیک یہ بات بھی صاف اور واضح تھی کہ ممالک جرمانیہ کی جدید شیرازہ بندی کے وقت جو حکومتیں موجود تھیں انھیں نظر انداز کر دینا کسی طرح قرین مصلحت نہ ہوگا۔ پچاس کی ذیلی مجلس میں اور دوسرے مقامات پر یہ بحث بھی چھڑی تھی کہ مجلس ملکی میں جرمن حکومتوں کو اپنے وکلا بھیجنے کا حق دیا جائے اور یا اُن سرکاری وکلا کا ایک مجلسی شعبہ بنا دیا جائے تاکہ متحدہ ممالک کے نئے نظام کی تعمیر میں ہر کارروائی قوم اور حکومتوں کی جانب سے بالاتفاق عمل میں آسکے۔ اس قسم کی تجویزوں پر غور و مباحثہ بھی ہوا لیکن اس زمانے کی جلدبازی اور ناتجربہ کاری نے کسی مستقل نتیجے پر نہ پہنچنے دیا۔ مجلس قومی کے انعقاد کی تاریخ ۱۸ - مئی مقرر ہوئی تھی اور قبل اس کے کہ وہ معدودے چند فرزانہ اشخاص جو حکومتوں اور قومی مجلس میں باہمی اتحاد کی ضرورت کا احساس رکھتے تھے اشتراک عمل کی کوئی معقول راہ نکال سکیں، بیچ کا وقت گزر گیا اور مقررہ تاریخ آپہنچی۔ محبانِ وطن کے گروہِ کثیر کی نظر میں تو یہی بہت تھا کہ تیس برس کی ناکامی کے بعد آخر کار جرمانیہ نے قومی نیابت

جرمن مجلس قومی کا انعقاد ۱۸ - مئی -

حق حاصل کرلیا۔ اور انھیں زعم تھا کہ متحدہ قوم کی اس پرشکوہ تصویر کے آگے سرکار و شہریار، فوج و سپاہ سب کا سر جھک جائے گا۔ انہی امنگوں میں نئے انتخاب شروع ہوئے اور بالٹک سے سرحد اطالیہ تک متحدہ جرمانیہ کی انتہائی سرحدوں تک کے اضلاع شریک کئے گئے۔ ایک بوہیمیہ تو الگ رہی کہ وہاں چکوں کی اکثریت جرمانیہ سے زیادہ قریبی تعلقات قائم کرنے میں مزاحم ہوئی اور اس نے فرینک فرٹ میں اپنے مبعوث بھیجنے سے انکار کردیا۔ مجلس کے جو ارکان منتخب ہوئے ان میں ہر جرمن گروہ کے سب سے ممتاز آزاد خیال موجود تھے۔ جنگ استخلاص کے زمانے میں جو لوگ پیش پیش رہے تھے اُن میں سے بعض عالی ہمت سرگروہ بھی منتخب ہوئے جن میں شاعر آرنڈٹ سب سے ممتاز تھا۔ بیچ کے منحوس ایام میں جن محبان وطن کو قید و جلاوطن کی سزائیں دی گئی تھیں اُن میں سے بعض منتخب ہوئے۔ ان میں مورخ، اساتذہ اور وہ نقاد تھے کہ آزادی کی مقدس راہ میں بعض کی تحریروں نے دبیسے گردی نس کی تھیں، بد نہاد بادشاہوں کے ہاتھ سے، لکھنے والوں سے زیادہ پڑھنے والوں پر ظلم کرائے تھے۔ اخبار نویس، مذہبی عالم اور مختصر یہ کہ ان رہبروں کا گروہ کا گروہ جمع تھا جن کی رہنمائی میں اہل جرمانیہ کو اتحاد و آزادی کی سرزمین موعود میں داخل ہونے کی توقع تھی۔ کسی دربار تاج پوشی میں اتنے معزز مہمان فرینک فرٹ میں جمع نہیں ہوئے تھے جتنے اس موقع پر جمع ہوئے اور نہ کبھی جرمن قوم کو کسی جلسے کے ساتھ اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ فرینک فرٹ کی شہری پولیس بازاروں میں قطار باندھے کھڑی تھی اور جب وقت ۱۸ مئی کی سہ پہر کو ارکان مجلس کا جلوس اپنی اقامت گاہ یعنی قیاصرہ کے قدیم ایوانِ ضیافت سے سینٹ پال کے گرجا کی طرف روانہ ہوا جسے اجلاس کے واسطے منتخب کیا گیا تھا تو اہل شہر نے خوشی کی تالیوں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اگلے دن مجلس نے اپنا صدر نشین اور عہدہ دار منتخب کئے آرنڈٹ کو پہلے جلسے کے جنونانہ ہنگامے میں تو کسی نے نہیں پہچانا بلکہ مخالفانہ نعرے لگا کے بٹھا دیا تھا لیکن دوسرے دن اسے منبر پر بلایا گیا تو اس وقت بھی جوش گریہ نے اسے چند لفظوں سے زیادہ کہنے کی مہلت نہ دی۔ مجلس نے اسکے شہرۂ آفاق گیت "ہے کہاں جرمن کا آبائی وطن؟" پر باضابطہ شکریہ ادا کیا

باب ۱

اور درخواست کی کہ وہ اس میں ایک اور بند بڑھا دے کہ اس عظیم الشان مجلس کی یادگار رہے جس نے قومی اتحاد کی آرزو کو بالآخر عالم خارج میں سچ کر دکھایا۔ فرینک فورٹ میں مجلس عامہ کے افتتاح کے چوتھے دن پروشیہ کی ملکی مجلس نے بھی برلن میں اپنا اجلاس شروع کیا۔

یورپ کی عام حالت مارچ ۱۸۴۸ء میں۔

یہاں پہنچ کر کہنا چاہیئے کہ یورپ کے دوسرے ممالک کی طرح جرمانیہ میں بھی ۱۸۴۸ء کے انقلابی ناٹک کا پہلا حصہ ختم ہو گیا۔ اس یادگار زمانے میں جسے عام طور پر "ایام مارچ" کے نام سے یاد کرتے ہیں نیز اس کے متصل واقعات مابعد میں ایک خاص قسم کی یکسانی نمایاں ہے۔ انقلاب کا ہر جگہ دَور دَورہ ہے۔ کہیں اس کی مزاحمت نہیں کی جاتی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مقاصد کے پورے ہونے میں کچھ دیر نہیں اور گزشتہ نصف صدی کی پریشان آرزوئیں عنقریب برآنے والی ہیں۔ وسطی یورپ میں کسی مطلق العنان حکومت کا اثر آثار باقی نہیں رہا اور اگر ایک طرف فرانسیسی جمہوریت خلافِ توقع امن کی روش پر قائم ہے تو دوسری طرف جرمانیہ اور اطالیہ کے پرانے خاندان ہائے شاہی میں ایک نئی روح سرایت کر گئی ہے اور وہاں کے باشندے اُنہی بادشاہوں کے ماتحت اپنے ملک کے گستہ اقطاع میں شیرازہ بندی اور اغیار سے وطن مادری کو پاک کرنے میں کامیاب ہوا چاہتے ہیں۔ تمام اطالیہ میں تیاریاں ہو رہی ہیں کہ چارلس البرٹ کی قیادت میں پیش قدمی کی جائے اور آسٹریہ والوں کو من چیو اور اڈیج کے کنارے کے آخری مورچوں سے نکال دیا جائے۔ اور اسی طرح جب پروشیہ کے بادشاہ فریڈرک ولیم کی فوج ہولسٹین میں داخل ہوتی ہے کہ اسے اور برابر کے جرمن صوبے کو ڈنمارک والوں کے پنجے سے مخلصی دلائے تو ساری قوم اس کی حمایت پر کمربستہ ہے۔ صرف اسٹریہ کے سپہ سالار راڈیٹسکی کے لشکرگاہ میں یا سینٹ پیٹرزبرگ کے دربار میں ابھی تک یورپ کے پرانے طرز شاہی کا نقشہ نظر آتا تھا۔ حقوق عوام کی مخالفت میں سرگرمی کے یہ دو مرکز الگ تھلگ پڑے رہ گئے تھے لیکن دنیا ان کی قوت کا تماشا بہت جلد دیکھنے والی تھی اگرچہ واضح رہے کہ ان کی بدولت

رجعت و استبداد کو ایک مرتبہ اور جو فتح حاصل ہوئی وہ حاصل نہ ہوتی اور یورپ بھر کے واقعات کا رُخ کبھی نہ بدلتا اگر اقوام کی باہمی نفرت اور عوام الناس اور اُن کے قائم مقاموں کی غلطیاں اور نااہلی اِن حامیانِ استبداد کی تائید نہ کرتیں۔ دوسرے اگر اُس نسل کے افراد سب کے سب سرفروش اور عقلائے روزگار ہوتے تو بھی نئے مقاصد کی تکمیل میں سیاسی صورتِ حال نے جو دشواریاں لاکھڑی کی تھیں وہ بے حساب تھیں۔

فرانس کی ہنگامی حکومت

وسطی یورپ کو انقلاب ۱۸۴۸ء کا اشارہ فرانس نے دیا تھا مگر خود فرانس میں جو ہل چل ہوئی وہ قومی آزادی کے واسطے نہ تھی بلکہ محض سیاسی اور تمدنی اغراض کے لئے تھی پس انقلاب کی دَور سب سے پہلے وہیں ختم ہوئی اور انقلاب انگیز قوتیں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ لوئی فلیپ کے فرار ہونے پر مجلسِ مبعوثین نے نظم و نسق کا اختیار ایک ہنگامی حکومت کے حوالے کر دیا جس کا سب سے ممتاز فرد فنِ شعر و خطابت کا استاد لامارتین تھا۔ حکومت کا مستقر ایوان شہر میں بنایا گیا اور وہاں سے اس نے بہ مشکل عوام الناس کو سہ رنگ جھنڈے کی بجائے سرخ جھنڈا اُڑانے سے روکا۔ اور اپنے سرغنوں کی تجاویز پر فوراً عملدرآمد شروع کرنے سے باز رکھا حکومت کے ارکان میں زیادہ تر ایک معتدل قسم کی جمہوریت کے حامی شامل تھے جو تمام پیشہ وروں کی بجائے شہروں کے طبقۂ متوسط کے خیالات کے وکیل تھے۔ مگر ان کے پہلو بہ پہلو لیدرو رولین نامی مقرر بھی موجود تھا جس کے دماغ میں ۱۷۹۳ء کے فقرے سمائے ہوئے تھے۔ نیز لوئی بلان حکومت کا رکن تھا جو ہر سیاسی انقلاب کو محض مزدوروں کی تنظیم کے ترقی دینے اور اہلِ حرفہ کو غلامی سے نجات دلانے کا ذریعہ سمجھتا تھا اور اس کی تدبیر اُس کے ذہن میں یہ تھی کہ سرکاری نگرانی میں صنعتی کارخانے کام کریں جن میں ہر شخص کو اس کے لائق کام اور مناسب اُجرت دی جائے۔ ہنگامی حکومت نے سب سے اوّل جو اعلان جاری کئے اِن میں ایک اُس عرضداشت کے جواب میں تھا جس میں "مزدوری کا حق" تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور اس اعلان میں حکومت نے ہر باشندۂ ملک کے لئے کام مہیا کرنے کی ذمہ داری

باب(۱)

لی تھی اس اقرار کے بعد ہی، جس سے مشکل تر ذمہ داری از خود شاید کسی حکومت نے نہ لی ہو گی، قومی کارگاہیں کھل جانے لگیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسے انقلاب کے ہنگامے میں جس نے تمام سیاسی گروہوں کو اچانک آلیا تھا، صنعتی کام سرکاری نگرانی میں چلانے کی نئی تدابیر کی پوری طرح غور و تنقیح کرنی ممکن نہ تھی۔ اہلِ حکومت نے محض ایک خیالی منصوبے کو تسلیم کر لیا تھا اور وہ اس بات کو مطلق نہ جانتے تھے کہ اس پر عمل کی صورت کیا ہو گی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کونسی چیزیں بنائی جائیں گی اور کیا کیا کام ہوں گے؟ پھر افلاس زدہ و بیکار مزدوروں کو ان مرکزوں تک جہاں مزدوری پر لگایا جائے، جمع کرنے کا کام ہی اتنا دشوار تھا کہ اس کے لئے حکومت کو ایک نیا محکمہ قائم کرنے کی ضرورت پڑی۔ یہ ہو گیا تو جو لوگ جمع ہوئے تھے وہ صنعت و حرفت کے کسی کام کرنے کے لائق ثابت نہ ہوئے۔ ان کی تعداد اس تیزی سے بڑھی کہ چار ہفتہ کے اندر چودہ ہزار سے پینسٹھ ہزار پر پہنچی۔ خود

قومی کارخانے۔

حکومت کے انقلاب نے سخت مالی اور تجارتی انتشار ڈال دیا تھا کہ سارے معمولی کاروبار معطل اور ہزاروں آدمی وسائل معاش سے محروم ہو گئے تھے۔ اب یہ سب اور ان کے ساتھ بہت سے دوسرے نکھٹو جن کو کام کرنے کا خیال بھی نہ تھا، سرکاری کارخانوں میں آ بھرے۔ دوسری طرف، سرکاری خزانے سے تنخواہ پانے کا یقین ہوا تو مزدور خانگی آجروں کے ہاں کا کام چھوڑ بیٹھے اور اس قسم کے ذاتی کارخانوں سے قطع تعلق کرنے لگے۔ انسدادی تدابیر تو کی گئی تھیں کہ سرکاری کارخانوں میں پیرس کے باشندوں کے سوا باہر کے لوگ بھرتی نہ ہو سکیں لیکن وہ محض بے کار ثابت ہوئیں اور قرب و جوار کے ہزاروں نکمے فاقہ زدہ لوگ پایۂ تخت میں گھس آئے۔ امدادِ عوام کے سرکاری محکموں میں جس قدر خرابیاں ہوا کرتی ہیں وہ سب پیرس میں بدترین صورت میں موجود تھیں مگر تجربے، دانائی اور حفظِ ماتقدم کے کسی عنصر کا نشان نہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ اگر ان نیک نفس خیالی لوگوں کی بجائے ۱۸۴۸ء کے اس تجربے کی بانی گروہی اشخاص کی کوئی جماعت ہوتی اور اس کا منشا یہ ہوتا کہ دنیا پر ثابت کر دے کہ آزاد و بے قید مقابلے کے سوا نوعِ انسان کو اوپر اُبھارنے کی اور کوئی شکل نہیں ہو سکتی، تو وہ بھی اپنی

کامیابی کے واسطے اس سے زیادہ کارگر موقع نہ پا سکتی تھی۔[۵]

عوام الناس کے سرگروہ اوّل سے یہ سوچے بیٹھے تھے کہ خاندان اورلیون کی بادشاہی کی بجائے جو حکومت قائم کی جائے اس کے نظام کا فیصلہ کرنا ہمارا حق ہے، ملک کے دوسرے افراد کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ہنگامی حکومت نے اپریل کے زمانے میں انتخابِ عام کا جو حکم جاری کیا تھا، یہ لوگ اس کے نتائج سے بھی کوئی حسب دل خواہ امید نہ رکھتے تھے اور ان کی بدگمانی بے وجہ نہ تھی۔ ان کے اس خوف کا اظہار سب سے پہلے وزیر داخلیہ، لیدرو رولین کی ایک گشتی سے ہوا۔ لیدرو نے یہ مراسلہ ساتھ کے وزیروں کی بغیر اطلاع سرکاری ناظروں (کمشنروں) کے نام بھیجا تھا جو بادشاہی عہد کے منتظمین (پریفکٹس) کی جگہ مقرر ہوئے تھے۔ اسی گشتی سے جبر و تخویف کے ان وسائل کا پتہ چلا جن سے لیدرو رولین کا فریق ملک کو زبردستی اپنی رائے کے مطابق چلانے کی امید رکھتا تھا۔ ناظروں کو صاف صاف الفاظ میں اطلاع دی گئی تھی کہ وہ ایک انقلابی حکومت کے کارندے ہیں۔ اُن کے اختیارات غیر محدود اور خاص مقصد یہ ہوگا کہ کوئی شخص جو انقلاب کے جذبے سے عاری اور گذشتہ واقعات میں بالکل بے تعلق رہا ہو، انتخابات میں دخل نہ پائے۔ اگر یہ گشتی بجائے ایک وزیر کے جو اپنے اکثر ساتھیوں سے اختلاف رکھتا تھا اور جس کے اقوال، افعال کی بہ نسبت کہیں زیادہ خطرناک ہوا کرتے تھے، جملہ ارکانِ حکومت کی جانب سے جاری ہوتا تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ دوبارہ ۱۷۹۳ء کے طور طریق کا دور دورہ ہونے والا ہے۔ لیکن سب جانتے تھے کہ لیدرو رولین کا کوئی حامی اور مؤید نہیں ہے اور مجموعی طور پر حکومت، اشد جمہوریت پسندوں کے خیالات سے اس قدر بُعد رکھتی تھی کہ جمہوریت پسندوں نے ۱۶۔ اپریل کو ایک مظاہرے کی تیاری کی جس کا منشا یہ تھا کہ سرکار کو انتخابات کے التوا پر مجبور کیا جائے تو فشونِ قومی کے بروقت مسلح ہو کر آپہنچنے سے عوام الناس کے سرگروہوں کے سارے منصوبے دھرے رہ گئے کیونکہ یہ فوج ابھی تک پیرس کے طبقہ متوسط پر مشتمل تھی۔ لامارتین اور وزراکی اکثریت اپنے انقلاب پسند رفیق پر غالب آئی اور انتخابات مقررہ وقت پر ہی

(حاشیہ: ہنگامی حکومت اور اشد جمہوریت پسند۔)

(حاشیہ: انتخابات ۲۳۔ اپریل۔)

[۵] Actes..... Provisoire وغیرہ وغیرہ

باب ۱۱

ہوئے۔ پھر ہر فرد کو رائے کا اختیار مل جانے کے باوجود انتخاب میں جو لوگ مبعوث منتخب ہوئے وہ اُن سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہ تھے جواب تک فرانس کی ملکی مجلس میں منتخب ہوتے رہے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اِن میں سے اکثر افراد جمہوریت کا دم بھرتے تھے لیکن وہ معتدل قسم کے لوگ تھے اور اجلاس کے شروع ہوتے ہی صاف ظاہر ہو گیا کہ اِن قومی وکلا اور پیرس کے اشتراکی جمہور میں اگر کوئی تعلق ہو سکتا ہے تو وہ کم و بیش شدید مخالفت کا تعلق ہو گا۔

مجلس قومی ۵-مئی۔

مجلس کا ۵-مئی کو جلسہ ہوا اور اس کا پہلا کام یہ اعلان کرنا تھا کہ ہنگامی حکومت قوم کے شکریے کی مستحق ہے پھر اسی حکومت کے اکثر ارکان کو اُنھوں نے اپنے عہدوں پر بحال کر دیا اور انھیں "جماعت عاملہ" کا نام دیا۔ لیدرو رولین کی خطاؤں سے یہ سمجھکر کہ وہ عوام الناس میں ہر دل عزیز ہے اور گمان غالب ہے کہ اپنے ساتھ والوں کے کچھ نہ کچھ اثر میں آ جائیگا، چشم پوشی کی گئی لیکن لوئی بلان اور اس کے حامی البرٹ کو حقیقت میں خطرناک آدمی سمجھکر خارج کر دیا گیا۔ اس پر جیکوبن سرغنوں نے جو مجلس پر کثرت تعداد سے حملہ کرنے کی تدبیر شروع کی اور ۱۵-مئی کو حملے کا اقدام بھی کیا یعنی پولینڈ کی جانب سے عرضی پیش کرنے کے بہانے سے بلوائیوں نے شعبۂ وضع قوانین پر یورش کی۔ مجلس کے فسخ کر دئے جانے کا اعلان کیا اور مبعوثین کو ایوانِ مجلس سے مار بھگایا۔ لیکن یہ تھوڑی دیر کی کامیابی تھی۔ قشون قومی کے سپہ سالار کی غفلت سے حفاظت کی تدابیر عمل میں نہ آئی تھیں مگر اب یہی فوج پھر مرتب ہو کر لڑنے نکلی۔ بلوائیوں کے بعض سرغنے ایوان شہر میں ایک نئی ہنگامی حکومت بنا کے بیٹھے تھے۔ وہ گرفتار کر لئے گئے اور چند ہی گھنٹے کے عرصے میں مجلس کا قصر بوربون پر قبضہ بحال ہو گیا۔

۱۵-کا بلوہ۔

۱۵-مئی کی شرمناک حرکتوں سے قوم کے نائبوں کی سخت ہتک ہوئی اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نیم مسلح بلوائیوں پر قشون قومی قطعی طور سے فائق اور غالب ہیں۔ اسی سے مجلس کو یہ ہمت ہوئی کہ نام نہاد اشتراکی جمہور کے خلاف علانیہ جنگ چھیڑ دے اور سرکاری کارخانوں کے

سرکاری کارخانے توڑنے کی کارروائی۔

توڑ دیئے جانے کا حکم صادر کرے۔ ان کارخانوں میں اب ایک لاکھ سے زیادہ آدمی شامل تھے اور اندیشہ تھا کہ وہ سرکاری خزانے کا دیوالہ نکال دیں گے۔ دوسرے ان کارخانوں سے وہ پست اخلاقی پیدا ہوتی تھی کہ صاف نظر آتا تھا کہ پیرس کے مزدور پیشہ طبقوں میں جس قدر اچھے اوصاف ہیں وہ سب غارت ہو جائیں گے۔ جن کو سرکاری خزانے سے تنخواہ ملتی تھی ان میں ایمانداری سے محنت کرنے کا مادّہ ہی مفقود ہو گیا تھا۔ کارخانے قائم کرنے والوں کی نیّت کیسی ہی خالص اور شروع میں داخل ہونے والے مزدوری پانے کے لئے فی الواقع کیسے ہی پریشان و فکرمند کیوں نہ ہوں، اب تو یہ کارخانے محض طوفان بے تمیزی کا گھر بن گئے تھے جہاں سرکار کے بے دریغ خرچ سے خود حکومت کو تباہ کرنے والی ایک فوج عظیم تیار ہو رہی تھی۔ غرض اس خرابی کو دور کرنا ناگزیر ہو گیا تھا خواہ اس کام میں کتنا ہی جوکھوں کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ذیلی مجلسوں نے مزدوروں کی اس فوج کو منتشر کرنے کی تجویزیں مرتب کیں اور مجلس مبعوثین میں ان پر بحث ہوئی۔ اور اگر اس غور و بحث میں غیر ضروری تاخیر نہ کی جاتی تو ممکن تھا کہ یہ عقدہ دشوار امن و اطمینان سے حل ہو جاتا۔ لیکن پہلے تو حکومت کو تذبذب رہا اور جب اس کے متعلق فیصلہ کئے بغیر چارہ نہ رہا تو اس نے ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ٹھان لی جو ذیلی مجلسوں کی تجویزوں سے زیادہ تشدد آمیز اور فوری تھیں۔ ۲۱- جون کو یہ حکم شایع کر دیا کہ سرکاری کارخانوں کے سارے مزدور جن کی عمر ۱۷ سال سے ۲۵ سال تک کے درمیان ہو یا تو سرکاری فوج میں بھرتی ہو جائیں اور یا انھیں سرکار کی طرف سے کوئی مدد معاش نہیں دی جائے گی۔ دوسرے باہر کے اضلاع سے جو لوگ پیرس میں آ بھرے تھے اور ان کے اخراج کی تیاریاں پہلے ہی ہو چکی تھیں حکم ہوا کہ اب اس بارے میں بلا تاخیر عملی کارروائی کی جائے۔

جون کا "دور چہار روز" (۲۳ تا ۲۶)۔

اس حکم کی اشاعت گویا دعوتِ جنگ کا اشارہ تھا۔ سرکاری کارخانوں ہی میں مزدوری کے لشکر نیم مرتب حالت میں موجود اور تعداد میں کئی جنگی جیوش کے مساوی تھے، اب ان میں ایک طرح کے جنگی اتحاد کی روح بھی سرایت کر گئی۔ غرض ۲۳- جون کی صبح سے بغاوت کا آغاز ہوا اور وہ اس طریق سے کی گئی کہ پہلی کوئی بغاوت پیرس میں اس شان کی نہ ہوئی تھی۔

باب (۱) شہر کے مشرقی حصّے میں مورچوں کی بھول بھلیاں سی تیار کر لی گئی سوائے اس کے کہ شورہ پشتوں کے پاس توپیں نہ تھیں، اور ہر طرح وہ بخوبی مسلح تھے۔ اب سر پر تُلی ہوئی لڑائی کی خوفناک نوعیت مجلس پر آشکار ہو گئی۔ سپہ سالاری کا کام وزیر جنگ جنرل کاوین یاک کے تفویض ہوا اور بعد میں جماعت عاملہ نے اپنے جملہ اختیارات بھی سونپ دیئے اور اسے معاملات کا کامل اختیار دے دیا۔ پیرس کے قرب وجوار میں جس قدر فوجیں تھیں انھیں فوراً پائے تخت میں طلب کر لیا گیا۔ کاوین یاک خوب جانتا تھا کہ اگر الگ الگ چھوٹی چھوٹی چوکیاں قائم کر کے بغاوت کو روکنے کی کوشش کی تو ۱۸۳۰ء کی طرح اس کا انجام بھی یہ ہو گا کہ ان منتشر دستوں میں بد دلی پیدا ہو جائے گی اور زیادہ حریفوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائیں گے۔ پس اُس نے شہر کو ایک وسیع میدان جنگ قرار دیا کہ اس پر پورے لشکر سے حملہ کیا جائے اور ساری فوج لے کر دشمن کو ایک ایک مورچے سے نکالا جائے پھر بھی بعض دفعہ تو معلوم ہوا کہ یہ کام جس قدر فوجیں معروف جنگ ہیں، ان کے قابو سے تقریباً باہر ہے اور باغی اونچی اونچی باڑوں کے پیچھے اور مکانوں کی کھڑکیوں سے گولیاں برسا برسا کر شہر پر قابض ومسلط رہیں گے۔ چار دن تک یہی زور آزمائی رہی لیکن آخر کار کاوین یاک کے توپ خانے اور فوجوں کی باقاعدگی نے سرکشوں کا قلع قمع کر دیا۔ پیرس کے اسقف نے سرفروشانہ کوشش کی تھی کہ مزید کشت وخون رُک جائے۔ اسی میں مہلک زخم کھایا اور اس کے بعد باغیوں کے بچے کھچے دستے شہر کے شمال مشرقی حصّے میں دھکیل دیئے گئے اور وہاں سامنے سے اور بازو سے توپوں کی دُہری مار پڑی تو مجبور ہو کر اُنھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

جُون کے "دو رچار روزہ" معرکے کی مختصر روداد یہ تھی۔ اس لڑائی میں یاد رکھنے کے لائق بات یہ ہے کہ لوگ کسی سیاسی اصول یا طرز حکومت کے واسطے نہیں لڑے بلکہ یہ لڑائی اُس تمدن کے استیصال یا تحفظ کے لئے تھی جو املاک شخصی کے اصول پر مبنی ہے۔ چند مستثنیات کے سوا قشون قومی کے سپاہیوں نے سرکاری فوج کا ساتھ دیا اور اس کے دوش بدوش سب خطرے جھیلے اور برابر کا نقصان برداشت کیا۔ مزدوروں نے اس واسطے اور بھی جوش وخروش کے ساتھ حصّہ لیا کہ ناکامی کی صورت میں وہ اپنے وسائل معاش سے محروم ہوتے تھے۔

دونوں طرف سے ایسی ایسی وحشیانہ حرکتیں سرزد ہوئیں کہ شدتِ جنگ کا عذر بھی اُن کی تاویل نہیں ہوسکتا۔ تاہم فتحمندوں نے غلبہ پانے کے وقت جو انتقام لیا بظاہر اس میں اتنی بے دردی نہیں دکھائی گئی جتنی آیندہ ۱۸۷۱ء میں مجلس عوام کے استیصال کے وقت دکھائی گئی اگرچہ مجلس نے جوق درجوق قیدیوں کو جن کے پاس ہتھیار تھے بلا تحقیقات جلاوطنی کی سزا دینے میں باک نہیں کیا۔ کاوین یاک کی فتح اور سلامت نکل آنے کے باوجود آبادی کے وہ طبقے جن کی خاطر یہ لڑائی ہوئی تباہی کے خوف سے نہایت ہراساں و ترساں رہے اور انھیں آیندہ کسی جمہوری وضع کی حکومت سے اپنی خیریت اور حفاظت کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ اسی بنا پر ان مراعات کے خلاف جو ماہ فروری سے حکومت کمزوری اور ناعاقبت اندیشی کے باعث عوام الناس کے ساتھ کرتی رہی تھی رجعت شروع ہوئی اور گو اس کا بہ آواز بلند اظہار نہ ہوا لیکن یہ مخالفت خاص کر محاصل اور مالیات کے معاملے میں بہت گہری اور قوی تھی۔ سرکاری کارخانے نابود ہوے اور جو لوگ ذریعۂ معاش سے محروم رہ گئے ان کی مدد کے لئے مجلس نے روپے کی منظوریاں دیں بھی تو یہ روپیہ یا تو خیراتی طور پر دیا گیا اور یا انجمنوں کو قرض کی صورت میں۔ سرکاری تنخواہ کے طریق پر نہیں دیا گیا۔ صاحبان املاک کا ہر طرف سے یہی مطالبہ تھا کہ سرکار کو ملکی اقتصاد کے معاملے میں مالیات کے قابل اطمینان مجرّب اصول کی جانب عود کرنا چاہیئے اور ایک مضبوط مرکزی قوت قائم ہونی چاہیئے۔

بیم و ہراس جو واقعات جون کے بعد پیدا ہوے۔

امن و امان ہو جانے پر جنرل کاوین یاک اپنے مفوضہ اعلیٰ اختیارات سے دست بردار ہوگیا لیکن مجلس کی خواہش سے یہ اختیارات نئے آئینِ حکومت کے تیار ہونے اور اس کے قواعد کے مطابق جماعت عاملہ کے مقرر ہونے تک دوبارہ اُسے ملے اور وہی انتظام کرتا رہا۔ مذکورۂ بالا واقعات نے کاوین یاک کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر اوج ناموری پر پہنچا دیا اور بظاہر فرانس پر آیندہ فرماں روائی کے لئے چن لیا تھا۔ لیکن بغاوت فرو ہونے کے بعد کے چھ مہینے میں اُس نے حکمرانی کی کوئی خاص اہلیت نہ دکھائی اور اس کے نقائص اور

کاوین یاک اور لوئی نپولین

باب (۱)

محاسن دونوں اس کے ذاتی فروغ کے مخالف ثابت ہوئے۔ سچا جمہوریت پسند ہونے کے ساتھ وہ قانون کا سخت حامی اور پابند تھا اور ان لوگوں کے اثر میں کبھی نہ آیا جو محض نام کے جمہوریت پسند اور درحقیقت جمہوریت کے دشمن تھے اپنے سرکاری افعال و اقوال میں جس طرح بلوائی اور اشتراکی گروہ کے اس نے کان کھولے اسی طرح رجعت پسند طبقوں کے جذبات کی خبر لینے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جس وقت کاوین یاک کا اثر گھٹنے لگا اس وقت ایک اور نام نے رفتہ رفتہ دماغوں میں جگہ لے لی۔ نپولین بوناپارٹ کے بھائی لوئی (شاہ ہالینڈ)، کے فرزند لوئی نپولین کو جلاوطنی کے باوجود، چار ضلعوں نے مجلس مبعوثین کے لئے منتخب کیا تھا حالانکہ سوائے نام کے اس کے ہم وطن اس کے حال سے بالکل ناواقف تھے۔ وہ ۱۸۰۸ء میں پیرس کی شاہی محلسرا میں پیدا ہوا اور بچہ ہی تھا کہ سلطنت کی تباہی کے جھگڑوں میں ناکردہ گناہ پھنسا اور اس قانون کی رو سے جس نے فرانس سے خاندان نپولین کے تمام افراد کو خارج کر دیا تھا، وہ بھی اپنی ماں ہورٹنس کے ساتھ جلاوطن کیا گیا۔ اس نے آوگزبرگ میں کونسٹنس کے تالاب کے کنارے پرورش پائی اور ایک سوئسی توپ خانے کی فوج میں رضاکار کے طور پر رہ کر فوجی زندگی کا بھی کسی قدر تجربہ حاصل کیا۔ ۱۸۳۱ء میں وہ روماناکے باغیوں میں شریک ہو گیا جو پاپائی حکومت کے خلاف مصروف جنگ تھے۔ انہی دنوں بڑے بھائی کی موت اور پھر ۱۸۳۲ء میں امیر رائشٹاڈٹ[۱] کی وفات سے خاندان بوناپارٹ کا سرگروہ وہی ہو گیا۔ اور گو وہ دنیائے عمل کا مرد میدان نہ تھا بلکہ ایک بے تعلق گوشہ نشین سا آدمی تھا اور گو اپنے وطن سے اسے اتنا کم لگاؤ رہ گیا تھا کہ فرانسیسی کا ایک جملہ بھی بغیر نمایاں جرمن لب و لہجہ کے زبان سے ادا نہ کر سکتا تھا اور کبھی کوئی فرانسیسی ناٹک تک اس نے نہ دیکھا تھا، بایں ہمہ اب اس کے ذہن میں یہ خیال جم گیا کہ ایک دن ملک فرانس کا تاج اس کے زیب سر ہوگا۔ چند گم نام سے من چلے اس کے ساتھ تقدیر آزمائی کے لئے جمع ہو گئے اور ۱۸۳۶ء میں وہ اسٹراس بورگ پہنچا اور سپاہیوں کے سامنے اپنی بادشاہی کا دعویٰ کیا۔ مگر اس

۱؎ ڈیوک آف رائشٹاڈٹ، نپولین اعظم کا بیٹا تھا۔

جسارت سے ناکامی اور فضیحت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اورلیانی حکومت نے اس پر مقدمہ چلانا بھی فضول سمجھا اور اسے روپیہ دے کر جہاز میں امریکہ بھیجدیا۔ لیکن لوئی نپولین نے دوبارہ اوقیانوس کو عبور کر کے انگلستان میں سکونت اختیار کرلی اور دوبارہ وہی کوشش بولون میں کی جو اسٹراس بورگ میں ناکام ہو چکی تھی۔ اس مرتبہ بھی انجام بہت خراب نکلا اور اسے حبس دوام کی سزا ملی۔ اسی قید میں اُسنے چھ برس شہر ہام میں کاٹے اور یہاں "نپولیانی خیالات" پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا اور سیاسی اور تمدنی مسائل پر بعض مضامین بھی لکھے۔ ان دنوں فرانس میں نپولین کی عقیدت مندی جس کا ۱۸۱۵ء سے کوئی اثر آثار نہ رہا تھا، پھر جوش پر آرہی تھی۔ عہد فتوحات کے مصائب فراموش ہو چکے تھے۔ لوئی فلیپ کا استقلال کے ساتھ امن و صلح قائم رکھنا، نوجوان و پُرجوش طبائع کو جنھیں اغیار کے ملک میں گھس آنے کا تجربہ نہ تھا، موجب عار نظر آتا تھا۔ ادبی دنیا میں دو نامور مصنف قوم کی متخیلہ پر چھا گئے تھے۔ ایک تھیرز جس کی تاریخ نے نپولین کے کارناموں کا جیتا جاگتا مرقع پیش کیا اور دوسرا بیرانژر (Berangor) جس کی شاعری نے سینٹ ہلینا میں اس کے ایام جلاوطنی کو ایسے سوز و گداز کے رنگ میں بیان کیا جسے پڑھکر خواہ مخواہ ترس و درد پیدا ہوتا تھا گو وہ عارضی اور مصنوعی کیوں نہ ہو۔ اس طرح دنیا کو ہام کے قیدی سے کوئی سروکار تھا یا نہ تھا، خود زمانے کا رُخ اس کے حق میں کام کر رہا تھا۔ لوئی نپولین کی قید چھ سال تک رہی حتیٰ کہ وہ فرار ہو کر دوبارہ انگلستان چلا آیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس قید نے غور و خوض کے طبعی میلان کو بڑھا دیا اور کم ہونے کی بجائے اسے اپنی ذات پر پہلے سے بھی زیادہ اعتماد ہو گیا۔ لُوئی فلیپ کے اخراج پر وہ پیرس آیا تھا لیکن خاندان بونا پارٹ کی جلاوطنی کا قانون منسوخ نہیں ہوا تھا۔ اور اسی بنا پر ہنگامی حکومت نے درخواست کی کہ وہ ملک سے چلا جائے۔ لُوئی نپولین نے تعمیل کی اور غالباً اندازہ کر لیا کہ جس وقت جمہوری حکومت مشکلات میں مبتلا ہو گی اس وقت فرانس میں آنے کے بہتر مواقع میسّر آسکیں گے اس عرصے میں گمنام اشخاص کا وہ گروہ جو خاندان نپولین کی بحالی میں اپنے فروغ و فلاح کی امیدیں لگائے بیٹھا تھا، اس شہزادے کی زبانی اور تحریری وکالت میں سرگرم رہا اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوا کہ جون کے آغاز میں جو جزوی انتخابات

باب (۱)

ہوئے ان میں لوئی نپولین کو چار جگہ کامیابی ہوئی ۔ حکومت کی مخالفت کے باوجود مجلس نے بھی لوئی کی واپسی کو جائز قرار دیا ۔ ان سب باتوں کے باوجود اس شہزادے نے غیر معمولی ضبط سے کام لے کر اپنی عزلت پسندی کو ہاتھ سے نہ دیا اور اس بنا پر اپنی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا کہ اس انتخاب کی آڑ میں بعض ایسی تحریکیں شروع ہو گئی ہیں جنھیں میں پسند نہیں کرتا ۔ اسی کے ساتھ مجلس کے صدر کو جو خط بھیجا اس میں یہ بھی لکھا کہ اگر قوم میرے ذمہ کوئی فرض عائد کرے تو میں ان کی انجام دہی میں قاصر نہ رہوں گا ۔

لوئی نپولین مبعوث منتخب ہوتا ہے مگر استعفیٰ دے دیتا ہے ۔ ۱۳ جون ۔

اس وقت سے لوئی نپولین کا امیدوار ہونا سب پر ظاہر ہو گیا ۔ انہی دنوں مجلس ، جمہوریت کے آئین کی ترتیب میں مصروف تھی ۔ ماہ جون کی مذکورہ بالا ہلچل میں جماعت عاملہ غائب ہو چکی تھی کاوین یاک بھی خود حکومت کرنے کی بجائے زیادہ تر مختلف فریقوں میں توازن قائم کرنے ہی میں مصروف رہا ۔ ادھر آئین حکومت پر بحث مباحثے کے دوران میں پانچ اضلاع نے پھر لوئی نپولین کو اپنا قائم مقام منتخب کیا ۔ لوئی سمجھ گیا کہ اب کنج عزلت میں بیٹھے رہنے کا وقت نہیں ہے لہذا رائے دینے والوں کی طلبی پر وہ پیرس آیا اور مجلس میں اپنی جائے لے لی ۔ سب جانتے تھے کہ وہ جمہوریت کی صدارت کا امیدوار ہوگا اور عوام الناس میں اس کا نام نہایت مقبول و ہر دلعزیز ہے ۔ اس نے دو مرتبہ تخت نپولین کے وارث کی حیثیت سے اپنے آپ کو فرانس میں پیش کیا تھا اور اپنے خاندانی حق سے براہ راست کبھی دست برداری نہیں کی تھی پھر حال ہی میں اس نے پُر معنی لہجے میں جتایا تھا کہ مجھے قوم کے عائد کردہ فرض کی انجام دہی کرنی بھی آتی ہے ۔ مگر ان تمام واقعات کے پیش نظر ہونے کے باوجود مجلس لامارتین کی چرب زبانی سے دھوکے میں آگئی اور فیصلہ کیا کہ جدید آئین میں صدر جمہوریت کا جس کے ہاتھ میں انتظامی اختیارات ہوں گے ، براہ راست عام باشندوں کی رائے سے انتخاب کیا جائے اور موسیو گریوی کی ترمیم کو مسترد کر دیا جس نے کمال دور اندیشی اور سچی مستقبل شناسی سے اہل مجلس کو جتا دیا تھا کہ اس طرح براہ راست باشندوں کے

لوئی نپولین کا دوبارہ انتخاب ۔

انتخاب سے فرانس دوبارہ ایک مطلق العنان حاکم کو اپنے اوپر مسلط کرلے گا اور مطالبہ کیا تھا کہ صدر کا انتخاب عوام کی بجائے مجلس مبعوثین کرے۔ یہ رائے نہ چلی اور لوئی نپولین کے لئے حصول اقتدار کا راستہ صاف ہو گیا۔ اسے اشتراکی نظریات سے اب تک جو کچھ دلچسپی تھی وہ ماہ جون کے واقعات دیکھکر نسیاً منسیا ہو چکی تھی اور اب وہ سمجھ گیا تھا کہ فرانس کو ایسے حاکم کی ضرورت ہے جو امن و املاک کی حفاظت کرسکے۔ چنانچہ قوم کے نام اس پیام میں جس میں اس نے اپنی صدارت کی امیدواری کا اعلان کیا صاف صاف لکھدیا تھا کہ نظام تمدن کو بیباکانہ حملوں سے بچانے کے واسطے میں کسی قسم کی قربانی کرنے سے دریغ نہ کروں گا۔ میں اپنے آپ کو بالکلیہ بقائے جمہوریت کے لئے وقف کردوں گا۔ اور اس بات کو اپنے واسطے موجب فخر و مباہات سمجھوں گا کہ چار سال کے خاتمے پر میرا جانشین آزادی کو صحیح سالم، ملک کو زیادہ ترقی یافتہ اور حکومت زیادہ محکم و قوی حالت میں پائے۔ ان عام قول و قرار کی ضمن میں اس نے کمال عیاری سے مختلف طبقوں اور سیاسی گروہوں کی خاص خاص اغراض کا بھی اشارہ کیا اور ہر ایک کو کچھ نہ کچھ مل جانے کا امیدوار بنا لیا تھا۔ پھر صدر نشین کا انتخاب ہوا تو فرانسیسی قوم نے ثابت کر دیا کہ انھیں لوئی نپولین پر اتنا اعتماد ہے کہ خود اسے اپنی ذات پر نہ ہوگا۔ دراصل عوام الناس میں یا تو یہ فطری جذبہ تھا کہ ایسے حقیقی یا فرضی تجویزوں سے اپنا تحفظ کیا جائے جن سے شدید نقصان کا اندیشہ تھا، اور یا اس کے علاوہ کوئی خواہش تھی تو یہ کہ نپولین کی یاد عزت و احترام کے ساتھ تازہ رہے۔ پچھتر لاکھ اشخاص نے انتخاب میں رائیں دیں اور ان میں سے تقریباً پچاس لاکھ لوئی نپولین کے حق میں تھیں اس کا کوئی قابل لحاظ حریف تھا تو وہ کاوین یاک تھا، اسے لوئی سے تقریباً ایک چوتھائی رائیں میسر آئیں۔ اب لامارتین اور ان لوگوں کے بھی جو دس مہینے پہلے قوم کی امیدوں کے بہترین وکیل تھے، بہت کم لوگ حامی اور مددگار رہ گئے۔ ابھی تک بادشاہی لفظ علانیہ زبانوں پر نہیں آیا تھا لیکن ہر طرف سے شخصی اقتدار کو بحال کرنیکی خواہش کی جارہی تھی۔ دوسری مرتبہ جمہوریت قائم کرنے کے خواب پریشاں بادہوائی ہوگئے۔ فرانس نے بتادیا کہ وہ اپنی حکومت کے واسطے یا کسی سپاہی کو پسند کرسکتا ہے جسنے بغاوت فرو کی ہو اور یا کسی اجنبی کو، جسکے پاس پادشاہی نام کے سوا اور کوئی اعتمادی وجہ نہ ہو۔

لوئی نپولین کا انتخاب صدارت پر ۱۰ دسمبر

باب (۲)

باب دوم

(؞)

اسٹریہ اور اطالیہ ۔ وی آنا، از مارچ تا مئی ۔ بادشاہ کی فراری ۔ بوہیمیا کی
قومی تحریک ۔ وِنڈیش گراٹز پراگ کو مسخر کرتا ہے ۔ ویرونا کی نواح کی معرکہ
آرائی ۔ پاپائی مراسلہ ۔ نیپلز کا حال مئی میں ۔ لمبارڈی کی نسبت خط کتابت ۔
وینیشیا کی تسخیر مکرر ۔ جنگ کسٹوزا ۔ آسٹریہ والوں کا داخلہ میدان میں ۔ ہنگری اور
دربار اسٹریہ ۔ سربیون کا حال جنوبی ہنگری میں ۔ سربیون کی مجلس کارلووٹز ۔
جلاکیک ۔ کروشیہ کے معاملات ۔ جلاکیک، دربار شاہی اور ہنگری کی
لیمبرگ کا قتل ۔ ۳۔ اکتوبر کا اعلان ۔ وی آنا ۶۔ اکتوبر کو ۔ بادشاہ کی پناہ گزینی
اولمٹز میں ۔ وِن ڈیش گراٹز وی آنا کو فتح کرتا ہے ۔ کریم سیر کی مجلس ملکی ۔
شوارزن برگ وزیر ۔ فرڈی نینڈ کی دست برداری ۔ کریم سیر کی مجلس کا انفساخ ۔
"منشور وحدت و مساوات" ۔ ہنگری ۔ ٹرین سلونیہ کے رومانی ۔ آسٹروی
سپاہ کا قبضہ پسٹ پر ۔ ڈیبرزین میں ہنگری حکومت ۔ اہل آسٹریہ کا اخراج
ہنگری سے ۔ ہنگری کی آزادی کا اعلان ۔ روس کی مداخلت ۔ ہنگری کے
معرکے موسم گرما میں ۔ ولاگوس کی قبول اطاعت ۔ اطالیہ ۔ روسی کا قتل ۔
ٹسکنی ۔ لمبارڈی میں ماہ مارچ کے معرکے ۔ نووارا ۔ چارلس البرٹ کی
بادشاہی سے دست برداری ۔ وکٹر امانوئل ۔ ٹسکنی میں بادشاہی کی بحالی ۔
فرانس کی مداخلت روما میں ۔ اودی نو کی شکست ۔ اودی نو اور لیسیپ ۔
فرانسیسیوں کا داخلہ روما میں ۔ بحال شدہ پاپائی حکومت ۔ سقوط وینس ۔
فرڈی نینڈ صقالیہ کو دوبارہ فتح کرتا ہے ۔ حالات جرمانیہ ۔ فرینکفرٹ کی
قومی مجلس ۔ مالمو کی ہنگامی صلح ۔ برلن اپریل سے ستمبر تک ۔ پروشیہ کی فوج

باب

پروشیہ کی ملکی مجلس کے آخری ایام۔ پروشیہ پروسیئے منشور۔ آئین عطا ہوتا ہے۔ جرمانیہ کی قومی مجلس اور آسٹریہ۔ فریڈرک ولیم چہارم کا انتخاب بادشاہی پر۔ وہ تاج پہننے سے انکار کرتا ہے۔ مجلس قومی کا خاتمہ۔ پروشیہ کی کوشش ایک جداگانہ اتحاد کے لئے۔ ارفرٹ کی مجلس متحدہ۔ آسٹریہ کی کارروائی۔ ہسی کیسل۔ فرینکفرٹ کی مجلس متحدہ کی بحالی۔ اول موتس۔ شلیس وگ ہولسٹین۔ جرمانیہ ۱۸۴۹ء کے بعد۔ آسٹریہ ۱۸۵۱ء کے بعد۔ فرانس ۱۸۴۸ء کے بعد۔ لوئی نپولین۔ "پیغام اکتوبر" حقوق رائے کی حدبندی کا قانون۔ لوئی نپولین اور فوج۔ آئین کی مجوزہ ترمیم۔ ناگہانی انقلاب۔ نپولین ثالث کا اعلان بادشاہی۔

آسٹریہ اور اطالیہ۔

شمالی اطالیہ کے میدانوں میں تلوار سے ہمیشہ اُن نزاعوں کا فیصلہ ہوتا رہا ہے جو اطالیہ کے مقامی اغراض سے نہیں بلکہ زیادہ وسیع معاملات سے متعلق تھیں۔ اور شاید یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ قائم شدہ حکومتوں اور اہل انقلاب کے درمیان جو کشمکش ۱۸۴۸ء میں سارے وسطی یورپ میں برپا تھی، اس کے انفصال کا نقطہ اگر کہیں قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ برلن و وی اینا میں نہیں، اسے شمالی اطالیہ میں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ گو ان شہروں میں کئی بار نہایت اہم واقعات یکجا طور پر واقع ہوئے لیکن ایسا کوئی اجتماع اس قدر کارگر نہ ہوا جس قدر کہ لمبارڈی کے ایک معرکے کی فتح و شکست۔ آسٹریہ کی بادشاہی کی بقا ہی راڈیٹس کی کی فتح پر آٹھہری تھی اور اس کے مقابلے میں جو قومی فوجیں تھیں ان کی قیادت اب پیڈمونٹ نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اور اگر اطالیہ کی خود مختاری عساکر آسٹریہ کی ہزیمت پر منتج ہوا اور پھر فتحمند اطالیہ والوں کی مثال اور اثر سے آسٹریہ کی شہنشاہی کے خلاف کام لیا جائے تو ان قوتوں کو جو حالاک آسٹریہ کے ہر حصے میں خود مختاری کے واسطے ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں، بڑی تقویت پہنچ جاتی بلکہ غالباً اس بات کا کوئی امکان باقی نہ رہتا کہ تقدیر یا تدبیر کی کسی یاوری سے خاندان ہیپس برگ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جائے گی۔ ادھر، آسٹریہ کی تباہی یا سلامتی پر حسب سے وی اینا کی مرکزی قوت کی فتح یا شکست مراد ہے، حالاک جرمنی کے مستقبل کا بہت کچھ انحصار تھا۔ آسٹریہ کی مداخلت سے آزاد رہ کر جرمن ریاستیں بادشاہی و جمہوری

باب (۱۲) قوتوں میں خواہ کسی قسم کی مصالحت اور معاملت کر لیں، آسٹریہ کے دوبارہ غالب آجانیکا نتیجہ لامحالہ یہ ہوتا کہ آسٹریہ کا اقتدار جمہوری حکومت اور قومی اتحاد کے اصول کے خلاف عمل کرے۔ بہ الفاظِ دیگر فرینک فرٹ کی مجلس، دربارِ وی اینا کے مجالس سے اغماض کرتی تو اس کا سب کیا دھرا رائیگاں ہو جاتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ان سب مصالح کو تھوڑی دیر تک سیاسی مطلع کی طوفانی گھٹاؤں نے نظر سے چھپائے رکھا۔ کم سے کم شمالی جرمانیہ کے آزاد خیال گروہ کو تو اہل اطالیہ کی کوشش سے ۱۸۴۸ء کے یادگار زمانے میں کوئی ہمدردی نہ پیدا ہوئی بلکہ اُن کا میلان رہا تو اس حریف کی طرف رہا جو اگرچہ اطالیہ پر اپنا ظالمانہ قبضہ قائم رکھنے پر تلا ہوا تھا، بایں ہمہ جرمن نسل کا رکن تھا اور اس وقت آئینی حقوق کے سامنے سرِ نیاز بھی جھکائے ہوئے تھا۔ مگر یہ جرمن اہل الرائے کی غلطی تھی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ الپس کے پار جو طوق و زنجیر آزادی کو گھونٹ سکتے تھے۔ جرمن دست و پا پر بھی ان کی گرفت اتنی ہی سخت ہوئی۔ اور شمالی اطالیہ نے جو قوت آزمائی اپنی آزادی کے واسطے کی وہ بہت کچھ جرمن آزاد خیالوں کی جنگ تھی اور اس کی ناکامی میں بھی اُنھیں حصہ ملا۔

آسٹریہ کے پایۂ تخت سے میٹرنش کے دفع ہونے کے بعد، پہلا مطالبہ آئینِ حکومت کے متعلق پیش ہوا۔ اب اس کے جانشین حکام ایک خاص قسم کی خودنمائی کے ساتھ بلجیم کا آئین ۱۸۳۱ء مطالعہ کرنے بیٹھے۔ چند ہفتے کے بعد بادشاہی فرمان سے، ہنگری کے علاوہ سلطنت کے دوسرے حصوں کے لئے جدید آئین کا مسودہ شائع ہوا جس میں دو شعبوں کی ایک ملکی مجلس کی تجویز بھی شامل تھی کہ شعبۂ ادنیٰ کے ارکان تو بالواسطہ انتخاب کے ذریعے منتخب کئے جائیں اور شعبۂ اعلیٰ کے ارکان بادشاہ نامزد کرے اور اسی میں بڑے بڑے جاگیرداروں کے قائم مقام شامل ہوں۔ اس آئین میں بادشاہ اور اُمراء کے حسب منشا و فعات دیکھکر نیز بلا اطلاع و رائے اسے شایع کر دینے سے اہلِ وی آنا بہت بگڑے۔ شہر میں پھر شورش شروع ہوئی۔ نامقبول عہدہ داروں سے بدسلوکیاں کی گئیں۔ اخبارات کے لہجے میں زیادہ دریدہ دہنی اور بدتمیزی آگئی۔ آسٹریہ کے باشندوں کے غلامی میں ڈالے رکھنے کا ایک عجیب نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ اس ہنگامے میں جامعہ کے طلبہ پایۂ تخت کا

دی آنا، از مارچ تا مئی۔

سب سے قومی سیاسی گروہ بن گئے اور کچھ عرصے تک اُن کی یہ ممتاز حیثیت قائم رہی سیاسی رسوخ میں اِن کے مدِّ مقابل قشون قومی کے سپاہی تھے جو شہر کے طبقۂ متوسطہ سے اِس فوج میں بھرتی ہوے تھے۔ مگر مزدور پیشہ اب تک پس پشت پڑے رہے۔ بہر حال، ایوان جامعہ اور اِن شراب خانوں میں جہاں شہری فوج کے لوگ معاملات حاضرہ پر بحث مباحثہ کیا کرتے تھے، کہیں بھی سرکاری مسودۂ آئین قبولیت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ بلکہ حکومت پر زیادہ دباؤ ڈالنے کی غرض سے ۱۳ مئی کو یہ فیصلہ ہوا کہ قشون قومی اور طلبہ کی جو علیحدہ علیحدہ جمعیتیں کام کر رہی ہیں ان سب کو ہٹا کر ایک مرکزی مجلس مرتب کیجائے جس میں اِن دونوں گروہوں کے قائم مقام شامل ہوں مجلس کے لئے باقاعدہ انتخاب ہوا اور اس کے اجلاس شروع ہو گئے تھے کہ قشون قومی کے سپہ سالار نے ان سب کارروائیوں کو فوجی ضوابط کے خلاف قرار دیا اور مرکزی مجلس کے توڑ دینے کا حکم دیا۔ اِس پر ہنگامے بپا ہوے اور اُنہی ہنگاموں میں طلبہ اور عام بلوائی قصر شاہی کے اندر پہنچ گئے اور وزیروں سے نہ صرف اپنی مرکزی مجلس کے بحال کرنے کا مطالبہ کیا بلکہ مجوزہ آئین میں سے ایوان اعلیٰ کو منسوخ اور اُن تمام قیود کو حذف کرنے کی خواہش کی۔ جو لوگوں کے کُلی اختیارات پر حکومت نے اِس بارے میں عائد کی تھیں کہ رائے دہی کے حق کو محدود اور انتخاب کے طریق کو بالواسطہ رکھا تھا۔ ان سب مطالبات کو یکے بعد دیگرے وزرا نے مجبوراً مان لیا اور اہل محل کی مخالفت اور طعن وتشنیع کے باوجود ایک دستاویز پر بادشاہ سے دستخط ثبت کرا لئے جس میں وعدہ کیا گیا تھا کہ آیندہ شہر کے تمام بڑے بڑے فوجی عہدے باقاعدہ فوج والوں کے ساتھ قشون قومی کے افراد کو بھی دیے جائیں گے فوج باقاعدہ کو قشون قومی کی اطلاع کے بغیر کبھی طلب نہیں کیا جائے گا۔ اور مجوزہ آئین کا اُس وقت تک نفاذ نہ ہوگا جب تک کہ تمام باشندوں کی انتخاب کردہ واحد مجلس اِس کو منظور نہ کر لے۔

بادشاہ کی دماغی کمزوری نے اسے اُن لوگوں کے ہاتھ میں جو اِس کے کاموں پر فی الوقت قابو رکھتے ہوں، آلۂ بیجان بنا دیا تھا۔ چنانچہ ۱۵ مئی کے محض بلوے میں پہلے تو اُس نے اپنے وزیروں کی بات مان لی اور پھر چند گھنٹے کے بعد وہ درباری فریق کے ہاتھ میں گڈا بن گیا اور ان کے کہنے سے وہی اینا سے فرار ہونے پر

باب ۲

بادشاہ کی فراری۔ ۱۸ مئی۔

تیار ہو گیا۔ اور ۱۸ مئی کو اہل شہر یہ سن کر حیران رہ گئے کہ فرڈی نینڈ ٹیرول کے راستے پر پائے تخت سے بہت دور نکل چکا ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اعلان عام شایع ہوا جس میں لکھا تھا کہ پائے تخت والوں کی تعدی اور بے سرے پن سے عاجز آکر بادشاہ کو اپنی سکونت انز برگ میں منتقل کرنی پڑی لیکن مارچ میں جو وعدے اُس نے کئے تھے ان پر وہ برابر قایم اور اُن کی قانونی ذمہ داریاں اُٹھانے کے لئے ابھی تک آمادہ ہے۔ البتہ وی اینا میں اس کے واپس آنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ شہر والے اپنی قدیم وفاداری کا ثبوت پیش کریں۔ اس اعلان سے اہل وی آنا کے خیالات نے ایک حد تک پلٹا کھایا اور بادشاہ کی طرف داری میں رجعت نمایاں ہوی جس سے وزیروں کو اتنی ہمت ہوی کہ اس کی معاودت کے لئے پہلی ضروری کارروائی کریں اور وہ یہ کہ "طلبہ کے جیش" کے توڑ دیے جانے کا حکم جاری کریں۔ انھیں متوسط طبقے کے دولتمند لوگوں کی تائید پر خاص بھروسہ تھا کیونکہ یہ لوگ طالب علموں کی بے اعتدالیوں سے اُکتا گئے تھے اور انقلاب کی وجہ سے کاروبار میں جو خلل پڑ رہا تھا اس سے بھی بہت متفکر تھے۔ ادھر تعلیمی سال کا اختتام بھی قریب تھا۔ غرض جیش

۲۶۔ مئی کا ہنگامہ۔

کے انتشار اور کلیات کے بند کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ مگر طالب علموں نے اس حکم کی کمال پامردی سے مخالفت کی اور مضافات سے صدہا مزدور اُن کی حمایت میں لڑنے کے لئے شہر میں آگھسے۔ مورچے اور باڑیں تیار کی گئیں اور معلوم ہوتا تھا کہ مارچ کی بغاوت کے دوبارہ پھوٹ پڑنے میں کچھ دیر نہیں۔ آخر حکومت نے ایک مرتبہ پھر ہار مانی اور نہ صرف اپنے حکم کو منسوخ کیا بلکہ صاف صاف اقرار کیا کہ جب تک شہر کے سر برآوردہ لوگ اعانت نہ کریں ہم امن و امان قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ تب وزیروں کے کامل اتفاق رائے سے ایک حفظ امن کی مجلس مرتب ہوی جس میں طلبہ، طبقۂ متوسط اور مزدور سبھی گروہوں کے قائم مقام شامل تھے۔ پھر اس مجلس نے جو شہر کی حدود کے اندر تو سلطنت کے کسی بھی حکام سے یقیناً زیادہ اقتدار رکھتی تھی، اپنا انتظام شروع کیا۔

اس اثنا میں بوہیمیہ میں جرمنوں اور چیکوں کی باہمی عداوت یوماً فیوماً زیادہ شدید

بوہیمیہ کی قومی تحریک۔

ہوتی جاتی تھی۔ مصالحت پسند فریق کا اثر مارچ کے اوائل میں تو غالب تھا لیکن فرینکفرٹ میں جرمانیہ کے قومی سرگروہوں نے جو یہ بے محل کوشش کی کہ بوہیمیہ کو بھی اُن ممالک میں داخل کرلیا جائے جہاں سے معبوث جرمنوں کی قومی مجلس میں بھیجے جانے والے تھے، تو اُس نے مذکورۂ بالا فریق کے سارے رسوخ پر پانی پھیر دیا۔ کیونکہ جرمن اتحاد میں شریک ہونے کے معنی یہ تھے کہ چکوں نے اپنی جداگانہ قومیت کا دعویٰ جسے حال میں منوایا تھا، قطعی طور پر خود چھوڑ دیا۔ دوسرے وی اینا کی جمہوری تحریک نے جتنی ترقی کی اُتنا ہی وہاں جرمن قومیت کا رنگ زیادہ گہرا چڑھتا گیا تو اُسکا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ پایۂ تخت وی اینا اور صدر مقام پراگ کی قومی تحریکوں میں ایک دوسرے سے تعارض کی کیفیت پیدا ہوجائے۔ بادشاہ کے فرار ہونے کی پراگ میں خبر آئی تو بوہیمیہ کے والی کونٹ ٹھن نے جو وہاں کے اعتدال پسند فریق کا بھی سرگروہ تھا، فرڈی نینڈ کو دعوت دی کہ پراگ کو اپنا دار السلطنت بنالے۔ اگر یہ دعوت قبول کرلی جاتی تو چکوں کی قومی اغراض براہ راست بادشاہ سے وابستہ ہوجاتیں لیکن فرڈی نینڈ نے اُسے قبول نہ کیا۔ ادھر زیادہ پرجوش و ناعاقبت اندیش لوگ خاص کر طالب علم اور مزدور برابر قومی جلسے کر رہے اور گلی کوچوں میں گشت لگاتے پھرتے تھے۔ پھر ۲۔ جون کو سلطنت کے تمام اقطاع کے اسلاوی باشندوں کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس نے قومی جذبات کو اور بھی بھڑکا دیا۔ مزدوروں اور طالب علموں نے وہ سرکشی کا طرز اختیار کیا کہ پراگ کی فوج کا سپہ سالار

ون ڈیش گراٹز پریگ۔

ون ڈیش گراٹز توپ خانے سے کام لینے پر تیار ہوا۔ ۱۲۔ جون کو جس دن اسلاوی مجلس برخاست ہوئی، لڑائی شروع ہوگئی۔ خود ون ڈیش گراٹز کی بیوی کے ایک گولی لگی اور وہ مرگئی لیکن معلوم ہوتا ہے اس سپہ سالار نے ضبط سے کام لیا اور کوشش کی کہ امن و امان کے ساتھ سب باتیں طے ہوجائیں اُس نے فوجوں کو ہٹالیا اور گولہ باری جو شروع کی تھی اسے بھی اس قرارداد پر روک دیا کہ شہر کے اندر کی باڑیں ہٹادی جائیں گی۔ مگر یہ شرط پوری نہ ہوئی۔ شہر میں تازہ وارداتیں ہوئیں۔ اور آخر ۱۷۔ تاریخ کو ون ڈیش گراٹز نے پھر گولہ باری شروع کردی۔ دوسرے دن پراگ نے ہتھیار ڈال دیے ون ڈیش گراٹز مختار کل بن کر شہر میں داخل ہوا۔ بوہیمیہ کی مقامی

باب ۲
خود مختاری کا خاتمہ ہوگیا۔ پہلی مرتبہ فوج نے عوام کی سرکشی کے مقابلے میں کارگر طریق پر کام کیا اور مرکزی حکومت کی طرف سے اہلِ انقلاب پر سب سے پہلی کاری ضرب پڑی۔ حالانکہ اب تک ایسا نظر آتا تھا کہ یہ انقلاب سلطنت آسٹریہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

اس جگہ سے معاملات آسٹریہ میں سب سے زیادہ اہمیت پائے تخت اور شمالی صوبوں کے احوال میں نہیں رہتی بلکہ راڈیٹس کی کے لشکر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو اطالیہ والوں کے مقابلے میں صف آرا تھا۔ جب آسٹروی سپہ سالار کو یقین ہوگیا کہ میدان سے ہٹ جانا ہی مصلحت ہے تو پھر وہ اتنی سرعت کے ساتھ پلٹا کہ ورونا اور مانتوا باغیوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بچ گئے اور وہ اس قابل ہوگیا کہ اپنی فوج کو ایسے مقام پر لے آئے جو یورپ کے بہترین دفاعی مورچوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس مربع کے چاروں پہلو رود مِن چیو رود اڈیج اور ورونا، مانتوا، پس کیرا اور لگ نانو کے قلعوں سے محفوظ تھے۔ راڈیٹس کی نے فوج کا پیش مِن چیو کے کنارے رکھا اور مورچہ باندھ کر پیڈمونٹ والوں کے حملے اور شمال مشرق کی طرف سے اپنی کمک کا انتظار کرنے لگا۔ ۸۔ اپریل کو پہلا حملہ ہوا اور مقام گوئیتو پر تند و خونریز آویزش کے بعد حملہ آور ندی کے پار ہو گئے اور پس کیرا کا محاصرہ شروع کیا۔ پھر مانتوا کے سامنے ٹسکنی کی ایک جمعیت کو نگرانی کے لئے چھوڑ کر شاہ چارلس البرٹ اپنی فوج کے بڑے حصے کو شمال میں بڑھا لایا کہ ٹائرول سے ورنا آنے کے راستے روک لے تھوڑی دیر کے لئے یہ مقصد بھی حاصل ہوگیا لیکن بادشاہ کے تحت میں جو فوجیں تھیں ان کی تعداد اتنی نہ تھی کہ قلعوں کو سر کیا جا سکے۔ اور ۶۔ مئی کو اس نے ورونا کے سامنے کے مورچوں پر حملہ بھی کیا کہ آسٹریہ والوں کو وہاں سے دھکیل دے تو سانتا لوسیا کے مقام پر شکست کھائی اور اسے ندی کی طرف پسپا ہونا پڑا[۱]

ورونا کی نواح کے معرکے اپریل و مئی۔

کچھ عرصے لڑائی رکی رہی۔ مگر اس وقفے میں بعض سیاسی واقعات اطالیہ میں ایسے پیش آئے جو قوم کے حق میں کچھ فال نیک نہ تھی۔ جن حاکموں یا رئیسوں نے لمبارڈی

[۱] مشوون ہنٹس۔ وغیرہ وغیرہ۔

والوں کی مدد کے واسطے اپنی فوج کے شمال میں آنے کی اجازت دی تھی۔ ان میں سے ایک بھی سچائی سے کام نہیں کر رہا تھا۔ سب سے پہلے تو پاپائے رومہ کی قلعی کھلی۔ ۲۹۔ اپریل کو اس نے اپنے لاٹھ پادریوں کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں آسٹریہ سے جنگ کرنے میں اپنی برأت ظاہر کی اور صاف صاف لکھدیا کہ

پاپائی مراسلہ ۲۹۔ اپریل۔

پاپائی افواج کو بجز اپنی ریاستیں محفوظ رکھنے کے اور کسی لڑائی میں حصہ لینا نہیں چاہیئے۔ اس پر شہر رومہ کے عوام میں بڑا تلاطم برپا ہوا اور پاپا کو چار و ناچار زیادہ آزاد خیال وزرا مقرر کرنے پڑے۔ پاپائی سپہ سالار دوراندو نے بھی وینیشیہ میں اپنی پیش قدمی نہیں روکی۔ بایں ہمہ پاپا کا قومی سرگروہی سے اس طرح دست بردار ہو جانا وہ اثر پیدا کئے بغیر نہ رہا جو مراسلہ بھیجنے والے کا مقصود تھا۔ یعنی اس سے اطالیہ کے علانیہ اور خفیہ دونوں قسم کے دشمنوں کو تقویت پہنچی اور وہ لوگ جو اس لڑائی کو نہ صرف وطنی بلکہ مذہبی سمجھکر حصہ لے رہے تھے نہایت حیران و متردد ہو گئے۔ نیپلز میں واقعات نے بڑی سرعت سے ایک سخت ہنگامے کی صورت اختیار کرلی۔ وہاں مجلس مبعوثین کے لئے انتخابات شروع ہوئے

نیپلز۔ مئی میں۔

جس کا ۱۵۔ مئی کو افتتاح ہونے والا تھا۔ ان میں اکثر وہی لوگ کامیاب ہوئے جو اطالیہ کے قومی مقاصد سے تو سچی شیفتگی رکھتے تھے لیکن نہ جمہوریت کے طالب تھے نہ بوربون خاندان کے دشمن تھے بلکہ آئینی اصلاح کے کام میں اپنے بادشاہ کا ہاتھ بٹانا چاہتے تھے۔ مگر نیپلز کے کوچہ و بازار میں دوسری قسم کے اہل الرائے کا راج تھا۔ افواہیں اڑ رہی تھیں کہ اہل دربار اطالیہ کے قومی مقصد کو بالائے طاق رکھکر پھر شخصی حکومت بحال کرنا چاہتے ہیں۔ شورش و بدامنی روز بروز بڑھ رہی تھی اور جب مبعوثین پائے تخت میں جمع ہوئے اور مجلس کے افتتاح سے قبل بطور تمہید بے ضابطہ جلسے کر رہے تھے اس وقت فرڈی نینڈ سے ایک ناعاقبت اندیشی کی حرکت ایسی سرزد ہوئی کہ فتنہ پسندوں کو بغاوت کرنے کا موقع مل گیا حالانکہ مجلس میں ان کی تعداد کم تھی۔ ہوا یہ کہ ۱۰۔ فروری کو آئین شایع کرنے کے بعد فرڈی نینڈ نے اسے نظر ثانی کے لئے مجلس کے دونوں شعبوں میں بھیجنا قبول تو کرلیا تھا لیکن عین افتتاح مجلس کیوقت

باب (۲)

اُس نے اطلاع دی کہ مبعوثین کو آئین کی پابندی کا حلف اُٹھانا ضروری ہوگا اُنھوں نے گزارش کی کہ حلف لینے سے ہمیں اس میں ردّ و بدل کرنے کا موقع نہ رہے گا۔ اور چند گھنٹے کے بعد بادشاہ بھی رضامند ہو گیا کہ حلف کے الفاظ میں ترمیم کردی جائے مگر اس کے شرط عائد کرنے ہی سے شہر میں تلاطم مچ گیا تھا۔ باڑیں بنائی گئی تھیں اور مبعوثین مجلس نے ہر چند بلوائیوں کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور فوج کے ساتھ لڑنے سے روکا، کامیابی نہ ہوئی۔ پیام سلام ہو ہی رہے تھے کہ گولیاں چھٹنے لگیں۔ تب سپاہیوں نے بھی حملہ بول دیا۔ لڑائی تھوڑی سی دیر رہی لیکن نہایت خونریزی اور سنگدلی سے ہوئی۔ بازار کے مورچے فوج نے چھین لئے، کئی سو باغی جان سے مارے گئے اور فرڈی نینڈ نیپلز کا پھر مالک و مختار ہو گیا۔ مجلس کا جس روز افتتاح ہونے والا تھا، اُس کے دوسرے ہی دن اس کے انفساخ کا حکم مل گیا اور جنرل پیپے کو جو امدادی فوج لئے ہوئے لمبارڈی جا رہا تھا، حکم بھیجا گیا کہ فوج سمیت واپس نیپلز چلا آئے۔ اس پر بھی جنرل پیپے نے تو ملک سے وفاداری کی اور بادشاہی ہدایات کے خلاف یہی چاہا کہ بولونا سے فوج کا کوچ لمبارڈی کی طرف جاری رکھے۔ لیکن سپاہی اسے چھوڑ چھوڑ کے چل دئے اور وہ دریائے پو کو عبور کر کے وینیشہ میں چارلز البرٹ کے پاس حاضر ہوا تو مشکل سے پندرہ سو جوان ساتھ رہ گئے تھے۔

اسی طرح ماہ مئی کے ختم ہونے سے پہلے مذکورۂ بالا واقعات نے ثابت کر دیا کہ لمبارڈی والوں کو آزادی کی جدوجہد میں جنوب کی ریاستوں سے کوئی قابلِ لحاظ مدد نہیں ملے گی اور قومی مقصد کے لئے اطالیہ کی مختلف حکومتوں کا موعودہ اتحاد محض خواب تھا کہ آنکھ کھلی تو رنج و ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ادھر خود شمالی اطالیہ میں مقصد اور عمل کی وحدت مفقود تھی جس کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ جمہوریت پسند بادشاہ اور میلان کی ہنگامی حکومت کو الزام دیتے تھے کہ وہ عوام کو مسلح کرنے سے پہلوتہی کرتے ہیں اور ادھر چارلز البرٹ ہر جمہوریت پسند کو اپنا دشمن تصور کرتا تھا۔ وہ جب لمبارڈی میں داخل ہوا تو اُس وقت بیان کر چکا تھا کہ جنگ ختم ہونے تک آیندہ سیاسی تنظیم کے متعلق کوئی بحث نہ چھیڑی جائے گی۔ اس کے باوجود اور قبل اس کے کہ ایک قلعہ

لمبارڈی کے متعلق رسل و رسائل۔

بھی فتح ہوائس نے جائز رکھا کہ موڈینا اور پارما والے اپنے علاقوں کے پیڈمونٹ میں ضم ہو جانے کا اعلان کر دیں۔ پھر انگریزی کی مخالفت کے باوجود اسی کی تقلید لامبارڈی اور وینیشیہ کے بعض اضلاع نے کی۔ جمہوریت پسند اور بادشاہی پسند فرقوں کی اس توتو میں میں یہ بھی اشارے ہوئے کہ ملک کے خاص خاص طبقوں میں حکومت آسٹریہ کے ہوا خواہ موجود ہیں۔ حالانکہ خود وی آینا کے حکام کا یہ خیال نہیں تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع سے یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ لامبارڈی میں ان کا اثر و اقتدار فی الواقع رخصت ہوا۔ آسٹریہ کے وزیروں نے برطانیہ کو بھی بیچ بچاؤ کرا دینے پر ابھارا اور رضامندی ظاہر کی کہ بادشاہ آسٹریہ کے ماتحت اطالیہ کے صوبوں کو مقامی آزادی دے دی جائے گی۔ آسٹریہ کے دربار کو چند روز تک پامرسٹن کے رسوخ سے سخت بیزاری تھی۔ اب جانشینانِ میٹرنِش کی اس منت و سماجت کے جواب میں پامرسٹن نے زور دیا کہ وہ لامبارڈی اور وینیشیہ کا حصہ اعظم شاہ پیڈمونٹ کے حوالے کر دیں۔ حکومت آسٹریہ لامبارڈی کو تو اپنے دشمن کو دے بھی دیتی لیکن اُس کی قوت میں اتنا اضافہ کر دینے میں، جس کا پامرسٹن طالب تھا، اسے تامل تھا۔ اس لئے اور بھی کہ وزرائے فرانس کی نسبت معلوم تھا کہ وہ پیڈمونٹ کی دراز دستی سے حسد رکھتے ہیں اور صرف اس قسم کی کمزور جمہوری حکومتیں قائم کرانے کے خواہاں ہیں جیسی ۱۷۹۶ء میں بنا دی گئی تھیں۔ غرض لندن میں گفتگو کو ختم کر کے اب وزرائے آسٹریہ نے براہِ راست میلان کی ہنگامی حکومت سے خط و کتابت شروع کی اور پیڈمونٹ یا وینس کا کوئی ذکر کئے بغیر لامبارڈی کو خودمختاری دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن چونکہ وہاں کے باشندے بالاجماع طے کر چکے تھے کہ لامبارڈی کا پیڈمونٹ کے ساتھ الحاق کر دیا جائیگا۔ لہٰذا آسٹریہ کی تجویز کو انہوں نے بے تامل مسترد کر دیا۔ ان سب باتوں کے علاوہ اگر اہل اطالیہ وینیشیہ کو چھوڑ دینے اور اپنی شرطوں میں کمی کر کے صلح کرنے پر تیار ہو جاتے تو بھی سپہ سالار راڈیٹسکی کی اُس وقت تک کہ بادشاہ کو صلح پسند فریق سے توڑ دینے کا کوئی امکان باقی رہے، سلسلۂ جنگ کو منقطع نہ ہونے دیتا۔ جب اُسے دشمن سے ہنگامی صلح کر لینے کی ہدایت پہنچی تو اُس نے شہزادہ شوارزن برگ کو انزبرک بھیجا کہ بادشاہ کو بمنت و الحاح رضامند کرے۔

باب (۲)

کہ وہ جنگ جاری اور اپنے سپاہیوں کی جانبازی پر پورا بھروسہ رکھے۔ ابھی سے قرائن پیدا ہو چلے تھے کہ فتح آخر کار آسٹریہ کا ساتھ دیگی۔ کمکی افواج نے باغیوں کے علاقے میں سے بزور شمشیر اپنا راستہ نکال لیا اور روونا پہنچ گئیں۔ دوسرے اگرچہ راڈیٹس کی کوشش میں کہ چارلز البرٹ کا سلسلۂ رسل و رسائل منقطع کر دے، گوئینو کے مقام پر دوسری اور پیسٹس میں پھر ناکامی ہوئی اور پیسکیرا پر محاصرین کا قبضہ ہوگیا۔ بایں ہمہ اہل اطالیہ کی یہ آخری کامیابی تھی۔ راڈیٹس یکایک مشرق کی طرف پلٹ پڑا اور وی چینزا کے سامنے پہنچ کر اس نے نہ صرف اس شہر کو تسخیر کیا بلکہ اس کے اندر جنرل دورانڈو کے ماتحت کی ساری پاپائی فوج سے ہتھیار رکھوا لئے۔ وی چینزا کے بعد وینیشیہ کے اندرونی علاقے کے دوسرے شہر بھی یکے بعد دیگرے سر ہونے لگے حتیٰ کہ دریائے اڈیج کے مشرق میں شہر وینس اکیلا رہ گیا جس پر آسٹریہ کا زور نہ چل سکا۔ حملہ آوروں کے بڑھے چلے آنے کی خبر سن کر مانن نے وینس میں ایک مجلس منعقد کی اور اس میں فیصلہ ہوا کہ وینیشیہ کا پیڈمونٹ کے ساتھ الحاق قبول کر لیا جائے۔ اس رائے کا خود مانن سخت مخالف تھا اور سمجھتا تھا کہ اس صورت میں وینیشیہ کی خودمختاری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے لیکن آخر کار وہ بھی دب گیا اور مجلس کے فیصلہ میں رکاوٹ ڈالنے سے محترز رہا۔ البتہ باضابطہ فیصلہ ہو چکنے کے بعد اس نے نظم و نسق کی باگ دوسروں کے حوالے کر دی اور کچھ عرصے کے لئے گوشہ نشین ہو گیا۔ ایک شخصی بادشاہ کے ماتحت کام کرنے سے اس نے انکار کر دیا۔

وینیشیہ کی دوبارہ فتح

جون۔ جولائی۔

اب چارلس البرٹ نے وسطی قلعوں کو آسٹریہ سے چھین لینے کی دوبارہ کوشش کی۔ آدھی فوج کو پسکیرا اور اس سے بھی آگے شمال میں چھوڑ کر باقی نصف سے وہ مانتوا کو گھیرنے کے لئے بڑھا۔ راڈیٹس کی نے حریف کی اس حربی بےہنری سے فائدہ اٹھایا اور شاہ پیڈمونٹ کی پھیلی ہوئی فوج کے

جنگ کستوزا۔

۲۵۔ جولائی۔

ڈ Fequel Mont　وغیرہ وغیرہ۔

قلب پر آ پڑا جس کی حفاظت کا انتظام ناقص تھا۔ چارلس البرٹ کو اپنی غلطی نظر آ گئی اور اس نے چاہا بھی کہ اپنے شمالی دستوں سے جا ملے جن کے درمیان اب رود من چیو حائل تھی لیکن غنیم نے یہ کوشش چلنے نہ دی اور ۲۵۔ جولائی کے دن دلیرانہ مزاحمت کے بعد اطالوی فوج نے کستوزا پر شکست کھائی۔ پسپائی میں من چیو کے پار ہونے تک فوج کی تنظیم خاصی رہی مگر شمالی فوج کی ہمتوں نے جسے چاہیے تھا کہ دشمن کو روکے رکھے، ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا اور پسپائی محض فرار ہی ہو گئی۔ راڈٹیس کی پیچھے پیچھے برابر دبائے چلا آتا تھا اور چارلس البرٹ نے میلان میں داخل ہو کر صاف کہہ دیا کہ ہم شہر کو بچانے سے قاصر ہیں۔ یہ سن کر شہر والوں میں بدنصیب بادشاہ کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان بپا ہو گیا اور انھوں نے البرٹ کو علانیہ غدّار و دغا باز کہنا شروع کیا۔ جس محل میں وہ اترا تھا اسے بلوائیوں نے گھیر لیا اس کی جان معرض خطر میں پڑ گئی اور وہ ۵۔ اگست کی دوگلی رات کو جنرل لامارمورا اور بعض نمک حلال سپاہیوں کی حفاظت میں بہ ہزار دشواری بچ کر نکل گیا۔ شہر حوالہ کرنے کی دستاویز پر دستخط کر دیے گئے اور پیڈمونٹ کی فوج کے شہر کو خالی کر جانے کے بعد راڈٹیس کی سپاہی فاتحانہ شان و شوکت سے میلان میں داخل ہوئے۔ اطالیہ والوں کا بیان ہے کہ کم سے کم ساٹھ ہزار باشندوں نے فاتح کے آگے سر اطاعت خم کرنے کی بجائے سوئی زرلینڈ یا پیڈمونٹ میں پناہ لی اور گھر بار چھوڑنا گوارا کر لیا۔ اس وقت راڈٹیس کی اپنے مفرور دشمن کا بلاوقت ٹیورن تک تعقّب کر سکتا اور خود پیڈمونٹ کو قدموں کے نیچے روند سکتا تھا لیکن فرانس و برطانیہ کے خوف سے اس نے اپنی فاتحانہ پیش قدمی روک دی اور ۹۔ اگست کو ویگلی و آنو کی ہنگامی صلح نے جنگ کو بند کرا دیا۔[۱]

آسٹریہ والے میلان میں داخل ہوتے ہیں۔ ۶۔ اگست

راڈٹیس کی کی فتح کا اثر سلطنت آسٹریہ کے ہر صوبے میں محسوس ہوا۔ معاملات کے

[۱] پارلیمنٹری پیپرز ۱۸۴۹ء پنجاہ و ہشتم، صفحہ ۱۲۸۔ مذکورۂ بالا ہنگامی صلح کو وینس نے تسلیم نہیں کیا اور پیڈمونٹ سے تعلق قطع کر کے اپنی حکومت پھر مانن کو تفویض کر دی۔

باب ۲۱

دربارِ آسٹریہ اور ہنگری۔

رنگ بدل جانے کی پہلی کھلی ہوئی دلیل یہ تھی کہ دربارِ شاہی نے انزبرک کا مامن چھوڑ کر وی آینا کو معاودت کی۔ واضح ہو کہ مئی کے وعدے کے مطابق مبعوثین کا انتخاب ہوا اور اطالیہ کے صوبوں کو چھوڑ کر سلطنت کے تمام غیر ہنگری اقطاع سے جو مجلس مرتب ہوئی اس کا ۲۲۔ جولائی کو امیرِ کبیر جوہن نے بادشاہ کے قائم مقام کی حیثیت سے افتتاح کر دیا تھا۔ وزراء کے ساتھ ان مبعوثین نے بادشاہ کو واپس پائے تخت آنے سے اتفاق کیا۔ اور اب کہ راڈیٹسکی اور ونڈیش گراٹز ایک اشارے پر پہنچ سکتے تھے، بادشاہ کو بھی ہمت ہو گئی کہ اپنے طلبہ اور مجلسِ مبعوثین کا کسی قدر اطمینان سے سامنا کر سکے لیکن بادشاہ کے وی آینا مراجعت کرنے کی نسبت کہیں زیادہ معنی خیز وہ طرزِ عمل تھا جو اب حکومتِ وی آینا نے ہنگری کی قومی حکومت اور مجلسِ اضلاع کے ساتھ برتنا شروع کیا۔ اپریل میں جو مراعات مجبوراً منظور کرنی پڑی تھیں، ان سے حقیقت میں ہنگری کو بالکل خود مختار ملک کا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ جب اس قسم کے مسائل پیش آئے جیسے ہنگری کے سپاہیوں کو اطالیہ کی لڑائی میں بھیجنا یا جدید محاصل کی تقسیم مختلف صوبوں پر، تو بادشاہ کو ہنگری کی وزارت سے اس طرح معاملہ کرنا پڑا جیسے کسی غیر اور برابر کی سلطنت سے کیا جاتا ہے۔ چند ماہ تک تو یہ ذلت جار و ناچار اٹھائی اور نئے آئین کے قاعدوں کی پابندی کرنی پڑی لیکن ان حلقوں میں جہاں آسٹریا کا قدیم جنگی اور سرکاری استبداد ابھی تک باقی تھا، مگیاروں کے فروغ سے اندر ہی اندر سخت اور غضب ناک عناد پیدا ہو گیا۔ اور گو بعض افراد اور حکومت کا طرزِ عمل اس وقت بھی کسی حد تک صداقت کے ساتھ تنظیم جدید کے موافق رہا، مگر ان کے عقب میں رجعت کے جذبات اور سازشیں جمع ہونے لگیں اور صرف یہ انتظار رہ گیا کہ کب ہنگری میں باہمی نااتفاقی اور خانہ جنگی برپا ہو اور آسٹری فوج کی قوت دوبارہ قابلِ اعتماد ہو جائے اور کب ان دشمنانِ آسٹریہ کے خلاف تلوار کھینچ لی جائے۔ ادھر اطالیہ پوری طرح مطیع اور بادشاہ وی آینا کے محل میں پورے اطمینان سے متمکن ہونے بھی نہ پایا تھا کہ دُور سے بعض ملکی قوتیں نظر آنے لگیں جن سے پست کی حکومت کے خلاف کام لینا مقصود تھا۔

ہنگری میں جب پہلی دفعہ مگیاری زبان کو زبردستی کروایشیہ میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی اور وہاں کی مجلس اضلاع میں اس پر نہایت تند بحث چھڑی تو اُسی کے دوران میں اگی ریہ کے سرگروہ گاجی نے اہل مجلس سے یہ الفاظ کہے: "تم مگیار، اسلافیوں کے سمندر میں مثل جزیرے کے ہو۔ ہوشیار رہنا کہیں اس کی موجیں بلند ہو کر تم کو تہ آب نہ کردیں!" اس تنبیہ میں جس خطرے کا اشارہ کیا گیا تھا سب سے پہلے اس کی پوری وسعت ۱۸۴۸ء کی ربیع کی شورش میں ظاہر ہوئی۔ کروایشیہ تو پہلے ہی ایک سال سے زیادہ مدت سے خاص طرح علانیہ سرکشی دکھا رہا تھا لیکن اب بغاوت

سرب قوم جنوبی ہنگری میں

کی روح اسلاوینہ[1] کی مشرقی حدود سے لے کے، اس میدان کے پار جسے بنات کہتے ہیں، ٹرانسلوانیہ کی سرحدوں تک، گویا جنوبی ہنگری کی تمام سربی آبادی میں پھیل گئی۔ نبات کا میدانی علاقہ تھیس اور ڈینیوب کے سنگم کے پار بھی واقع ہے۔ اور یہ سربی اقوام سولھویں اور سترھویں صدی میں ان صوبوں میں آئیں تو آسٹریہ کے بادشاہوں نے ترکوں کے مقابلے میں اپنا پاسبان سمجھ کر ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ انھیں شاہی اسناد[2] دی گئیں اور وہ اس وقت تک محفوظ تھیں جن میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ان کا خاص ملکی نظم و نسق جداگانہ ہوگا اور وہ انہی کے انتخابات کردہ حاکم (= وائی ووڈ) کے تفویض کردیا جائے گا۔ اسی طرح انھیں مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور وہ کلیسائے یونانی کے بطریق کے جسے خود مقرر کریں ماتحت ہوں گے مگر ان مواعید اور مقامی حقوق کا بھی وہی حشر ہوا تھا جو سلطنت آسٹریہ کے دوسرے صوبوں کے موجودہ حقوق کا۔ یعنی بطریق اور وائی ووڈ دونوں غائب ہوگئے۔ اور نبات کامل طور پر ہنگری میں جذب کرلیا گیا۔ بایں ہمہ سربی قومیت کا اتنا اثر ابھی باقی

ع۱۔ خود اسلاوینہ، کروشیہ میں داخل تھا لیکن اہل ہنگری نے قدیم حقوق کی بنا پر ولمیشیہ کو بھی ہنگری کی بادشاہی میں شامل کرنے کا دعویٰ کیا تھا کہ ہنگری تین ملکوں کا مجموعہ بن جائے۔ حالانکہ ۱۷۹۷ء سے ولمیشیہ براہ راست وی آنا کی حکومت کے ماتحت تھا اور ۱۸۴۸ء میں بھی اس کے قائم مقام پسٹ کی مجلس کی بجائے وی آنا ہی کے مجلس کے ارکان تھے۔

ع۲۔ گران اسناد کے صحیح معنوں میں اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو اسپرنگر وغیرہ وغیرہ۔

باب (۲)

تھا کہ ۱۸۴۸ء کی ایک آواز پر آگ بھڑک اٹھی اور جب پسٹ کے مگیار حاکموں نے چاہا کہ آئندہ سے ہنگری کی تمام قومیں مشترکہ قومی زندگی سے متمتع ہونے کے لئے ایک سرکاری زبان یعنی مگیاری کے ماتحت شیرازہ بند ہو جائیں، تو یہ سربی باشندے ایسے طیش و غضب کے ساتھ جس کی کسی کو امید نہ تھی، مخالفت پر تُل گئے۔ انھوں نے کوسوت اور اس کے رفقا سے اپنی مقامی اور مذہبی خود مختاری کے بحال کر دینے کا مطالبہ کیا تھا جس سے شاہان ہیپس برگ انھیں محروم کر چکے تھے۔ نیز درخواست کی تھی کہ ہماری قومی زبان اور قومی رسم و رواج کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن اب انھیں معلوم ہوا یا کم سے کم ایسا یقین ہو گیا کہ بجائے جرمن آقا کے انھیں مگیاری آقا کی غلامی کرنی پڑے گی جو یوں بھی پہلے کی نسبت زیادہ قریب، زیادہ مستعد اور زیادہ دراز دست ہے۔ پس کوسوت نے مگیاری اکثریت کی حمایت کی تو اس کے جواب میں انھوں نے مشرقی ڈینیوب کے کنارے کارلووٹز میں ایک مجلس مشاورہ منعقد کی جہاں اعلان کر دیا کہ آسٹریہ کے سربی باشندے، ہنگری کی مشترکہ بادشاہی اور آسٹریہ کی سیادت کے ماتحت ایک آزاد اور خود مختار قوم ہیں۔ پھر انھوں نے اپنے صوبے کی حدود متعین کر کے ایک داعی وووڈ کا بھی انتخاب کر لیا اور ایک ذیلی مجلس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ نظام حکومت مرتب کرے اور ہمسائے کی اسلافی ریاست کروایشیہ سے دوستانہ روابط قائم کرے۔

سربیوں کی مجلس کارلووٹز میں۔ ۱۳ تا ۱۵ مئی۔

کروایشیہ کے پایۂ تخت اگرام میں مارچ کے المناک واقعے کے بعد اصلی حکام کو تو کوئی پوچھتا نہ تھا، سارے اختیارات ایک قومی مجلس کے قبضے میں آ گئے تھے اتفاق سے کروایشیہ کے والی یا بین کا عہدہ ان دنوں خالی تھا۔ مجلس نے ایک وفد وی آنا بھیجا کہ اس عہدے پر کروشیہ کے فوجی دستۂ اول جلاکیک کا تقرر کروشیہ کے سردار جلاکیک کے مقرر کئے جانے کی درخواست کرے۔ لیکن وفد کے وی آنا پہنچنے کا انتظار کئے بغیر دربار شاہی نے ۱۳۔ مارچ کو ایک تحریری فرمان کی رو سے خالی عہدے پر جلاکیک کا تقرر کر دیا۔ اس تقرر کی تاریخ اور پھر نئے والی کا ۱۴ اپریل کو یعنی ہنگری کی جدید وزارت

سے ٹھیک ایک دن پہلے، صوبہ داری کا جائزہ لینا، اس بات کا ثبوت سمجھا گیا کہ شروع سے جلاکیک اور دربار ویانا میں کوئی خفیہ قرارداد موجود تھی۔ لیکن اس قسم کے مخفی تعلقات کی اور کوئی شہادت پیش نہیں کی گئی پس مگیاروں کے طرفداروں کا عرصے تک یہ سمجھ جانا کہ بادشاہ کے حالی موالی نے ارادۃً کروایشیہ کو حکومتِ ہنگری کے خلاف بغاوت پر اکسایا، بظاہر کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ ۱۸۴۸ء کی قومی تحریک نے آسٹریہ کی تمام قوموں کو مشتعل کر دیا تھا۔ پھر کروایشیہ والے ہی کیوں مستثنیٰ رہتے؟ سالہا سال سے وہ مگیاروں کی چیرہ دستی پر تن تھن کر رہے تھے قرینہ کہتا ہے کہ وہ آگ جو اندر ہی اندر بہت دن سے سلگ رہی تھی اب ایک آگ لگانے والے کی پھونک سے بھڑک اٹھی۔ رہا جلاکیک کا ناگہانی تقرر، تو یہ ممکن ہے کہ دربارِ شاہی کروشیہ کی تحریک کو دبانے سے مایوس ہو اور اب یہ دکھانے کے لئے کہ اس نے یہ تقرر محض دباؤ کی وجہ سے نہیں کیا اس نے ازخود ایک ہردلعزیز سپاہی کو صوبہ دار بنا دیا ہو جس سے کم سے کم یہ امید تو تھی کہ وہ ان قانون پیشہ اور بازاری تقریروں سے جو اس کے اردگرد جمع ہیں، بادشاہی مصالح کا زیادہ لحاظ رکھے گا یقین کے ساتھ یہ کہنا کہ آیا جلاکیک اس وقت فی الواقع کروشیہ کی مقامی خودمختاری کا خواہاں تھا یا یہ کہ فقط ظاہر میں کروشیہ کے محبانِ وطن سے مل گیا وہ شروع ہی سے آسٹریہ کی فوج سے گہرا تعلق رکھتا تھا اور اس کا مقصدِ وحید بادشاہ کی خدمت کرنا تھا خواہ بادشاہ علانیہ اس کی تائید کرے یا نہ کرے؟ غیر ممکن ہے۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر ہم وطنوں کی مثل اسے مگیاروں سے دلی نفرت تھی۔ لیکن اس کے اوصاف و خصائل کو دیکھکر جو عام نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ مگیاروں کے تخیل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا جن کے نزدیک جلاکیک بہت گہرا اور پکا سازشی تھا۔ حالانکہ اس کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد وقتی جذبات سے مغلوب ہو جانے والا اور کچھ اس قسم کا آدمی تھا جو متضاد حرکتیں کرنے اور اپنی دورنگی کا کوئی احساس نہ رکھتا ہو[1]

[1] لیکن اس رائے کے خلاف وہ کھودہ مکالمہ جو باتھیانی اور جلاکیک میں ہوا اور خود باتھیانی کی روایت ہے

باب (۲)

عہدے کا کام ہاتھ میں لیتے ہی جلاگیک نے اُن سب وعدوں کو جو بادشاہ نے ہنگری کے ساتھ بذاتِ خود کئے تھے طاقِ نسیاں پر رکھا اور بلا تامل اجازت دے دی کہ سارے مگیار عہدہ دار کروشیہ سے نکال دے جائیں۔ ۲۔ مئی کو اس نے ایک حکم جاری کیا کہ کروایشیہ کے حکام پست کی حکومت سے کوئی رسل و رسائل نہ کریں۔ اس پر ہنگری کا وزیرِ اعظم باتھیانی بعجلت دی اینا آیا اور بادشاہ سے ایک فرمان اس مضمون کا حاصل کرلیا کہ جلاگیک کو ہنگری کے وزرا کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ بین (یعنی صوبہ دار کروایشیہ) نے اس فرمان کی کوئی اعتنا نہ کی تو جنرل ہیراباؤسکی کو جو جنوبی صوبوں کی افواج کا سپہ سالار تھا پست سے حکم بھیجا گیا کہ وہ جلاگیک کی کارروائیوں کو منسوخ اور اسے عہدے سے معطل کرکے پست لائے کہ اس پر بغاوت کا مقدمہ چلایا جائے۔ جلاگیک نے اب بھی کوئی خوف نہ کیا اور ۵۔ جون کو خود اپنے حکم سے کروشیہ کی مجلس اضلاع منعقد کردی۔ اگرام کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ہیراباؤسکی مذکورۂ بالا حکم کی تعمیل کے لئے آرہا ہے تو انھوں نے ہنگری کے امیر الامرا کی مورت سرِ بازار جلائی۔ یہ گویا براہِ راست خاندانِ شاہی کی توہین تھی اور باتھیانی نے اس سے خوب کام لیا۔ اسی زمانے میں بادشاہ کو ۱۵۔ مئی کے بلوے نے وی اینا سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ باتھیانی انزبروک ہی میں اس سے جاکر ملا اور یہ اطمینان دلاکر کہ وفادار ہنگری والے اہلِ اطالیہ و وی آنا دونوں کے مقابلے میں بادشاہ کا ساتھ دیں گے، ۱۰۔ جون کو اُس سے ایک پروانے پر دستخط لئے گئے جس میں صوبہ دار کروایشیہ کے فعل پر سخت نفرین تھی اور اُسے عہدے سے معطل کردینے کا حکم تھا۔ جلاگیک کو انزبروک میں حاضر ہونے کا طلب نامہ پہلے ہی بھیجا جاچکا تھا۔ اور وہ روانہ ہوا تو چند سربی اور کروایشی اشخاص کا ایک وفد ساتھ لیتا ہوا آیا نیز اگرام میں ایک مجلس

کروشیہ کے معاملات
۱۴۔ اپریل تا ۱۶۔ جون۔

بقیہ نوٹ صفحہ (۵۵) کو سوآت نے نقل کیا ہے (اشترفن ۱۸۸۱ء، جلد دوم صفحہ ۲۹۵)، اگر یہ صحیح ہو تو اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جلاگیک نے اسلافی شورش کو اول سے آسٹریوں کی اغراض پورے کرنے کا حیلہ بنایا تھا۔ نیز دیکھو ٹمز ہلام ص ۲۰۷۔

عوام کو اجلاس کرتا چھوڑ کر آیا جس میں کرواشیہ کے مبعوثین کے علاوہ صوبوں کے بھی ستر وکلا موجود تھے۔ ٹھیک اس روز جبکہ وہ انزبرگ پہنچا، باتھیانی نے پست میں بادشاہی پروانہ شایع کروایا جس میں اس پر سخت عتاب اور عہدے سے معطل کئے جانے کا حکم لکھا تھا۔ تازہ پیچیدگی یہ پیدا ہوئی کہ اسی وقت مشرقی ڈین یوب کے علاقے میں خانہ جنگی بپا ہونے کا اعلان ہوا اور اطلاع ملی کہ جنرل ہرابوسکی نے کارلووٹز پر قبضہ کرنے کا اقدام کیا تھا مگر سربیوں نے اپنے قومی سرگروہ اسٹراٹی می رووک کے ماتحت اس پر حملہ کیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کیا۔

جلاکیک، دربار شاہی اور حکومت ہنگری۔

بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ کی بزم شوریٰ میں جب ایسے معاملات پر غور و بحث ہوتی جن پر سلطنت آسٹریہ کی قسمت کا انحصار تھا، تو شہنشاہ فرڈی نینڈ بیٹھا گاڑیاں گنا کرتا تھا کہ دریچوں کے نیچے سے دائیں سے کتنی گزریں اور بائیں سے کتنی۔ کرواشیہ اور ہنگری کی نزاع میں بظاہر اس نے اپنے اختیارات سے برائے نام کام لینے سے بھی پرہیز کیا اور بہتر یہی سمجھا کہ طرفین کے متعلق ہر قسم کا فیصلہ یا ثالثی کا اختیار امیر کبیر جون کے تفویض کر دے۔ مگر جون دوسری قسم کے مشاغل میں اس درجہ منہمک رہتا تھا کہ اس معاملے میں توجہ کرنے کی زیادہ فرصت نہ تھی۔ بہرحال یہ کچھ معلوم نہیں کہ خاندانِ شاہی اور جلاکیک کے درمیان انزبرگ میں فی الواقع کیا مفاہمت ہوئی۔ والی کرواشیہ کی سرکاری طور پر درخواست یہ تھی کہ ۱۔ جون کے شاہی پروانے کو دبا دیا یا منسوخ کر دیا جائے۔ اور انزبرگ میں ہنگری حکومت کی طرف سے جو وکیل، شہزادہ ایسٹرہیزی رہتا تھا وہ بھی اتنی رعایت کرنے پر آمادہ تھا۔ لیکن اس تحریر کے منسوخ کئے جا سکنے سے پہلے باتھیانی نے اسے مشتہر کر دیا۔ اب جلاکیک نے بادشاہ کے ساتھ اپنی وفاداری ثابت کرنے کی غرض سے کرواشی دستوں کے نام جو لامبارڈی میں جنگی خدمت انجام دے رہے تھے، ایک خط شائع کیا جس میں ان سے التجا کی کہ اگر اپنے قریبی وطن سے کوئی اطلاع ملے کہ ان کی قومیت یا حقوق معرض خطر میں ہیں، تو وہ کچھ فکر نہ کریں اور برابر بادشاہ کی خدمت گزاری کا فرض ادا کرتے رہیں۔ اپنے ہم وطنوں میں جلاکیک کو ایسا اقتدار حاصل تھا کہ اگر وہ مذکورہ بالا

باب (۷)

ہنموون کے خلاف کوئی درخواست کرتا تو کچھ عجب نہیں کہ کروالشیہ کے فوجی دستے بالاتفاق راڈیٹسکی کو چھوڑ چھاڑ کر واپس چلے آتے اور اس طرح اطالیہ میں آسٹریوں کو سخت ذلّت و ناکامی نصیب ہوتی۔ پس اس کی مذکورۂ بالا کارروائی نے اسے عساکر آسٹریہ کے اعلیٰ طبقوں میں نہایت ممدوح بنا دیا اور اگر دربار شاہی کا وہ پہلے محرم راز نہ تھا تو غالباً اب ضرور ہو گیا۔ یہ تو قریب قریب یقینی بات ہے کہ اس کے ساتھ کوئی مفاہمت ہو گئی تھی کیونکہ ۱۰۔ جون کا حکم غیر منسوخ اور اسپیروکیبیر جون کا فیصلہ ملتوی رہا۔ بایں ہمہ جلا کیک کو کروالشیہ واپس جانے اور اپنے عہدے کا کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ اگرام کی مجلس تربیتی دور کے منصوبے بنانے میں مصروف تھی کہ کس طرح جنوب کی تمام اسلافی اقوام کو متحد کر لیا جائے۔ لیکن ان بحث مباحثوں کا کوئی عملی نتیجہ نہ نکلا اور چند ہفتوں کے بعد حکم التوا کی شکل میں اسے ٹھنڈا کر دیا گیا۔ اس وقت سے جلا کیک بالکل مطلق العنان حاکم ہو گیا اور اب ہنگری سے جھگڑا کرنے میں یہ بھی اس کے لئے ضروری نہ رہا کہ وہ کروشیہ کے حقوق کی محض حفاظت کرنے کا بہانہ پیش کرے بلکہ معلوم ہوتا ہے اس نے علانیہ آسٹریہ کے اتحاد ممالک اور ایک مرکز سے وابستگی کی حمایت کا بیڑا اٹھا لیا۔ جولائی کے آخری ایام میں بات بتھیانی سے اس کی ویانا میں گفتگو ہوئی تو اس نے مصالحت کی ایک شرط یہ پیش کی کہ تمام سلطنت آسٹریہ کے لئے محکمۂ جنگ، خزانہ اور امور خارجہ کا صرف ایک ایک وزیر مقرر کیا جائے۔ اس شرط کو ناراضی کے ساتھ مسترد کر دیا گیا اور دونوں حریف قوموں کے سردار جنگ کی تیاری کرنے ویانا سے رخصت ہوئے۔

جدید دستور ماتحت ہنگری کی جو قومی مجلس منتخب ہوئی اس کا ۵۔ جولائی کو بسٹ میں افتتاح ہوا۔ کروالشیہ سے جھگڑے اور نیز اس شبہے کی بنا پر کہ درباری فریق کی دائی کروشیہ سے سازباز ہے، بہت کوشش کی گئی تھی کہ کسی طرح بادشاہ فرڈی نینڈ بنفس نفیس بسٹ آنے پر آمادہ ہو جائے۔ فرڈی نینڈ نے علالت کا عذر کر دیا لیکن ہنگری کی مجلس کو ایک خط لکھا جس میں جنوبی صوبوں کی ہنگری سے مخالفت کو نہ صرف اپنی

آسٹریہ اور ہنگری میں قطع تعلق کے آثار۔

طرف سے بلکہ خاندان شاہی کے جملہ افراد کی جانب سے سخت مذموم ٹھہرایا۔ اور اگر الفاظ کے کوئی معنی ہوتے ہیں، تو اس تحریر کے ذریعے بادشاہ نے عہد واثق کیا کہ وہ مملکت ہنگری کے آئین اور اس حد بندی کی جو اپریل کے قوانین سے مسلّم و مقرّر ہو چکی ہے پوری حمایت کرے گا۔ بایں ہمہ، واقعہ یہ ہے کہ ٹھیک اسی زمانے میں وی اینا کا وزیر جنگ آسٹروی سرداروں کو شوق دلا رہا تھا کہ سربی باغیوں سے جا ملیں۔ حکومت ہنگری کے شعبۂ دفاع میں ان دنوں سرکاری کاروبار زیادہ تر کوسوت کے ہاتھ میں تھے اور وہ صدر حکومت سے اپنی خصومت کو چھپاتا بھی نہ تھا بلکہ اس کے رفقا تو سلطنت کے نصف ممالک سے قطع تعلق کرنے سے بچنا چاہتے تھے مگر کوسوت جان جان کر ایسی بات نکالتا تھا کہ یہ صورت پیدا ہو جائے۔ اسلافی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لئے اس نے دو لاکھ جوان طلب کئے تو اس موقع پر اس نے صاف صاف وی اینا کی وزارت اور اہل دربار پر باغیوں کو اغوا کرنے کا الزام لگایا۔ جنگ اطالیہ کے متعلق بحث اٹھائی تو اس وقت بھی ساتھ کے وزیروں کے علم کے بغیر اس نے کوشش کی کہ ہنگری کے جنگ میں حصہ لینے کی شرط یہ قرار دی جائے کہ سلطنت آسٹریہ رودِ اڈیچ کے مغربی اقطاع سے لا دعوی ہو جائے گی۔

وزیر خزانہ کی حیثیت سے قولاً و فعلاً ہر طرح وہ آسٹریہ کے مفاد کو ہیچ سمجھنے کا ثبوت دیتا رہا۔ یہ بحث چھیڑنی فضول ہے کہ آیا ہنگری کا یہ مقتدر ترین سیاست داں زیادہ نرمی کی روش اختیار کرتا تو آیندہ جنگ و جدال کی نوبت آتی یا نہیں؟ لیکن دربار آسٹریہ کو سوت کی اتنی شدید عداوت سے بہت اچھا بہانہ ہاتھ آیا کہ وہ ایسے ایسے کام کرنے لگے کہ معلوم ہوتا تھا بے شرمی کو سیاسی ثواب کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ راڈیٹس کی فتوحات اور سقوط میلان کے طفیل بادشاہ کو واپس وی اینا آتے دیر نہ ہوئی تھی کہ نئی حکمت عملی کا ظہور ہونے لگا۔ پست کی مجلس نے تحفظ مملکت کے واسطے جو قوانین منظور کئے تھے، ان پر بادشاہ کا قلم تنسیخ پھیر دیا گیا۔ حکومت ہنگری کو لکھا گیا کہ وہ جلاکیاک کو اپنے تمام اختیارات و اعزاز کے ساتھ عہدے پر بحال کر دے اور وی اینا میں اس کے ساتھ مصالحت کی گفت و شنید شروع کرے۔ آخر میں یہ کہ سرکش صوبوں کے خلاف ہر قسم کی جنگی تیاریاں کرنے سے

باب(۲)

بازآئے مجلس نے اس کے جواب میں اپنے ایک سوار کان کو وی آینا بھیجا کہ بادشاہ سے ایفائے عہد کا تقاضا کریں۔ اس مُوم کی ناک نے ۹۔ ستمبر کو اِن سے ملاقات کی اور بڑے خلوص و تپاک کا اظہار کیا۔ لیکن اس سے قبل کہ وفد قصرِ شاہی کے پھاٹک سے گزرے، خود بدولت کے دستِ خاص کا لکھا ہوا ایک خط سرکاری جریدے میں موجود تھا جس میں جلاگیک کی عہدے پر بحالی اور تمام الزامات سے جو اُس پر لگائے گئے تھے، براءت کی تھی۔ اسی سرکاری منظوری مل جانے کا جلاگیک کو انتظار تھا حکم ۹ ستمبر کو شائع ہوا۔ ۱۱ ستمبر کو اس نے اپنی فوج سمیت رودِ ڈریو کو عبور کیا اور ہنگری کے پائے تخت پر پیش قدمی شروع کر دی۔

جلاگیک کی بحالی۔ اس کی جنگی پیش قدمی پست پر۔

وی آینا کی وزارت میں اب بعض وہ لوگ داخل تھے، جنھیں ۱۸۴۸ء کے اوائل میں اصلاح طلب فرقے میں داخل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وضع قدیم کے سرگروہ کے قائم مقام کاؤنٹ ویسن برگ اور لاٹور، وزیر جنگ، بھی وزرا میں شامل تھے۔ ویسن برگ، وی آینا کی کانگریس میں میٹرنش کا مددگار تھا اور لاٹور ایک عالی خاندان سپاہی جس کی خدمات جنگ اسٹرلٹز کے قبل سے شروع ہوئی تھیں۔

جنرل لیمبرگ کا تقرر اور پسٹ میں مارا جانا۔

وزارت کے ان گروہوں میں باہمی کیسا ہی سوئے ظن ہو، ہنگری کی خود مختاری کے خلاف تو وہ اسی طرح متحد ہو گئے جیسے اطالیہ کی خود مختاری کے خلاف ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کی اور اس میں اُنہی مراعات کی بنا پر، جن کی بدولت خود انکی آئینی وزارت مرتب ہوئی تھی، ہنگری کی خود مختاری کے احکام کو بے ضابطہ اور باطل قرار دیا۔ اُنھوں نے کھلی ہوئی بناوٹ اور جھوٹی دلیلوں کے زور سے یہ ثابت کیا کہ جب بادشاہ تمام ممالک محروسہ میں آئین جاری کرنے کا ۱۵۔ مارچ کو وعدہ کر چکا تھا تو اس کے بعد وزارتِ وی آینا کی رائے لئے بغیر اُسے اس بات کا مجاز نہ رہا کہ ہنگری کی مجلس اضلاع میں جو قراردادیں ہوئی تھیں، بطور خود اُن کی منظوری دے دے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہنگری اور دوسری موروثی ریاستوں کے درمیان جو اتحاد تھا وہ ابتدا سے بادشاہ کی ذاتِ خاص پر مبنی تھا۔ کوئی جرمن عہدہ دار

اہل ہنگری پر حکم چلانے کا ادّعا نہ کر سکتا تھا بجز اس کے کہ فرمانروائے وقت نے بہ حیثیت شاہ ہنگری اُسے کوئی کام تفویض کیا ہو۔ بہر حال، وزرائے وی اینا کی یادداشت ۱۰ ستمبر کو پسٹ کے اخباروں میں نکل آئی اور اس کی اشاعت نے اہل ہنگری کو خبردار کر دیا کہ اگر وہ جلا کیک اور آسٹروی فوج کے وقتِ واحد میں حملہ کرنے سے بچنا چاہتے ہیں تو حکومت وی آنا سے صلح و آشتی کی کوئی صورت نکالیں۔ بتھیانی دب کر صلح کر لینے پر مائل تھا۔ بادشاہ کی وعدہ شکنی کی بنا پر اُس نے پہلے استعفیٰ تو دیا لیکن دوبارہ ان ساتھ والوں کا شریکِ وزارت ہو گیا تھا جو اُس کی مصالحانہ روش قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ مگر کوسوت علانیہ آسٹریہ سے جنگ اور شخصِ واحد کے ہاتھ میں اختیارِ کامل دینے کی ضرورت پر تقریریں کر رہا تھا۔ جب جلا کیک پست کی طرف بڑھتا رہا تو ہنگری کے امیر الامرا نے فوج کی قیادت سنبھالی اور جنوب کو روانہ ہوا۔ اہل کروایشیہ بلوٹن کے تالاب کے جنوبی کنارے پر لشکر ڈالے پڑے تھے کہ امیر الامرا نے وہاں پہنچ کر جلا کیک سے ملاقات اور زبانی گفتگو کی استدعا کی اور کشتی میں بیٹھ کر مقامِ مقررہ پر آ پہنچا۔ لیکن والی کروشیہ کے آنے کا انتظار رائیگاں گیا اور امیر الامرا نے اس کے معنی بجا طور پر یہ سمجھے کہ جلا کیک کوئی صلح کی گفتگو کرنا نہیں چاہتا چنانچہ وہ فوج کو چھوڑ کر چلا گیا اور اپنی منصبِ امارت سے دستکش ہو گیا۔ اب بادشاہ نے وی اینا سے جنرل لیمبرگ کو روانہ کیا کہ ملیار کروایشیہ افواج کی قیادت کرے اور ان کے آپس میں لڑنے کی نوبت نہ آنے دے۔ اُس وقت آسٹریہ اور ہنگری میں مصالحت کی آخری امید اس پر منحصر تھی کہ لیمبرگ کے تقرر کا مقصد پورا ہو جائے۔ بتھیانی ابھی تک صلح کی امید کیے جاتا تھا اور وہ ہنگری کی لشکرگاہ کی طرف چلا کہ لیمبرگ کا وہاں استقبال کرے۔ لیکن لیمبرگ اپنے عہدے کی تصدیق ہنگری کی حکومت سے کرا لینی چاہتا تھا لہٰذا اُس نے پست کا رُخ کیا وہاں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ تمام اختیارات کوسوت اور چھ ارکان کی ایک ذیلی مجلس کے ہاتھ میں دیدیے گئے ہیں۔ اُنہی کے اثر سے مجلس اضلاع نے بھی یہ رائے منظور کر لی کہ لیمبرگ افواج ہنگری کی سپہ سالاری نہ لینے پائے اور اگر اس قسم کی کوشش کرے تو غدّار و باغی قرار دیا جائے۔ شہر میں یہ افواہ اُڑ گئی کہ لیمبرگ بالاصرار بزبردستی قبضہ

باب ۱۲

کرنے اور شہر بیست پر گولے برسانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ بچ کر کسی محفوظ مقام تک پہنچ سکے غضب ناک مخلوق نے اس پر ہجوم کیا اور اُسے جان سے مار ڈالا۔ بتھیانی عہدے سے دستکش ہو چکا تھا۔ پھر بھی اُس نے وی اینا کی حکومت سے التجا کی کہ اس موقع پر جوش میں بے تاب ہو کر کوئی انتقامی کارروائی نہ کرے مگر اس پر اعتنا نہ کی گئی۔ دراصل حکومت کو ہنگری کی آزادی کے قلع قمع کر دینے کا بہانہ مل گیا تھا اور اب ٹٹی کی آڑ لے کر شکار کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ ۳۔ اکتوبر کو بادشاہ نے اعلان شائع کر دیا کہ ہنگری کی مجلس فسخ اور اس کے احکام باطل و خلاف قانون تصور کئے جائیں۔ اسی کے ساتھ جنگی قانون کے نفاذ اور جلاکیک کی تمام فوجوں کا سپہ سالار اور شاہی نائب مقرر کئے جانے کا فرمان تھا۔ توقع تھی کہ چند روز کے اندر جلاکیک فاتح بن کر بیست میں داخل ہو جائے گا۔ مگر وی اینا کے حکّام کو جلاکیک کی فتح پر کتنا ہی بھروسہ کیوں نہ ہو، اس اثنا میں خود دارالسلطنت کے اندر انقلاب کی ہنڈیا پھر اُبال کھا رہی تھی۔ غربا کی حالت نہایت ردّی تھی، مالی پریشانی اور سخت بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی، پیشہ ور فتنہ پردازوں کی کوششیں تازہ ہو گئی تھیں اور ان سب اسباب سے پھر گذشتہ موسم بہار کے سے بلوے ہونے لگے تھے۔ اور ہنگاموں کی مختلف صورتوں سے طبقۂ متوسط کے لوگ بھی حکّام سے کچھ کم خوفزدہ نہ تھے۔ اسی میں ہنگری کے ساتھ حکومت کی جنگ چھڑ گئی جس نے وی اینا کے معاملات کو اور بھی نازک بنا دیا۔ ہنگری کی مجلس نے جب دیکھا کہ بادشاہ سے مراسلت کرنا بے سود ہے تو اُس نے چند قابل ترین افراد کو بھیجا کہ وہ آسٹریہ کی مجلس ممالک سے جو وی اینا میں اجلاس کر رہی تھی، باریابی حاصل کرے اور گفتگو کی درخواست کرے تاکہ عین آخری وقت ہی سلطنت کے نصف مغربی کو بادشاہ اور اہل دربار کی کارروائی پر اپنا فیصلہ سنانے کا موقع مل جائے۔ مجلس میں سب سے بڑا گروہ بوہیمیہ کے چک ارکان کا تھا۔ اسلاوی نسل سے ہونے کے باعث بوہیمی مبعوث، اہل کروالشیہ اور سربیون سے ہمدردی رکھتے تھے جو مگیاروں کی چیرہ دستی کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے۔ اور ان کی نظر میں جلاکیک ایک قومی شورما تھا

۳۔ اکتوبر شاہی اعلان۔

وی اینا میں ۶۔ اکتوبر کا ہنگامہ اور لاٹور کا قتل۔

اسی قومی اور نسلی ہمدردی کے جوش میں انھوں نے اُس خطرے کی طرف سے آنکھیں
بند کرلیں جو استبداد کے بحال ہونے سے تمام قوموں کے لئے یکساں لاحق ہوتا اور
اگرچہ جرمن آزاد خیالوں کے ایک سرگروہ نے نہایت پُراثر تقریر میں انھیں متنبہ کیا، بایں ہمہ
چکوں نے کثرت رائے سے اہل ہنگری کے قائم مقاموں کی درخواست مسترد کردی
اور انھیں مجلس میں اپنا معاملہ پیش نہ کرنے دیا۔ ہنگری کے وفد کے ساتھ مجلس نے
یہ سلوک کیا تو اُن لوگوں نے وی اینا کے عوام الناس کے سامنے دست استعانت
بڑھایا اور انھی میں انھیں اپنے حلیف مل گئے۔ عوام کی انجمنوں میں ہنگری کی آزادی کی
حمایت کا غلغلہ برپا ہوا اور چکوں کے افعال جبر و خودداری پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ ہونے
لگی۔ اسی روز افزوں شورش و فساد کے زمانے میں خبر آئی کہ جلاکیک کی پست پر پیش قدمی
روک دی گئی اور اُسے آسٹریہ کی سرحد میں ڈھکیل دیا گیا۔ حکومت وی اینا کے لئے ضروری
ہوگیا کہ اپنی فوجیں میدان میں نکالے اور لاٹور نے پائے تخت کے دستوں کو حکم دیا
وہ مقام جنگ کی طرف روانہ ہوں۔ مگر عوام الناس کے سرغنے پہلے ہی اسکا بندوبست
کرچکے تھے اور فوج کے ایک حصے کو انھوں نے اپنی طرف ملا لیا تھا۔ لاٹور کے
احکام کی مخالفت کی گئی اور جب ایک دفعہ جبراً کوچ کا حکم منوانے کی کوشش ہوئی تو
فوج والوں کی آپس میں ہی گولی چل گئی (۶۔ اکتوبر) قشون قومی حکومت کا ساتھ دے
رہے تھے۔ اسے مزدوروں کے محلوں کی فوجوں نے مغلوب کرلیا۔ باغی غالب
آئے اور وزراء نے ایک مرتبہ پھر بازار کے مالکوں کے سامنے سر جھکا دیا یعنی
فوجوں کو جو احکام دیے گئے تھے، وہ مسترد کردیے۔ مگر بلوائیوں کا زیادہ غضبناک
فریق اس کامیابی سے بھی مطمئن نہ ہوا۔ اس گروہ کے بعض سرغنہ سزا یافتہ مجرم اور
فاتر العقل اشخاص تھے۔ انھوں نے سرکاری دفاتر پر جبراً قبضہ اور لاٹور کو گرفتار
کرنے کے بعد تہیہ کیا کہ اسے جان سے مار دیں۔ بعض افراد نے جو سیاسی معاملات
میں اس وزیر سے شدید مخالفت رکھتے تھے جان ہتھیلی پر رکھکر کوشش کی کہ کسی
طرح اسے خونیوں کے پنجے سے چھڑا لیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ لاٹور کو دفتر وزارت جنگ
کے صحن میں کھینچ کر لائے۔ اور عمداً انتہا درجے کی بے رحمی کے ساتھ ہلاک کردیا۔
اس وقت جب کہ شہر میں ہنوز فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی بادشاہ نے

باب (۲)

باد شاہ اُلموٹز میں۔

حسب معمول پھر وعدہ کرلیا تھا کہ عوام الناس کے مطالبات پورے کردیئے جائیں گے لیکن جوں ہی میدان خالی ہوا وہ وی اینا سے فرار ہوگیا۔ اس کے عقب میں بہت سے چک اور جرمن قدامت پسند مبعوث بھی یہ کہکر شہر سے نکل گئے کہ اب پایۂ تخت میں ہماری سلامتی مخدوش ہے اکثر وزرا اُلموٹز (علاقۂ موراویہ) میں بادشاہ کے پاس پہنچ گئے۔ مگر مجلس پھر بھی وی اینا میں اجلاس کرتی رہی اور وزیر خزانہ اپنی جگہ پر جما رہا۔ معلوم ہوتا ہے اسے بادشاہ کی طرف سے ہدایت پہنچ گئی تھی کہ وہیں رہے اور مجلس کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرتا رہے کہ گویا ابھی تک وہ قانونی اختیارات رکھتی ہے۔ حالانکہ ہر عملی اعتبار سے سلطنت آسٹریہ کے نصف مغربی حصے میں اسوقت کوئی حکومت ہی باقی نہ رہی تھی اور اس حقیقت حال کو صاف صاف لفظوں میں کاؤنٹ وین ڈلیش گراٹز نے پراگ میں اپنے ۱۱۔ اکتوبر کے ایک اعلان میں ظاہر کردیا تھا۔ اسی میں کسی

وین ڈیش گراٹز کا اقدام وی اینا پر۔

بادشاہی حکم کا ذکر کئے بغیر یہ بھی لکھا تھا کہ میں سلطنت کی صیانت اور اعلیٰحضرت کی حفاظت کے لئے وی اینا پر پیش قدمی کا عزم رکھتا ہوں شہنشاہ نے بھی دستور کے مطابق اس مستعد سپاہی کے اعلان کی تصدیق فرمادی اور راڈیٹس کی فوجوں کے سوا سلطنت آسٹریہ کی تمام فوج کا اسے سپہ سالار اعظم مقرر کردیا اور اس نے وی اینا کی طرف کوچ شروع کیا۔

مجلس ہنگری کو اپنے انفساخ کا فرمان ملا اور بادشاہ نے جلاکیک کے ساتھ ہوکر علانیہ مُلک سے لڑائی شروع کی تو اس کے غم و غصے کی کوئی انتہا نہ رہی، لیکن اب جو پایۂ تخت میں ہنگامہ بپا ہوا تو اُسے بالکل خلاف توقع تمام خطروں سے

ونڈیش گراٹز وی اینا کو فتح کرتا ہے۔ ۲۶۔ اکتوبر تا یکم نومبر۔

یک بہ یک نجات مل گئی۔ واقعی وی اینا والوں نے ہنگری کو بچالیا تھا اور اسی لئے ہنگری کی مجلس رضامند تھی کہ اگر مجلس وی اینا مدد طلب کرے تو ونڈیش گراٹز کے مقابلے میں دار السلطنت کو بچانے کے لئے اپنی فوج روانہ کرے۔ لیکن امداد کی سخت ضرورت کا صحیح اندازہ کرنے میں دونوں فریق نے

تاخیر کی۔ وی اینا کی مجلس اپنے آپ کو باضابطہ اور آئینی جماعت سمجھے جاتی تھی اور ونڈیش گرائز کی پیش قدمی کو جس سے اس کا وجود معرض خطر میں تھا، کہتی تھی کہ یہ سپاہیوں کے ایک گروہ کی سرکشی ہے جس نے بادشاہ کے اختیارات غصب کر لئے ہیں۔ لہٰذا ہنگری فوجی مدد مانگنے میں اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کی قانونی حیثیت پر حرف نہ آجائے۔ اُدھر ہنگری کے فوجی سردار بہت احتیاط کرتے رہے کہ اپنی جنگی کوشش کو صرف حدود ہنگری کے دفاع تک محدود رکھیں۔ چنانچہ وی اینا کے حکام کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ملی تو وہ دو مرتبہ آسٹریہ کے علاقے میں داخل ہو ہو کر اور جلاکیک کا ان سرحدوں تک تعقب کر کے واپس اپنی حد میں چلے آئے البتہ جب ون ڈلیش گراٹز خاص وی اینا کے سامنے پہنچ گیا اور اس نے ایک ایلچی کو جو حکومت ہنگری نے اس کے پاس بھیجا تھا، باغی ٹھہرا کر گرفتار کر لیا تو بالآخر اس وقت ہنگری کے کمزور اہل الرائے کے تامّل وتذبذب پر کوسوت کی رائے غالب آئی اور ہنگری کی فوج وی اینا کا محاصرہ کرنے والوں سے لڑنے کو روانہ ہوئی۔

اس اثنا میں ون ڈلیش گراٹز نے مضافات شہر پر حملہ شروع کر دیا تھا جن کی مدافعت قشون قومی، طلبہ اور مطوعین کے کمزور دستوں کے سپرد تھی۔ فوج کا برائے نام سپہ سالار فوج باقاعدہ کا ایک سابق سردار میسن ہاؤزر تھا۔ لیکن اس کا مددگار خود اس سے کہیں زیادہ قابلیت کا ایک سپاہی، پول جنرل بیم تھا۔ لڑنے والوں میں فرینک فرٹ کی جرمن مجلس قومی کے دو رکن رابرٹ بلوم اور فروبل بھی شامل تھے جنھیں فرینک فرٹ سے اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ بادشاہ آسٹریہ اور اس کی رعایا میں ثالثی کریں لیکن اب یہ وی اینا میں ٹھہر کر لڑائی میں حصہ لے رہے تھے۔ محاصرین شہر کے بیرونی محلوں کو فتح کر چکے تھے اور شہر کے حوالے کر دئے جانے کی گفتگو ہو رہی تھی کہ ۳۰۔ اکتوبر کو میسن ہاؤزر نے بڑے کلیسا کے برج کی چھت سے توپوں کا دھواں جنوب مشرق میں بلند ہوتے دیکھا اور خبر دی کہ ہنگری کی فوج اہل وی اینا کی مدد کو آپہنچی حقیقت میں شوئیے شاٹ کے میدان میں اہل ہنگری کی جلاکیک سے جنگ چھڑ گئی تھی اور جلاکیک کو

باب (۲)

ون ڈلیشں گراٹز کے فوجی دستے بھی مدد دے رہے تھے۔ اس اطلاع کے ملنے سے شہر میں یکایک ایسا جوش پیدا ہوا کہ از خود رفتہ ہو کر شہر کے محصورین پھر ایک دفعہ دشمن پر حملہ آور ہوئے اور قبول اطاعت کی جو آمادگی ظاہر کر چکے تھے اُس کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ لیکن شوئے شاٹ میں فتح کا پانسہ ہنگری والوں کے خلاف پڑا۔ وہ پسپا ہونے پر مجبور ہوئے اور ون ڈلیشں گراٹز نے دوبارہ توپوں کا رُخ باغیوں کی طرف پھیر دیا جو عہد شکنی کے بھی مجرم تھے۔ چند گھنٹے کی گولہ باری نے اُسے وی اینا کا مالک بنا دیا اور ۳۱۔ اکتوبر کو شہر میں داخل ہو کر اُس نے وی اینا سے برتاؤ بھی وہی کیا جو کسی دشمن کے مفتوحہ شہر سے کیا جاتا ہے۔ سپاہیوں نے مضافات ہی کی لڑائی میں بڑی خونخواری سے کام لیا اور بیسیوں غیر مسلح اشخاص کو تلوار کے گھاٹ اُتارا تھا۔ شہر کی حکومت ہاتھ میں لے کر ون ڈلیشں گراٹز نے جو اعلان اہل وی اینا کے واسطے کئے اُن میں انسانی حقوق کی بے توقیری اور راس درجہ تمرّد و تبختر کی شان تھی کہ کسی مشرق جابر نے بھی اپنے سرنگوں دشمن کو ان سے بدتر الفاظ میں خطاب نہ کیا ہوگا۔ بایں ہمہ گرفتاریوں اور سزائے قید پانے والوں کی تعداد خواہ کچھ ہی ہو، سقوطِ شہر کے بعد موت کی سزا کچھ بہت زیادہ اشخاص کو نہیں دی گئی۔ البتہ قتل کے لئے انتخاب نہایت ہوشیاری سے کیا گیا اور ان مقتولین میں سب سے ممتاز رابرٹ بلوم تھا۔ کہ جرمن آزاد خیالوں کا ایک سرگروہ اور جرمن مجلس کی رکنیت کے لحاظ سے قانوناً سزا سے محفوظ تھا اور راسے قتل کرانیکے معنے یہ تھے کہ حکومت آسٹریہ نے کھلے بندوں خود قومی مجلس اور راس سے بھی بڑھکر جرمانیہ کے جمہور پر وار کیا۔

وی اینا کی تسخیر نے ایک مرتبہ پھر بتا دیا کہ آسٹریہ میں اصلی اقتدار فوج کے قبضے میں ہے۔ لیکن مطلق العنان شخصی حکومت کو علانیہ بحال کر دینے کا ہنوز وقت نہیں آیا تھا۔ بوہمیہ کے مبعوثین کا وی اینا سے چل دینا تو ضرور آئینی حکومت کے قیام کے حق میں سخت مضر ہوا تھا لیکن صوبوں کی مقامی آزادی کے معاملے میں یہ لوگ دل سے آئین پسندوں کے ساتھ تھے اور اگر کوئی الزام دیتا کہ وہ شخص بادشاہی سے میل رکھتے ہیں تو وہ

مجلس کا انعقاد، کرم سیر میں ۲۲۔ نومبر۔

شدومد سے اس کی تردید کرتے۔ دوسرے ۲۲۔ اکتوبر تک دربار شاہی وی آینا کی اعضا بریدہ مجلس ہی کے اجلاس کو موافق قانون تسلیم کرتا رہا اور اس کے برخاست ہونے کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی ہدایت تھی کہ ایک مہینے کے بعد مبعوثین کرم سیر (علاقۂ مُراویہ) میں مجتمع ہوں۔ پھر اگرچہ سقوط وی اینا کے بعد چند ہفتے تک اس بات کے آثار نظر آتے تھے کہ بادشاہ کے حالی موالی میں حامیان استبداد اور نسبتہً آزاد خیال فریق کے درمیان کشمکش ہو رہی ہے اور عجب نہ تھا کہ یکایک کوئی سیاسی انقلاب ظہور میں آجاتا، مگر آخر میں فی الوقت مصلحت اندیشی کے مشورے غالب آئے۔ مجلس کا کرم سیر میں انعقاد جائز رکھا گیا اور آئینی اصول کی پابندی کے زبانی قول و قرار میں ہر طرح صدق و خلوص کا اظہار کیا جاتا رہا۔ البتہ اتنی تبدیلی ضرور ہوئی کہ شہزادہ فلیکس شوارزن برگ کی صدارت میں ایک نئی وزارت مرتب کی گئی۔

شوارزن برگ کی وزارت۔

شوارزن برگ آسٹریہ کے ایک ممتاز ترین خاندان کا آدمی تھا۔ وہ ۱۸۴۸ء میں نیپلز میں سفیر تھا جب کہ انقلاب کا ہنگامہ برپا ہوا اور اس میں آسٹریہ کے جھنڈے کی سخت بے توقیری کی گئی تو تہدیدی الفاظ سنا کے وہ نیپلز سے رخصت ہو گیا۔ پھر سیاسی خدمت چھوڑ کے اُس نے جنگی کام اختیار کیا اور راڈیٹس کی کے ماتحت فوجی خدمت کرتا رہا۔ اسی سلسلے میں بہت جلد فوج والوں کو معلوم ہو گیا کہ اپنی قوت سے سیاسی کام لینے میں شوارزن برگ فوج کا نہایت موزوں وکیل ہے۔ اس کی زندگی میں اُس وقت تک سب سے نمایاں شے بد اطواری کے افسانے تھے اور بد اطواری بھی ایسی شرمناک کہ انگلستان اور دوسرے ملکوں نے جہاں وہ سیاسی خدمات پر مامور ہوا، حکومت آسٹریہ سے اصرار کیا تھا کہ اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے۔ ان سب باتوں کے باوجود وہ نیکی بدی اور مآل کار سے ایسا بیخطر، اپنی دُھن کا پکا آدمی تھا کہ وزارت آسٹریہ کے نئے منصب پر اگر اُس نے اتنی شہرت پائی جسے بعض اعتبار سے سیاسی عظمت کہہ سکتے ہیں۔ شاید بہت کم ارباب حکومت شوارزن برگ سے زیادہ جری گزرے ہیں اور بہت کم اپنے دشمن کی مالی یا اخلاقی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانے میں اتنے بے باک اور رقابوچی ہوں گے جتنا

باب ۲

شواارزن برگ تھا۔ ان تمام استبدادی قوتوں نے جو دم توڑ رہی تھیں اس کے عہد میں جمع ہو کر سنبھل جانے کی آخری کوشش کی اور ایک مرتبہ پھر بدترین صورت میں اُن کا دَور دَورہ ہو گیا۔ رومی سردار ٹھلا کی مثل اس نے ایک بگڑی اور گئی گزری بات پھر بنا دی اور اُس میں عارضی اور نمائشی قوت پیدا کر دی۔ پھر اس سے قبل کہ نیا سیلاب آ کر اُس کی مصنوعات کو بہالے جائے وہ خود فوت ہو گیا۔

شواارزن برگ کا پہلا کام اپنے فرماں روا کو معزول کرنا تھا۔ فرڈی نینڈ کی انتہائی نالائقی دیکھکر یہ خیال تو بہت مدت سے لوگوں کو ہوتا تھا کہ وہ دست کش ہو جائے یا معزول کر دیا جائے لیکن اس پر قطعی عمل کرنے کا وقت اب آیا۔ خود فرڈی نینڈ نے بھی خوشی سے خانہ نشینی اختیار کی۔ اور جب اس کے بھائی ولی عہد سلطنت نے انکار کیا تو

فرڈی نینڈ کی علٰحدگی اور فرانسس جوزف کی تخت نشینی ۲ دسمبر۔

تاج شاہی کا وارث فرڈی نینڈ کا بھتیجا، فرانسس جوزف ہوا جس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی۔ اس کے بادشاہ بنائے جانے میں فائدہ یہ تھا کہ حکومت آسٹریہ نے ہنگری سے جو جو قول و قرار کئے تھے اُن میں اس شہزادے نے زبانی یا تحریری کوئی حصہ نہیں لیا تھا اور قوم ہنگری ہی کو اب آسٹریہ تیغ و آتش سے مٹانے کے درپے تھی۔ نہ اس شہزادے کا ان لوگوں سے میل جول رہا تھا۔ جنھیں اب دار پر کھینچنے کی تجویز تھی۔ بادشاہ ہوتے وقت وہ اپنے پیش رو کے افعال اور اس زمانے کے واقعات سے اس قدر بری الذمہ اور بے تعلق تھا جتنا کوئی نیا فرمانروا ہو سکتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر دربار اور فوج کے فریق رجعت پسند کو اس سے بہتر آلہ نہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ ہنگری میں فوج اتارتے وقت تو وہ ایک نیک نیت آدمی کی طرح جو بالکل بے بس ہو مجلس ممالک

کرم سیر کی مجلس کا انفساخ ۷ مارچ ۱۸۴۹ء۔

پر نگرانی رکھنے کی خدمت انجام دیتا رہا اور جب اسی مجلس کو فنا کرنے کا وقت آیا تو اُس نے اپنے سپاہی پیشہ وزیر کے سامنے اسی طرح گردن جھکا دی جس طرح فرڈی نینڈ نے چند سال پہلے طلبہ کی بات کو بے چون و چرا مان لیا تھا اور انفساخِ مجلس کے حکم پر چپ چاپ دستخط کر دئے تھے۔ آج وہی اپنا میں اجلاس کرنے کے زمانے میں

مجلس نے صرف ایک بڑا کام انجام دیا تھا۔ وہ یہ کہ کسانوں کو تمام بیجا قیود سے جو زراعت کی بنا پر عائد ہوتی تھیں نجات دلادی اور انھیں آزاد مالکانِ زمین بنادیا تھا۔ اس کے سارے کام کا یہی جزو اس کے بعد بھی باقی رہا اور شاید ۱۸۴۸ء کی ساری زور آزمائیوں کا یہی ایک حقیقی فائدہ تھا جو آسٹریہ کو حاصل ہوا۔ کرم سیر میں جمع ہوکر مجلس نے ایک ذیلی مجلس آئین کا مسودہ بنانے کے لئے مقرر کی تھی اور یہ مسودہ تیار بھی کرلیا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں جو بحثیں ہوئیں ان سے جرمن اور اسلادی مبعوثین کو ایک دوسرے کے تعصبات کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی اغراض کا پاس ولحاظ مرعی رکھنے کا جو سبق ملا وہ بھی کسی حد تک مفید تھا۔ دوسرے سیاسی معاملات سے فی الجملہ لوگوں کی واقفیت بڑھی نیز صوبوں کی خود اختیاری اور مرکزی حکومت کے درمیان مصالحت ہونے کی بھی کوئی شکل نظر آئی۔ بلکہ اگر کرم سیر کے مجوزہ آئین پر عمل درآمد ہوجاتا تو کم سے کم مغربی آسٹریہ اور گلیشیہ کو جو اسی نصف سے متعلق تھی، ایک ایسا نظام حکومت میسر آجاتا کہ ایک طرف تو وہ قوم کی منشاء پر مبنی تھا اور دوسری طرف اس قابل ضرور تھا کہ بادشاہ اس کی ایک مرتبہ بخوبی آزمائش کرکے دیکھے۔ لیکن اوّل تو شخصی بادشاہی کی نظر سے اس آئین میں نقائص تھے دوسری سلطنت کے دو آزاد حصوں میں تقسیم ہوجانے پر اس کی بنا رکھی گئی تھی۔ یعنی اس کے بنانے والوں کے نزدیک یہ طے شدہ امر تھا کہ ہنگری دوسری موروثی ریاستوں سے جدا رہے گی۔ حالانکہ اب جس وزیر کے ہاتھ میں حکومت آئی اسے آیندہ ہنگری کی علاحدگی کا مطالبہ سننا تک گوارا نہ تھا۔ اہلِ ہنگری صدیوں سے خاص حقوق رکھتے چلے آئے تھے۔ آئینی قانون کی حمایت کرنے میں وہ کبھی نہ تھکے نہ کسی تکلیف ومصیبت سے گھبرائے اور اس معاملے میں جو استقلال اور اڑیل پن مگیاروں نے دکھایا سوائے انگریزوں کے یورپ کی کسی قوم سے نہ بن پڑا تھا۔ ایک زمانے میں جب کہ موجودہ زمانے کی نسبت قومیت آتشی جذبہ عشر عشیر بھی نہ تھا۔ شہنشاہ جوزف نے اس مستقل مزاج قوم کو مرکزی حکومت کے تحت میں لانے کی کوشش کی تو خود اس کے تخت وتاج اور سلطنت کے لالے پڑ گئے تھے۔ یہ سب واقعات معلوم تھے بایں ہمہ شوارزن برگ اور اس کے سپاہیوں کی نظر میں جنھوں نے انقلاب کا قلع قمع کرنے کا اقدام کیا تھا ان باتوں کی

باب (۲)

کوئی وقعت نہ تھی۔ حکومت کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ بغاوت کی وجہ سے ہنگری کے قدیم حقوق اور ۱۸۴۸ء کے سارے عہد و پیمان منسوخ کر دئے گئے ہیں

واحد نظام حکومت کا فرمان مارچ ۱۸۴۹ء۔

کریم سیر کی مجلس کو درہم برہم کرنے کے بعد ایک فرمان شاہی شائع کیا گیا جس میں بڑے اہتمام سے تمام سلطنت آسٹریہ کے واسطے ایک یکساں اور مرکزی نظام حکومت مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اہل ملک کو جس قدر سیاسی حقوق اب تک حاصل تھے وہ سب نسیاً منسیا ہوئے اور چونکہ اس نئے آئین میں جس حد تک نیابت کے طریق کو جایز رکھا گیا تھا، اس پر کبھی عمل کی نوبت ہی نہ آئی اور ۱۸۵۱ء میں اسے سرکاری طور پر بھی منسوخ کر دیا گیا تو گویا اس فرمان ۱۸۴۹ء کا واقعی نتیجہ یہ تھا کہ سلطنت بھر میں مطلق العنان بادشاہی اور ظلم و جبر کی حکومت قائم ہو جائے۔ اگرچہ فرمان میں ظاہر یہ کیا گیا تھا کہ اس کا منشاء عہد انقلاب کو ختم کرنا اور سب کو یکساں حقوق عطا کرنا ہے۔ اس فرمان کی رو سے حکومت کے معتوب اور محبوب اضلاع میں کوئی فرق باقی رہا تو وہ صرف یہ تھا کہ بعض جرمن اور اسلاوی صوبوں میں نیابت کی ایسی مجلسیں تھیں جنھیں اپنے مقامی معاملات میں کچھ خفیف اختیارات حاصل تھے۔ خلاصہ یہ کہ اہل آسٹریہ کو آزادی سے محروم کر دیا گیا اور دس سال کے بعد اس آزادی کی انکھیں دوبارہ صورت نظر آئی۔

ہنگری کی مجلس نے فرڈی ننینڈ سے فرانسس جوزف کے پاس بادشاہی کے منتقل ہونے کی خبر سنی تو اس فعل کو انھوں نے سرے سے ناجائز قرار دیا اور اسکی بنا یہ قرار دی کہ جبتک مجلس وضع قوانین کی رضامندی نہ ہو اس قسم کا کوئی عزل و نصب نہیں ہو سکتا اور دوسرے یہ کہ فرانسس جوزف ہنگری اگر تخت نشین نہیں ہوا۔ پس وہ فرڈی ننینڈ ہی کو فرماں روائے وقت تسلیم کریں گے

ہنگری۔

اور اُن کے خیال کے مطابق، یہ لڑائی پہلے سے بھی زیادہ حقوق مسلمہ کی حفاظت کے لئے ضروری ہو گئی کیونکہ ہنگری پر حملہ کرنے والے نہ صرف ایک طے شدہ آئین کی تخریب کے مجرم تھے بلکہ ایک غالب بادشاہ کے کارندے بھی تھے غرض پوری قوم کو ہتھیار سنبھالنے کی دعوت دی گئی اور کوسوت نے ڈین یوب کی فوجوں کا سپہ سالار گورگی کو مقرر کیا تاکہ فوج کے صدر مستقر میں کسی تردد و تذبذب کا

احتمال نہ رہے۔ گورگئی ایک نوجوان سردار تھا اور اس کی نسبت دنیا کو اس وقت تک سوائے اس کے کچھ واقفیت نہ تھی کہ ایک مقتدر امیر یوجین زیشی کو جلا کیک سے مراسلت کرنے کی بنا پر گورگئی نے جان سے مروا دیا تھا۔

حکومت آسٹریہ کا منصوبہ یہ تھا کہ ہنگری پر ڈین یوب کے خط اور شمال مشرق میں سرحد گلیشیہ سے، بوقت واحد میں حملہ کیا جائے۔ تجویز تھی کہ سربیوں کو اپنے سرحدی اضلاع سے ہنگری کے صدر مقام کی طرف بڑھایا جائے اور ایک اور قوم کو جسے صدیوں کے مظالم نے مگیاروں کا دشمن جانی بنا دیا تھا، اس جنگ میں شریک کرلیا جائے۔ یہ ٹرین سلوانیہ کے عام باشندے تھے جو رومانی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں کے مگیاروں کو "زیک لر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا جرمن قوم کا بھی ایک گروہ موجود تھا یہ اُن جرمنوں کی اولادیں تھے جو بارھویں صدی کے قریب ٹرین سل وانیہ میں آباد ہوئے اور ان کی تعداد گو قلیل مگر اتنی معزز تھی کہ اُن کے مقابلے میں رومانی دہقان محض فلاکت زدہ اور جاہل نظر آتے تھے جو ملکی حقوق سے مطلق محروم اور ۱۸۴۸ء سے قبل، قریب قریب غلاموں کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ ٹرین سل وانیہ کی مجلس اضلاع میں مگیاروں کا غلبہ تھا اور مئی ۱۸۴۸ء میں اُنھوں نے جرمنوں کی مخالفت کے باوجود یہ قانون نافذ کر دیا تھا کہ آیندہ سے یہ صوبہ ہنگری میں شامل رہے گا۔ شہنشاہ فرڈی نینڈ نے اس قانون کی منظوری بھی دے دی تھی لیکن اس کے بعد ہی رومانی کسانوں میں یہاں سے وہاں تک شورش و سرکشی کا طوفان برپا ہو گیا کیونکہ یہ لوگ تھوڑے دن پہلے سے اپنی جداگانہ قومیت کا دعویٰ اور جابر مگیاروں سے برابری کے حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مذکورۂ بالا سرکشی قومی آزادی کے استحصال کے واسطے نہ تھی بلکہ اس کی نوعیت زیادہ تر مزارعین کی بغاوت کی سی تھی۔ اس بغاوت میں بے انتہا مظالم ہوئے۔ اور گو باغیوں نے شاہان ہیپس برگ کا علم بلند کیا تھا تاہم آسٹریہ کے فوجی سردار جنرل اُرِن زِر عرصے تک بغاوت کی تائید کرنے میں تامل رہا۔ آخر اکتوبر میں اُس نے بھی ہنگری کی حکومت سے منحرف ہو جانے کا اعلان کر دیا آسٹریہ کے باقاعدہ سپاہیوں کے دہقانوں کے ساتھ مل جانے سے اوّل اوّل اُن کے سب حریف مغلوب ہو گئے

باب (۲)

یکے بعد دیگرے سب قصبات آسٹریہ کے تسلط میں آ گئے اور گو زیک لر سپاہیوں نے ہتھیار ڈال نہیں دیے تاہم معلوم ہوتا تھا کہ ٹرین سل وانیہ ہنگری والوں کے ہاتھ سے بالکل نکل گیا۔ جنرل پُشنر کو حکم پہنچا کہ وہ رومانی کسانوں کی نئی فوج بے قاعدہ کو لے کر مغرب کی طرف بنات کے علاقے میں داخل ہو جائے تاکہ اس حملے میں ہاتھ بٹا سکے جسکا منشا یہ تھا کہ اہل ہنگری پر ہر طرف سے نرغہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔

۱۵۔ ڈسمبر کو جنرل ون ڈِنڈیش گراٹز نے جرمن و مگیار علاقے کی حد فاصل رود لیتھا کو عبور کیا۔ گورگی اس کا حریف مقابل تھا اور وہ پہلے سے کہہ چکا تھا کہ شہر پست کو چھوڑنا پڑے گا اور مدافعانہ جنگ وسط ہنگری میں جاری رکھی جائے گی۔ کوسوت نے یہ مشورہ حقارت سے رد کیا اور اعلان کیا کہ میں پست کے لیے آخر دم تک لڑوں گا لیکن اہل ہنگری کی تیاریاں بعد از وقت اور نئی فوجوں کا انتظام درست نہ تھا۔ ان اسباب سے نوجوان سپہ سالار کی رائے بالکل صحیح تھی اور جب وہ نہ مانی گئی تو اس نے مجلس دفاع کے ساتھ حقارت و مخالفت کی روش اختیار کر لی۔ حقیقت میں یہ بھی تقدیر کا عجیب کرشمہ تھا کہ کوسوت نے گورگی کو سپہ سالاری کے لیے انتخاب کیا۔ اس نے اتنے بڑے منصب پر محض اس لیے گورگی کو پہنچایا تھا کہ گورگی نے آسٹریہ کے ایک طرفدار کو ایسی شدید سزا دی جس کی کوئی تلافی ہی نہ ہو سکتی تھی۔ اس کے سوا گورگی کی اور کسی جنگی قابلیت کا ثبوت کوسوت کے سامنے نہ تھا۔ اتفاق سے یہ ناآزمودہ سپاہی سپہداری کی غیر معمولی قابلیت سے متصف نکلا۔ کوسوت اسے محض مگیاری حب قومی کے نشے سے سرشار سمجھتا تھا حالانکہ وہ سیاست داں فوجی اور راس پلا کا خود رائے اور نافرمان تھا کہ کسی شکست پذیر مملکت میں اس سے بڑھکر پریشان و مختل کرنے والے مشیر کم ہوئے ہیں۔ اس باہمی تو تو مَیں مَیں اور غلط فہمیوں نے اہل ہنگری کی میدان میں کمزوری کو اور بڑھا دیا۔ مورچے پہ مورچے ان کے قبضے سے چھنتے گئے اور بہت جلد عیاں ہو گیا کہ قومی مجلس اور ارباب حکومت کا پست میں زیادہ عرصے تک رہنا غیر ممکن ہے۔ پس یہ لوگ ہٹ کر تھے اس کے پاس دِبریگ زن میں چلے آئے اور ۵۔ جنوری ۱۸۴۹ء کے دن وِنڈیش گراٹز ہنگری کے دار الملک میں

اہل آسٹریہ کا قبضہ پست پر ۵۔ جنوری ۱۸۴۹ء۔

ـــــ
ل Revolutions Krieg.... وغیرہ وغیرہ

داخل ہوگیا۔[1]

آسٹریہ والے سمجھے کہ اب لڑائی ختم ہوگئی۔ حالانکہ دراصل اب اس کا صرف آغاز ہوا۔ بالائی ڈین یوب پر کومورن کا قلعہ مگیاروں کے قبضے میں رہا اور رشمال کی طرف

ہنگری حکومت دبرکزن میں

ایسے پہاڑی علاقے میں ہٹ آنے سے جہاں آسٹریہ والے اس کا تعقب نہ کرسکتے تھے، گورگئی کو یہ قوت حاصل ہوگئی کہ خواہ ون ونڈیش گراٹز کے ذرائع آمد و رفت پر حملہ کرتا رہا خواہ جنرل کلاپ کا کی فوج سے جا ملے جسے گلیشیہ کی طرف سے بڑھنے والوں کو روکنے کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ پھر ون ڈیش گراٹز توبسٹ میں خالی پڑا رہا اور کلاپ کا نے آسٹریہ کے ایک جیش کو شکست دی جو جنرل شلیک کے ماتحت کوہستان کارپے تھین سے اترکر دبرکزن پر پیش قدمی کررہا تھا۔ ادھر گورگئی نے شکست خوردہ دشمن کی پسپائی کا راستہ آگھیرا اور شلیک کی فوج گرفتار ہوجانے سے محض اس لئے بچی کہ اُس نے اپنے راستے کو چھوڑکر بسٹ میں ون ونڈیش گراٹز کے پاس پناہ لی۔ اب تھیس پر مگیاری افواج باہم آملیں اور کوسوت نے ان سب کی سپہ سالاری ایک پول سردار دِم بنس کی کے تفویض کردی جو جمار بات نپولین اور ۱۸۳۱ء کے معرکوں میں نام حاصل کرچکا تھا۔ اصل یہ

کوسوت اور گورگئی۔

ہے کہ گورگئی نے ان فوجی سرداروں کی طرف سے جو انقلاب سے پہلے کے ملازم تھے، ایک تحریر شائع کی اور اس میں اعلان کیا کہ فوج صرف اس آئین کی حمایت میں لڑے گی جسے بادشاہ جائز، فرڈی نینڈ نے نافذ کیا تھا۔ نیز وہ صرف اُن وزیروں کا حکم ماننے گی جنھیں فرڈی نینڈ نے مقرر کیا۔ کوسوت نے اس اعلان کو صریح نافرمانی پر محمول کیا اور چوکنا ہوگیا کہ کہیں گورگئی کی ماتحتی میں فوج والے بطورِ خود آسٹریہ سے شرائط صلح نہ طے کرلیں۔ پس اُس نے یہ خطرناک کارروائی کی کہ بطور آزمائش قومی قائدین کے حقوق نظرانداز کرکے دم بنس کی کو سپہ سالار مقرر کردیا جو پولینڈ کا باشندہ اور یورپ بھر کی تمام انقلاب انگیز انجمنوں سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتا تھا۔ یہ فعل فوج والوں کے جنگی جوش کے حق میں نہایت مضر ثابت ہوا اور بہ حیثیت سپہ سالار دِم بنس کی بالکل ناکام و نااہل نکلا حالانکہ اس کی شہرت بہت کچھ تھی۔ پہلے تو اس نے شلیک کی فوجوں کو بیچ کر

[1] Klapka وغیرہ وغیرہ

باب (۲)

نکل جانے دیا اور پھر تھیس کی طرف پست پر خود پیش قدمی کی اور کیپولنا کے میدان میں آسٹریہ کی فوج سے مقابلہ ہوا تو اس میں بھی شکست کھائی (۲۶-فروری)، فریقین کی سپاہ اپنے پہلے مورچوں پر ہٹ گئی اور جب مگیاری سرداروں نے اپنے سپہ سالار کا حکم ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا تو دِم بنیس کی کو اس خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا اگرچہ وہ بعد میں بھی ہنگری میں رہا اور لڑائی ختم ہونے سے پہلے ایک مرتبہ اور اُس نے اپنی بداخلت سے کام خراب کیے۔

آسٹریہ اور ہنگری کی جنگ یہاں تک پہنچی تھی جب کہ شوارزن برگ نے وہ جدید آئین شائع کیا جس کی رُو سے صوبوں کے تمام حقوق ایک مرکزی نظام کے اندر ضم کر لئے گئے اسے دیکھکر کروایشیوں، سربیوں اور رومانیوں کی آنکھیں کھلیں کہ وہ جو سادہ لوحی سے جوق جوق بادشاہی علم کے نیچے جمع ہو کر لڑ رہے تھے اور جانتے تھے کہ اپنی خود مختاری کے واسطے جنگ کر رہے ہیں، وہ محض خیالِ خام تھا۔ اب اِن کا سارا جوشِ عقیدت سرد ہو گیا۔ بعض جو زیادہ من چلے تھے اُنھوں نے تو یہاں تک کوشش کی کہ اپنے ہم وطنوں کو آسٹریہ سے علیحدہ کر لیں۔ لیکن کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لانے کا وقت نکل چکا تھا۔ اب جلاکیک اور خاص آسٹریہ کے سپہ سالاروں میں کوئی مابہ الامتیاز ہی باقی نہ رہا اور وہ اپنے ہم وطن یعنی اگرام کے اُن سیاست والوں کا مضحکہ اڑانے لگا جو ابھی تک کروایشیہ کی خود اختیاری کا بے وقت راگ الاپتے تھے۔ سربیوں کے قومی سرگروہ اس بڑائی میرودک کی شہرت اپنے حریف بطریق کارلاوٹز کے سامنے بالکل ماند پڑ گئی اور اس پادری نے اہلِ کلیسا کے واسطے حقوق استثنیٰ کا بادشاہ سے پروانہ لے کر ملکی خود مختاری کو بالائے طاق رکھا جو اسکے ہموطنوں نے خوں بہا کے حاصل کی تھی۔ اگر آزادی کے ان ابتدائی ایام عمل میں ہنگری کی زمامِ حکومت زیادہ دانشمند یا عالی ظرف مدبّروں کے ہاتھ میں ہوتی تو اُس وقت بھی وی اینا کی مرکزیت کے مقابلے میں مگیاروں کا دوسری ماتحت اقوام سے اتحاد کر لینا ممکن ہوتا۔ لیکن اسلافیوں اور مگیاروں کے درمیان بدگمانی اور عداوت اس قدر گہری ہو چلی تھی کہ صلح صفائی کرانے والوں کو اس بارے میں

اہلِ آسٹریہ کا اخراج ہنگری سے۔ ماہِ اپریل۔

کسی حقیقی کامیابی کی امید نہ تھی۔ دوسرے وِیبرگ زن کے حکّام جو مراعات پیش کر رہے تھے اُن سے اس وقت بھی صاف طور پر کوئی اقرار حکومت خود اختیاری کا نہیں نکلتا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ آیندہ چند ماہ میں جیسی درخشاں فتوحات اہلِ ہنگری کو حاصل ہوتی رہیں، ان کی بنا پر حکومت ہنگری کا اپنے دعاوی فرمانروائی پر جمے رہنا کچھ بیجا نہ تھا۔ لائق سرداروں کی قیادت ہو تو کوئی مہم ایسی نظر نہ آتی تھی جسے سر کرنے سے مگیاری سپاہی عاجز ہوں۔ بیم ٹرین سلوانیہ میں پہنچا تو ایک سپاہی بھی اس کے پاس نہ تھا مگر تھوڑے ہی عرصے میں وہاں اُس نے ایک پوری فوج مرتب کر لی اور حیرت انگیز پیہم یلغاروں اور شبخونوں سے نہ صرف آسٹروی اور رومانی فوج کو ہزیمت دی جو اس کے مقابل تھی بلکہ روسیوں کے ایک جیش کو بھی مُلک سے نکال باہر کیا جسے جنرل پُشنر نے انتہائی پریشانی میں مدد کے لئے بلایا اور ہیرمان سٹاڈٹ کی حفاظت کے لئے متعیّن کر دیا تھا۔ ادھر گورگئی نے وہی پیش قدمی شروع کی جس میں ادھم بیس کی ناکام رہا تھا اور آسٹریہ والوں کو پے در پے شکستیں دے کر پسٹ کی فصیلوں تک ہٹا دیا۔ دوسری طرف سے کلاپکا قلعہ کومورن کی طرف بڑھا اور محاصرین کو محاصرہ اُٹھانے پر مجبور کر کے ایک فوج کو آسٹریوں کے عقب میں لے آیا جس سے خطرہ تھا کہ وہ ان کا ویانا کا راستہ کاٹ دے گی۔ حکومت آسٹریہ نے ون ڈِلِش گراٹز کو سپہ سالاری سے علیحدہ بھی کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس کے جانشین کو نظر آگیا کہ اس کے چاروں طرف قومی تر فوجیں مجتمع ہو رہی ہیں اور ہنگری کا مُلک دراصل ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ پس بوڈا کے قلعے میں کچھ فوج چھوڑ کر وہ باقی ماندہ سپاہ کو لے کر جلد سے جلد ہنگری کے دارالملک سے نکل گیا اور آسٹریہ کی سرحد ہی میں پہنچ کر اُس نے دم لیا۔

پہلی شکستوں کے بعد مگیاروں کا دوبارہ جمع ہونا اور اپنے وطن کو اس طرح مخلصی دلانا واقعی قابلِ آفریں کارنامہ تھا۔ دربارِ ویانا نے کثرتِ فوج اور قوت کے بل پر ایک بنی بنائی حکومت کا قلع قمع کرنا چاہا تھا مگر لڑائی میں ثابت ہوا کہ فوجی قوّت بھی آسٹریہ ہی کی ضعیف ہے۔ اس فتح کی شادمانی اور آسٹریہ سے کمال ناراضی کے موقع پر یہ قدرتی بات تھی کہ ہنگری کا وہ فریق اور اس کے سرگروہ جو قومی جدوجہد میں پیش پیش

ہنگری کی خود مختاری کا اعلان ۱۴۔ اپریل۔

باب ۲

تھے، اب آسٹریہ کے ساتھ دوبارہ اتحاد و الحاق کو بالکل ناممکن ٹھہرائیں اور ہیپس برگ بادشاہ کی اطاعت کو موجب ننگ تصور کریں۔ چنانچہ ون ڈیش گراٹز کی شکست کے بعد، گو پسٹ ابھی تک خالی نہ ہوا تھا، ہنگری کی مجلس اصلاع نے اعلان کیا کہ خاندان ہیپس برگ نے اپنے حقوق بادشاہی کو ضائع کر دیا اور آیندہ سے ہنگری بالکل خودمختار مملکت ہے۔ طرز حکومت کے متعلق کوئی اعلان نہیں کیا گیا تھا لیکن تمام قرائن کہتے تھے کہ اگر اہل ہنگری کامیاب ہوئے اور اُن کی آزادی برقرار رہی تو ملک میں جمہوری حکومت قائم ہو جائے گی اور کوسوت اس کا صدر ہو گا۔ جیسے ابھی سے والیٔ ملک مقرر کر دیا گیا۔ بایں ہمہ قدامت کی زنجیریں توڑتے وقت انقلاب انگیزی کے عالم میں بھی اہل ہنگری کا قانون پرستی اور آئینی میلان طبعی کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا اور اسی ۱۹۔ اپریل کے اعلان میں عام انسانی حقوق کے متعلق کوئی بات نہیں کہی گئی نہ جمہور کے حق فرماں روائی کے متعلق پیرس والوں کے پیش پا افتادہ فقرے دہرائے گئے۔ اعلان میں شاہانِ آسٹریہ کی زیادتی اور اُن جرائم کو بتایا گیا تھا جو اُنھوں نے ملک کے تحریری اور رواجی قانون کے خلاف کیے، جن کا سلسلہ صدیوں سے جاری تھا اور جن میں سب سے آخری اور بڑی زیادتی ون ڈیش گراٹز کا حملہ، ۹۔ مارچ کے فرمان کی رُو سے ہنگری کے آئین کی منسوخی اور روسی فوج کو ٹرین سلوانیہ میں بلا لینے کے واقعات تھے۔ اور ان سب کو بتا کر اعلان میں ہنگری کی خودمختاری کی ضرورت ثابت کی تھی۔ شاہانِ ہیپس برگ کے خلاف الزامات میں گو ملکیاری وطن پرستوں نے رنگ آمیزی اور مبالغے سے کام لیا ہو، مجموعی طور پر وہ تاریخی واقعات کے مطابق تھے اور اگر ملکوں کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرنے میں کسی دوسری مصلحت کا خیال نہ کیا جائے بلکہ محض ان کے معاہدات پر عملدرآمد ہی کو پیش نظر رکھا جائے، تو بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ ہنگری کا آسٹریہ کی شرکت اور بادشاہِ آسٹریہ کی اطاعت سے آزادی حاصل کرنے کا حق صحیح ماننا پڑے گا۔ بایں ہمہ اہل تاریخ کی رائے کوسوت کے اعلان آزادی کو جو اُس نے عین ۱۸۴۹ء کی جنگ کے دوران میں شائع کیا ایک سخت سیاسی غلطی قرار دیتی ہے۔ اِس سے کوئی مفید نتیجہ مترتب نہ ہوا بلکہ ہنگری کی حکومت اور فوج کے درمیان جو مخاصمت موجود تھی وہ اور

گھری ہوگئی ۔ اس طرح ایک طرف تو اس اعلان کی بدولت باہمی نفاق کے اسباب میں اضافہ ہوگیا اور دوسری طرف روسیوں کو مداخلت کا ایک حیلہ مل گیا ۔ ان قریبی واقعات میں سخت خرابی ڈال لینے کے علاوہ، بجائے خود یہ آئندہ امکانات و ضروریات کے بہت ناقص اندازے اور تنگ نظری پر مبنی تھا ۔ یہ بات نہایت مشتبہ تھی کہ آیا یورپ کی ایک آزاد قوت بن کر اور آسٹریہ سے قطع تعلق کر کے مگیار ری قوم وہی اثر و اقتدار حاصل بھی کر سکے گی جو سلطنت آسٹریہ ہنگری کی مجموعی طاقت کے ذریعے اپنی قابلیت اور سیاسی مستعدی کی بدولت انھیں حکومت میں پیش پیش ہو جانے کی وجہ سے حاصل تھا ۔ کیونکہ خود مگیاروں کی تعداد قلیل تھی اور وہ ہر طرف سے معاند قوموں میں گھرے ہوئے تھے ۔ پس ان کا آسٹریہ سے الگ ہو جانا خود ان کے مفاد کے لئے مضر نظر آتا تھا ۔

ہنگری کے خلاف روسی مداخلت ۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ہنگری کے فوجی سرداروں نے ایک بڑی خطا یہ کی کہ آسٹریہ کی فوج کو اپنے ملک سے نکال لینے کے بعد فوراً ہی وی اینا پر چڑھائی نہ کر دی بلکہ واپس آکر بیوڈا کو گھیر لیا اور اس سے آسٹروی سپاہی اتنی مدت تک مقابلے پر جمے رہے کہ حکومت آسٹریہ کو فوجوں کی از سر نو تنظیم و تکثیر کی مہلت مل گئی ۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اگر وی اینا فتح اور وہاں دربار شاہی کے مقابلے میں جو ان دنوں اولمٹز چلا آیا تھا، کوئی جمہوری حکومت علیحدہ قائم کر دی جاتی تو بھی روس کی مداخلت غالباً ہنگری کے حق میں تباہ کن ہی ثابت ہوتی ۔ روسی مداخلت کا منصوبہ کوئی نئی شے نہ تھا اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اب اس کی ایک توجیہ یہ ہاتھ آگئی کہ ہنگری اور پولینڈ کے باغیوں کے مقاصد یکساں ہیں ۔ ورنہ انقلاب مارچ کا ہنگامہ بپا ہونے کے بعد ہی زار نے خواہش کی تھی کہ شخصی بادشاہی کی حمایت اور بحالی کے لئے پرشیہ اور آسٹریہ دونوں جگہ اپنی فوجیں بھیجدے ۔ شاہ پرشیہ کی طرف سے تو اس مدد کو قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا لیکن آسٹریہ میں ہر خطرے کے موقع پر اس کے بارے میں بحث ہوئی اور ٹرینسل وانیہ میں بیم کے ہاتھ سے بادشاہی فوجوں کے ہزیمت پانے کے بعد پیش کردہ اعانت قبول بھی کر لی گئی ۔ لیکن اس موقع پر جن روسیوں نے ہیرمان سٹاڈ

باب ۲۱ گو اپنی تحویل میں لیا وہ خود جنگ کرنے مُلک میں واخل نہ ہوئے تھے بلکہ ان کا کام صرف اتنا تھا کہ بعض مقامات میں جو حکومت آسٹریہ کے قبضے میں رہ گئے تھے، اپنا پہرہ چوکی قائم کردیں تاکہ وہاں کی بادشاہی فوجوں سے میدانِ جنگ میں کام لیا جا سکے البتہ ہنگری کے اعلان خودمختاری کے بعد ضرور ہو گیا کہ فرانسس جوزف اپنے حامی کی مدد کو علانیہ اور بلا شرط قبول کرے۔ چنانچہ اسّی ہزار سپاہیوں کی ایک روسی فوج گلیشیہ سے گزرتی ہوئی آگے بڑھی کہ اس دشمن کو گرانے میں آسٹریہ کی دستگیری کرے جس سے تنہا لڑنے میں آسٹریہ پچھڑ چکی تھی۔ ادھر تو آسٹریہ نے بالائی ڈینیوب پر فوجوں کے پرے جانے شروع کئے اور ادھر اور کئی روسی دستے ٹرنسلوانیہ میں جنوب اور مشرق کی طرف سے داخل ہو گئے۔ حتیٰ کہ ۱۸۴۹ء کی گرمیوں میں مگیاروں کو معلوم ہو گیا کہ انھیں اپنی فوج سے تگنے لشکر کے مقابلے میں مُلک کا بچاؤ کرنا ہے۔

جس وقت یہ ظاہر ہو گیا کہ زارِ روس نے اپنی پوری قوّت کو آسٹریہ کی حمایت میں صرف کرنے کا عزم کر لیا ہے تو کوسوت نے جان لیا کہ اب معرکہ آرائی کے معمولی طریقے سے شکست سے بچ جانا ہرگز ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے

فصلِ گرما کی معرکہ آرائیاں ہنگری میں جولائی۔ اگست ۱۸۴۹ء۔

ہم وطنوں سے استدعا کی وہ دشمن کے بڑھتے ہی اپنا گھر بار اور املاک خود تباہ کردیں کہ حملہ آوروں کو بھڑکتے شعلوں اور تاراج میدانوں کے سوا کچھ نہ ملے۔ لیکن اگر لوگ اس مایوسانہ تدبیر کو اختیار کرنے پر آمادہ بھی ہوتے تو بھی جنگ کا رقبہ اتنا وسیع تھا کہ اس پر عمل کرنا محال ہوتا۔ غرض ہنگری کی مدافعت فوجوں ہی کے حوالے کی گئی اور آنے والے عہدِ مصائب میں گورگی بہت پیش پیش رہا۔ اربابِ حکومت نے تو تیاریاں کیں کہ جنوب مشرق میں بہت دُور زگےڈن کے مقام میں منتقل ہو جائیں اور گورگی نے بالائی ڈینیوب پر مورچے جمائے کہ شہنشاہ آسٹریہ کی زبردست فوج کا مقابلہ کرے جسے جنرل ہائی ناؤ کی ماتحتی میں دیا گیا تھا۔ اس فوجی سردار کی اطالیہ میں خونخواری آمیز مستعدی نے اسے ممتاز کیا اور وہ اہلِ ہنگری کے حق میں مناسب حال؛ بلائے بے درماں سمجھکر سپہ سالاری کے واسطے منتخب کیا گیا بلکہ جنگی اختیارات کے ساتھ سب سے اعلیٰ دیوانی اختیارات بھی اس کے تفویض

۱؎ Helfert وغیرہ وغیرہ

ہوئے۔ گورگئی قدرتی طور پر یہ سمجھا کہ آسٹروی سپہ سالار کی پہلی کوشش یہ ہوگی کہ روسیوں سے جا ملے جو پاس کیووشیچ کے ماتحت کارپیتھین کو عبور کر رہے تھے۔ یہ وہی پاس کیووشیچ ہے جس نے ۱۸۲۹ء میں قارص کو فتح کیا تھا۔ غرض گورگئی نے آسٹریوں کے بازوئے چپ کو روکنے پر پوری قوت صرف کردی۔ مگر وہ تو کومورن کے شمال میں رود واگ پر ادھر ادھر وار کرتا رہا اور ہائی نو نے فوج کی تعداد کثیر لے کر ڈینیوب کے دائیں کنارے پر پیش قدمی کی اور راآب کو تسخیر کر لیا (۲۸ جون) اب گورگئی جنوب کی طرف جھپٹا مگر اس کی تگ و دو ہائی نو کو روکنے میں کچھ کارگر نہ ہوئی اور آسٹریہ والوں کا بڈاپسٹ پر قبضہ ہو گیا (۱۱۔ جولائی) دوسری طرف روسی سپاہی جداگانہ راستے ہی سے جنوب میں بڑھ رہے تھے۔ ان کا ہراول ڈینیوب اور بالائی تھیس کے کنارے تک آ پہنچا اور بظاہر گورگئی ہر طرف سے نرغے میں آ گیا۔ حکومتِ ہنگری نے اس کی منت کی کہ وہ جلد سے جلد زگیڈن اور آراڈ کی جانب ہٹ آئے کہ انھی مقامات میں کوسوت آخری قسمت آزمائی کے لئے فوجیں جمع کر رہا تھا۔ لیکن گورگئی نے اپنے کومورن کے قریب کے مورچے چھوڑنے میں بہت دیر لگائی۔ اس کی واپسی کے راستے بھی رک گئے اور آخر جب وہ شمال کی طرف سے بہت بڑا چکر دے کے آیا تو آراڈ پہنچنے سے قبل قصہ ہی تمام ہو چکا تھا۔ اراڈ کی فوجیں دوبارہ دِم بینسکی کی قیادت میں دی گئی تھیں اس کے سپرد یہ کام تھا کہ زگیڈن کے قریب تھیس کے راستوں کی حفاظت کرے۔ لیکن وہ آسٹریہ والوں کو دریا عبور کرنے سے نہ روک سکا اور پھر ۵۔ اگست کو زورگ میں شکست کھائی اور شدید نقصان اٹھایا۔ تب کوسوت نے فوج کی سرداری بیم کے سپرد کی۔ کثیر التعداد غنیم نے ٹرینسلوانیہ میں بیم کے ہاتھ سے فتح و کامرانی کا پرچم چھین لیا تھا اور وہ افتاں و خیزاں ہنگری میں چلا آیا تھا۔ تمسوار کی معرکہ آرائی میں آخری لڑائی بیم ہی نے لڑی اور سخت شکست کھا کے مشرق کی طرف پسپا ہوا تاہم بچی کھچی فوج کو سرحد مولداویہ کے پار نکال لے گیا اور اسیر ہونے سے بچ گیا

اہلِ ہنگری کا ہتھیار ڈالنا ولاگوس میں ۱۳۔ اگست

گورگئی اس وقت اراڈ کے قریب پہنچ چکا تھا لیکن اس کے ذہن میں یہ عجیب خیال سما گیا کہ غیر جانب دار علاقے میں

باب (۲)

پناہ لینا فوج کی شان کے منافی ہوگا۔ پس وہ شمال کی طرف چلا گویا آسٹرویوں سے لڑنے کی بجائے روسیوں کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے اور پھر نہ اس نے کوئی وار کیا نہ اپنے لشکر کے غیر عسکری افراد کی حفاظتِ جان کی کوئی شرط کی بلکہ دلاگوس کی روسی لشکر گاہ میں اپنی فوج کو لا کر زار کے سپہ سالاروں کے سامنے بلاشرط ہتھیار ڈال دیے۔ خود اسکی تو جاں بخشی ہوگئی لیکن ساتھ کے قیدیوں پر جنھیں روسیوں نے حکومتِ آسٹریہ کے حوالے کیا یا اُن پر جو پیش قدمی کے اثنا میں ہائی نوار کے ہاتھ پڑے مطلق رحم نہ کیا گیا۔ اس قسم کی عدالتیں قائم ہوئیں جو کسی مہذب حکومت کی بجائے فرانس کے عہد وحشت و قتال کی عدالتوں سے مشابہ تھیں اور انھوں نے ہنگری کے معزز ترین محبانِ وطن اور فوجی سرداروں کو دار پر کھچوا دیا۔ تاجدار آسٹریہ کے ماتھے پر ایک گہرا کلنگ کا ٹیکا یہ لگا کہ فرڈیننڈ کا وزیر کاؤنٹ باتھیانی بھی اُنھیں مقتولین میں شامل تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس واقعے نے کہ فتح بغیر باہر والوں کی امداد کے حاصل نہ ہو سکی، فتحمندوں کو اور بھی غضب ناک اور خون کا پیاسا کر دیا تھا۔ مختصر یہ کہ آہنی پنجے میں دب کر، جنگ سے نڈھال اور ایک ایسی حکومت کا شکار ہو کر جو صرف محکوم قوموں کو ایک دوسرے کا جلّاد یا پاسبان مقرّر کر دینا جانتی تھی۔ ہنگری چند سال تک بالکل دم بخود اور زندگی سے بیزار و ناامید پڑی رہی۔ اس کے آئینی حقوق کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ ٹرینسل وانیہ اور کروایشیہ کو قطع کر کے اس کے علاقے کو گھٹا دیا گیا اور اس کا نظم و نسق وی اینا کے جرمنوں کے حوالے کر دیا گیا۔ جبری فوجی خدمت کا قانون نافذ ہوا تو جنگی اغراض کے لئے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر کہ قومی روح کو سلب کرنے کی اس سے بہتر تدبیر نہ ہو سکتی تھی اور اسی قانون کے تحت میں ہنگری کے نوجوان آسٹری دستوں میں بھرتی کر کے سلطنت کے بعید ترین اقطاع میں وطن سے دُور پھینک دیے گئے۔ سترھویں صدی کی لڑائیوں کے بعد ایسا بُرا وقت ہنگری پر کبھی نہ آیا تھا جیسا کہ ۱۸۴۹ء کی مصیبت انگیز ہزیمت کے بعد اسے نصیب ہوا۔

آسٹریہ کا انتقام لینا۔

حکومت آسٹریہ کی فتح سے رنج و اندوہ کی جو تاریکی پھیلی وہ ہنگری تک محدود نہ رہی بلکہ اطالیہ میں بھی اندھیرا چھا گیا۔ اگست ۱۸۴۸ء میں راڈیٹس کی اور شاہ پیڈمونٹ کے

جہاں (Klapka) وغیرہ وغیرہ

معاملات اطالیہ اگست ۱۸۴۸ء سے مارچ ۱۸۴۹ء تک۔

درمیان جو ہنگامی صلح وجیجیوانو میں ہوئی تھی، وہ سات مہینے رہی اور اس عرصے میں برطانی اور فرانسیسی حکومتوں نے بہت کوشش کی کہ فریقین میں شرائط صلح طے ہوجائیں مگر بے سود۔ ایسی حالت میں کہ فوجی استبداد اپنی بدترین صورت میں لمبارڈی کا گلا گھونٹ رہا تھا یہ ممکن نہ تھا کہ چارلس البرٹ قومی رستگاری کے مقصد سے جس کا بیڑا وہ اٹھا چکا تھا، دست بردار ہوجائے۔ دوسری طرف آسٹریہ میں اب دوبارہ کافی قوت آگئی تھی کہ شورش کے ابتدائی زمانے میں جو رعایتیں دینا چاہتی تھی، اُن سے مُکر جائے۔ چنانچہ شوارزن برگ نے عہدے پر فائز ہوتے ہی صاف کہ دیا تھا کہ چاہے جو کچھ زحمت ونقصان اٹھانا پڑے، شہنشاہ لمبارڈی کو ہاتھ سے نہ دے گا۔ رہیں جزیرہ نمائے اطالیہ سے فوجی مدد ملنے کی امیدیں، تو ۱۸۴۸ء کے موسم بہار میں آغاز جنگ کے وقت وہ جس قدر تھیں اُن سے بھی اب کہیں کم ہوگئی تھیں۔ ریاست ہائے اطالیہ کے عام اتحاد، وسطی ریاستوں اور پیڈمونٹ کے جنگی اشتراک اور پھر انتخابی مجلس اطالیہ کے انعقاد کی تجویزوں پر یکے بعد دیگرے توجہ ہوئی اور کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ نیپلز نے دوبارہ حکومتِ شخصی کی طرف رجوع کیا۔ رومہ اور ٹسکنی سے ابھی تک مدد ملنے کی توقع ہوسکتی تھی، اندرونی نفاق وشقاق کا شکار ہوئے اور معلوم ہوتا تھا کہ بہت جلد بدامنی کے گڑھے میں گر پڑیں گے۔ کستوزا میں چارلس البرٹ نے شکست کھانے کے بعد پیئس نہم نے پیل اگرینو روسی کو وزارت عطا کی کیونکہ گو پیئس بے چین اور مضطرب تھا، تاہم ابھی تک آئینی فرماں روا ہونے کا ڈھونگ نباہے جاتا تھا۔ لیکن روسی پرانے زمانے کا اطالوی وطن پرست تھا اور لوئی فلیپ کی طرف سے رومہ میں سفیر مقرر ہوا تو اورلیانی بادشاہی اپنے تعلقات کی بدولت اطالیہ بھر کے جمہوریت پسندوں کا نشانۂ ملامت بن گیا تھا۔ پھر، پرجوش اور نڈر مصلح ہونے کے باعث اہل استبداد اور پادریوں کے گروہ میں بھی وہ ایسا ہی مردود و مطعون تھا جیسا بازاری مقرروں اور ان کے متبعین میں۔ اس مخالفت سے اسے کسی قسم کا نفع نہ پہنچ سکتا تھا اور ۱۵۔ نومبر کے دن جب وہ افتتاحِ مجلس کے لئے مکان سے چلا تو کسی نامعلوم قاتل نے

روسی کا قتل۔ ۱۵۔ نومبر پیئس نہم کی فراری۔

باب (۲)

اسے جان سے مار ڈالا۔ ادھر تو یہ واقعہ ہوا اور ادھر اس کے بعد ہی پاپا کے محل پر لوگوں نے یورش کی جس سے پیس سخت خوف زدہ ہو کر گائیٹا میں بھاگ آیا اور شاہ نیپلز کی پناہ لی۔ روما میں ایک انتخابی مجلس منعقد کی گئی اور جمہوریت کا اعلان ہوا۔ مگر اس حکومت میں اور حکومت سارڈینیہ میں خیالات کا اتنا اختلاف تھا کہ اگر پاپا وہاں کے بادشاہ چارلس البرٹ کی پناہ لینی قبول کر لیتا تو وہ اپنی فوج بھیج کر اس کی حفاظت و بحالی کا سامان کرتا۔ ٹسکنی میں بھی معاملات کا رنگ اسی طرح دگرگوں تھا۔ وہاں کے امیر کبیر کی نسبت مہینوں تک لوگ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اطالیہ کے قومی مقاصد کا کسی قدر ممتاط ہمدرد بنی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس نے زبانی یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ اگر قوم اطالیہ کی فلاح و بہبود کے لئے مفید ہو تو میں اپنے حقوق حکمرانی سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ بایں ہمہ جب پاپا گائیٹا کو فرار ہوا اور ٹسکنی کو رومی ریاستوں کے ساتھ ملا کر جمہوریت قائم کرنے کی تجویز علانیہ زبانوں پر آ گئی تو اس وقت امیر کبیر بھی اپنی نوبت آنے پر فرار ہوا اور فلورنس کو جمہوریت پسندوں کے قبضے میں چھوڑ گیا۔ اس فراری کی وجہ یہ نہ تھی کہ اسے اپنی فرماں روائی کی طرف سے کوئی خطرہ تھا بلکہ دراصل پیس نے اپنے تباہ کرنے والوں کو اس طرح پانی پی پی کے کوسنے دیئے کہ امیر ٹسکنی پر اس کا بہت اثر ہوا اور اسے مصلحت یہی نظر آئی کہ ٹسکنی سے نکل جائے۔ پھر اس ریاست کا نظم و نسق جن مدبروں کے ہاتھ آیا انھوں نے اپنی شیخت بیہودہ لاف و گزاف اور فتنہ انگیزی کے نہایت شرمناک تماشے دنیا کو دکھائے۔ روما اور فلورنس دونوں جگہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کے دماغ میں ضروریات حاضرہ کا کوئی شعور ہی باقی نہیں رہا اور نہ یہ احساس کہ جب تک آسٹریہ کا غلبہ قائم ہے حکومت کی اندرونی تبدیلی محض بیکار و فضول ہو گی۔ اُن کے دل و دماغ کو تو جمہوری اوہام نے مختل کر دیا تھا اور اُن کے جادو بیان مقرر یا طلاقہ لسان سرغنے جو اس وقت پیش پیش تھے[1]، اُن میں سے ایک بھی تو کام کا سپاہی یا جنگی تنظیم کرنے والا سامنے نہ آیا حتیٰ کہ کام کا وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ ۱۹- مارچ کے دن جب شمالی اطالیہ میں ہنگامی صلح ختم ہوئی تو اکیلی پیڈمونٹ کی فوج میدان میں نکلی

روما کی جمہوریت ۹- فروری ۱۸۴۹ء۔

ٹسکنی۔

[1] Farini وغیرہ وغیرہ

مارچ ۱۸۴۹ء کے معرکے

اس موقع پر جو معرکہ آرائی شروع ہوئی وہ صرف پانچ دن رہی۔ چارلس البرٹ نے دریائے پو کے جنوب میں اپنی فوجیں لاگومیگیور سے اس ٹراڈیلا تک پھیلا دی تھیں اور اس خیال میں تھا کہ شمالی راستے سے میلان پر پیش قدمی کر سکے گا۔ ادھر راڈیٹسکی پاویا کے قریب سپاہ کا اجتماع کر رہا تھا کہ اس مقام سے رود ٹیچینو کو عبور کر جائے۔ چارلس البرٹ کا ستارہ گردش میں تھا کہ اس نے فوج کی قیادت ایک پول کرزانوسکی کے سپرد کی اور جنوبی جیش کو بھی جس میں زیادہ تر لمبارڈی کے مطوعین داخل تھے ایک دوسرے پول رامورینو کے حوالے کر دیا جو ۱۸۳۳ء میں ماذنی کی تاخت سیوائے میں لڑ چکا تھا اور غلط یا صحیح، الزامات غداری بھی اس پر عائد کیے گئے تھے۔ سوء اتفاق، کرزانوسکی کے ساتھ اس کے تعلقات بہت ہی خراب تھے اس میں فوجی احکام کو بیچون وچرا ماننے کی بہت کم عادت تھی۔ اُس نے بادشاہ کے ہاتھ سے عہدہ لینا تو قبول کر لیا مگر وفاداری کا مادہ نہ رکھتا تھا۔ غرض اس آوارہ گرد من چلے کی خودرائی نے پیڈمونت کی فوج کو آسانی سے دشمن کا شکار بنا دیا۔ اسے پو کے جنوب میں ٹیچینو کے سنگم کے قریب متعین کیا گیا تھا لیکن جنگ چھڑنے کے وقت حکم دیا گیا کہ پلوں کو توڑتا ہوا شمال کی طرف بڑھے اور پاویا پر ٹیچینو کا گھاٹ روک لے۔ رامورینو نے اس حکم کو ماننے کی بجائے اپنے جیش کو اسٹراڈیلا ہی کے آس پاس وقت ضائع کرنے دیا۔ اور راڈیٹسکی جب ٹیچینو کو پار کرنے کی غرض سے پاویا پہنچا تو اسے عبور کا راستہ خالی ملا چنانچہ وہ پوری فوج کے ساتھ ندی کے پار ہوا اور ایک طرف تو اس نے رامورینو کے جیش کا سلسلہ اصلی لشکر سے منقطع کر دیا اور دوسری طرف بڑھ کر پیڈمونٹ کی بکھری ہوئی فوج کے بازو پر حملہ آور ہوا۔ چارلس البرٹ کا جنگی مستقر نوارا میں تھا۔ وہ بعجلت جنوب کی طرف چلا لیکن اس سے قبل کہ فوج کو سمیٹ کر یکجا کر سکے، عساکر آسٹریہ نے مورٹارا پر حملہ کر کے اسے پیچھے ڈھکیل دیا۔ ٹیورن اور الیسنڈریا کی جانب ہٹنے کا راستہ پہلے ہی ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ لہذا ایک کوشش یہ کی گئی کہ نوارا میں قدم جما کر بڑھتے ہوئے آسٹریوں سے مقابلہ کیا جائے۔ مگر اس بستی کے

جنگ نوارا۔ ۲۳۔ مارچ۔

باب (۲)

سامنے کے میدان میں جو لڑائی ۲۳۔ مارچ کو ہوئی اس میں سارڈینہ کی فوج نے کامل شکست کھائی۔ فوج میں ابتری کی یہ نوبت ہوئی کہ نوارا کے بازاروں میں سواروں کو خود اپنے ساتھ کے پیادوں پر حملہ کرنا پڑا کہ وہ نیم مجنونانہ حالت میں بستی کو لوٹ کر تباہ نہ کردیں۔[۱]

مذکورۂ بالا جنگ میں بظاہر چارلس البرٹ اپنی موت ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ گذشتہ سال میلان کو چھوڑ کر ہٹ آنے پر جو لعن طعن اس پر ہوئی اور دغا بازی کے الزامات نے اس کے ۱۸۳۱ء کے تذبذب کے شرمناک واقعات کو جس طرح دوبارہ تازہ کیا، یہ وہ باتیں تھیں جن کا اس کے دل پر داغ تھا۔ ابتدائی سیاسی زندگی میں وہ کمزور و غیر مستقل مزاج رہا اور اپنے عہدِ حکومت کے اکثر حصے میں آزادیٔ اطالیہ کے علم برداروں سے نہایت سختی اور رنار واداری کا برتاؤ کرتا رہا۔ لیکن آسٹریہ کے خلاف وطن کی اس آخری جد و جہد میں چارلس البرٹ نے دل و جان سے حصہ لیا تھا اور جب یہی لڑائی ہر گئی تو پھر اسے زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی۔ آسٹریہ کے ارباب حکومت کو ذاتی طور پر اس سے جو نفرت تھی، اس کی بنا پر وہ سمجھتا تھا کہ اگر اس کی بجائے کوئی اور بادشاہ پیڈمونٹ کے تخت پر ہوا تو غالباً بہتر شرائط پر صلح ہوسکے گی پس شکست کی صورت میں اُس نے خود علٰحدہ ہو جانے کا عزم بالجزم کرلیا تھا۔ جنگ نوارا کے بعد جب رات ہوئی تو اُس نے اپنے فوجی سرداروں کو جمع کیا اور ان کی شہادت میں تخت بادشاہی سے دست بردار ہوگیا۔ پھر اپنے بیٹے وکٹر امانوئیل کو جو اس کے روبرو گھٹنوں کے بل گر کے زار و قطار رو رہا تھا، ہمیشہ کے لئے خیرباد کہی اور صرف ایک ملازم کو ہمراہ لے کر اپنی فوج سے نکل گیا۔ دشمن کے پاسبانوں نے بھی اسے نہ پہچانا اور وہ ان کے درمیان سے بہ سلامتی گزر گیا۔ سفر غربت اختیار کرتے وقت وہ اپنی ملک اور پایۂ تخت کو بھی دیکھنے نہ گیا اور زندگی کے چند باقی ملندہ

چارلس البرٹ کی تخت سے دست برداری۔

۱ے شئون حال۔ صفحہ ۳۳۲ کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۴۹ء پنجاہ و ہشتم (۲) ۲۱۶ وغیرہ رمورینو سزائے موت کا مستوجب قرار پایا اور قتل کرادیا گیا۔

ایاّم اوپورٹو کے قریب عزلت میں بسر کئے۔ نوّارا کی لڑائی کے چھ ماہ بعد اس نے عالم فانی سے منہ موڑ کر قبر میں آرام کیا۔

چارلس البرٹ کی نسبت بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے بادشاہی کو جس شان سے منقطع کیا، اتنی اور کوئی چیز اسکی ساری بادشاہت میں اسکی شان کے لائق نظر نہیں آتی۔ ۱۸۴۹ء کی جنگ کا نتیجہ بجا طور پر کیسا ہی یاس انگیز معلوم ہوتا ہو، اس نے اتنا ضرور ثابت کر دیا کہ اطالیہ میں ایک فرماں روا ایسا بھی تھا جو قومی اغراض کی خاطر اپنی جان و مال، تخت و تاج اور تمام ذاتی اغراض و مفاد کی بازی لگانے پر آمادہ تھا۔ اور ایک خاندان شاہی وہ بھی ہے جس کے فرزند اگر کسی چیز سے ڈرتے ہیں تو وہ یہ کہ کہیں اطالیہ کے لئے جان دینے میں کوئی اُن سے سبقت نہ لے جائے۔ پس اگر کسی غیر معمولی دور اندیشی اور معجز نما سیاسی فطانت و تدبر کے مشورے کا پیڈمونٹ پر ۱۸۴۹ء میں عمل دخل ہوتا اور وہ نوّارا کی ہزیمت کا پیش از پیش پورا اندازہ کر لیتے، تو بھی اُن کا تقاضا یہی ہوتا کہ پیڈمونٹ کی فوج اور بادشاہ اسی طرح بے یار و مددگار اپنی قربانی کے لئے میدان میں کود پڑیں۔ کیونکہ اسی فعل کا ثمرہ تھا کہ اب اطالیہ کا صرف ایک ہی سرگروہ نظر آنے لگا۔ چارلس البرٹ کی صلح جوئی کے زمانے میں حکومت ٹیورن سے جو قصور سرزد ہوئے تھے اُنکا اطالیہ کے معاملات حاضرہ پر کوئی اثر باقی نہ رہا۔ بڑے سے بڑے زبان دراز ۱۸۴۸ء کے اتہامات کو زبان سے نکالنے اور انتہا درجے کے کان کے کچے اُنھیں سننے کے لئے اب مطلق آمادہ نہ تھے۔ حقیقت میں وہ شخص جو شکست کھانے اور کثیر التعداد دشمن کے نرغے میں گھر جانے کے باوجود نوّارا میں گھنٹوں تک آسٹریہ کی توپوں کی زد میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا، انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں اپنے بیٹے کو صرف پیڈمونٹ کا نہیں بلکہ پوری اطالیہ کا تاج بخش گیا۔

دکٹر امانویل کا آغازِ حکومت

نوجوان وکٹر امانویل کی شرافت و وطن پرستی نے اسے عساکر سارڈینیہ کی امیدوں کا آسرا بنا دیا تھا انھی اوصاف کی بدولت وہ اُن پھندوں میں پھنسنے سے بچ گیا جو آسٹریہ نے ایک تاراج و شکستہ حال ملک کے وارث کو پھنسانے کے واسطے لگائے تھے۔ اور انہی اوصاف نے اس کے عہد حکومت کی ابتدائی ساعتوں میں

باب (۲)

اس حکمت عملی کا ایک نمونہ لوگوں کو دکھا دیا جو آخر کار ساری اطالیہ کو متحد اور شیرازہ بند کرنے والی تھی۔ صلح کی مبادیات طے کرنے کے لئے وکٹر امانوئیل کو آسٹروی لشکرگاہ میں راڈیٹسکی کے پاس جانا پڑا۔ وہاں باپ کے معائب کے مقابلے میں اسکی بہت کچھ ستائش اور بھٹئی کی گئی اور اسی سلسلے میں مطلع کیا گیا کہ اگر وہ اس آئین کو جو اس کے باپ نے مرتب کیا تھا، کالعدم کردے تو نہ صرف آسان شرطوں پر صلح ہوجائے گی بلکہ وہ آسٹریہ کو اپنا حامی اور دوست بنالے گا۔ لیکن اسی مطالبے کو، جس پر شرائط صلح طے کرتے وقت اور بھی زیادہ زور دیا گیا، وکٹر امانوئیل نے ماننے سے حتماً انکار کردیا۔ اس کو آسٹروی سپاہیوں کا کچھ عرصے تک اپنے ملک میں مسلط رہنا، اور اتنا بڑا تاوان جنگ جو اس کی چھوٹی سی مملکت کے لئے بارگراں تھا، برداشت کرنا پڑا، بایں ہمہ اس کی رعایا کی آزادی سلامت رہی اور اس پیمان میں جو اس کے باپ نے باندھا تھا کوئی خلل نہ آیا۔ اس طرح تمام امیدوں کے مٹنے اور اطالیہ بھر کے دوسرے بادشاہوں کی شہرت کا بھرم کھل جانے کے باوجود، یہ سب پر آشکارا ہوگیا کہ ایک شخص اور ایک حکومت ایسی بھی ہے جس پر اہل اطالیہ بھروسہ کرسکتے ہیں۔ گویا ۱۸۴۹ء کے مصائب وآلام کی اتنی تلافی ضرور ہوگئی کہ اطالیہ کے قومی مقاصد اور آزادی کے غدار دشمنوں کا پردہ فاش ہوگیا اور مختلف والیان ریاست کے اتحاد کی موہوم تجویز نے جو ایک قومی حکومت کی ضرورت کو آنکھوں سے اوجھل کردیا تھا، آیندہ اس کا احتمال باقی نہ رہا۔ پیڈمونٹ کے آئین سے وکٹر امانوئیل کی وفاداری، اس بات کی دلیل تھی کہ اگر آیندہ اطالیہ کے متعلق اسی قسم کا موقع پیش آئے گا تو قوم کی مراد پوری کرنے کے لئے یہ سردار نیک میں موجود ہوگا۔

جنگ نوارا کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ آسٹریہ کی فوج نے اپنی حفاظت میں ٹسکنی کے امیر کبیر کو حکومت پر بحال کردیا اور گوئے راتزی کو قید خانے بھیجدیا گیا جو سابق حکومت جمہوریہ کا وزیر تھا اور یہ کوشش کر رہا تھا کہ درباری فریق کی اطاعت قبول کرکے جس طرح ممکن ہو آسٹریہ کی فوج کو ملک میں دخل پانے سے روکے۔ لیکن رومہ والوں نے

ٹسکنی میں شخصی حکومت کی بحالی۔

لسکنی سے کہیں زیادہ جرأت دکھائی۔ وہاں مارچ کے پہلے ہفتے میں ماتزنی پہنچ گیا تھا۔ اُس نے مجلس روما کو اُبھارا کہ چارلس البرٹ کے گذشتہ قصور کو بھول کر آسٹریہ کے مقابلے میں اس بادشاہ سے اتحاد کر لیا جائے۔ مگر اس اتحاد کا وقت ہی ہاتھ سے نکل چکا تھا البتہ جب وہ روما کے ”حکام ثلاثہ“ میں شامل ہوا جن کے قبضے میں سارے اختیارات آگئے تھے، تو اتنا ضرور ہوا کہ اس نے اہل روما میں اپنے شہر اور علاقے کا دفاع کرنے کا بہت کچھ وہی جوش پیدا کر دیا جو خود اسکے سینے میں موجزن تھا۔ گو یہ درست ہے کہ تیاریاں جس غنیم کے مقابلے کے واسطے کی گئی تھیں مدافعت اس کی بجائے

روما اور فرانس۔

دوسرے حریف سے کرنی پڑی۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ آسٹریہ کی فتوحات سے حکومت فرانس کے دل میں طرح طرح کے خدشے آنے لگے پیڈ مونٹ اور لمبارڈی کی تسخیر کو تو محو و باطل کر دینا ممکن نہ تھا، البتہ لوئی نپولین اور اس کے وزیروں نے تہیہ کر لیا تھا کہ روما میں پاپائی اقتدار کو بحال کرنے میں خود آسٹریہ پر سبقت لیجائیں۔ حقیقت میں مُلک فرانس کی قدیم سے جو حکمتِ عملی رہی وہ اس قسم کی دخل اندازی کی پوری پوری مؤید تھی۔ ابھی سے پاپائی ریاستوں میں شمال کی طرف سے آسٹریہ کی چڑھائی ہو رہی تھی اور سیاسی حالات جن کی بناء پر ۱۸۳۱ء میں کازمی پیریئر جیسے صلح پسند وزیر کو انکونا پر فوج اتارنی پڑی تھی، اب پہلے سے زیادہ سنگین صورت میں موجود تھے۔ اپنی مسلّمہ اغراض یا فرانس کے واجبی اقتدار کو کسی حد تک ہاتھ سے کھوئے بغیر ممکن نہ تھا کہ لوئی نپولین اس بات کو جائز رکھتا کہ آسٹریہ کے سپہ سالار پاپا کو اپنے ہمراہ اس کے پائے تخت میں واپس لائے اور وسطی اطالیہ پر خود عمل دخل حاصل کرلے۔ اگر ۱۸۴۸ء کے انقلاب کی شروع شروع کی امنگیں ابھی تک اہل فرانس کے دلوں کو گدگداتی ہوتیں تو گمان غالب یہ ہے کہ ان کی مداخلت جمہوریۂ روما سے اتحاد کی صورت اختیار کر لیتی لیکن جون کے ”عہد چہار روزہ“ کے بعد سے وہاں کی رائے عامہ مخالفت کی سمت میں کہیں کی کہیں پہنچ چلی تھی۔ جمہوریۂ فرانس کا نیا صدر نشین کاربوناری جماعتوں کے ساتھ اپنے جوانی کے ربط ضبط کو کبھی کا بھلا چکا ہوگا۔ اور نہ بھولا تھا تو بھی اب تو

باب (۲)

وہ فرانس کے قدامت پسند اور کلیسائی گروہ کی چشم عنایت کا امیدوار تھا جن سے اُسے معقول فائدے پہنچنے کی توقع تھی۔ اس کے وزیروں نے سرکاری طور پر رومی جمہوریت کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ بے شبہ وہ آزادی کے حامی تھے مگر جب یہ بات یقینی تھی کہ آسٹریہ، ہسپانیہ اور نیپلز والے پاپا کو بحال کرنے پر تلے ہوئے ہیں، تو پھر ماننا پڑتا تھا کہ رومہ کی جمہوریت کسی طرح نہ چل سکے گی۔ ایسی صورت میں فرانس کو جو مذہباً کیتھولک اور اسی کے ساتھ آزادی پسند ملک تھا، مناسب تھا کہ رومی آزادی اور پاپائی حکومت میں مصالحت کرا دینے کی خدمت اپنے ذمہ لے کیونکہ پاپا کی بحالی تو بہر حال ایک شدنی بات تھی۔

واقعات کی رفتار اتنی تیز تھی کہ سیاسی داد وستد میں الجھنے کی مہلت نہ تھی۔ لازم تھا کہ فوراً فوج بھیج دی جائے ورنہ فرانس کے دوسرے سفیر کے پہنچتے پہنچتے راڈیٹسکی ٹائبر کے کنارے ہوگا۔ فوج بھیجنے کے متعلق مجلس مبعوثین کے جمہوری فریق کو کچھ تردد تھا بھی تو اسے حکومت نے یہ یقین دلا کے رفع دفع کر دیا کہ ریاست رومہ کے باشندوں کے ساتھ نہایت مہر و کرم کے سلوک کا ارادہ ہے اور زیادہ فکر ہے تو یہی کہ انھیں آسٹریہ کے پنجے میں دینے سے بچایا جائے۔

فرانس دخل اندازی کا فیصلہ کرتا ہے۔

باقی اس امکان کی طرف، فرانس کے امیر وزیر اور سپہ سالار کسی نے جان بوجھ کر نظر ہی نہ کی کہ شاید خود اہل رومہ فرانسیسیوں کے اپنے ملک میں آگھسنے کو پسند نہ کریں اور لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ بلکہ ۲۲- اپریل کو تقریباً دس ہزار آدمیوں کا بیڑا جنرل اودینو کی قیادت میں بندرگاہ کیوتیاوکیا کی طرف چل کھڑا ہوا۔ یہ اودینو اسی نام کے مشہور سپہدار (مارشل) کا فرزند تھا۔

ساحل اطالیہ پر اُترنے سے پہلے فرانسیسی سردار نے کیوتیاوکیا کے عمال کے پاس قاصد روانہ کیے اور کہلا بھیجا کہ ہمارے سپاہی بہ حیثیت دوست کے آئے ہیں انھیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔ شہر کی مجلس بلدیہ نے فیصلہ کیا کہ فرانسیسیوں کی مزاحمت نہ کی جائے اور اس طرح انھیں سرزمین اطالیہ میں قدم ٹکانے اور اسی

فرانسیسی سپاہ کیوتیاوکیا میں اترتی ہے۔ ۲۵- اپریل ۱۸۴۹ء۔

مقام کو آیندہ مرکزِ جنگ بنانے کا موقع مل گیا۔ رومہ کے فرانسیسی سفارت خانے سے پیام پہنچے جن میں جنرل اودینو کو بلا تاخیر پیش قدمی کرنے کا اشارہ تھا۔ بیان کیا گیا تھا کہ عام طور پر رومہ کے باشندے فرانسیسی سپاہ کا خیر مقدم کریں گے اور ان میں جمہوریت پسند گروہ اگرچہ بہت سر پھرا ہے لیکن اتنی جمعیت نہیں رکھتا کہ کوئی قابلِ لحاظ مزاحمت کر سکے اور یقین ہے کہ فرانسیسیوں کے شہر میں داخل ہوتے ہی یہ گروہ کافور ہو جائے گا مگر اس بارے میں اودینو کو بہت جلد حقیقتِ حال ظاہر ہو گئی۔ جب رومہ کے حکام ثلاثہ کے پاس اس نے قاصد بھیج کر فرانس کی خیر اندیشی کا یقین دلایا تو مازینی نے اسے یہ دو ٹوک جواب دیا کہ پاپا کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ پھر ۲۶۔ اپریل کو مجلسِ رومہ نے اپنے عمال کو ہدایت کی کہ تلوار کا جواب تلوار سے دیا جائے یہ سنکر اودینو نے کیویتا دکیا کی حصار بندی کا اعلان کر دیا اور شہر کی گڑھی پر قبضہ کر کے وہاں کے اطالوی سپاہیوں سے ہتھیار رکھوا دیے۔ ۲۸۔ تاریخ کو اس نے رومہ کی طرف کوچ شروع کر دیا۔ اس کی آمد آمد سن کر شد و مد سے مقابلے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ گیری بالڈی جو ایک آزاد جمعیت کا سردار بن کر شمالی اطالیہ میں آسٹریہ والوں سے ۱۸۴۸ء میں لڑا تھا اپنے کئی سو متبعین کو لے کر رومہ آ گیا۔ لمبارڈی کے مطوّعین کا ایک دستہ جو اپنے نوجوان سرگروہ منارا کے ماتحت نوارا کی ہزیمت کے بعد جان سلامت لے کر نکل گیا تھا سرزمین اطالیہ پر آزادی کے آخری مورچے، یعنی رومہ، میں پہنچ چکا تھا کہ آزادی کی حمایت میں جان سپاری کرے۔ جزیرہ نما کے ہر حصے سے جانباز، جلا وطن اور سورما آ آ کر رومہ کے گلی کوچوں میں جمع ہو گئے اور انھوں نے جوش و سرگرمی، استقلال و پامردی کی شہر والوں میں وہ روح پھونک دی کہ دنیا کو اہلِ رومہ سے کبھی اس کی امید نہ تھی۔ حد ہے کہ خود پاپا کی فوج رکاب کے باقی ساقی جوانوں نے مدافعت میں حصہ لیا۔ اور اودینو اپنی سات ہزار کی مختصر جمعیت سے بغیر بھاری توپوں کے رومہ کے سامنے پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ فرانسیسیوں کو وہ شہر سر کرنا ہے جس کے قدیم حصار و برج ابھی تک قائم ہیں اور جس میں لڑنے والوں کی ایسی جماعت موجود ہے جو اس کے سپاہیوں سے تعداد میں دگنی اور لڑنے

اودینو کا حملہ رومہ پر اور پسپائی ۔ ۳۰۔ اپریل۔

باب (۲)

مرنے پر اُن سے زیادہ تُلی ہوئی ہے۔ ۳۰ تاریخ کو اُس نے حملہ کیا، تو ہر مقام پر مُنہ کی کھائی اور دو سو پچاس قیدی دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ کر اسے کیوِتیا وکیا کی طرف پسپا ہونا پڑا۔

فرانسیسی فوج کی یہ زک تو بالکل معمولی تھی مگر پیرس اور مجلس مبعوثین میں اس خبر سے خاصا تلاطم مچ گیا۔ حکومت کی فریب دہی پر جس نے بیان کیا تھا کہ فوج کشی کا منشا فقط رومہ کو آسٹریہ سے بچانا ہے، لعنت ملامت کی بوچھار ہوئی اور مجلس نے یہ قرارداد منظور کی کہ مہم کی اصلی غرض میں کوئی مستقل تغیر کیا جائے۔ اگر مجلس کی مدت قریب الختم نہ ہوتی تو کچھ عجب نہیں کہ وہ حکومت کو اپنا طریق عمل پوری طرح بدل دینے پر مجبور کر دیتی۔ لیکن نئے انتخابات کا زمانہ سر پر آگیا تھا اور وزیروں نے فیصلہ کیا کہ جب تک اس انتخاب کا نتیجہ معلوم نہ ہو لیپا تھوپی سے کام نکالیں۔ چنانچہ موسیو لیسپ کو جو بعد میں نہر سویز نکالنے کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہوا، اس ہدایت کے ساتھ رومہ روانہ کیا گیا کہ امن وصلح سے فیصلہ ہو جانے کی کوئی شکل نکالے۔ لیسپ اپنے بھیجنے والوں سے زیادہ دیانت دار تھا اور اُس نے دل وجان سے یہ خدمت انجام دینی چاہی۔ مگر وہ ابھی شہر اور لشکرگاہ میں دوڑ دھوپ ہی کر رہا تھا کہ جدید انتخاب کا نتیجہ نکل آیا جس کا صدر جمہوریت اور وزیروں کو انتظار تھا اور اس میں اکثریت اہل رجعت اور قدامت پسندوں کی منتخب ہوئی۔ نئی مجلس کا ۲۸۔ مئی کو اجلاس ہوا۔ آیندہ چند روز میں لیسپ نے حکومت رومہ کی مجوزہ شرطیں قبول کرلیں جن کی رُو سے فرانس کی فوج رومہ میں داخل نہ ہو سکتی تھی۔ اودینو لیسپ کی اغراض سفارت کا شروع سے مخالف تھا اُس نے اس معاہدے کو ماننے سے انکار کر دیا اور سفیر و سپہ سالار میں یہ جھگڑا ابھی زور وشور سے ہو ہی رہا تھا کہ پیرس کے مُراسلے پہنچے جن میں تحریر تھا کہ لیسپ کے اختیارات مسلوب اور اودینو جنگی کارروائی پھر شروع کر دے۔ دراصل جدید مجلس مبعوثین کے سامنے رسل ورسائل جاری رکھنے کا حیلہ کرنا بھی محل تھا۔ غرض فرانسیسی سپہ سالار کو بہت معقول کمک پہنچ گئی اور ۳۔ جون کو اُس نے اُن مورچوں پر قبضہ کرلیا جو رومہ کا باقاعدہ محاصرہ شروع کرنے کے واسطے

فرانسیسی حکمت عملی اپریل ومئی میں۔

ا Garibaldi وغیرہ وغیرہ۔

ضرور تھے۔

جو فوجیں اب میدان میں اُتاری گئیں، اُن کے مقابلے میں جمہوریہ رومہ کا زیادہ عرصے تک مدافعت کرنا غیر ممکن تھا۔ حملہ آوروں کے پنجے سے بچ رہنے کا ایک احتمال یہ باقی تھا کہ شاید خود فرانس میں کوئی انقلابِ حکومت ہو جائے۔ نئے انتخابات نے ہر قسم کے قدامت پسند گروہوں کو ایک طرف اور انتہا پسند اور جمہوری گروہ کے سارے پرجوش فرقوں کو دوسری جانب صف آرا کر دیا تھا۔ اب یہ ارادہ کیا گیا کہ رومہ کے مسئلے پر پہلے مجلس مبعوثین کے اندر قوت آزمائی کی جائے اور اگر وہاں اکثریت کے استقلال میں فرق نہ آئے تو پھر ملک میں ہنگامہ مچانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ رومہ سے دوبارہ اجرائی جنگ کا اعلان پیرس میں شائع ہو گیا تو ۱۱۔ جون کو لیدرو رولین نے وزیروں پر فریب دہی کا مقدمہ چلانے کی تحریک پیش کی تحریک کو مجلس نے مسترد کر دیا۔ پس نہ صرف پایۂ تخت بلکہ لیول اور دوسرے شہروں میں شورش کا انتظام کر دیا گیا۔ لیکن حکومت پہلے سے ہوشیار تھی اور ہر چند انقلاب انگیزی کے سارے ہتھیار دوبارہ کام میں لائے گئے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ۱۳۔ جون کو جنرل شان گارنیے نے بغیر کشت و خون ہوئے پیرس کا ایک ہنگامہ فرو کر دیا اور لیون میں لڑائی کی نوبت آئی بایں ہمہ سال گذشتہ کی ہلچل کے مقابلے میں یہ شورش بہت کمزور نکلی۔ لوئی نپولین اور اس کے وزیروں کے اقتدار میں کوئی فرق نہ آیا۔ لہٰذا رومہ کا محاصرہ بھی انجام تک پہنچایا گیا۔ اسی مہینے کے اوائل میں اودی نو نے فصیل کے باہر کا رومی مورچہ چھین لیا تھا۔ ۱۴ تاریخ کو اس نے قلعہ شکن توپوں سے گولہ باری شروع کی۔ مہینے کے آخر تک گیری بالڈی اور اس کے رفقا بڑی بہادری سے مدافعت کرتے رہے لیکن پھر فصیل میں جا بجا رخنے پڑ گئے اور غنیم یورش کر کے ان پر قابض ہو گیا تو مزاحمت محال ہو گئی۔ ۳۔ جولائی کو فرانسیسی فوج رومہ میں داخل ہوئی اور گیری بالڈی اپنی جمعیت کو لے کر شمال کی طرف چلا گیا تاکہ آسٹریہ والوں سے، جو ٹوسکانا پر قابض ہو گئے تھے

فرانس میں ہنگامہ بپا کرنے کی کوشش ۱۳۔ جون۔

فرانسیسیوں کا داخلہ ۳۔ جولائی۔

باب ۲

جدوجہد جاری رکھے یا ممکن ہو تو وینس پہنچ جائے جہاں اب تک آسٹریہ کا تصرف نہ ہو سکا تھا۔ لڑائی میں دھکے کھاتا ہوا وہ مشرقی ساحل تک پہنچا اور جب ہر طرف سے گھر گیا تو مجبور ہو کر جہاز پر سوار ہو گیا۔ ایک دفعہ پھر اُس نے لنگر ڈالا تھا لیکن اس مرتبہ اسے شکست اٹھا کر کوہ و دشت کی خاک چھاننی پڑی۔ اسی آوارگی میں بیوی نے جو ہمراہ تھی، آنکھوں کے سامنے جان دی۔ تاہم اطالوی محبانِ وطن کی عقیدت و وفاداری کی بدولت خود اسے نجات مل گئی اور وہ پیڈمونٹ ہو کر امریکہ چلا گیا۔ آئندہ اپنے وطن کی تاریخ میں جب پھر ایسے ہی معرکے کا وقت آیا تو وہ اپنے شجاعانہ کارناموں اور مصیبتوں کی یاد تازہ کرانے دوبارہ میدان میں آموجود ہوا۔

پاپائی حکومت کی بحالی۔

فرانسیسی فوج کے لئے رومہ کا فتح کر لینا تو آسان تھا، لیکن اس فتح سے جو تکلیف دہ ذمہ داریاں عائد ہوئیں، اُن سے بچنا فرانسیسی حکومت کے لئے اس قدر سہل نہ تھا۔ جمہوریہ فرانس کا سرکاری مسلک ابھی تک آزادی پسندی تھا اور اطالیہ کی مہم کا ایک مقصد بھی یہی بیان کیا گیا تھا کہ رومی باشندوں کو آسٹریہ کے زیر سایہ دوبارہ استبدادی پنجے میں پھنسنے سے بچایا جائے گا۔ لیکن محاصرے کے دوران میں پاپا سے رومہ کی آئندہ طرزِ حکومت کے متعلق کسی قسم کا قول قرار نہیں لیا گیا۔ اور ۱۴۔ جولائی کو اودینوتے پاپا کی بحالی کا باضابطہ اعلان کرایا تو اس وقت بھی پیُس اور اس کا وزیر انتونیلی کسی معاہدے کے پابند نہ تھے۔ نہ یہ بزرگوار اس بات پر مائل نظر آتے تھے کہ اپنے آپ کو اپنی حمایت کرنے والوں کے حوالے کر دیں۔ وہ خود گائیٹا سے آیا بھی نہیں بلکہ تین کلیسائی عالموں کی ایک جماعت رومہ بھیج دی کہ وہاں کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے۔ ان عالموں نے آتے ہی جو طرزِ عمل اختیار کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ اگر فرانسیسی یہ سمجھتے تھے کہ پاپائی حکومت میں اب بہت نرمی اور حلم آگیا ہو گا تو اُن کی محض نادانی تھی۔ جمہوریۂ فرانس کی فوجوں کی موجودگی ہی میں ان عالموں نے دوبارہ محکمۂ احتساب قائم کر دیا اور نومبر ۱۸۴۸ء میں روسی کے قتل کے وقت سے جو واقعات رونما ہوئے ان میں جن سرکاری عہدہ داروں کی شرکت کا شبہ تھا، اُن پر مقدمہ چلانے کی غرض سے ناظروں کی ایک جماعت مقرر کی۔

ان حرکتوں سے فرانس کی رائے عامہ اِس قدر متاثر ہوئی کہ خود لوئی نپولین کو اہل رومہ کے حمایتیوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا مناسب معلوم ہوا اور مارشل نے کے فرزند کرنل نے کے نام ایک خط میں اُس نے اُن لوگوں کی بہت سخت لہجے میں مذمت لکھی جو فرانس کی خصوصیت کی بنا پر یہ چاہ رہے تھے کہ پاپا کی معاونت انکا راستہ قتل و قید کے ذریعے صاف کیا جائے۔ دھمکی تو یہ سخت تھی لیکن کیتھولک بادشاہوں اور آسٹریہ کی مدد کے بل پہ پاپائی حکومت نے اِس کی ذرا بھی پروا نہ کی بلکہ صدر فرانس کی اس کی بدخلقی کو سیاسی مراعات کے ملتوی کرنے کا ایک عذر بنالیا۔ بہرحال اس آئینی حکومت کی بحالی کا تو خیال ہی فضول تھا جسے پائیس نے ۱۸۴۸ء میں دینا قبول کیا تھا۔ وزارت فرانس زیادہ سے زیادہ اتنا کر سکتی تھی کہ نیابتی حکومت کی عام تباہی میں اس کے بعض ٹوٹے پھوٹے اجزا کو بچالے اور شکست خوردہ فریق پر جو انتقام کی بلا نازل ہوتی نظر آتی تھی، اسے کسی طرح ٹال دے چنانچہ ایک پاپائی فرمان موسومہ "موتو پروپ ریو" شائع ہوا جس کی رُو سے بلدیات کو بعض مقامی اختیارات مل گئے نیز یہ حق عطا ہوا کہ اِن بلدیات کے منتخب کردہ اشخاص میں سے پاپا چند افراد کو بزم شوریٰ کے واسطے خود نامزد کریگا اور مصارف و مداخل کے بارے میں اِن سے مشورہ لیا جائے گا۔ اس سے زیادہ کچھ دینے سے پاپا نے انکار کر دیا اور جب وہ رومہ واپس آیا تو بالکل مطلق العنان فرماں روا کی حیثیت سے آیا البتہ اس گروہ کثیر کے بچانے میں جن کی دار و گیر ہونے والی تھی، حکومت فرانس کی کوشش زیادہ کامیاب ہوئی۔ کیونکہ "موتو پروپ ریو" کے ساتھ عفوئے عام کا جو اعلان انتونیلی کی طرف سے شائع ہوا، اگرچہ اس میں تو معافی کی بجائے فقط مجرموں کی مختلف جماعتوں میں تقسیم سی کردی گئی تھی۔ لیکن فرانسیسیوں کے دباؤ سے قابل سزا اشخاص کی تعداد رفتہ رفتہ گھٹا دی گئی اور جو باقی رہے ان سب کو ملک چھوڑ کر سلامت نکل جانے کا موقع دیدیا گیا۔ جو لوگ اس طرح خارج البلد ہوئے، انھیں پیڈمونٹ میں پناہ مل گئی اس طرح رومی ریاستوں کے سر پر پھر ایک مرتبہ اسی پاپائی استبداد و بدنظمی کا چھپر چھا گیا اور جس نسبت سے تعلیم یافتہ طبقوں میں اس حکومت کی طرف سے زیادہ

باب ۲

گہری نفرت جاگزیں ہوئی، اسی قدر جبر و تعدی کا شکنجہ بھی زیادہ سخت ہوتا گیا۔ شخصی آزادی ہی کی طرف سے اطمینان نہ رہا اور گو کہنے کو ۱۸۴۸ء کی خطائیں بخش دی گئی تھیں، مگر تھوڑے دن میں قید خانے ان لوگوں سے معمور ہو گئے جنھیں مبہم الزامات کی بنا پر گرفتار کر کے بلا تعین مدت اور بلا تحقیقاتِ حوالات میں ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن واضح رہے کہ یہ مصیبتیں کچھ اکیلے رومہ کے حصے میں نہ آئیں بلکہ ساری اطالیہ کا ستارہ گردش میں تھا۔ شمال میں سقوطِ وینس نے آسٹریہ کو دوبارہ اپنے تمام مقبوضات پر مسلط کر دیا۔ یہی وہ شہر تھا۔

سقوطِ وینس۔ ۲۵۔ اگست

جہاں دوبارہ جمہوریت کا اعلان اور پھر مانن برسرِ اقتدار ہوا، تو اندرونی علاقے فتح ہونے کے بعد بھی مہینوں تک آسٹریہ کے مقابلے میں اڑا رہا اور افواج بادشاہی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ اہلِ ہنگری کی کامیابیوں سے کچھ عرصے تو ایسے معلوم ہوا کہ شاید آسٹریہ کی جیتی جتائی بازی، ہر جائے گی اور اسی سے اہلِ وینس کے بھی حوصلے بڑھ گئے۔ لیکن جب ہنگری سے اعانت ملنے کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں تو وینس کا خاتمہ بھی سامنے نظر آنے لگا۔ قحط اور ہیضے نے بھی حملہ آوروں کی یاوری کی اور ہنگری کے سردار گورگی کے ویلاگوس میں ہتھیار رکھ دینے کے دو ہفتے بعد ہی وینس کی طویل اور شریفانہ مدافعت کا خاتمہ ہو گیا۔ شہر میں آسٹریہ کی فوج داخل ہو گئی (۲۵۔ اگست)۔ اُدھر جنوب میں فرڈی نینڈ شاہ نیپلز دوبارہ مطلق العنانی کے ساتھ اپنے سارے علاقے پر فرماں روائی کر رہا تھا۔ ۱۸۴۸ء میں حصولِ آزادی کے لئے سب سے پہلے اہلِ پالرمو میدان میں اترے تھے اور ان کا شہر صقالیہ کی

فرڈی نینڈ صقالیہ کو فتح کرتا ہے۔ اپریل و مئی۔

ملکی مجلس کا مستقر بنا لیا گیا تھا جس نے خاندان بوربون کو معزول کر کے وکٹر امانوئیل کے سامنے تاجِ صقالیہ پیش کیا۔ فرڈی نینڈ نے اس بغاوت کے جواب میں ایک جنگی بیڑا مسینا روانہ کیا اس نے پانچ دن تک شہر پر گولے برسائے اور شہر کا بڑا حصہ تو دہ خاکستر ہو گیا۔ فرڈی نینڈ کے اس تشدد پر برطانیہ و فرانس کے بیڑوں کو مداخلت کرنی پڑی ۱۸۴۹ء کے موسمِ بہار تک جنگ رُکی رہی اور یہ مغربی سلطنتیں اس وقفے میں بہت ساعی رہیں کہ کوئی ایسی مصالحت کی شکل

نکل آئے کہ اہل صقالیہ اور بوربون بادشاہ دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ اُدھر نوارا میں راڈیٹزکی نے فتح پائی اور اُدھر صقالیہ کی مجلس مبعوثین نے اپنے جزیرے کے لئے فرڈی نینڈ کا مجوزہ آئین اور جداگانہ انتظام قبول کرنے سے انکار کیا تب ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا فرڈی نینڈ کو بھی گوارا نہ ہوا میسینا سے اُس کے بیڑے اور فوج نے جنوب کی طرف حرکت کی اور کوہ اِٹنا کے دامن میں اہل صقالیہ کی شکست، پھر کتانیا کی تسخیر نے لڑائی کا قضیہ چکا دیا۔ پلرمو کی مجلس منتشر ہوگئی اور ۱۵۔ مئی کو نیپلز کی فوج پایۂ تخت میں داخل ہوئی تو کوئی اسے روکنے والا نہ تھا۔ اب برطانیہ کا یہ سمجھانا بجھانا کہ فرڈی نینڈ جس قدر آزادی دینے کی پہلے حامی بھرا کرتا تھا وہی اہل صقالیہ کو عطا کردے، فضول تھا۔ مطلق العنانی اس کی سرشت میں داخل تھی اور وہ مطلق العنان ہی رہنا چاہتا تھا۔ صقالیہ سے بھی زیادہ ستم اس کے کارندوں نے اطالیہ کے اضلاع میں توڑے حالانکہ وہاں سرکاری اختیارات سے کام لے کر لوگوں کی فلاح وبہبود کی کچھ نہ کچھ کوشش بھی کی گئی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس کسی نے فرڈی نینڈ کی حکومت سے دشمنی مول لی اس کے واسطے کوئی قانون نہ تھا اور نہ کسی رحم کی گنجائش تھی۔ اور دس سال تک اس ڈھیٹ جابر کی رعایا اسی طرح جور و تشدد کا جس پہ زیادہ آزاد ملکوں میں تھڑی تھڑی ہوا کی، شکار رہی۔ تاآنکہ یوم حساب آپہنچا۔ اور خاندان بوربون کے زوال دولت ہی نے نیپلز اور صقالیہ کے باہمی عناد کی آگ بجھادی جو اطالیہ کے حصول آزادی کے حق میں سخت مضر نتائج پیدا کر چکی تھی۔

اب تک ہم اس کشمکش کے مختلف مراحل دیکھتے رہے جو سلطنت آسٹریہ اور جزیرہ نمائے اطالیہ میں شخصی بادشاہی کے قدیم نظام اور انقلابی قوتوں کے درمیان ہو رہی تھی۔ اطالیہ کی قسمت آسٹریہ کے دامن سے وابستہ تھی اس لئے

جرمانیہ۔ از مئی ۱۸۴۸ء

یہاں اس کا ذکر کرنا ضروری ہوا۔ لیکن اب ہمیں پھر جرمانیہ کی طرف عود کرنا اور جرمن انقلاب کی تاریخ کا سلسلہ اسی مقام سے دوبارہ شروع کرنا چاہیے جہاں ہم نے قومی تحریک کو خارج میں صورت پذیر ہوتے چھوڑا تھا، یعنی فرینکفرٹ کی مجلس قومی کے افتتاح سے، جو ۱۸۔ مئی ۱۸۴۸ء کو

باب (۲)

فرینگ فرٹ کی قومی مجلس

ہوا۔ بحالاتِ موجود اس مجلس کی نسبت یہ حُسنِ ظن رکھنا کچھ بیجا نہ تھا کہ وہ جرمانیہ کی علیحدہ علیحدہ ریاستوں کی متزلزل حکومتوں سے اپنے حسبِ منشا کام لے سکے گی اس لئے کہ مبعوثین کا انتخاب قوم نے غیر محدود جوش و خروش کے ساتھ کیا اور اس میں قریب قریب ہر شخص جو سیاسیات یا فہم و فراست میں ممتاز اور قومی مقاصد کا دل سے مویّد تھا، داخل ہوا۔ والیانِ ریاست کے وکلا کے لئے مجلس کا کوئی دوسرا شعبہ نہ تھا اور نہ خود مجلس مبعوثین میں ان کے حقیقی یا غیر حقیقی حقوق کو پیش کرنے کا کوئی ذریعہ ہی تھا۔ غرض فرینگ فرٹ کی قومی مجلس کو بزمِ مناظرہ کی سی آزادی، یا انقلاب فرانس کے زمانے کی مجلس متحدہ کے سے کامل اختیارات حاصل تھے جب کہ اُس نے جرمانیہ کو نئے قالب میں ڈھالنے کا کام شروع کیا اور اس نے اگر مصلحت اندیشی سے از خود کوئی حد بندی اپنے اختیارات کی جائز بھی رکھی تو وہ صرف ان معاملات میں جن میں وہ کسی دوسری حکومت سے مشورہ لینا ضروری سمجھے۔ جرمانیہ میں اس وقت چھتیس حکومتیں قائم تھیں اور ہر ایک سے جدید آئین کے متعلق رسل و رسائل کرنے کی نسبت یہ زیادہ آسان معلوم ہوا کہ ایک ہی آئین کا سب کو پابند بنا دیا جائے۔ سارے مُلک کے واسطے کوئی ہنگامی حکومتِ عاملہ مرتب کرنے میں بھی یہی دشواری تھی کہ اگر ریاست ہائے جرمانیہ سے مشورہ لیا جائے تو ہر بڑی ریاست اس بات کی مخالفت کریگی کہ اس کی کسی ہم چشم ریاست کے آدمی کو وہاں ہنگامی حاکم مقرر کیا جائے۔ اور اگرچہ مجلس جوکھوں کے کام کرنے سے ڈرنے والی نہ تھی، تاہم اُس نے اپنے صدر نشین کی تحریک سے فیصلہ کیا کہ تمام سلطنت کا ایک ہی انتظامی حاکم براہِ راست اہل مجلس کی رائے سے منتخب کر لیا جائے۔ یہ صدر نشین ہیس ڈرامسٹیڈ کا ایک سابق وزیر، فون گاگرن تھا۔ اس کی تحریک کے مطابق آسٹریہ کے امیر کبیر جون کو حاکم منتخب کیا گیا جس کی نسبت مدّت سے معلوم تھا کہ وہ میٹرنس کے طریق جبر و استبداد کا دشمن اور جرمنِ اتحاد کے منصوبے کا حامی ہے۔ اس نے بھی یہ منصب قبول کر لیا اور پروشیہ وغیرہ تمام ریاستوں نے اس فیصلہ کو مان لیا اگرچہ

امیر کبیر "جون" انتظامی حاکم منتخب ہوتا ہے ۲۹ جون

پرشیہ کے باشندے اور سپاہی خاندان ہیپس برگ کے ایک شہزادہ کا انتخاب ہونے سے کچھ بہت خوش نہ تھے اور اس انتخاب نے دربار برلن اور مجلس فرینک فرٹ کے باہمی روابط میں کوئی خاص خوش گواری نہیں پیدا کی امیر کبیر کی وزارت کا صدر بھی ایک آسٹریہ کا آدمی شمیر لیننگ مقرر رہوا۔

جرمانیہ کے لئے آئین تیار کرنے میں مجلس قومی کو دوسرے ملکوں کے واضعان آئین کی محنت سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع نہ تھا۔ سب سے قریب زمانے میں جدید آئین بلجیم والوں نے مرتب کئے اور وہ بہت مفید بھی ثابت ہوئے لیکن

قومی مجلس اپریل و مئی۔

بلجیم، ریاستوں کا مجموعہ نہ تھا۔ اور نہ ریاست ہائے امریکہ میں امتحدہ حکومت قائم کرنے والوں کو یہ دقت پیش آئی تھی کہ چار بادشاہوں کی مملکتیں اور ایک شہنشاہ کے ممالک محروسہ کو واحد حکومت میں شامل کریں۔ دوسرے آئین کا مسودہ تیار کرنے کے لئے جو خاص جماعت مقرر کی گئی تھی اس نے سیاسی تنظیم کی قومی مشکلات کو بلا تاخیر حل کرنے سے پہلے ہی کی اور اس کی بجائے طے کرلیا کہ پہلے لوگوں کے شخصی حقوق کا تعیین کردیا جائے جو قومی حکومت کی بنیاد ہوں گے۔ اور بے شبہ جرمنوں کی اصولی اور تحقیق پسند طبیعت کا مقتضیٰ تھا کہ انھوں نے سب سے پہلے ملکی قوانین کی تہ زمین کو تیار کرنا چاہا جس کے مطابق آیندہ حکومت کے سارے محکمے اور سر رشتے مرتب ہونے والے تھے۔ مزید براں انھیں کارلز باڈ کے احکام اور دوسرے غیر معمولی قوانین فراموش نہیں ہوئے تھے جن کے طفیل سے اہل جرمانیہ کو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں۔ پس انھیں مصائب کی یاد نے انھیں برانگیختہ کیا کہ سب سے پہلے اس بات کی نہایت پختہ ضمانت طلب کریں کہ آیندہ محض خود رائی سے مسلمہ قوانین سے ہرگز تجاوز نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ سیاسیات حاضرہ کے پُرشور مباحثوں سے جس وقت اہل مجلس کو فرصت ملتی تو وہ ان وقفوں میں فلسفیانہ صحت و جامعیت کے ساتھ شخصی آزادی اور قانونی مساوات کے عواقب و نتائج پر غور کرتے اور ایک نئے تمدن کا نظام ڈھالتے جس میں طبقات آبادی کے

ل Verhandlungen وغیرہ وغیرہ

باب ۲

فرقِ مراتب، حدودِ اختیارات کے اختلافات اور اہلِ حرفہ پر موروثی جاگیرداروں کی بیجا قیود کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ اور یہ عقلی تحقیقات کرتے وقت اُنھیں اس بات کا خیال ہی نہ آتا تھا کہ وہ جو کچھ طے کریں گے اس پر عمل کرانے کی کوئی مادّی قوت ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ اسی طرح چار مہینے گزر گئے اور نام نہاد "اصولِ حقوق" کی بحث پھر بھی ناتمام رہی۔ تاآنکہ خاص فرینک فرٹ کے ایک ہنگامے میں عوام الناس کی بدعنوانیوں نے اہلِ مجلس کو متنبہ کر دیا کہ نظامِ حکومت کے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ جلد ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے،

متارکۂ مالمو۔ ۲۶۔ اگست

شلیس وگ ہولسٹائن کی ڈنمارک سے سرکشی کے واقعات کو ساری جرمانیہ میں لوگ کمال اشتیاق و توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ اور یہ سمجھ رہے تھے کہ ان ریاستوں میں حقوق و آزادی کی جو کشمکش ہو رہی ہے اس کے فیصلے پر خود ساری جرمن قوم کی عزت کا مدار آ ٹھہرا ہے ریاستہائے متحدہ کے قائم مقام کی حیثیت سے فریڈرک ولیم شاہ پرشیہ نے ہولسٹائن میں اپنی فوج بھیجدی اور اُس نے عین وقت پر پہنچ کر لشکرِ ڈنمارک کو روک لیا ورنہ وہ ابتدائی کامیابیوں کے سلسلے میں بڑھکر باغی گروہوں کو پامال ہی کر ڈالتا۔ پھر پرشیہ کے سپہ سالار جنرل رانگل نے خود حملہ کیا اور ڈنمارک والوں کو شلیس وگ کے علاقے سے باہر دھکیل دیا۔ بلکہ مئی کے شروع میں شلیس وگ اور جٹ لینڈ کی سرحد سے گزر کر خود اہلِ ڈنمارک کے قلعے، فریڈرسیا پر قابض ہو گیا۔ خاص ڈنمارک کے علاقے میں اس کی پیش قدمی پر برطانیہ اور روس نے بذریعۂ سفرا مداخلت کی اور شاہ پرشیہ نے اپنے سپہ سالار کو شلیس وگ میں ہٹ آنے کا حکم دیا جو اہلِ جرمانیہ اور ان کی قومی مجلس کو حد درجے شاق گزرا۔ اُدھر ڈنمارک والے جرمنوں کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی اور ان کے تجارتی جہازوں کے پکڑنے میں مصروف تھے کیونکہ جنگی بیڑا پرشیہ کے پاس تھا نہ ریاستہائے جرمانیہ کی متحدہ حکومت کے پاس۔ اسی تردد اور تذبذب میں شلیس وگ کی معرکہ آرائی کئی ہفتے تک جاری رہی اور اس اثنا میں ممالکِ غیر کے پایۂ تختوں میں صلح کی گفتگو ہوتی رہی اور دولِ خارجہ نے مصالحت کی مختلف صورتیں پیش کیں۔

آخر ۲۶۔ اگست کو مقام مالمو (سویڈن) میں پرشیہ اور ڈنمارک کے سفیر سات مہینے تک جنگ روک دینے پر رضامند ہو گئے۔ کیونکہ حکومتِ ڈنمارک نے فرینک فرٹ کی صدر حکومت جرمانیہ کو تسلیم کرنے یا اس کے وکیلوں کو مشورے میں شریک کرنے سے انکار کر دیا۔ اس متارکے کی شرطیں جب جرمانیہ میں بیان کی گئیں تو وہاں نہایت ناراضی پیدا ہوئی اس لئے کہ اس معاہدے کی رو سے تمام احکام جو شلیس وگ ہولسٹائن کی ہنگامی حکومت کی طرف سے جاری ہوئے "منسوخ و کالعدم قرار دئے گئے تھے" تمام جرمن سپاہیوں کا ان ریاستوں سے ہٹا دیا جانا اور دورانِ متارکہ میں وہاں کی حکومت کو ایک مجلس خاص کے تفویض کر دینا قرار پایا تھا اور اس مجلس کے آدھے ارکان کے تقرر کا اختیار شاہ ڈنمارک کو دیا گیا تھا۔ صلح کی گفتگو میں ڈنمارک والوں نے تو فرینک فرٹ کی قومی مجلس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا لیکن وہ جیسی کچھ بھی تھی اس کی منظوری شرائطِ متارکہ کے واسطے ضروری ہوئی۔ یہ مسئلہ پہلے ایک ذیلی مجلس کے حوالے کیا گیا۔ اس میں ڈالمان مورخ جو پہلے خود ہولسٹائن میں سرکاری عہدہ دار رہا تھا شامل تھا اور اسی کی رائے سے ذیلی مجلس نے صلحنامہ کو مسترد کر دینے کا فیصلہ پیش کیا۔ مجلس نے جوش و برانگیختگی کے عالم میں طے کیا کہ شرائطِ متارکہ کے عمل میں آنے کے لئے جو کارروائیاں ضروری تھیں، انھیں ملتوی کر دیا جائے۔ اس پر وزرا مستعفی ہو گئے اور ڈالمان کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنی صدارت میں جدید وزارت مرتب کرے لیکن یہ کام وہ انجام نہ دے سکا۔ شمیرلینگ ہی دوبارہ وزیراعظم مقرر ہوا اور اس نے اصرار کیا کہ مجلس کو اپنی قرارداد رد کر دینی چاہئے۔ اس کی بڑے جوش و خروش کے ساتھ مخالفت کی گئی حالانکہ پرشیہ سے علحدہ ہو کر صدر حکومت کے پاس ڈنمارک سے لڑائی جاری رکھنے کا کوئی حقیقی سامان موجود نہ تھا۔ مگر مخالفت کے باوجود آخر میں تھوڑی سی اکثریت سے مجلس نے شرائطِ متارکہ کی منظوری دے دی۔ انتہا پسند جمہوری فریق کے سرگروہوں نے جب مجلس کے اندر شکست کھائی تو فرینک فرٹ کے عام باشندوں سے رشتۂ اتحاد جوڑا جو کشت و خون کرنے پر آمادہ تھے۔ جابجا پر شور جلسے منعقد ہوئے جن میں مجلس کے ان ارکان کو قوم فروش ٹھہرایا گیا جنھوں نے شرائط

فرینک فرٹ کے بلوے۔ ۱۸۔ ستمبر

باب (۲)

متارکہ مان لینے کی رائے دی تھی۔ شہر میں مورچے تیار کئے گئے اور گو بر شوری سپاہیوں نے ایوانِ مجلس پر تو حملہ نہ ہونے دیا تاہم گلی کوچوں میں ارکان مجلس پر حملے ہوئے اور بلوائیوں نے ان میں سے دو کو جان سے مار ڈالا (۱۷ ستمبر) باڈن میں جمہوریت پسندوں نے اس مرتبہ پھر علم سرکشی بلند کیا تھا لیکن یہ فساد بلا دقت رفع دفع کر دیا گیا ۱

حکومت پرشیہ نے جنگ جاری رکھنے میں جو تساہل کیا اس کا ظاہری سبب تو دولِ خارجہ کی ڈنمارک کی طرف سے دخل دہی تھی۔ اور فریڈرک ولیم کو روس کا خوف ضرور جنگ کرنے میں مانع آیا لیکن حقیقت میں یہی ایک سبب نہ تھا اور شاید صرف اسی کا اتنا قوی اثر نہ تھا کہ وہ جنگ سے باز رہا۔ اصل یہ ہے کہ شلیس وگ ہولسٹائن کے معاملے کی قانونی حیثیت جو کچھ بھی ہو، اس وقت تو وہ زیادہ تر جمہوری اور انقلاب پسندوں کا معاملہ بن گیا تھا، اور اس گروہ اور شاہ پرشیہ کے درمیان بہت بڑا اختلاف تھا جو روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ برلن میں ۲۲ مئی کی قومی مجلس کے انعقاد کے وقت سے یہ پایۂ تخت اب تک برابر بدنظمی اور تلاطم کا گھر بنا رہا۔ پروشیا کی ملکی مجالس قابلیت اور مستقل مزاجی میں فرینک فرٹ کی مجلس سے کوئی نسبت نہ رکھتی تھی اور تھوڑے ہی دن میں ظاہر ہو گیا کہ وہ عوام الناس کے اثرات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ۸ جون کو اس جلسے میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ مارچ کی بغاوت میں جو لوگ لڑے وہ اہلِ وطن کی طرف سے تعریف کے مستحق ہیں۔ اگر یہ تجویز منظور ہو جاتی تو بادشاہ مجلس کا انفساخ کر دیتا لیکن جب وہ کثرت رائے سے مسترد ہوئی تو بازاریوں نے اکثریت والے ارکان کو بادشاہ کے جذبات کا لحاظ رکھنے کا یہ عوض دیا کہ ان پر طرح طرح کی زیادتیاں کیں۔ طبقۂ متوسط کے افراد سے پاسبانوں کا ایک شہری دستہ بھرتی کیا گیا تھا مگر ثابت ہوا کہ وہ امن و امان قائم نہیں رکھ سکتا اور نہ اس میں وہ سیاسی وقعت حاصل کرنے کی کوئی صلاحیت ہے جیسی کہ پیرس میں انقلاب ۱۸۳۰ء کے بعد قشون قومی نے حاصل کر لی تھی۔ ادھر شہری دستے میں عوام الناس کو داخلے کی اجازت نہ ملی تو انھوں نے سخت پیچ و تاب کھایا اور ۱۴ جون کو ایک گروہ نے بلوہ کر کے شہر کے ایک توپ خانے پر جبراً قبضہ کر لیا اور اپنی فتوحات کی یادگار میں بعض اسلحہ جو وہاں پائے انھیں توڑ پھوڑ ڈالا۔

برلن۔ از اپریل تا ستمبر ۱۸۴۸ء

۱ Verhandlungen وغیرہ وغیرہ

بازاروں میں ہر طرف ایسی مار دھاڑ ہونے پر بھی مجلس نے اس تجویز کو کہ منادی کر دی جائے کہ مجلس کے ارکان پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا، مسترد کر دیا اور شہر والوں ہی کے سایۂ عاطفت میں رہنا پسند کیا۔ شاہ فریڈرک ولیم خود پوٹسڈام چلا آیا تھا اور وہاں اس کے گرد بہت سے رجعت پسند جمع ہو گئے۔ بادشاہ کو اپنے آئینی وزیروں سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ غریب اپنے شوخ چشم بادشاہ اور شکی مبعوثین میں پھنس کر کوئی مفید کام انجام نہ دے سکے اور آخر تھوڑے ہی دن میں مجبور ہوئے کہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔ برلن میں مزدور پیشہ لوگوں کی زیادتیاں تجارت میں بار بار خلل واقع ہونا اور ادھر پیرس میں خانہ جنگی ان باتوں کو دیکھ دیکھ کر امن پسند لوگ سوچنے لگے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو، کوئی مستقل حکومت پھر قائم ہو جانی چاہیئے۔ انھی دنوں جدید وزارت کی طرف سے تجویزیں پیش ہوئیں کہ بڑے بڑے زمینداروں کے بعض قدیم حقوق جاگیرداری جیسے شکار کھیلنے کا حق یا موروثی عدالتی اختیارات سلب کر لئے جائیں اس سلسلے میں صاحبانِ املاک نے بھی اپنی ایک جمعیت حفظ حقوق کے لئے بنائی اور یہی بہت جلد تمام ذی اثر قدامت پسند افراد کا مرکز ہو گئی۔ سب سے بڑھ کر جس شے نے فوجی سرداروں کے تن بدن میں آگ لگائی اور فریڈرک ولیم کو علانیہ جمہور کی مخالفت کی جرائت دلائی وہ یہ تھی کہ امیر کبیر جون کو دعویٰ تھا کہ سلطنت کے اعلیٰ ناظم کی حیثیت سے پرشیہ کی فوج امیر موصوف کو اپنا بالادست تسلیم کرے اور خود پرشیہ کی ملکی مجلس کا طرز عمل بھی فوج کے ساتھ معاندانہ تھا۔ انھی دنوں شویڈنٹز علاقہ سی لشیہ میں ایک ہنگامہ برپا ہوا جس میں کئی آدمی اہل فوج کی گولی سے مارے گئے۔ اس پر مجلس مبعوثین نے واقعات کی تحقیقات سے پہلے وزیر جنگ سے استدعا کی کہ وہ فوج کے سرداروں کے نام ایک گشتی بھیج دے کہ فوج والے آئینی حکومت کی ترویج میں باشندگانِ ملک کے ساتھ مل کر کام کریں، اور ادھر ان فوجی سرداروں سے جو آئینی نظام حکومت سے دلی عقیدت نہ رکھتے ہوں، خواہش ظاہر کی کہ ان کی راست بازی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیں۔ وزیر جنگ نے یہ کہکر کہ مجلس کو جنگی معاملات میں انتظامی اختیار حاصل نہیں ہے مذکورۂ بالا حکم شائع کرنے سے انکار کیا۔ اس پر دوبارہ

باب (۱۲)

وہی تجویز منظور ہوی اور اس حال میں کہ بازاروں میں تہدیدی مظاہرے کیے جار
تھے، وزرا مستعفی ہوگئے (۷ ستمبر)[1]

انقلاب پرشیہ کی ممتاز خصوصیت یہ رہی تھی کہ وہاں کی فوج کو لحظہ بھر کی

پرشیہ کی فوج۔

بھی بادشاہ کی جان نثاری کے راستے میں لغزش نہیں ہوی۔ ۱۸ مارچ کو س
کرنے والوں کو جو کامیابی حاصل ہوی، اس کا سبب سپاہیوں کی ایسی بددلی نہ
جیسی پیرس اور بحر متوسط کے دوسرے ملکوں کی فوج میں ظاہر ہوئی جسکی بدولت وہاں کی ح
کے ہاتھ پاؤں چلنے سے رہ گئے بلکہ اس کا باعث فوج کی خاموشی اور اس کے سپ
کی غلطیاں تھیں۔ دوسرے اب جو مجلس کی جمہوری اکثریت نے فوج کے کچوکے لگا
ان سے بادشاہ کو گویا نئے ہتھیار ہاتھ آگئے۔ بادشاہی اختیارات کی ہر تخفیف
سرداروں کا غصہ بڑھانے لگی۔ متارکہ مالمو سے جو فوجیں پائے تخت کی نو
میں واپس آئیں، اُن کا سپہ سالار بدامنی پھیلانے والوں کی سرکوبی کرنے کے
بیقرار تھا اور ادھر خود یہ فوجیں ایسی تھیں جن پر یہ کام لینے میں پورا بھروسہ کیا جاس
تھا۔ اس طرح، جنگی اعتبار سے تو تاخیر کی کوئی وجہ عارض نہ تھی تاہم جب تک
ون ڈلیش گرائز نے وی اینا کی تسخیر سے تمام جرمانیہ کی جمہوری تحریک پر ضر
نہ لگائی، اس وقت تک فریڈرک ولیم نے اپنی سرکش مجلس اور اس کے باز
آقاؤں کا قلع قمع کرنے کی نہ ٹھانی۔ ستمبر و اکتوبر میں برلن کے گلی کوچوں میں ایس
ہنگامے اور بلوے ہوتے رہے۔ مجلس نے وزیروں کے پیش کردہ مسودہ
کو مسترد کردیا اور خود اپنے ارکان کی ایک جماعت خاص کے مسودے کی دفع
پر بحث مباحثہ شروع کیا۔ موروثی امارت، امیروں کے مختلف طبقات اور خد
کو منسوخ کیا اور بادشاہی القاب میں سے بھی "بادشاہ از فضل الٰہ" کے الفاظ خارج کردیے
پھر جب وی اینا پر ون ڈیش گرائز کے حملے کی خبر برلن آئی تو عوام الناس کو اور بھی اشتعا
ہوا۔ برافروختہ مجمع نے ایوان مجلس کو آگھیرا اور مجلس میں ایک تحریک یہ بھی پیش ہوئی کہ یہ
کو مداخلت کرنی چاہئے۔ یہ مسترد کردی گئی لیکن اس کی بجائے طے پایا کہ فرینک فرٹ کی صدر
سے شہنشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان ثالثی کرنے کی تحریک کی جائے مگر اب یہ اور دو

[1] (Briefwechsel) وغیرہ وغیرہ

ہر مسئلے پر مجلس پروشیہ کی قراردادوں کو کون پوچھتا تھا؟ واقعات نے اس کے بحث و مشورے سب پر خاک ڈال دی بلکہ سقوط وہی آینا کے ساتھ ہی خود اس کا زمانۂ حیات ختم ہو گیا۔ ۲ نومبر کو بادشاہ نے اپنے وزیروں کو برطرف کر کے رئیس برین ڈن برگ کو وزیر اعظم مقرر

کونٹ برین ڈن برگ کی وزارت ۔ ۲ ۔ نومبر ۔

کیا وہ فریڈرک ولیم ثانی کا ولد لطفی اور فوج کا ایک اعلیٰ سردار تھا۔ اور فوج کی بادشاہی سے ارادت مندی ظاہر کرنے میں اس سے زیادہ صاف گو وکیل نہ مل سکتا تھا۔ ایسے شخص کے تقرر کے جو معنی ہو سکتے تھے وہ سب لوگ فوراً سمجھ گئے۔ مجلس مبعوثین کی طرف سے ایک وفد معارضہ کرنے بادشاہ کی خدمت میں پوٹسڈام پہنچا۔ مگر بادشاہ جواب دئے بغیر منہ پھیر کر چل دیا اور ۹ ۔ نومبر کو ایک حکم جاری کیا کہ مجلس کا اجلاس ملتوی اور آیندہ ۲۷ ۔ نومبر کو اس کا جلسہ برلن کی بجائے برین ڈن برگ میں منعقد ہو۔

اس حکم التوا پر بادشاہی دستخط ہوتے ہی وزیروں نے اسے مجلس میں لاکر سنایا اور خواہش کی کہ اسکی فوراً بلا بحث مباحثہ تعمیل کی جائے۔ پھر جب میر مجلس نے بحث چھیڑنے کی اجازت دے دی تو وزرا اور رجعت پسند فریق کے ۸۰ مبعوث ایوان مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ جو لوگ باقی رہے ان کی تعداد ۲۰۰ تھی اور انھی نے یہ قرارداد منظور کی کہ مجلس کا اجلاس برین ڈن برگ میں نہیں ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ کو خود مجلس کی مرضی کے بغیر اس کے انتقال، التوا یا انفساخ کا مجاز نہیں ہے۔ نیز یہ کہ وزرا اپنے عہدے پر رہنے کے لائق نہیں۔ یہ گویا حکومت سے لڑائی چھیڑنا تھا اور وزیروں نے اس کے جواب میں اعلان شایع کیا کہ مجلس کے آیندہ اجلاس خلاف قانون ہیں اور شہریوں کے دستے کو ہدایت کی کہ وہ اسے اب ملکی مجلس تصور نہ کریں۔ دوسرے دن جنرل رانگل اور اس کے سپاہی برلن میں داخل ہو گئے اور ایوان مجلس کا محاصرہ کر لیا۔ میر مجلس نے اس پر اعتراض کیا تو رانگل نے کہلا بھیجا کہ اجلاس برخواست ہو چکا ہے اور اہل مجلس پر واجب ہے کہ وہ یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ مبعوثین خاموشی سے ایوان چھوڑ کر چلے گئے اور اسی اخراج

مجلس پروشیہ کے آخری ایام۔

بالنّا؛ کی توقع پر پہلے سے جو مقام تجویز کیا تھا، وہاں مجتمع ہوئے۔ چند روز تک یہی ہوتا رہا کہ فوج انھیں ایک جگہ سے نکالتی تھی تو وہ دوسری جگہ جا کر جلسہ جاتے تھے۔ ۱۵۔ نومبر کو انھوں نے یہ قرارداد منظور کی کہ جب تک مجلس کو غور و مباحثہ جاری رکھنے کی اجازت نہ دی جائے حکومت کے لئے سرکاری مداخل کا خرچ اور محاصل کی وصولی ہی ناجائز ہے۔ اس طرف وزیروں نے بھی ثابت کر دیا کہ وہ کسی مخالفت کو ماننے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ شہری دستے کی تخفیف کر کے حکم دیا کہ وہ اپنے ہتھیار حکومت کے حوالے کر دیں۔ اس فوج نے بغیر ہتھیار چلائے بے چون وچرا تعمیل کی اور سیاسی میدان سے ناپدید ہو گئی اور یہ اس بات کی یاد رکھنے کے قابل مثال ہے کہ پیرس والوں کے مقابلے میں برلن کا طبقۂ متوسّط کس قدر ہیچ پوچ تھا۔ پھر حکومت نے حالت محاصرہ کا اعلان کیا اور اخباروں کی آزادی اور عام جلسوں کے حقوق معطّل کر دئے۔ ۲۷۔ نومبر کو مجلس کے بعض مبعوث حکم شاہی کے بموجب برین ڈن برگ میں جمع ہوئے لیکن ان کی تعداد کارروائی شروع کرنے کے واسطے کافی نہ تھی اور اکثریت والے گروہ کو جمع کرنا مقصود ہی نہ تھا کیونکہ بادشاہ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایسی سرکشی سے پیش آئے ہیں اُنھیں مزید مخالفت کا قانونی موقع نہ دیا جائے۔ پس ۱۵۔ نومبر کی قرارداد کو رائے دینے

مجلس کا انفساخ ۵۔ دسمبر

والوں کا باغیانہ فعل قرار دیکر اس نے مجلس کو فسخ کر دیا (۵۔ دسمبر) اور پرشیہ میں ایک نیا آئین جاری کیا جو خود اس کے مشیروں نے تیار کیا تھا۔ اسی کے ساتھ وعدہ کیا کہ آئندہ جو نیابتی جماعت مرتّب ہوگی، اس کی رائے سے جدید آئین میں ردّ و بدل کیا جا سکے گا۔ مجلس کے فسخ کئے جانے سے برلن اور کولون میں تو ہنگامے برپا ہوئے لیکن عام طور پر اہل ملک نے

پرشیہ میں جدید آئین کا نفاذ شاہی فرمان سے۔

اس کی مخالفت میں کوئی عملی سرگرمی نہ دکھائی۔ اصل یہ ہے کہ شکست شدہ مجلس کی زندگی کے آخری ایام میں جس قسم کی بدعنوانیاں ہوئیں ان سے لوگوں کی نظر میں اہلِ مجلس کی توقیر باقی نہ رہی تھی۔ فرینک فرٹ کی قومی مجلس نے بھی اس کی ۱۵۔ نومبر والی قرارداد کو ناجائز قرار دیا۔ دوسرے بادشاہ کی طرف سے جو نیا آئین نافذ ہوا اس میں کافی

آزاد خیالی سے کام لیا گیا تھا اور مجموعی طور پر وہ مجلس مبعوثین کی جماعت غاص کے مسودہ آئین کے مطابق تھا۔ پس اعتدال پسند لوگ یہ سمجھنے لگے کہ نائبین عوام اور بادشاہ کے تنازع میں زیادتی بادشاہ کی طرف سے نہیں ہوئی۔

اس اثنا میں فرینک فرٹ کی قومی مجلس کے بھی ۱۸ ستمبر کے فسادات نے کان کھڑے کر دئے تھے اور وہ اب مستعدی کے ساتھ جرمانیہ کا بین الممالک آئین تیار کرنے پر متوجہ ہوئی۔ چھوٹی چھوٹی دشواریوں سے قطع نظر کیجئے، تو شروع ہی میں

فرینک فرٹ کی مجلس اور آسٹریہ - اکتوبر تا دسمبر

دو اہم حل طلب مسئلے اس کے روبرو پیش تھے۔ پہلا تو یہ کہ جرمانیہ کی متحدہ قومی حکومت سے سلطنت آسٹریہ کا تعلق کس قسم کا رہے جس میں بعض علاقے جرمن اور بعض اقوام غیر کے ملک میں داخل تھے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ متحدہ حکومت کے صدر کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ یہ تو صاف نظر آتا تھا کہ جرمانیہ کے قومی قوانین کا نفاذ حکومت آسٹریہ اپنے اسلافی اور ہنگری صوبوں میں نہیں کر سکتی لہذا فرینک فرٹ کے مرتبہ آئین کی دوسری دفعہ یہ طے پائی تھی کہ جہاں ایک ہی فرماں روا کے ماتحت جرمن اور غیر جرمن علاقے شامل ہوں وہاں ان ملکوں کے سیاسی تعلقات کی بنا صرف یہ ہونی چاہیے کہ وہ ایک ہی فرماں روا کی ذات سے وابستہ ہوں۔ البتہ جرمانیہ کا کوئی علاقہ جو ایک ریاست یا مملکت کی شکل میں منظم ہے کسی غیر جرمن ملک میں ضم نہ کیا جائے۔ اس دفعہ کا جس وقت مسودہ لکھا گیا اس وقت آسٹریہ کے مختلف اقطاع کی ایک ہی مرکزی بادشاہی کے ماتحت دوبارہ وابستگی کا اتنا قرینہ نہ تھا جتنا اس بات کا کہ آسٹریہ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ لیکن وی اینا کی تسخیر کے بعد شوارزن برگ نے برسر اقتدار ہوتے ہی اپنے طرز عمل سے بتا دیا کہ آسٹریہ کے ممالک اس سختی سے مرکزیت کے ماتحت لائے جائیں گے کہ ایسے پہلے کبھی نہ تھے۔ اپنی حکمت عملی کو پہلے ہی مرتبہ علانیہ بیان کرتے وقت اس نے سب کو یہ بات سنا دی کہ آسٹریہ اپنی وحدت کو قائم رکھے گی اور اندرونی تنظیم کی کسی ترمیم و تنسیخ کے متعلق کوئی بیرونی اثر قبول نہیں کرے گی۔ نیز یہ کہ آسٹریہ اور جرمانیہ کے باہمی تعلقات بھی اسی وقت طے ہو سکیں گے جب کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کوئی نئی اور دیرپا سیاسی شکل اختیار کر لیں۔ اور جس وقت

باب ۲

تک ایسا نہ ہوا، آسٹریہ ایک حلیفِ متحد کی حیثیت سے اپنے دیرینہ فرائض انجام دیتی رہے گی[1]۔ ان بیانات کے معنی فرینک فرٹ میں یہ سمجھے گئے کہ آسٹریہ اپنے جرمن و غیر جرمن صوبوں کو ایک ہی مرکزی حکومت کے تحت میں رکھنے کی غرض سے متحدہ ممالک جرمانیہ میں شامل ہونا پسند نہیں کرتی۔ البتہ آئندہ جرمانیہ کی متحدہ حکومت سے حلیفی کا کوئی پختہ عہد و پیمان کرنے کی فکر میں ہے۔ اسی طرح بظاہر اَدربارِ وی اینا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جرمن آئین کی دفعہ ثانی کی خود پابندی نہ کرے نیز چونکہ جرمانیہ اور آسٹریہ کے اصول میں تبائن ہو گیا تھا اور شمیرلینگ پیدائش کے اعتبار سے آسٹریہ کی رعایا تھا لہذا اسے اپنے عہدے سے دست بردار ہونا ہی مناسب معلوم ہوا اور اس کی جگہ گاگرن جو اب تک مجلس فرینک فرٹ کا میر مجلس تھا وزیر مقرر ہوا۔ ۱۸ دسمبر، نئی وزارت کی حکمت عملی کی صراحت کرتے وقت گاگرن نے فرض کر لیا کہ آسٹریہ ریاست ہائے جرمانیہ سے علیحدہ رہے۔ اس دعوے سے کہ مجلس ساری جرمن قوم کی قائم مقام ہے، لہذا مختار ہے کہ ملک کا جو آئین چاہے مرتب کرے، اس نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ آئین کے متعلق آسٹریہ سے کسی قسم کی شرطیں طے کرنی جائز ہیں۔ جب آسٹریہ کو دفعہ ثانی کی شروط پوری کرنی منظور نہیں تو اسے لازمی طور پر اتحاد جرمانیہ سے خارج رہنا پڑے گا۔ بایں ہمہ وزراء کی خواہش تھی کہ آسٹریہ اور جرمانیہ میں کوئی خاص اور دوستانہ رشتۂ اتحاد قائم رہے اور اس غرض کے لئے وہ دربار وی اینا کے ساتھ رسل و رسائل کرنے کی اجازت کے طالب ہوئے۔ گاگرن کے اس اعلان سے کہ آسٹریہ علیحدہ رہے گی آسٹریہ کے مبعوثین میں قدرتی طور پر سخت ناراضی اور اشتعال پیدا ہوا اور قریب قریب ان سب نے متفقہ صدائے اختلاف بلند کی۔ چند روز بعد شوارزن برگ کی ایک تحریر پہنچی اس سے مجلس کے دعاوی اور جو کچھ کیا دھرا تھا، سب کی جڑ ہی اُکھڑ جاتی تھی۔ اس تحریر میں شوارزن برگ

مجلس فرینک فرٹ اور آسٹریہ، دسمبر۔ جنوری۔

[1] حکومت آسٹریہ نے اس موقع پر ایک مبہم لفظ " Seine Bundespflichten " استعمال کیا تھا جس کے معنے حلیف کے فرائض بھی ہو سکتے ہیں اور ریاستہائے متحدہ کے ایک شریک کے بھی۔ اور یہ ابہام غالباً ارادتاً رکھا گیا تھا " Verhandlungen " وغیرہ وغیرہ۔

نے اس مفہوم کی جو اس سے پہلے کے بیانات کا سمجھا گیا تھا، تردید کی اور صاف صاف کہدیا کہ جرمانیہ کے معاملات کا تصفیہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ مجلس جرمن ریاستوں سے کوئی مفاہمت اور آسٹریہ سے قرارداد کرلے جو ان ریاستوں کی مسلّمہ سردار ہے اور آیندہ بھی ان کے ہر متحدہ نظام میں سردار رہنا چاہتی ہے۔ اب تو آسٹریہ کے شمول یا عدم شمول کا سوال اس قدر اہم ہو گیا کہ اس کے سامنے جتنے اختلافات مجلس کے مختلف گروہوں میں تھے وہ سب ہیچ ہو گئے۔ گروہ بندی کی بنیاد ہی نئی پڑ گئی۔ یعنی ایک طرف تو آسٹریہ کے مبعوث، وہ راسخ العقیدہ کیتھولک جنھیں خوف تھا کہ آسٹریہ کو علیحدہ کیا گیا تو پروٹسٹنٹوں کا غلبہ ہو جائے گا، اور بعض چھوٹی ریاستوں کے قائم مقام تھے جو ابھی سے پرشیہ کی چیرہ دستی سے خوف زدہ ہونے لگے تھے اور دوسری طرف قومی وکلا کا گروہ کثیر جو ممالک جرمانیہ کے قومی اتحاد کو سب سے مقدم شے سمجھتے تھے اور انھیں نظر آتا تھا کہ اگر اس اتحاد کا انحصار دربار آسٹریہ سے عہد و پیمان پر رکھا گیا تو وہ کبھی عملی صورت اختیار نہ کر سکے گا۔ پس یہ لوگ اس بارے میں اپنے وزیر کے ہم خیال تھے کہ آسٹریہ کے جرمن صوبوں کو چھوڑ کر صحیح معنی میں جرمانیہ کی ایک قومی حکومت قائم کر لینا اس سے بہتر ہے کہ اتحاد کی نمائشی تکمیل کی خاطر ایسی حکومت مرتب کی جائے جس میں جرمن قوم کی تو کچھ نہ چل سکے لیکن وزرائے وی اینا جو چاہیں وہ کر لیا کریں۔ پھر مختلف گروہوں کے میل اور ساز باز کی وجہ سے سیاسی مطلع روز بروز دھندلا ہوتا گیا، تاہم گاگرن کے اصول کی مجلس کی اکثریت نے تصدیق و تائید کی اور وزرا کو اجازت مل گئی کہ وہ آسٹریہ کو اتحاد جرمانیہ سے ایک علیحدہ سلطنت تصوّر کریں اور اس کے ساتھ کسی نئے رشتۂ دوستی قائم کرنے کی گفتگو چھیڑ دیں۔

مجلس کے سامنے دوسرا حل طلب عقدہ یہ تھا کہ جرمانیہ کے ممالک متحدہ کے صدر کی نوعیت کیا ہو۔ بعض کہتے تھے کہ موروثی بادشاہ منتخب کر لیا جائے، بعض ایک صدر نشین یا جماعت نظماء کی رائے دیتے تھے، بعض پرشیہ یا آسٹریہ کے خاندان شاہی کی بادشاہی قبول کر لینے کے حامی تھے اور بعض کے نزدیک کسی فرماں روا کا انتخاب زندگی بھر یا مدّتِ معینہ کے لئے کر لینا مناسب تھا۔ آخر پہلا فیصلہ تو یہ ہوا

ممالک متحدہ کی صدارت کا مسئلہ۔

بالجبر؟ کہ صدر، جرمانیہ ہی کے کسی فرماں روا خاندان سے ہو اور اس کا لقب شہنشاہ (یا بادشاہ ممالک) رکھا جائے۔ توارث کے اصول کے خلاف سخت مخالفت ہوئی اور اوّل اوّل یہی فریق غالب بھی آگیا۔ منصب شاہی سے متعلق دیگر مسائل کو آیندہ طے کرنے کے لئے چھوڑ کر، مجلس نے مسودۂ آئین کی پہلی خواندگی ۲۰- فروری ۱۸۴۹ء کو منظور کرلی۔ اب اسے تمام جرمن ریاستوں میں بھیجا گیا کہ وہ اس کے متعلق اپنی رائے سے مطلع کریں۔ چار چھوٹی مملکتوں (یعنی سیکسنی، ہنوور، بویریا اور ورٹم برگ) نے تو بالاتفاق ایسے اتحاد کے خلاف رائے دی جس میں آسٹریہ شریک نہ کی گئی ہو۔ اور خود حکومت وی آینا کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ شہنشاہ آسٹریہ کس طرح کسی دوسرے جرمن والیٔ ریاست کے، جسے صدر مقرر کیا جائے، ماتحت ہو سکتا ہے۔؟ نیز یہ تجویز کی گئی کہ اس اتحاد میں پوری سلطنتِ آسٹریہ کو اپنے جرمن اور غیر جرمن اقطاع سمیت داخل کیا جائے۔ اس مراسلے ہی سے ثابت ہو گیا کہ فرینک فرٹ کی مجلس نے جو نقشہ اتحاد کا تیار کیا تھا، حکومت آسٹریہ اس سے براہِ راست تخالف رکھتی ہے۔ مگر خطرے کی نوعیت پوری طرح آگے چل کر اُس وقت ظاہر ہوئی جب کہ ۹- مارچ کو شوارزن برگ نے مقام اول موٹز سے آسٹریہ کے واسطے اپنا نیا نظام حکومت شائع کیا جس نے سلطنت بھر کے تمام جداگانہ حقوق کا خاتمہ کر دیا اور مگیار، جرمن، اسلاوی اور اطالوی سب قوموں کو شہنشاہ فرانسس جوزف کی یکساں رعایا بنا کر ایک لاٹھی ہانکا۔ آسٹریہ کے مطالبے کا اصلی مدعا اب صاف صاف اور بے پردہ سب کے سامنے تھا۔ آسٹریہ تین کروڑ غیر جرمن آبادی کو لے کر اتحاد جرمانیہ میں داخل ہونا چاہتی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ جرمانیہ کی مساویانہ شرکت سے متحدہ جرمن قوم کی حیثیت بھی وسط یورپ کی دوسری اقوام کی مثل رہ جائے اور ہر آزاد نیابتی حکومت کے طریقے کے خلاف بڑا بھاری دباؤ ڈالا جا سکے نیز جرمن قوم کو ایسے مواقع پر بھی آمادہ جنگ ہونا پڑے جہاں اس کی اپنی اغراض کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ فقط مگیار یا پولون کے نقصان کا احتمال ہو۔ کرم سیئر کی مجلس آسٹریہ کے خاتمے اور پھر شوارزن برگ کے واحد آئین کے فرمان کی اشاعت سے فرینک فرٹ میں لوگوں کو ایسا صدمہ پہنچا کہ ارباب سیاست میں سے ایک ممتاز ترین اہل الرائے یعنی

باڈن کے مبعوث وِلکر نے جو اُس وقت تک آسٹریہ کے علیحدہ کئے جانے کا مخالف تھا، صاف صاف اقرار کیا کہ اب اس مخالفت پر قائم رہنا جرمانیہ کے ساتھ غدر و دشمنی کے مرادف ہوگا۔ چنانچہ وزیروں کا مؤیّد بن گئے اُس نے تحریک کی کہ مسودۂ آئین کی تکمیل کے لئے موروثی صدر مقرر کیا جائے اور آیندہ خواندگی پر اس پورے مسودے کو ایک ہی مرتبہ رائے لیکر منظور کر دیا جائے۔ نیز صدر جرمانیہ یا شہنشاہی کا منصب بلا تاخیر شاہ پرشیہ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ مجلس نے سارے مسودے کو ایک ہی رائے سے منظور کرنا تو قبول نہیں کیا لیکن علیحدہ علیحدہ اس کی دفعات پر بغیر مباحثہ صرف رائے لینا منظور کر لیا۔ وراثت کے اصول کی منظوری صرف چار رائے کی اکثریت سے حاصل ہوئی حالانکہ مجلس میں مبعوثین کی تعداد پانچ سو سے زیادہ تھی۔ بہرحال مسودۂ آئین کی خواندگی کا مرحلہ ۲۷۔ مارچ کو طے ہو گیا اور دوسرے دن فرماں روائے سلطنت کا انتخاب عمل میں آیا۔ شاہ پرشیہ کے حق میں دو سو نو رائیں آئیں۔ مگر دو سو اڑتالیس ارکان جو اصول وراثت کے خلاف تھے، رائے دینے سے باز رہے[1]۔

فریڈرک ولیم رابع شہنشاہ منتخب ہوتا ہے - ۲۸۔ مارچ

فریڈرک ولیم کو شروع سے تمنّا تھی کہ اگر ہو سکے تو پرشیہ کے زیر اثر ممالک جرمانیہ میں قومی تر اتصال و ربط قائم کیا جائے۔ مگر وہ ایسی دنیا کا آدمی تھا جس میں حقیقی مشاہدے کی بجائے خوش نما اوہام زیادہ ہوتے ہیں۔ ذاتی طور پر آسٹریہ کے خاندان شاہی سے اس کی عقیدت مندی وہم پرستی کے قریب تک پہنچی ہوئی تھی اور مذکورۂ بالا تمنّا کے باوجود اتنی سی بات اس کے ذہن میں نہ آتی تھی کہ اگر دورِ حاضر کی آئینی تحریک کا پرشیہ کو علم بردار بنا دیا جاتا تو اپنے عہد بادشاہی کے آغاز سے جب وہ چاہتا تمام ممالک جرمانیہ کو پرشیہ کے زیر سایہ مجتمع کر لیتا۔ حالانکہ یہ ایسی موٹی بات تھی کہ فریڈرک سے کہیں کم قابلیت کے لوگ بھی اسے اچھی طرح جانتے اور محسوس کرتے تھے۔ بہرحال فریڈرک کی اس بے شعوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۴۸ء کا انقلاب اس کے لئے بالکل ناگہانی حادثہ بن گیا اور ظاہر ہے کہ انقلاب و بغاوت میں پیش پیش ہو جانے یا عملی حصّہ لینے کی اُس سے کوئی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ اگر انقلاب برپا ہو جانے کے بعد

فریڈرک ولیم رابع -

[1] Verhandlungen وغیرہ وغیرہ -

باب ۲ کبھی وہ ان مراعات کو بلا تأمل و تذبذب وقار کے ساتھ عطا کر دیتا جو گلی کوچوں میں خون بہنے کے بعد بالآخر اسے ذلت اٹھا کر منظور کرنی پڑیں، تو بھی گمان غالب یہ ہے کہ فرینک فرٹ میں افتتاح مجلس کے وقت ہی اس کی شہنشاہی کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کیا جاتا اور تمام جرمانیہ کی متفقہ صدائے لبیک اس تجویز کو قبول کر لیتی۔ لیکن ۱۸۔ مارچ کو برلن کی کشمکش نے فریڈرک کو ایسا بدنام کیا کہ ماہ جون میں ناظم سلطنت کا انتخاب ہوا تو مجلس فرینک فرٹ کے ایک رکن نے بھی شاہ پرشیہ کے لئے رائے نہ دی۔ اس بدنامی کے دھلنے کو کچھ مدت درکار تھی اور جب یہ مدت گزری تو آسٹریہ نے برباد و سرنگوں ہونے کے بعد از سر نو گردن ابھاری اور ۱۸۴۹ء کے وسطی شہور میں اگر فریڈرک مجلس فرینک فرٹ کے انتخاب پر عملدرآمد کرنے پر رضامند بھی ہوتا، تو بھی آسٹریہ سے جنگ مول لئے بغیر وہ منصب شہنشاہی کو اختیار نہ کر سکتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی جمہوری مجلس کے ہاتھ سے تاج بادشاہی لے کر سر پہ رکھنا خود اس کے دلی جذبات کے سراسر خلاف تھا۔ مانا کہ مجلس فرینک فرٹ مجموعی طور پر جمہوریت پسندی اور انقلاب انگیزی کی بدعنوانیوں سے بالکل بری تھی، تاہم وجود میں تو وہ انقلاب ہی کی بدولت آئی اور اس کی دی ہوئی بادشاہی لینا فریڈرک کے الفاظ میں "کیچڑ اور خون کی آلائش سے تاج شاہی کا اٹھانا" تھا۔ اگر مجلس کے ساتھ قرارداد کر کے جرمانیہ کے والیان ریاست فریڈرک کے سامنے تاج سلطنت پیش کرتے تو یہ بالکل دوسری بات ہوتی۔ گویا قدیم حقوق ربانی ہی سے ایک جدید خداداد حق قائم ہو جاتا اور اس صورت میں مجلس اور والیان ریاست باہمی خط و کتابت سے جو شرطیں عائد کرتے وہ قابل برداشت ہو جاتیں۔ کیونکہ اس میں کسی کو شبہ نہ تھا کہ فریڈرک ولیم بالکل جرمانیہ میں صدارت کا مرتبہ حاصل کرنے کا ابھی تک متمنی تھا۔ البتہ مجلس فرینک فرٹ سے مفاہمت کی تجویز ماننے یا انکار کر دینے کے متعلق اس کی رائے اپنے مشیروں کے اثر سے ادلتی بدلتی رہتی تھی۔ برانڈن برگ کی وزارت خانگی معاملات میں حقوق عوام کی مخالف تھی لیکن گاگرن اور اتحاد جرمانیہ کے حامیوں کے ساتھ مفاہمت ہو جانے کی ضرور خواہش مند تھی۔ فرینک فرٹ میں مسودۂ آئین کی پہلی خواندگی سے کچھ ہی پہلے برلن کے وزیروں نے ایک مراسلہ تیار کیا اور اس میں خاص خاص شرطوں کے ساتھ

باب (۲)

آسٹریہ کا ممالک جرمانیہ سے علیحدہ کیا جانا تسلیم کر لیا اور یہ تجویز کی کہ گو ہر ریاست کی حکومت کو بذات خود یہ حق نہ دیا جائے کہ وہ مجلس کا مرتبہ آئین قبول یا مسترد کر دے تاہم اگر سب حکومتیں مل کر باتفاق کوئی تجویز یا ترمیم پیش کریں تو مجلس قومی ان کو بصد منت قبول کرنے پر آمادہ ہو۔ اس مراسلے پر، جس سے حکومت پرشیہ اور مجلس فرینک فرٹ میں باہمی مصالحت کی کوئی صورت نکل سکتی تھی، فریڈرک ولیم نے اوّل اوّل دستخط کرنے سے انکار کر دیا لیکن پھر اپنے معتمد علیہ بنسن کے کہنے سننے سے رضامند ہو گیا (۲۳ جنوری)، اور بنسن ہی کو فرینک فرٹ جا کر حکومت پرشیہ کی طرف سے گفت و شنید کرنے کا پروانہ دیا گیا۔ لیکن بنسن کی عدم موجودگی میں شوارزن برگ کے مراسلے برلن پہنچے جن میں شوارزن برگ نے حسب معمول اپنے زوردار طریقے سے یہ تجویز لکھی تھی کہ مجلس فرینک فرٹ ہی کی بساط الٹ دی جائے اور جرمانیہ کو آسٹریہ، پرشیہ اور چار چھوٹی مملکتوں کے درمیان تقسیم کر لیا جائے۔ بنسن واپس آیا تو کیا کرایا سب اکارت جا چکا تھا۔ آسٹریہ سے دب کر شاہ پرشیہ نے اپنی روش بدل دی اور ۱۶۔ فروری کو ایک یادداشت فرینک فرٹ روانہ کی جس میں آسٹریہ کو جرمانیہ کا جزو لاینفک بتایا تھا اور ریاست ہائے جرمانیہ کی ہر حکومت کو مجاز قرار دیا تھا کہ وہ مناسب سمجھے تو بذات خود مسودۂ آئین کو مسترد کر دے۔ ان باتوں سے خواہ مخواہ شبہ ہوتا تھا کہ فریڈرک ولیم سلطنت جرمانیہ کی صدارت کو کسی ایسی صورت میں کبھی قبول نہ کرے گا جو مجلس فرینک فرٹ کے دعاوی کے مطابق ہو۔ پھر بھی مجلس نے ۲۸۔ مارچ کو غلبۂ آرا سے وہ تجویز منظور کر لی کہ تاج بادشاہی فریڈرک ولیم کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اصل یہ ہے کہ برلن کے وزیروں کا میلان ابھی تک یہی تھا کہ کوئی باہمی قرارداد ہو جائے۔ اور مجلس کے وہ ارکان جنھیں باضابطہ منصب بادشاہی پیش کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا، برلن پہنچے تو برانڈن برگ نے ایسے تپاک اور تواضع سے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ بادشاہ کی رضامندی حاصل ہو گئی ہے۔ مگر فریڈرک ولیم نے دوسرے دن دفعۃً جو جواب دیا اُس نے ایسی ساری امیدیں خاک میں ملا دیں۔ اُس نے اعلان کیا کہ میں اس وقت تک تاج بادشاہی کو قبول

فریڈرک ولیم رابع بادشاہی قبول کرنے سے انکار کرتا ہے ۳ اپریل۔

باب(۲) نہیں کروں گا جب تک کہ تمام والیان ریاست اس کی دعوت ندیں۔ اور نیز جب تک کہ مجلس کے مرتبہ آئین کو ہر ریاست کی حکومت بخوشی قبول نہ کر لے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ وہ مجلس کو آئین سازی کے کامل اختیارات سے دست بردار کرانا اور اُس کے مرتبہ آئین کی وہ سب دفعات حذف کرا دینا چاہتا ہے جن کے متعلق کسی ایک ریاست کو بھی اعتراض ہو۔ اب یہ بات سب کو اچھی طرح معلوم تھی کہ آسٹریہ اور چھوٹی مملکتیں کسی ایسے آئینِ اتحاد کو کبھی قبول نہ کریں گی جو فی الواقع ممالک جرمانیہ کو ایک رشتے میں منسلک کر دے اور ظاہر ہے کہ خود مجلس بھی اپنے سارے گزشتہ کام کو ناجائز قرار دیے بغیر یہ اقرار نہ کر سکتی تھی کہ آئین بنانے کا حق اس کے اختیارات سے خارج ہے، پس بادشاہ کے جواب کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ اسے منصب بادشاہی قبول کرنے سے انکار ہے۔ مجلس کا وفد رنجیدہ کبیدہ کہ ہماری سفارش بالکل ناکام رہی، برلن سے رخصت ہوا اور چند روز بعد ہی فریڈرک ولیم کا ایک مراسلہ فرینک فرٹ میں وصول ہوا جس سے ظاہر ہوا کہ وفد کو اپنی ناکامی کا جو یقین ہوا وہ درست تھا[1]۔

حقیقت میں، فریڈرک ولیم کا جواب صرف بادشاہی لینے سے انکار ہی نہ تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، اس بات کی دلیل تھا کہ وہ اس آئین کو تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتا جو مجلس فرینک فرٹ نے مرتب کیا تھا۔ یہ ارادہ جس قدر پر معنی تھا، اور ساری جرمانیہ کے سیاسی معاملات میں جو پیچیدگی پڑتی نظر آتی تھی، اس کی قابل تشویش نوعیت فوراً آشکارا ہوگئی۔ مجلس کے آئین کو جرمانیہ کی اٹھائیس سرکاریں قبول کر چکی تھیں مگر یہ سب بلا استثنا چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں اور ان سب کی فوج مل کر بھی مشکل سے اپنے کسی ایک حریف کی مقابل ہو سکتی تھی۔ ۵۔ اپریل کو حکومت آسٹریہ نے اعلان کیا کہ مجلس فرینک فرٹ کا آئین کو شایع کرنا ہی خلاف قانون فعل تھا۔ اسی کے ساتھ آسٹریہ کے مبعوثین کو لکھ بھیجا کہ وہ فرینک فرٹ کو خیرباد کہیں۔ ادھر شاہی فرمان کی رو سے پرشیہ میں جو مجلس منتخب ہوئی تھی اس کے ایوان زیریں نے شہر برلن کے حالتِ محاصرہ میں ہونے پر اعتراض کیا اور ایک قرارداد آئین فرینک فرٹ کی تائید میں منظور کی، پس اسے بلاتامل

مجلس فرینک فرٹ کے آئین کی نامنظوری۔

[1] Briefwechsel وغیرہ وغیرہ

باب ۲

توڑ دیا گیا۔ حکومتوں کو اس طرح آمادۂ مخالفت دیکھکر فرنیک فرٹ کی قومی مجلس کا جذبۂ وطن پرستی مشتعل ہوا اور تھوڑی دیر کے لئے اس کے سب فریق متفق ہو گئے۔ اس مضمون کی کئی قراردادیں منظور کی گئیں کہ مجلس اپنے آئین پر جمی رہے گی۔ ایک جماعت خاص مقرر ہوئی کہ وہ اس آئین کے جبرِ انفاذ کی ممکنہ تدابیر پر غور کرے۔ اسی کے ساتھ تمام مخالف حکومتوں کو ایک یادداشت بھیجی گئی کہ وہ اپنے علاقوں کی نیابتی مجلسوں کو (اس غرض سے کہ آئین کی حمایت میں آزادانہ رائے نہ دے سکیں) معطل یا شکست کرنے سے باز رہیں۔

اس دوسرے مطالبے کی بنا پر پروشیہ کے سرکاری اخباروں نے مجلس فرنیک فرٹ کو مطعون کرنا شروع کیا کہ وہ باغیانہ جماعت ہے۔ معاملات کی صورت بد سے بدتر ہوتی گئی اور مجلس نے ہر چند حکومتوں سے، مجالس وضع قوانین سے، مقامی مجلسوں سے اور تمام جرمن قوم سے بہ منت درخواستیں کیں کہ آئین پر عملدرآمد کریں، کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ وہ اخلاقی قوّت جس پر اُس نے بھروسہ کرنے کی ٹھانی تھی، بالکل بے بس ثابت ہوئی اور حکومتوں پر رائے عامّہ کا زور چلتے نہ دیکھا تو جمہوریت پسند گروہ کے زیادہ تند مزاج ارکان مایوس ہو کر بغاوت کا سہارا ڈھونڈنے پر کمربستہ ہو گئے۔ ۲ مئی کو عوام النّاس کی طرف سے ڈرسڈن میں بلوہ شروع ہوا کیونکہ وہاں کے فرماں روا نے پروشیہ کے اثر سے اپنے ان وزیروں کو معزول کر دیا تھا جنھوں نے آئین فرنیک فرٹ کو قبول کرنے کی رائے دی تھی۔ نیز اپنی مجلس ملکی کو برطرف کر دیا۔ اس فساد نے شاہ کو پائے تخت چھوڑنے پر مجبور کیا لیکن پانچ ہی روز گزرے تھے کہ پروشیہ کا ایک جیش شہر میں داخل ہوا اور اُس نے بغاوت کا قلع قمع کر ڈالا۔ اس وقفے ہی میں اگرچہ وہ بہت تھوڑا تھا، اس بات کے آثار ہویدا ہو گئے تھے کہ فساد کے اصلی بانی آئین فرنیک فرٹ کی خاطر نہیں، بلکہ جمہوریت کے لئے لڑ رہے ہیں اور اگر وہ کامیاب ہوئے تو ایک انقلابی حکومت قائم ہو جائے گی جس کا فرانس اور پولینڈ والوں کے تخریبی منصوبوں سے کچھ نہ کچھ تعلق ہو گا۔ یہ حقیقت بیڈن میں اور بھی زیادہ عیاں ہو گئی۔ یہاں کے امیر کبیر کی حکومت فرنیک فرٹ کے آئین کو فی الواقع قبول کر چکی تھی اور ممالک متحدہ کی مجلس کے لئے جو مجلس فرنیک فرٹ کی جانشین ہونے والی تھی، مبعوث منتخب کرنے کے حکم بھی جاری

جرمانیہ کی قومی مجلس کا خاتمہ جون ۱۸۴۹ء۔

باب ۲ کر دئے تھے یا یں ہمہ وہاں بغاوت برپا ہوئی۔ جمہوریت کی علانیہ منادی کی گئی۔ سپاہی باغیوں سے جا ملے اور ہنگامی حکومت قائم ہوئی جس نے اسی وضع کی ایک دوسری جماعت سے اتحاد کا عہد و پیمان کیا۔ اس جماعت نے ریاست باڈن کے قریب پیلے ٹی نیٹ میں فرانسیسی اور پول پناہ گزینوں کی مدد سے خروج کیا تھا۔ فرینک فرٹ کی قومی مجلس کو خوب معلوم تھا کہ اس قسم کے ہنگامے اس کے اپنے مقصد کو قطعاً برباد و خراب کر دیں گے لہٰذا گاگرن کے ایما سے مجلس نے امیر کبیر جون سے استدعا کی کہ وہ ان شورشوں کو بزور شمشیر فرو کرے اور اسی کے ساتھ جو حکومتیں آئین فرینک فرٹ کی حمایت میں اپنی رعایا کو اظہار رائے کرنے سے روکنے کے درپے ہوں، ان کی روک تھام کرے کہ آزادی رائے میں خلل نہ آئے۔ مگر یہ شہزادہ اب تک اپنے عہدے سے صرف اس لئے لپٹا رہا تھا کہ آسٹریہ کی اغراض کو تقویت دیتا رہے۔ اُس نے مجلس کی استدعا ماننے سے انکار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاگرن نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور گاگرن کی علیحدگی کے ساتھ ہی مجلس قومی کی حقیقی سیاسی زندگی بھی ختم ہو گئی۔ ۱۰ مئی کو مجلس نے یہ قرارداد منظور کی کہ آئین کو بچانے کے لئے امیر کبیر پر واجب ہے کہ جرمانیہ کی تمام قوت مجتمع کرے۔ اس کے جواب میں جون نے صرف ایک نمائشی وزارت مرتب کر دی۔ اُدھر حکومت پروشیہ نے مجلس کی مذکورۂ بالا قرارداد کو خارجِ جنگی کا اعلان قرار دیا اور پروشیہ کے مبعوثین کو حکم دیا کہ وہ مجلس کی رکنیت سے علیحدہ ہو جائیں۔ چند روز کے بعد اس کی تقلید سیکسنی اور ہنوویر کی حکومتوں نے بھی کی۔ ۲۰ مئی کو پینسٹھ ممتاز ترین ارکان مجلس نے جن میں آرن ڈٹ اور ڈالمان بھی شامل تھے، اپنی یہ تحریری رائے پیش کی کہ بحالات موجودہ مجلس کا اپنے کام سے دستکش ہو جانا ہی سب سے کم خرابی کا موجب ہوگا۔ اور اعلان کر دیا کہ فرینک فرٹ میں ہمارا کام ختم ہو گیا۔ دوسرے گروہوں نے بھی ان کی پیروی کی تا آنکہ صرف انتہا پسندوں کا وہ فریق باقی رہ گیا جو مجلس میں بہت کم تعداد تھا اور جسے کسی طرح جرمانیہ کا صحیح قائم مقام نہیں کہا جا سکتا۔ اس "بچی کھچی مجلس" نے جون اور اس کے وزیروں کو بالائے طاق رکھا اور یہ فیصلہ کیا کہ فرینک فرٹ سے ہٹ کر ورٹم برگ چلے جانا چاہیے کیونکہ فرینک فرٹ میں پروشیہ کی فوج کے آ جانے کا ڈر تھا اور ورٹم برگ آ جانے کی صورت میں باڈن اور پیلے ٹی نیٹ کی انقلابی حکومتوں سے مدد

ملنے کی کچھ نہ کچھ توقع ہو سکتی تھی۔ غرض ۶۔ جون کو اسٹٹ گارٹ میں کُل ایک سو پانچ مبعوث جمع ہوئے اور وہاں اُنھوں نے ساری جرمانیہ کے لئے ایک حکمراں جماعت بنانی شروع کی۔ شاہِ ورٹم برگ سے سات ہزار سپاہی طلب کئے اور قرب و جوار کے مقامات میں ہرکارے دوڑائے کہ لوگوں کو اشتعال دلائیں۔ مگر اِن لوگوں کو خلقت خاطر میں نہ لائی اور اسٹٹ گارٹ کی سرکار نے کچھ عرصے تحمل کے بعد ان کو حکم دیا کہ وہاں سے چلتے پھرتے نظر آئیں۔ ۱۸۔ جون کو اس ایوان کے دروازے بند کر دئے گئے جہاں وہ اجلاس کیا کرتے تھے۔ انھیں اندر گھسنے کی اجازت نہ ملی بلکہ سپاہیوں نے آ کے انھیں منتشر کر دیا اور کسی شخص نے ان کی حمایت میں انگلی تک نہ ہلائی۔ باڈن اور رہے لے ٹی نیٹ کے باغیوں کی سرکوبی بے شبہ زیادہ دشوار مرحلہ تھا اور اس کے لئے چھ ہفتے کی معرکہ آرائی ضروری ہوئی۔

بیڈن کی بغاوت کا خاتمہ جولائی ۱۸۴۹ء۔

پروشیہ کی فوجوں نے جو ولیعہد پروشیہ کے تحت میں تھیں، کئی زکیں بھی کھائیں، مگر آخر کار باغی جمعیتیں پامال کر دی گئیں اور سقوطِ راس ٹاڈ کے ساتھ شورش کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

جرمانیہ کی قومی مجلس کا افتتاح جس شان شوکت سے ہوا اور اس سے اہل جرمانیہ کو جیسی کچھ امیدیں تھیں، ان کے مقابلے میں اس کا یہ خاتمہ بہت ہی افسوس ناک تھا اس لئے اور بھی کہ مجلس کے شرکا جرمانیہ کے شریف ترین فرزند تھے۔ اس بات کا جواب صرف اٹکل سے دیا جا سکتا ہے کہ اگر مجلس اتحادِ ممالک کا کام کلیتہً اپنے ہاتھ میں لے لینے کی بجائے شروع سے والیانِ ریاست سے مل جل کر کارروائی کرتی تو کوئی بہتر نتیجہ برآمد ہوتا یا نہیں؟ آسٹریہ تو بہر صورت اس کام میں سدِّ رہ ہوتی کیونکہ فرینک فرٹ میں اتحادِ جرمانیہ کے ناکام رہنے کے بعد جب برلن میں ایک جزوی اتحاد کی دوسری بنیادوں پر کوشش کی گئی تو اس کو بھی آسٹریہ نے نہ چلنے دیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، فریڈرک ولیم نے مجلس فرینک فرٹ کی پیش کردہ بادشاہی سے انکار کیا تو اپنے جواب میں یہ بیان کیا تھا کہ میں ان ممالک متحدہ کی صدارت کا ارادہ رکھتا ہوں جس میں

پروشیہ ایک جداگانہ اتحاد قائم کرنا چاہتی ہے۔

[1] Verhandlungen وغیرہ وغیرہ

باب ۲،

جرمن ریاستیں اپنی خوشی سے میرے ماتحت شیرازہ بند ہو جائیں۔ اور اس اتحاد کی تفصیلی شرائط بعد میں طے ہوتی رہیں گی۔ چنانچہ ایک گشتی مراسلہ لکھ کر اس نے جرمن حکومتوں کو جو پروشیہ سے مشورہ لینے پر رضامند ہوں، دعوت دی کہ وہ برلن میں بغرض مشاورہ اپنے قایم مقام بھیجیں۔ مشاورے کی تاریخ ۱۷۔ مئی مقرر ہوئی تھی اور اس سے دو دن پہلے فریڈرک ولیم نے اپنی رعایا میں ایک جریدہ شائع کیا جس میں تحریر تھا کہ مجلس فرینک فرٹ کی ناکامی کے باوجود ممالک جرمانیہ کا اتحاد ممکن ہے۔ مگر جلسہ کا برلن میں آغاز ہوا تو آسٹریہ، سیکسنی، ہنوور اور بویریہ کے سوا اور کسی حکومت کا سفیر نہ آیا۔ پھر آسٹریہ کا سفیر تو پہلی ہی نشست کے خاتمے پر مشاورے سے رخصت ہو گیا اور بویریا والے نے کچھ دیر بعد اس کی تقلید کی کہ پروشیہ فقط سیکسنی اور ہنوور کی ناقابل اعتبار مدد سے اتحاد جرمانیہ کی جو کچھ کارروائی کر سکتی ہو، کر کے دکھائے۔ چنانچہ تین ہی ریاستوں کا ایک جتھا بنایا گیا جو "حزب ممالک ثلاثہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس بات کی ذمہ داری کی گئی تھی کہ ممالک متحدہ کی ایک سیاسی مجلس بنائی جائے گی اور وہ والیان ریاست کے مشورے سے آئین حکومت مرتب کرے گی۔ (۲۶ مئی) متحدہ ممالک کے آئین کا ایک مسودہ بھی ۱۱۔ جون کو شائع ہوا۔ چونکہ بعض خامیوں کے باوجود یہ مسودہ خاصی طرح اس لائق تھا کہ اتحاد ممالک کی بنا کا کام دے سکے نیز معلوم ہوتا تھا کہ شاہ پروشیہ فی الواقع خلوص کے ساتھ اتحاد کی کوشش میں ہے، لہٰذا قومی تحریک کے سرگروہوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا اُن اٹھائیس ریاستوں کو جنھوں نے فرینک فرٹ کی نامراد مجلس کا مجوزہ آئین قبول کر لیا تھا، اس جدید حزب پروشیہ میں داخل ہونا چاہیے یا نہیں؟ یہ مسئلہ طے کرنے کی غرض سے مجلس فرینک فرٹ کے ایک سو پچاس سابق مبعوث پھر گوتھا میں جمع ہوئے اور گو جمہوریت پسند فرقے نے سخت ناراضی کا اظہار کیا تاہم آخر میں یہی طے پایا کہ پروشیہ کی طرف سے جو نئی تجویز پیش کی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ اسے اچھی طرح آزمائش کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ ۲۸۔ کی ۲۸ چھوٹی ریاستیں حزب پروشیہ میں داخل ہو گئیں اور اس طرح آسٹریہ، بویریا اور ورٹم برگ کے سوا تمام ممالک جرمانیہ ایک لڑی میں آ گئے۔ مگر سیکسنی اور ہنوور کی

سرکاریں شروع سے نفاق سے کام کر رہی تھیں۔ کچھ تو پروشیہ کی فوجی سطوت اور خود باب (۲)
کچھ اپنی رعایا کا ابھی تک دغدغہ لگا ہوا تھا جس کی بنا پر یہ ریاستیں اتحادِ ممالک
کی تجدید کی علانیہ مخالفت سے باز رہیں۔ لیکن آسٹریہ کے ساتھ شروع سے
اُن کی خط کتابت جاری تھی اور صرف اس وقت کا انتظار تھا کہ آسٹریہ کی جنگی قوت پوری
طرح عود کر آئے تو پھر وہ بھی اپنا اصلی رنگ دکھائیں۔ ۱۸۴۹ء کے موسم بہار میں برلن کے
مشاوروں کے وقت تک آسٹریہ کو وینس اور ہنگری کے جھگڑے سے پوری فراغت
نہیں ہوئی تھی۔ البتہ جب ان اعدا کا کامل استیصال ہو گیا تو وہ اس قابل ہوئی کہ پورا دباؤ
جرمانیہ پر ڈال سکے۔ اس کا پہلا نتیجہ سیکسنی اور ہنوور کے اس فعل سے ظاہر ہوا کہ
یہ دونوں ریاستیں باضابطہ اتحادِ جرمانیہ سے علیحدہ ہو گئیں۔ اور اس طرح ۱۸۴۹ء
کے اواخر میں پروشیہ کا سوائے ۲۸ چھوٹی ریاستوں کے اور کوئی مددگار نہ رہا بلکہ
ثانوی درجے کے چاروں شہر یار علانیہ یا در پردہ مخالفت پر کمربستہ نظر آنے لگے کہ
پروشیہ ممالکِ جرمانیہ میں اتحاد کی کوئی ایسی صورت نہ نکال سکے جو فی الواقع مفید و کارگر ہو۔
موعودہ مجلسِ ممالکِ متحدہ کے جمع ہونے میں بہت دیر لگی اور حزبِ پروشیہ بننے
کے دس مہینے بعد کہیں ۲۰ مارچ ۱۸۵۰ء میں جا کر اس کا ارفورٹ میں انعقاد ہوا۔ لیکن

پروشیہ ۱۸۴۹ء میں۔

اس درمیان میں اکثر جرمن ریاستوں میں رجعت کی ہوا چل چکی تھی۔ بلکہ
پروشیہ میں ۲۷ اپریل کو تو بادشاہ نے مجلس کے شعبۂ ماتحت کو
برخاست کیا اور پھر جدید آئین کے جسے اسی زمانے میں خود منظور کیا تھا انتخابی ضوابط
منسوخ کر دیے اور ان کی بجائے ایسا طریقہ جاری کیا جو مختلف طبقاتِ آبادی کی نیابت
پر منحصر تھا۔ حقوقِ عوام کے حامیوں نے اس کارروائی کو بادشاہ کی پیمان شکنی پر
محمول کیا اور اسی بنا پر انتخاب میں حصہ لینے سے محترز رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۰ء کی
مجلسِ نما برلن میں بہت بڑی اکثریت استبدادی، قدامت پسند اور سرکاری عہدہ داروں
کی منتخب ہوئی اور آئین جس پر نظرِ ثانی کا وعدہ اس غرض سے کیا گیا تھا کہ آزاد خیالوں کے
جذبات کی رعایت رکھی جائے گی، اب یہ نظرِ ثانی بالکل معکوس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کے کی
جانے لگی۔ بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ شاہی اقتدار کو تقویت پہنچائی جائے۔ طریق
جاگیرداری کے حامی اس سے بھی چار قدم آگے نکلے کہ انھوں نے پچھلے دو سال کی تمدنی

باب (۲)

اور بلدی اصلاحات کو نشانۂ ملامت بنایا اور کوشش کی کہ پروشیہ میں پھر وہی ازمنۂ وسطی کا طبقہ واری نظام قائم ہو جائے۔ اہل رجعت کے غلبے کا یہی زمانہ تھا جبکہ ارفورٹ میں مجلس متحدہ نے اجلاس شروع کیا۔ یہ سچ ہے کہ اس کے دونوں شعبوں میں معتدل آزاد خیال ارکان کی اکثریت تھی اور وہ گاگرن وغیرہ فرینک فرٹ ہی کے آزمودہ کار اہل الرائے کے متبع تھے۔ تاہم پروشیہ کا ایک قومی استبداد پسند فریق انکا مقابل تھا اور چند ہی روز میں ظاہر ہوگیا کہ خود حکومت پروشیا اسی فریق کے اشارے پر چلنے کے لئے تیار ہے۔ ممالک متحدہ کا جو آئین برلن میں مرتب ہوا تھا اسے ۲۶ مئی ۱۸۴۹ء کے اقرار کی بموجب مجلس ارفورٹ میں پیش کیا گیا۔ آزاد خیال گروہ نے رجعت پسندی کی روز افزوں قوت اور تاخیر کے خطروں سے آگاہ ہوکر اسی مسودہ کو بلا کم و کاست منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ لیکن اہل رجعت کے قلیل التعداد گروہ نے نظر ثانی کا مطالبہ کیا۔ اور مجلسی حکومت کے اصول اور طریقوں سے جو لوگ واقف تھے انھیں یہ دیکھکر انتہائی خفت ہوئی کہ پروشیہ کے وزیروں نے بھی اسی گروہ کی تائید کی اور اس مسودہ میں ردّ و بدل کا مطالبہ کیا جو خود انھی نے مرتب کرکے پیش کیا تھا۔ پھر گو آخر میں مصالحت کی صورت نکل آئی لیکن حق یہ ہے کہ جن لوگوں کو یقین تھا کہ عجب نہیں کہ اب بھی وہ کام جو فرینک فرٹ کی قومی مجلس سے نہ ہو سکا تھا، فریڈرک ولیم کے ہاتھ سے انجام پا جائے، انھیں دربار پروشیہ کی حرکات اور ارفورٹ کے مباحثوں میں وہاں کے وزیروں کا طرز عمل دیکھکر سخت صدمہ اور مایوسی ہوئی۔ بادشاہ کی صداقت یا بات پر قائم رہنے کا جو کچھ اعتبار تھا، وہ صفر رہ گیا۔ جرمانیہ بھر کے وطن پرست آزاد خیال گروہ پروشیہ کی طرفداری سے بہت کچھ بددل ہوگئے۔ ادھر پروشیہ کے اہل الرائے کو اگر یہ توقع تھی کہ ایسی رجعتی حکمت عملی اختیار کرنے سے ارفورٹ کی تحریک اتحاد سے جو مخالفت ہے اس میں فی الجملہ کمی ہو جائیگی، تو یہ محض خیال خام اور امید موہوم تھی۔[۱] یہ بات کہ شاہ پروشیہ ممالک جرمانیہ کو کسی نئی صورت میں متحد کرے شروع سے آسٹریہ کے خلاف منشا تھی، اور اس نے صاف صاف کہدیا تھا کہ ارفورٹ کی

ارفورٹ کی مجلس اتحاد مارچ ۱۸۵۰ء۔

۱۔ Verhandlumgen وغیرہ وغیرہ۔

باب (۲)

آسٹریہ کی کارروائی۔

مجلس ممالک کے کسی فیصلے کو حکومت آسٹریہ جائز نہیں سمجھے گی۔ اب تو وہی اپنا کے وزیر یہ نظریہ پیش کر رہے تھے کہ ممالک جرمانیہ کا پرانا آئین اتحاد ہنوز نافذ اور واجب العمل ہے۔ گویا مارچ ۱۸۴۸ء سے ابتک جو کچھ ہوا وہ بیہودہ فتنہ انگیزی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور اب جب خُدا خدا کر کے امن امان پھر قائم ہوا اور خلل انداز بلوائی دفع ہوئے تو حکّام جائز کے حقوق بھی لامحالہ اُنھیں دوبارہ مل جانے چاہئیں۔ نظر بریں کسی جدید حزب اور مجلس بنانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔ وہی جرمن ریاستوں کے دیرینہ تعلقات آسٹریہ کی سیاست میں قانوناً موجود ہیں جیسے پہلے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ فرنیک فرٹ کی مجلس ریاست ہائے متّحدہ اگرچہ اتنے دن معطل رہی تاہم نیست ونابود نہیں ہوی ہے اور اب بھی مرکزی حکومت کا رتبہ جائز طور پر اسی جماعت کو حاصل ہے۔ ضرورت اصلاح کا زیادہ سے زیادہ اتنا اعتراف تو آسٹریہ کرتی تھی کہ ممکن ہے، موجودہ آئین میں فروعی ترمیم واضافہ ضروری ہو لیکن اس سے بھی جرمن باشندوں کو کوئی سروکار نہ تھا بلکہ آسٹریہ کے قول کے مطابق، یہ معاملہ صرف والیان ریاست سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی بنا پر حکومت آسٹریہ نے جملہ جرمن حکومتوں کو فرنیک فرٹ میں بحث ومشورہ کے لئے جمع ہونے کی دعوت دی کہ اگر کوئی ترمیم ضروری ہو تو اس پر وہاں ملکر غور ومباحثہ کیا جائے۔ پروشیہ نے اس طلبی کے جواب میں یہ اثبات کیا کہ قدیم متّحدہ ریاستوں کا نظام اب مردہ ہو چکا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے فرماں روا بھی جو نئے جتھے میں شریک ہوئے تھے، برلن میں فریڈرک ولیم کے پاس جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ جب تک خاص خاص شرائط اور قیود وتسلیم نہ کر لی جائیں، ہم فرنیک فرٹ کے مشورے میں حصّہ نہ لیں گے۔ اور یہ شرطیں ایسی تھیں جنھیں آسٹریہ نے قبول نہیں کیا۔ فریقین میں دیر تک حجتیں اور جواب سوال ہوتے رہے لیکن نئی اور پرانی جرمانیہ کا یہ باہمی مناقشہ سیاسی منطق سے طے نہ ہو سکتا تھا بلکہ اس کا فیصلہ مردوں کی ہمّت یا تلوار ہی کر سکتی تھی۔ اصلی مقابلہ پروشیہ اور آسٹریہ کے درمیان آپڑا تھا اور آسٹریہ کے وزیر اپنے حریف کی نبض اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اُنھوں نے تاڑ لیا کہ اگر براہ راست فریڈرک ولیم کو اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا تو اسکے جذبات خودداری کو سخت اشتعال پہنچے گا اور جواب میں تلوار کھنچ جائیگی۔ پس اس سے پہلے کہ

باب (۲)

فریڈرک ولیم سے اپنا بنا بنایا ہوا جتھا توڑنے کی فرمائش کی جائے شوارزن برگ نے ارادہ کیا کہ بادشاہ کو ایسے مقام پر لا کے جھگڑا نکالا جائے کہ وہ اپنے طرزعمل کے نتائج دیکھ کر خود خوف زدہ یا زچ ہو جائے۔ واضح رہے کہ موروثی بادشاہی کا فریڈرک ولیم دل و جان سے اعتقاد رکھتا تھا پس اگر کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ برلن کی جدید مجلس متحدہ کا تعلق کسی ایسی حوصلہ مندی کے کام سے ثابت ہو جائے جو شخصی بادشاہی کے خلاف ہو اور جس کی بنا پر باغیوں سے سازباز کا الزام لگایا جا سکے، تو گمان غالب تھا کہ فریڈرک ولیم کے ارادے میں تزلزل آ جائے گا اور پھر پروشیہ سے لڑائی لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اگرچہ آسٹریہ لڑائی کے لئے بھی بخوبی تیار تھی۔[1]

رائے عامہ کے دباؤ سے جو ریاستیں نئے جتھے میں شریک ہوئیں ان میں ہیس کیسل کی الکٹری ریاست بھی تھی۔ اس کا رئیس (الکٹر) اپنے اسلاف کی مثل دل میں

ہیس کیسل

پکا مستبد تھا اور آئینی نظام حکومت سے اس کی مطلق العنانی پر جو قیود و حدود عائد ہوئی تھیں، ان کے بہت گلے شکوے کرتا رہتا تھا۔ اب آسٹریہ کے اغوا سے اس نے ۱۸۵۰ء کے وسطی مہینوں میں اپنے وزیروں کو معزول کر کے ہاسن پفلوگ نامی ایک ایسے شخص کو عہدہ تفویض کیا جو جرمانیہ کی چھوٹی ریاستوں کے چھٹ بھیے اور موذی اہل کاروں کا بدترین نمونہ تھا۔ وزیر ہوتے دیر نہ ہوئی تھی کہ اس نے کاسل کی مجلس طبقات سے لڑائی نکالی اور دو مرتبہ اسے برخاست کر کے، لوگوں سے جبراً محاصل وصول کرانے شروع کئے۔ عدالتوں نے اس کے احکام کو خلاف قانون قرار دیا اور فوج کے سرداروں کو مدد کے لئے طلب کیا گیا تو انھوں نے استعفیٰ پیش کرنے شروع کئے۔ وزیر اور رئیس کی رعایا میں یہ جھگڑا زور شور سے چل رہا تھا جب کہ ستمبر کے آغاز میں حکومت آسٹریہ اور اس کی باج گزار ریاستوں نے فرینک فرٹ کی قدیم مجلس رؤسا کے دوبارہ قائم ہو جانے کا اعلان کیا۔ اگرچہ پروشیہ اور اس کے ساتھ کی ۲۰ ریاستوں میں سے اکثر حکومتوں نے اس اعلان کو ناجائز اور کالعدم ٹھہرایا، بایں ہمہ آسٹریہ کے سوا چار چھوٹی شاہی ریاستوں اور حزب پروشیہ سے وہ چار علیحدہ ہو جانے والی حکومتوں نے اپنے قائم مقام بھیجے اور مجلس کے

---

[1] Der. Fürsten.Kongaess. وغیرہ وغیرہ۔

باب (۲)

مجلس رؤسائے متحدہ فرینک فرٹ کی بحالی ۔ ستمبر ۱۸۵۰ء ۔

جلسے ہونے لگے ۔ اسی مجلس کے سامنے پلاٹا خیر رئیس ہیس نے رعایا کے خلاف اپنی شکایتیں پیش کیں اور مجلس نے فیصلہ صادر کیا کہ ہیس کی مجلس طبقات نے سرکاری محاصل سے انکار کیا تو اس بنا پر جائز ہے کہ صدر حکومت (یعنی مجلس رؤسا) کی طرف سے مداخلت کی جائے ۔ اس فیصلے سے تقویت پاکر ہاسن پفلوگ نے حکم دیا کہ جو شخص سرکار سے سرتابی کرے، اس پر جنگی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے ۔ لیکن ہیس کی فوج کے تمام سرداروں نے استعفیٰ دے دیا تو یہ وزیر بہت زچ ہوا اور چونکہ اس واقعے سے رئیس کی شکست و ناکامی میں کوئی کسر باقی نہ رہی لہٰذا یہ بات یقینی ہوگئی کہ حکومت آسٹریہ فرینک فرٹ کی مجلس رؤسا کے نام سے فوجی مداخلت کرے گی ۔ ادھر ہیس کی ریاست حزب پروشیہ میں داخل ہو چکی تھی اور اس جتھے کے صدر ہونے کی وجہ سے پروشیہ کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ ہیس کی رعایا کی حمایت اور حفاظت کرے ۔ اس بات کا فیصلہ شاہ پروشیہ کی رائے پر آٹھہرا تھا کہ یا تو وہ تلوار لے کر مقابلے میں نکل آئے اور یا جرمن جتھے کی صدارت کے دعوے سے بالکل

پروشیہ اور آسٹریہ ۔

دست بردار و لا دعوی ہو جانے کی بے شرمی گوارا کرے ۔ متضاد اثرات اسے ایک طرف کھینچتے تھے کبھی دوسری طرف ۔ آسٹریہ اور شخصی بادشاہی کے حامی کہتے تھے کہ اہل ہیس کے لئے پروشیہ کی فوج سے کام لینے کی معنی یہ ہوں گے کہ بادشاہ بغاوت کا معین و مددگار ہو جائے ۔ زیادہ کھرے محبان وطن پروشیہ کے واجبی دعاوی سے دست بردار ہونے اور حفظ جرمانیہ کی ذمہ داریوں سے جان چرانے کی مخالفت کرتے تھے ۔ تھوڑی دیر کے لئے یہی فریق جس کا سرگروہ ولیعہد تھا اور جو میدان عمل میں در آنے کی صلاح دیتا تھا، غالب آگیا ۔ اتحاد جرمانیہ کی تجویز کے بانی، جنرل راڈووٹز کو وزارت خارجہ تفویض ہوئی اور پروشیہ کے سپاہی ریاست ہیس میں داخل ہوگئے ۔ اب آسٹریہ نے بھی ظاہر جنگ کی تیاریاں کیں خطرے کو یوں سر پر آتا دیکھ کر فریڈرک ولیم بہت خائف ہوا مگر ابھی اس کا دل نہ مانتا تھا کہ بالکل دب جائے لہٰذا اس نے زار روس سے ثالثی چاہی ۔ نکولاس وارسا آیا اور وہاں شہنشاہ آسٹریہ اور شہزادہ چارلس برادر شاہ پروشیہ نے اپنے

وارسا کی ملاقات ۲۹ اکتوبر ۱۸۵۰ء

باب (۲)

وزرائے سلطنت کے ساتھ اس سے ملاقات کی۔ سینٹ پیٹرزبرگ اور برلن کے شاہی خاندانوں میں نہایت قریبی رشتے اور عزیزداری تھی۔ بایں ہمہ روس کے فرماں روا نے یہاں بھی آسٹریہ کی پشتی بانی کی جس طرح مجارباتِ ہنگری میں کی تھی۔ شلیس وگ ہولسٹائن کے معاملے میں پروشیہ کی حرکت پر نکولاس نے ناخوشی ظاہر کی اور اس بات کا بھی بُرا مانا کہ فریڈرک ولیم بذات خود وارسا میں حاضر نہیں ہوا۔ غرض آسٹریہ کے سارے مطالبات کی اس نے حمایت کی اور کاؤنٹ بران ڈن برگ کے ساتھ ایسی بے آبروئی کا سلوک کیا کہ یہ باغیرت محبِ وطن اس کے صدمے کو نہ جھیل سکا اور برلن آکر واقعات کی اطلاع دیتے ہی فوت ہو گیا۔ ادھر وزیر داخلیہ مان ٹیوفل نے فریڈرک ولیم کو یقین دلایا کہ پروشیہ کی فوج تعداد میں اتنی کم اور تنظیم کے اعتبار سے اتنی ناقص ہے کہ اگر آسٹریہ اور اس کے حلیفوں کے مقابلے میں نکلی تو اسکی تباہی یقینی بات ہے۔ وہاں آسٹریہ کے ایما سے بویریا کی فوج گویا فرنیک فرٹ کی مجلس روساکی قائم مقام بن کر ہیس میں داخل اور راہل پروشیہ کے سامنے صف آرا ہوئی۔ یہ وہ ساعت تھی کہ جنگ یا صلح کا فیصلہ کرنا ناگزیر تھا۔ اور ۲۔ نومبر کو برلن میں جو مجلس مشاورت ہوئی اس میں صلح کے حامیوں نے آخر بادشاہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ راڈووِٹز عہدے سے دست بردار ہو گیا۔ اور مان ٹیوفل وزیر اعظم مقرر ہوا جو ملک کے اندرونی معاملات میں جبر کا اور بیرونی سلطنتوں کے سامنے نہ جھکا دینے کا حامی تھا۔ اس تقرر کا مطلب بخوبی ظاہر تھا اور شاہ پروشیہ کی کمزوری کے ہر نئے ثبوت پر دربار آسٹریہ کے لب ولہجے میں زیادہ تحکم آتا گیا۔ ۹۔ نومبر کو شوارزن برگ نے صاف صاف مطالبہ کیا کہ حزب پروشیہ کو توڑ دیا جائے مجلس روسا کے احیا کو تسلیم کیا جائے اور پروشوی سپاہی ہیس کا علاقہ چھوڑ دیں۔ پہلی بات بلا تامل مان لی گئی اور مان ٹیوفل نے تھوتے، گول مول لفظوں میں حزب اتحاد کے شرکا کو یہ خبر سنا دی۔ مگر چونکہ دوسری شرطیں اتنی جلد پوری نہیں ہوئی تھیں، لہذا شوارزن برگ نے عساکر آسٹریہ کو حرکت دی اور لکھ بھیجا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر پروشیہ کے سپاہی ہیس کا تخلیہ کر دیں۔ مان ٹیوفل نے وزیر آسٹریہ سے ملاقات کی التجا کی اور جواب کا انتظار کیے بغیر خود اولمٹز کو روانہ ہو گیا۔ حکومت پروشیہ

باب (۲)

کی طرف سے اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ بعض مراعات کے حصول پر اصرار کرے۔

مان ٹیوفل کا اول موٹز جانا۔

۲۹- نومبر-

ان میں سے ایک بھی اسے حاصل نہ ہوئی اور اس نے بغیر ان کے ہی سرِ اطاعت جھکا دیا۔ ۲۹۔ نومبر کو اوّل موٹز میں ایک قرار نامے پر دستخط ہو گئے جس میں پروشیہ نے تسلیم کر لیا کہ ریاست ہائے جرمانیہ کا وہی ۱۸۱۵ء کا دیرینہ نظام اتحاد ہنوز موجود ہے اور ایک دستے کے سوا اپنی باقی فوجوں کو ہیس سے ہٹا لینے کا عہد کیا اور رضامندی ظاہر کر دی کہ ہیس اور شلیس وگ ہولسٹائن کے جھگڑوں کا فرینک فرٹ کی مجلس رؤسا تصفیہ کرے گی۔ آسٹریہ کے مدبّر نے اول موٹز میں اور ڈریسڈن کی گفتگو میں اپنی کامیابی کے جو ثمر پائے اُن سے اُس کا سارا منصوبہ تو پورا ہو گیا البتہ ایک بات باقی رہ گئی وہ یہ کہ شوارزن برگ چاہتا تھا کہ سارے ممالک آسٹریہ جرمن اتحاد میں داخل ہو جائیں اور اگر اس معاملے میں مغلوب و سرنگوں پروشیہ کے سوا اور کوئی مخالف نہ ہوتا تو اس کا یہ ارادہ بھی پورا ہو جاتا۔ لیکن وسط یورپ میں ایک اتنی بڑی سلطنت تیار ہو جانے کا امکان دیکھ کر، جس میں ستّر لاکھ نفوس شامل ہوں اور جس کی باگ عملاً وزارت وی اینا کے ہاتھ میں ہو، دوسرے ملک بہت گھبرائے۔ برطانیہ نے کہہ دیا کہ اس قسم کا انضمام یورپ کے توازنِ دول کو درہم برہم کر دے گا۔ اور اس سے ممالک جرمانیہ کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔ فرانس نے اس سے بہت زیادہ تہدید آمیز لہجے میں اعتراض کیے۔ غرض وہ تجویز نہ چل سکی اور صرف اس لئے یادرہ گئی کہ ایک ایسے مدبّر کے تخیل کی انتہائی بلند پروازی تھی جس کو تقدیر نے ہر قسم کی افراط و انعام مباح کر دیے تھے اور آنے والے یوم حساب پر اسی ڈھیل کا پردہ ڈال دیا تھا۔

شلیس وگ ہولسٹائن۔

شلیس وگ ہولسٹائن کی کامیابی جرمن اتحاد کی تگ ودو سے وابستہ تھی لہذا جب یہ تگ ودو بے سود رہی اور نیز پروشیہ کو آخر میں ایسی ذلّت اُٹھانی پڑی جو خاصی طرح اس کا سیاسی خاتمہ نظر آتی تھی تو شلیس وگ ہولسٹائن کی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔ مالمو کی ہنگامی صلح جس کی ۱۸۴۹ء کے موسم بہار میں فرینک فرٹ کی قومی مجلس نے منظوری دی تھی۔ ۲۶ مارچ ۱۸۴۹ء تک کے واسطے تھی۔ جب وہ مدّت ختم ہوئی تو پروشیہ نے دوبارہ لڑائی شروع کی

باب (۲) اور اس کی فوجوں نے حملہ کر کے ڈوپل کے خطِ جنگ پر قبضہ کر لیا۔ اسی کے ساتھ شلیس وگ ہولسٹائن کی سپاہ مطوعہ نے فریڈرکسیا کا محاصرہ کیا لیکن قلعہ لینے میں ناکام رہی۔ جنگ کا سلسلہ تین مہینے جاری رہا تھا کہ دوسری دفعہ سال بھر کے واسطے ہنگامی صلح بلکہ صلح کے مبادیات کا عہد و پیمان ہو گیا۔ اس کی میعاد جولائی ۱۸۵۰ء میں منقضی ہوئی اور اس وقت پروشیہ نے جرمانیہ کے نام سے ڈنمارک سے صلح کر لی۔ پس ان صوبوں کے باشندوں کو بطور خود لڑنا پڑا اور ۲۴-۲۵ جولائی کو اڈسٹیڈٹ کی شکست میں انھوں نے شدید نقصان اُٹھایا، تاہم وہ سال کے اخیر تک مغلوب نہ ہو سکے۔ یہ صورت تھی جبکہ پروشیہ نے اول موٹز کے عہد نامے کی رُو سے یہ شرط تسلیم کر لی کہ مجلس روسائے متحدہ کو شلیس وگ ہولسٹائن میں قیامِ امن کی خود ذمہ داری لینی چاہیئے اور مجلس کے اس فیصلے کو منوانے کی غرض سے پروشیہ کو عساکر آسٹریہ کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیئے۔ وی آینا کے وزیر، جرمانیہ کے قومی اتحاد کے جس قدر دشمن تھے اسی قدر ہر جمہوری تحریک سے بغض رکھتے تھے۔ لہٰذا اُن کی نظر میں شلیس وگ ہولسٹائن کے باشندے محض باغی تھے جنھوں نے اپنے فرماں روا کے خلاف خروج کیا۔ اب مجلس روسا نے آسٹریہ کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کو ہتھیار رکھ دینے کا حکم بھیجا۔ اور آسٹریہ اور پروشیہ کے خاص ناظر اُن سے جبراً تعمیل کرانے کے لئے ان صوبوں میں آپہنچے۔ ڈنمارک، آسٹریہ اور پروشیہ تینوں کے مل کر مقابل آجانے کی صورت میں شلیس وگ ہولسٹائن کا لڑائی پر اڑے رہنا غیر ممکن تھا۔ چنانچہ ان کی فوج منتشر اور علاقہ پھر شاہ ڈنمارک کے حوالے کر دیا گیا اور اس کی قانونی حیثیت وہی ہو گئی جو سابقہ صلح ناموں میں قرار پائی تھی۔ اس تحویل کی ظاہری صورت تو یہ تھی مگر فی الواقع حکومت ڈنمارک نے شلیس وگ کو تو اپنی قومی مملکت ہی میں داخل کر لیا اور اس کے شمالی حصّے میں جرمن قومیت کی بجائے ڈین قومیت کے متمکن کرنے کا عمل سرگرمی سے جاری رکھا۔ دول خارجہ کو اصلی باشندوں کی خواہشوں سے بہت کم دلچسپی تھی اور وہ یہاں والوں کی ڈنمارک سے جنگ و جدال کے معاملے میں شروع سے ہی میلان رکھتی تھیں کہ شاہ ڈنمارک کی مملکت محفوظ و مصئون رہے۔ یہ اعتبار نرینہ اولاد ہونے کے ان صوبوں کی آیندہ وراثت کا شہزادہ اوگسٹن برگ کو دعویٰ تھا مگر اس کی خاطر لڑائی کے جوکھوں میں

باب ۲۱

پڑنا کسی نے گوارا نہ کیا اور ۲۔ اگست ۱۸۵۰ء کو بجز پروشیہ کے تمام سلطنتوں نے لندن میں ایک اقرار نامے پر دستخط کر دئے جس میں طے کر دیا گیا کہ مملکت ڈین مارک کے تمام حصوں میں ایک ہی بادشاہی کا رہنا قرین صواب ہے۔ پھر ۸۔ مئی ۱۸۵۲ء میں دوسرا معاہدہ جسکو حکومت پروشیہ نے بھی مان لیا، یہ ہوا کہ اس تنازعے میں دوسرے تمام مدعیوں کے دعاوی وراثت کالعدم سمجھے جائیں اور خاندان گلکسبرگ کے شہزادہ کرسچین کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا جائے۔ البتہ ۱۸۱۵ء کے معاہدوں کی رو سے جو حقوق جرمانیہ کی ریاست ہائے متحدہ کو دئے گئے ہیں وہ محفوظ رہیں۔ لیکن اتحاد جرمانیہ کی رکنیت اور اُن حقوق کے باوجود جن کی سابقہ معاہدوں میں ذمہ داری کی گئی تھی، عملاً شلیس وگ اور ہولشائن کی جرمن ریاستیں مملکت ڈنمارک ہی کا جزو بن گئیں۔ خود پروشیہ نے جو ایک وقت میں اُن کی حمایت پر کھڑی ہوئی تھی، آسٹریہ کے ساتھ مل کر ان کی فوجوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا، قومی حکومت کا تار و پود بکھیر دیا اور وہ سب قوانین ہی منسوخ کرا دئے جن کی رو سے فرینک فرٹ کی قومی مجلس نے ان صولوں کو اُنکی حقوق عامہ کا حصہ دار قرار دیا تھا جو آیندہ سے تمام جرمن اشخاص کا ورثہ ہونے والے تھے۔ غرض قومی تاریخ کا ایک باب ہی نسیاً منسیا ہو گیا۔ پروشیہ نے جو اقرار مدار کئے تھے اُن سے رُوگردانی کی اور اب اگر اُن ایام کی جب کہ ساری جرمن قوم اپنے سیرحد پار کے بھائی بندوں کو آزادی دلانے کے لئے ایسی کچھ بیقرار نظر آتی تھی کوئی نشانی باقی رہی تو وہ جنگی جہازوں کا ایک بیڑا تھا جو فرینک فرٹ کی قومی مجلس نے ڈنمارک سے لڑنے کے واسطے تیار کرایا اور ان دنوں الب کے دہانے پر لنگر انداز تھا۔ مگر وہی قوت جس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جرمانیہ کو ایک متحد ملک نہ بننے دیگی، یہ بھی ٹھانے ہوئے تھی کہ جرمنوں کا بحری معاملات سے کوئی سروکار نہ رہنے پائے گا۔ پھر اتنا کچھ گزرنے کے بعد جواب تک ہوا، اہل اقتدار کو ظاہر داریاں برتنے کی بھی چنداں حاجت نہ تھی۔ ۱۸۵۲ء کی گرمیوں میں فرینک فرٹ کی بحال شدہ مجلس رؤسا نے فتویٰ صادر کیا اور اسی کے مطابق وہ قومی بیڑا بذریعہ ہراج فروخت کر دیا گیا۔[۱] جن صاحبوں کو جمہوری تغیر سے اتنی نفرت تھی کہ وہ اُن کی جب وطن پر غالب آگئی تھی

جرمنوں کے قومی بیڑے کا ہراج۔ جون ۱۸۵۲ء۔

[۱] Ernst II. وغیرہ وغیرہ

باب (۲۲)

جرمانیہ ۱۸۴۸ء کے بعد۔

اُن کا تو ذکر نہیں، باقی جرمانیہ بھر کے آزاد خیال لوگوں کو ۱۸۴۸ء کی تحریک کا یہ حشر دیکھکر دلی صدمہ اور سخت خجالت ہوئی۔ اس تحریک کا یہ پہلو تو سراسر ناکام رہا کہ ممالک جرمانیہ کو ایک قوم کی شکل میں شیرازہ بند کر لیا جائے اور ۱۸۴۸ء سے پہلے جو سیاسی تنظیم تھی وہ دوبارہ بغیر کسی تغیّر کے بحال ہو گئی۔ لیکن آئینی اور تمدّنی اصلاح کا جہاں تک تعلق ہے یہ کشمکش مطلقاً رائیگاں اور بے سود نہ ثابت ہوئی۔ اور اس اعتبار سے یہ کہنا بھی درست نہ ہو گا کہ جرمانیہ ۱۸۴۸ء کے بعد اپنی پہلی حالت پر عود کر آئی۔ یہ سچ ہے کہ ایّام ماسبق کی بہت سی ممتاز صورتیں کم و بیش چمک دمک کے ساتھ دوبارہ میدان میں نمودار ہوئیں۔ میٹرنک کو نوخیز لوگوں نے منصب و حکومت کے ایوان میں تو داخل نہ ہونے دیا لیکن وہ دارالسلطنت وئینا واپس ضرور آ گیا تھا کہ ایک ملہم من اللہ شخص کی شان تمکین سے مسکرائے کہ اپنے بہت سے دشمنوں کو نشانۂ بندوق ہوتے دیکھنے کے لئے خود زندہ سلامت رہا۔ یا اس کی کیفیت ایسے شہید وفا کی سی تھی جو بالآخر یورپ کی سب سے قابلِ رشک سیر گاہ میں واپس پہنچ گیا۔ یوں بھی اس ہل چل میں کوئی خاندانِ شاہی حکومت سے معزول نہیں ہوا نہ کسی طبقے کے افراد کو اس طرح دار پر چڑھایا گیا جیسا کہ پچاس برس پہلے فرانس کے مذہبی مقتدی اور رائمراجین چُن چُن کے مارے گئے تھے۔ بایں ہمہ انقلاب سے پہلے جس سیّاح نے جرمانیہ کو دیکھا تھا اسے نظر آتا تھا کہ وہ پرانی دنیا بہت کچھ بدل گئی اور اس کی جگہ ایک نئی دنیا وجود میں آ گئی ہے۔ جو حکومتیں بحال ہوئیں وہ ایام گزشتہ کے سارے سیاسی، معاشری اور زرعی قوانین کو اس طرح مٹانے کے درپے نہ تھیں جس طرح کہ رجعت کے بعض ماسبق زمانوں میں ہوا۔ اس سے اگر کوئی بہت ہی منتہائے کارروائی عمل میں آئی تو وہ مجلس رؤسا کا فیصلہ تھا کہ مجلس فرنیک فرٹ کا وہ ضمانت نامہ حقوق عامّہ "منسوخ کر دیا جائے اور تمام حکومتوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے ہاں کے تمام آئین اور سررشتوں کی، جو ۱۸۴۸ء سے وجود میں آئے ہیں، مجلس رؤسا کے آئین کے مطابق ترمیم کر دیں۔ اس طرح نیابتی طرقِ حکومت کمزور تو ضرور ہو گیا لیکن بالکل فنا نہیں ہوا۔ یعنی حکومتوں نے حق رائے دہندگی کو محدود و مشروط اور نیابتی جماعتوں کے اختیارات کو کم کر دیا اور رائے دینے والوں پر ناجائز دباؤ ڈالے

نیز ان مجلسوں کو اپنے گرگوں سے بھر دیا، بایں ہمہ سوائے آسٹریہ کے اور کسی جگہ آئینی باب ۲۱ نظام حکومت کو علی الاعلان ترک نہیں کیا گیا۔ سیکسنی میں رجعت پسند کاؤنٹ بیوسٹ کے عہد اقتدار میں ۱۸۴۸ء سے قومی نیابت کا جو طریقہ رائج ہوا تھا، اسے چھوڑ کر پرانا طبقہ وار نظام قائم کیا گیا اور بعض دوسری ریاستوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔ پھر پروشیہ میں مجلس ملکی کے دونوں شعبے تو بدستور رہے لیکن وہ بادشاہی رائے کے بالکل ماتحت اور رجعت پسند حکام اور امرا کے پنجے میں اس طرح دبے ہوئے تھے کہ شعبۂ ادنیٰ میں چند سال ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد، آزاد خیال سرگروہوں نے آخر کار مایوس ہو کر مجلس سے کنارہ کشی کر لی۔ پروشیہ میں نظام حکومت کا یہی طرز دراصل اکثر جرمن ریاستوں کا نمونہ پیش کرتا ہے نہ کہ شوارزن برگ کا وہ خالص اور بے باکانہ استبداد جو اس نے آسٹریہ میں قائم کر دیا تھا۔ پروشیہ کا یہ عہد رجعت مجسم صورت میں مان ٹیوفل سے منسوب ہے مگر وہ تعدی پسند اور ظالم وزیر نہ تھا۔ البتہ اس کی حکومت میں کچھ عجیب قسم کا کمینہ پن پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کا اس سے سابقہ پڑا وہ سخت تر ناانصافی اور ظلم سے بھی اس قدر برانگیختہ نہ ہوتے جس قدر کہ مان ٹیوفل کے ذلت بخش طرز عمل سے ہوئے۔ اس کے ہاتھ میں حکومت بدگوئی اور جاسوسی کا کارخانہ، آزار رسانی کا نظام اور تملق و ریاکاری کا مدرسہ بن گئی تھی۔ اولمٹز میں قوم کی عزت اور اغراض اسی کی بدولت اس طرح فروخت ہوئے کہ بہت کم قومیں ایسی ذلت گوارا کر سکتی تھیں بحالیکہ جنگ میں قوت آزمائی بھی ابھی نہ ہوئی ہو۔ ممکن ہے کہ پروشیہ کی فوج کی حالت فی الواقع ایسی ہو کہ اس طرح دبے بغیر چارہ نہ رہا ہو لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس ذلت نے خود مان ٹیوفل کے دل پر ایسا گہرا نقش بنا دیا کہ حکمرانی کے متعلق اس کے سارے خیالات میں دنائت پیدا ہو گئی۔ اپنی حکمت عملی کے اثرات کا وہ صحیح اندازہ کرتا تھا تو بھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ نتیجہ کسی شرمناک طریق سے اس نے حاصل کیا ہے۔ سارے ممالک جرمانیہ کی مثل پروشیہ کا دم اس تعدی کے شکنجے سے گھٹا جاتا تھا جو ہر جگہ محسوس تو ہوتی تھی مگر صاف طور پر پتہ نہ چلتا تھا کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔ اس کے باشندوں میں سب سے بہتر جماعت وہ تھی جو سب سے زیادہ تکلیف میں مبتلا تھی۔ اس کے سب سے اعلیٰ دماغی اور سیاسی مقاصد وہ تھے جن سے حکومت کو سب سے زیادہ بدظنی پیدا ہوتی تھی۔ اس کے بادشاہ کی موہوم امیدوں

باب ۲ میں جو شے کچھ بھی جوش انگیز اور قابلِ عظمت تھی، وہ نسیاً منسیا ہو گئی اور بالکل توقع نہ رہی تھی کہ وہ آزاد خیالوں کے ساتھ دوبارہ اتحاد کرے گا یا ممالک جرمانیہ کی شیرازہ بندی کے واسطے پھر کوئی سعی کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ غرض جرمانیہ اور پروشیہ کے لئے اگر کوئی امید ہو سکتی تھی تو وہ آیندہ بادشاہ کے زمانے پر مبنی رہ گئی تھی۔

پروشیہ کی بے بسی، آسٹریہ کے اثر و اقتدار کی افزونی کا پیمانہ تھی، واقع میں ۱۸۴۸ء کی آسٹریہ اور ۱۸۵۱ء کی آسٹریہ کے حال میں جو نمایاں فرق تھا وہ سیاسی اہل نظر کی توجہ کو اپنی جانب کھینچے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کی قوت کی بحالی میں اغیار کی مدد ناگزیر تھی اور مگیاروں سے جنگ و جدال کرنے میں اسے روسیوں کا زیر بارِ احسان ہونا پڑا جو آیندہ خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن اندرونی ڈھانچہ کیسا ہی بوسیدہ

آسٹریہ ۱۸۵۱ء کے بعد۔

اور پارہ پارہ کیوں نہ ہو چکا ہو، باہر سے اس کا جسم سالم اور نہایت شاندار تھا۔ دربار ویانا کے مقابلے میں جتنے دشمنوں نے ۱۸۴۸ء میں سر اٹھایا، آج ان میں سے ایک بھی سامنے نہ تھا۔ اطالیہ میں آسٹریہ نے جو کچھ کھویا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی طرح واپس نہ آئے گا، وہ سب دوبارہ حاصل کر لیا۔ جرمانیہ میں اس نے اپنے پرانے سب حقوق بلکہ کچھ اور زیادہ دعاوی منوا دئے۔ یعنی اپنے رقیب کو زمین پر دے پٹکا اور شاید اب بھی پوری طرح اس کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ کیونکہ جرمانیہ میں اپنی حکمت عملی کا خلاصہ شوارزن برگ ان الفاظ میں بیان کرتا تھا کہ "پہلے پروشیہ کو ذلیل اور پھر برباد کر دینا" اس وزیر اعظم کے استقلال اور جرأت میں تو کوئی شک نہیں لیکن اس بارے میں اسکے مداح بھی مذبذب تھے کہ شوارزن برگ ایسی دماغی قابلیت اور تجربہ بھی رکھتا ہے کہ قومیت کی ساری قوت کو جبراً دبائے رہے اور محض تشدد کے زور سے اتنی بڑی سلطنت کا جیسی کہ اب آسٹریہ بن گئی تھی، نظم و نسق درست رکھے۔ تقدیر نے بھی مہلت نہ دی کہ وہ ان اوصاف کا ثبوت دنیا کو دکھاتا کیونکہ اپنے اقتدار کے چوتھے سال ہی ناگہانی موت نے اسکا خاتمہ کر دیا۔ (۱۵۔ اپریل ۱۸۵۲ء) اس کا کام کمزور لوگوں کے حوالے ہوا اور ادھر جنگی اور سیاسی کامیابیوں کا ہنگامہ فرو ہوا تو عہدِ رجعت کے صرف تاریک پہلو سامنے رہ گئے۔ فتح و کامرانی کا کوئی تازہ سلسلہ ایسا پیدا نہ ہوا جس کی چمک دمک اس تاریکی کو کچھ کم کر دیتی

کلیسائی فرقے نے بادشاہت سے اپنے حصۂ غنیمت کا مطالبہ کیا کیونکہ اقوام آسٹریہ کی صدر حکومت سے معرکہ آرائی کے وقت اساقفہ کا اثر مجموعی طور پر بادشاہ کی حمایت میں صرف ہوا تھا اور مطلق العنان حکومت اُن کی مدد کی رہین منت اور ان کے حسنِ ظن کی آئندہ بھی اس قدر محتاج تھی کہ ان کے مطالبات رد نہ کر سکتی تھی۔ یہی سبب ہے کہ گو نئی مرکزی حکومت اسی ڈھنگ پر تیار کی گئی تھی جیسی کہ جوزف ثانی نے بنانی چاہی تھی لیکن اس نمونے میں اور جدید نظم ونسق میں ایک کھلا ہوا فرق یہ تھا کہ یہ کلیسائی اقتدار کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ کلیسائی قوانین اور کلیسائی حقوق نے سلطنت کے قوانین اور اختیارات میں دخل بیجا بھی کیا تو اسے گوارا کر لیا گیا۔ تعلیم کا انتظام پادریوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور خود کلیسا کے اندر اساقفہ کو اجازت مل گئی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنا حکم چلائیں۔ شوارزن برگ کے ماتحت ایک شخص جدید خیالات کے وکیل اور ترجمان کی حیثیت سے وزیر مقرر کیا گیا تھا کیونکہ ظاہر میں حکومت جدید خیالات کی ستائش کیے جاتی تھی۔ لیکن اسی وزیر کی وساطت سے پاپا کی غلامی کی وہ کارروائی عمل میں آئی کہ آسٹریہ کی حکمتِ عملی بھی اس سے زیادہ پست درجے تک کبھی نہیں گری۔ ہماری مراد الگزنڈر باخ سے ہے جو ۱۸۴۸ء کے شروع میں آزاد خیال گروہ میں بہت پیش پیش تھا اور جس نے اپنی آزادی بیچ کر سرکاری عہدہ قبول کیا اور بالکل اِن امرا اور پادریوں کی مٹھی میں آگیا جن کا سرکار دربار میں اقتدار چھایا ہوا تھا۔ باخ اگر اپنے مسلک پر کسی حد تک قائم رہا تو وہ صرف اس معاملے میں کہ حکومت کے رسمی ضوابط کو سہل بنانے کی، سلطنت میں دوسری قوموں پر جرمن عنصر کو اور زیادہ چیرہ دست کرنے کی اور کریم سیر کی مجلس نے مزارعین کی حالت سنوارنے کے جو قانون بنائے تھے، انھیں قائم رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ورنہ انھی وزارت امور داخلہ کے زمانے میں اور ہر اعتبار سے وہ اپنے سابقہ اصول کی مخالفت کرتا رہا۔ وی اینا کے پیشہ ور طبقے کی آزاد خیالی کا یہی سابق وکیل اب اہل استبداد کے ہاتھ میں سب سے چلتا ہوا آلہ بن گیا تھا اور حکومت پاپا سے ۱۸۵۵ء میں جو اقرار نامہ اس نے طے کیا اس کی معنی یہ تھے کہ آسٹریہ نے قطعی طور پر اہل کلیسا کے فرضی دعاوی کے سامنے سر جھکا دیا۔ یہ وہ دعاوی تھے کہ سیاسی

آسٹریہ کا اقرار نامہ پاپا سے۔
۱۸ ستمبر ۱۸۵۵ء۔

باب (۲)

افسردگی اور پست ہمتی کے ان سنین میں سارے وسطی یورپ میں لوگ رفتہ رفتہ انھیں تسلیم کرنے لگے تھے۔ واضح رہے کہ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے وقت سے اشد مذہبی فرقہ مختلف سیاسی گروہوں سے میل جول کی فکر میں رہا۔ بعض ملکوں میں اس نے جمہوریت کے ساتھ بھی کچھ سازباز کئے۔ لیکن اس کا زیادہ صحیح وجدان جان گیا تھا کہ اس کی اصلی جیت، استبداد ہی کی فتح میں ہے۔ ۱۸۴۹ء کے سنین مابعد میں پاپائی حکومت اور بعض جرمن حکومتوں میں قول قرار ہو چکے تھے۔ اب ممالک آسٹریہ کے خودرائے بادشاہ فرانسس جوزف نے تو وہ حقوق کلیسا کو دیدئے جن کے لئے مذہبی فرقہ میریا تھریسا کے زمانے سے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مگر آسٹریہ کے کسی فرماں روا نے ان کی درخواست منظور نہ کی تھی۔ یورپ میں ۱۸۴۸ء کا ناٹک شروع میں تو ہر جگہ یکسانی اور جمعیت کی شان رکھتا تھا مگر ختم ہوا تو یہ بات نہ تھی۔ اطالیہ میں اس کا خاتمہ سقوط وینس پر ہوا۔ جرمانیہ میں

فرانس ۱۸۴۸ء کے بعد۔

معاہدہ اول موٹز کے زمانے تک اس میں تھوڑی بہت دلچسپی باقی رہی۔ فرانس میں ۱۸۵۱ء کے ناگہانی تغیر تک اس دور میں کوئی خاص رکاوٹ نہ پیدا ہوئی۔ البتہ ۱۸۵۱ء کے سیاسی انقلاب سے لوئی نپولین کو وہ اقتدار حاصل ہوگیا کہ صرف نام کو وہ بادشاہ نہ تھا ورنہ اس کی بادشاہی میں اور کوئی کسر نہ رہی تھی۔ جس وقت ساٹھ لاکھ باشندوں نے اسے صدر جمہوریہ بنانے کی رائے دی، اگر اسی وقت وہ سب لوگ چونک اٹھتے جن کی ساری امیدیں آیندہ آئینی طرز حکومت سے وابستہ تھیں تو بجا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نتیجۂ انتخاب کی تنبیہ اور اشتراکیت کا اقراری دشمن تھا تو اس حد تک خود مجلس مبعوثین

لوئی نپولین۔

کی کثرت رائے اس کے ساتھ تھی اور موسیو تھیر جیسے مجلسی سرگروہ تک اس کی امیدواری کے مؤید تھے۔ اس کی کامیابی کا بھی اسی لحاظ سے خیر مقدم کیا گیا کہ یہ گویا اشتراکیت اور خونی جمہوریت کے مغلوب کرلئے جانے کی دلیل تھی۔ سرکاری حکام میں جو گروہ امن وانتظام کا حامی تھا اس نے بھی ایک حد تک نپولین کی اعانت کی کیونکہ انھیں امید تھی کہ صدر حکومت ہونے کی صورت میں وہ بالکل ان کے اشارے پر چلے گا۔ لوئی نپولین ایک آوارہ گرد منچلا ضرور تھا لیکن اس کے منچلے پن میں کوئی خاص آن بان نظر نہ آئی

تھی اور پیرس کے ذی اثر طبقے کے شاید ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ شرارت کرنے کی ہمت و قابلیت رکھتا ہے۔ اس کی صورت گھٹیا تھی۔ گفتگو میں کوئی گرمی نہ پائی جاتی تھی۔ گذشتہ زمانے میں وہ محض لایعنی حرکتیں کرتا رہا تھا۔ اور اس کے جتنے سیاسی دوست تھے اُنھیں بھی مُلک میں کوئی پوچھتا نہ تھا۔ پس عہدہ پانے کے بعد کئی مہینے تک تو لوگوں کے دل میں اس کی طرف سے خوف کی بجائے حقارت جاگزیں تھی۔ موسیو تھیر نے بہت دن کے بعد خود کہا کہ فرانسیسیوں نے لوئی نپولین کے بارے میں دو غلطیاں کیں، ایک تو یہ کہ اسے بیوقوف سمجھا اور دوسری یہ کہ اسے نہایت ذہین و فطین سمجھ بیٹھے۔ الغرض لوئی نپولین سے بدظنی پیدا ہوئی تو ایک عرصے کے بعد اُس وقت جب کہ اس کا خط کرنل نے کے نام شائع ہوا جس میں اس نے نمائشی طور پر اپنے وزیروں سے علیحدہ ہوکر، فرانس کی بیرونی حکمت عملی کے متعلق اپنی ذاتی رائے پیش کی۔ اس وقت لوگ سمجھے کہ اس کی جاہ طلبی جمہوریت کے لئے موجبِ خطر ہو سکتی ہے۔ صدرنشین سے براہِ راست سابقہ وزیروں کو پڑتا تھا اور گو کرنل نے کے نام خط لکھنے سے تعلقات میں جو کشیدگی ہوئی تھی وہ بظاہر دُور ہوگئی اور مجلسی حکومت کے رسمی آئین و ضوابط میں کوئی خلل نہ پڑا، بایں ہمہ وزیروں کے محدود حلقے میں ہر وقت ایک بے اطمینانی اور اس قسم کی تشویش رہنے لگی کہ دیکھئے آئندہ وہ یک بہ یک اور کیا کر گزرتا ہے۔

لوئی نپولین کی میعادِ صدارت کا پہلا سال ختم ہونے کو تھا جب کہ اُس نے ایک پیام مجلس مبعوثین کو بھیجا اور وہ آئینِ حکومت پر ایک فوری حملے کی خبر دیتا نظر آتا تھا۔ واضح رہے کہ وزارت ایسے افراد پر مشتمل تھی جو مجلس مبعوثین میں خاص رُتبہ رکھتے تھے۔ مجلس کی بہت بڑی اکثریت کو اُن پر کامل بھروسہ تھا اور حفظِ امن کی جن تدابیر پر صدرنشین اور اہلِ مُلک متفق معلوم ہوتے تھے ان کے نفاذ میں بھی وزیروں نے کم سے کم کافی سرگرمی سے کام لیا تھا۔ بایں ہمہ ۳۱۔ اکتوبر کو صدر کے ایک پیام نے مجلس کو یک بہ یک مطلع کیا کہ وزارت برطرف کر دی گئی۔ یہ پیام لوئی نپولین کے ایک سردارِ رکاب (ایڈی کانگ) نے مجلس کو پہنچایا۔ اور اس میں وزیروں کے عزل کی وجہ یہ تحریر کی گئی تھی کہ خود مجلسِ وزرا

۳۱۔ اکتوبر ۱۸۴۹ء کا پیام

باب ۲۷ کے اندر اتفاق رائے مفقود ہے۔ لیکن صدر کے طرز تحریر سے عیاں تھا کہ وہ وزارت کی تبدیلی سے کہیں زیادہ بڑے ارادے رکھتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ تھے "فرانس" اس طوفان بے تمیزی میں، اُس شخص کی دستگیری اور منشا کا جویا ہے۔ جس کو اُس نے ۱۰۔ دسمبر کو منتخب کیا۔ اس تاریخ کی فتح ایک پورے طرز حکومت کی فتح ہے کیونکہ خود نپولین کا نام خاص خاص مقاصد کی فہرست کے مرادف ہے۔ اس کی معنی اندرون ملک میں قومی فلاح و بہبود، مذہب اور امن و حکومت کی مضبوطی اور باہر، قومی وقار و آبرو، ہیں۔ میرا انتخاب ہی اس حکمت علی کی بنیاد ہے اور اسی کو میں مجلس اور اہل فرانس کی تائید سے پوری طرح کامیاب بنانے کا خواہش مند ہوں" جمہوریۂ فرانس کو بدنظمی سے بچانے اور دوسری قوموں میں فرانس کا وقار قائم رکھنے کی غرض سے صدر نے زور دیا تھا کہ ہمیں کام کرنے والوں کی ضرورت ہے نہ کہ باتیں بنانے والوں کی۔ بایں ہمہ جب نئے وزیروں کی فہرست سامنے آئی تو ان میں شاید ایک نام بھی ایسا نہ تھا جو کافی وزن رکھتا ہو۔ اصل میں لوئی نپولین نے ایسے لوگوں کو عہدے کے واسطے چنا تھا جن کی کس مپرسی ہی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسکے اشارے پر چلیں گے، اور مجلس وزارت میں اسے وہ فضیلت حاصل ہو جائیگی جو اب تک میسر نہ آئی تھی۔ اپنے اختیارات کا یہ ثبوت دینے کے بعد اس نے مجلس کی طرف دوستی کا نہیں تو پاس و لحاظ کا طرز عمل اختیار کیا۔ جلد بازی کے نقصان کا وہ سبق حاصل کر چکا تھا دوسرے ابھی اس کی صدارت کے دو سال اور باقی تھے۔ پھر اپنی انھی کارروائیوں سے اُس نے حوصلہ مندوں کو جو حصول دولت کے لئے کسی نئی سیاسی خدمت کی ٹوہ میں ہوں، گویا راستہ دکھا دیا کہ اگر وہ لوئی نپولین کے واسطے کچھ کریں گے تو اس کی خوشنودی حاصل کریں گے اور ان کی افراط تفریط کی طرف سے بھی چشم پوشی کی جائے گی۔ چنانچہ انھی ایام میں ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا جس کا کام صرف لوئی نپولین کی مدح سرائی تھا اور مجلسی حکومت کی تعریض و تضحیک۔ اخبار نویس، قسمت کے ہیٹے سیاست داں اور طرح طرح کے قسمت آزمائی کرنے والے اشخاص اس گروہ میں شامل ہو گئے جو اگرچہ گمنام تھا لیکن نہایت مستعد اور سرگرم کار تھا۔ اُن کے قول و فعل کی سوائے اُن کے اور کسی پر ذمہ داری بھی عائد نہ ہوتی تھی اور جب کبھی ان کی خیرہ سری حد سے بڑھ جاتی

گزر جاتی تو بلا کسی رنج و تردّد کے انھیں اپنی جماعت سے علیحدہ بتا دیا جاتا۔ تاہم اُن کی بیباکی کو کسی مواخذے کا خوف نہ تھا اور صدرِ جمہوریہ کی مروّت اُن کی پردہ پوشی سے آنکھ نہ چراتی تھی اگرچہ (وہ ظاہر بھی کرتا تھا کہ) وہ اس کے خلافِ منشا اس کی طرف داری کر رہے ہیں۔

جُون کے دَورِ چہار روزہ کے صدمے سے فرانس ابھی تک لرزہ براندام تھا۔ اہلِ شورش کو دبانے کی تدابیر اختیار کرنے میں مجلسِ مبعوثین لوئی نپولین کی ہم آہنگ تھی اور اس معاملے میں کسی باہمی مخالفت کا اندیشہ نہ تھا۔ اتفاق سے ۱۸۵۰ء کے موسمِ بہار میں پیرس کے بعض انتخابات میں اشتراکی اور راشد حرّیت پسندوں کو ایسی زبردست کامیابی نصیب ہوئی کہ اہلِ ثروت کے سارے اندیشے عود کر آئے اور یہ خوف پیدا ہو گیا کہ تمام اہلِ ملک کو رائے کا حق دیا گیا تو عجب نہیں کہ پوری مجلسِ وضعِ قوانین پر خونی جمہوریت پسندوں کا قبضہ ہو جائے عام حقِ رائے کے اصول کی منادی انقلاب ۱۸۴۸ء کے دَوران میں محض اتفاقیہ عمل میں آگئی۔ اس سال کے آئین میں اسے صرف اس لئے جگہ مل گئی کہ یہ دفعہ پہلے سے لکھی ہوئی موجود تھی ورنہ کسی فریق نے پوری طرح غور و فکر نہیں کیا کہ اس کے عمل میں آنے کی صورتیں کیا ہوں گی اور نہ عامۃ النّاس کی سیاسی قابلیت کو جانچا جنھیں یہ شے بلا کافی تامّل کے عطا کی جا رہی تھی۔ مگر اب جو انتخاب ایسے اشخاص کا ہوا جن کے اصول خود تمدّن کے مستاصل مانے جاتے تھے تو پکار پڑی کہ عوام کالانعام کے ہاتھ سے بچانا۔ فرانس کو لہٰذا صدرِ جمہوریہ نے مجلس کی ایک جماعتِ خاص کو طلب کیا کہ طریقِ انتخاب میں ضروری اصلاح کی جائے۔

حقِ رائے کی حد بندی کا قانون۔ ۳۱۔ مئی ۱۸۵۰ء۔

جماعتِ خاص نے اپنا کام ایک ہفتے کے اندر ختم کر لیا۔ اور اس کا مرتبہ مسودہ قانون مجلسِ مبعوثین میں پیش ہوا اس میں تجویز کی گئی تھی کہ رائے دینے والے کو چھ مہینے کی سکونت کی بجائے مسلسل تین سال کی سکونت اُسی ایک قریئے میں رکھنی ضروری ہوگی۔ اور اس کی بجا آوری ثابت کرنے کے لئے معمولی گواہ کافی نہ سمجھے جائیں گے بلکہ خاص خاص عمل، جیسے انفرادی محاصل کی ادا شُدگی۔ جُزئی ترمیمات کے ساتھ یہ مسودہ مجلس میں منظور کر لیا گیا۔ یہ بات مشتبہ ہے کہ وہ لوگ جو حقِ رائے کو بہت ہی تنگ حدود میں محدود کرنا چاہتے تھے، اس قانون کے اثرات کا ٹھیک اندازہ بھی رکھتے تھے؟

باب (۲)

اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ اکثر مبعوثین جنھوں نے اس مسودے کی تائید کی، انتخاب کے قواعد و ضوابط کا بالکل عملی تجربہ نہ رکھتے تھے اور اسی بے خبری میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ وہ حقِ رائے سے صرف اُن آوارہ گرد اور نکمّے افراد کو خارج کر رہے ہیں جن کا ملکی معاملات میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ لیکن جس وقت جدید قانون کے مطابق رائے دینے والوں کی فہرستیں تیار ہو کر سامنے آئیں۔ تو ہر فریق کے ہوش گم ہو گئے۔ فرانس کے ایک کروڑ رائے دینے والوں میں سے تیس لاکھ اس حق سے محروم کر دیے گئے۔ نہ صرف بڑے شہروں کے محلّے کے محلّے بلکہ سارے فرانس کے کم استطاعت مزارعین کا طبقہ اہلِ انتخاب کی فہرست سے غائب ہو گیا۔ اس طرح ایک ہی ضرب میں مجلس نے جسمانی محنت کر کے پیٹ پالنے والوں کے انبوہِ عظیم کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اس نے وہ کام کیا جو سیاسی خودکشی کے مُرادف تھا اور لُوئی نپولین جیسے شخص کو جس کی نظر میں اصولِ دیانت و شرافت کی ذرا بھی وقعت نہ تھی ایک خطرناک موقع دیا کہ وہ قوم کے حق فرماں روائی کا وکیل اور جمہور کے حقِ انتخاب کا حامی بن کر ملک کو ایسی مجلس مبعوثین کے مقابلے میں اُبھارے جس نے محض اپنے طبقے کی خود غرضانہ طرفداری کی اور حقوقِ ملک کو مسخ کر دیا۔

۱۸۴۸ء کے آئین میں صدارت کی میعاد چار سال رکھی گئی تھی۔ اور یہ ضابطہ بنا دیا گیا تھا کہ وہی شخص دوبارہ اس عہدے پر منتخب نہ ہو سکے گا۔ بعض قوانین کے باہمی عمل کا اندازہ ایسا غلط کیا گیا تھا کہ اُن سے ادھر تو لُوئی نپولین کے عہدے کی میعاد مئی ۱۸۵۲ء کو منقضی ہوتی تھی اور اُدھر اس کے چند ہفتے بعد ہی مجلس مبعوثین کی مدت ختم ہوتی تھی اور نئے انتخاب کی ضرورت پڑتی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وقت واحد میں ملک کے تمام کاروبار مفقود ہو جانے سے جو برے نتیجے پیدا ہوتے ہیں اُن کے ظہور میں آنے کا خوف پیدا ہو گیا۔ ۱۸۵۲ء کے یہ خطرے اہلِ ملک کو پہلے ہی سے بخوبی نظر آ رہے تھے لہٰذا ۱۸۵۱ء کی گرمیوں میں لُوئی نپولین نے اپنے عہدہ اقتدار کی توسیع کے متعلق اشارۃً کہنا شروع کیا تو بہت سے لوگ مل گئے جنھوں نے اس تجویز کو رضامندی سے سنا۔ مجلس کی تعطیلات کے

لُوئی نپولین کے آثارِ عروج۔

وقفے میں صاحب صدر نے اضلاع میں دو مرتبہ دورہ بھی کیا۔ پہلا تو جنوب مشرق کے علاقے میں جہاں اشتراکیت کا بہت زور تھا۔ اور جہاں اس کے آنے سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اسے اپنی ہر دلعزیزی پر کیا بھروسہ ہے اور حکومت کے حامیوں کو تقویت پہنچانے کی غرض بھی پوری ہوگئی۔ اس نے دوسری مرتبہ نارمنڈی کی سیاحت کی جہاں مضبوط حکومت کے حامیوں کی کثرت تھی۔ اور اطمینان کے ساتھ اس قسم کی تقریریں کی جاسکتی تھیں جو صدر کے لئے پیرس میں مخدوش ہوتیں۔ لوئی نپولین کا یہ سمجھنا کہ اسے زیادہ عرصے تک سلطنت کا صدر رکھا جائے، لازمی طور پر قانون شکنی کے مرادف نہ تھا۔ ۱۸۴۸ء کے ضوابط ہی میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ مجلس تین چوتھائی مبعوثین کی رائے سے آئین کی نظر ثانی کا حکم دے سکتی ہے۔ اور اس قسم کی نظر ثانی کے واسطے ملک میں پہلے ہی سے عرائض تیار کئے جارہے تھے۔ پس اگر نظر ثانی میں صدر کے دوبارہ انتخاب کی امتناعی دفعہ حذف کردی جاتی تو لوئی نپولین خاص طرح یہ باور کرسکتا تھا کہ اہل فرانس کی ایک کثیر جماعت دوبارہ اسی کو منصب صدارت پر سرفراز کردے گی۔ غرض گمان غالب یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی صورت نکل آتی تو وہ قانون کے اندر رہ کر ہی دوبارہ انتخاب کرانے پر اکتفا کرتا۔ لیکن مجلس کی اس بارے میں کوئی آمادگی کی علامت نظر نہ آئی اور اس لئے لوئی نپولین کو حصول مقصد کے لئے قانون شکنی پر کمر باندھنی پڑی۔ ہوس جاہ کی بلند خیالیوں کے ساتھ ادنیٰ درجے کی اغراض نے بھی اسے مستعدی سے کام کرنے پر مجبور کیا۔ وہ کبھی مالدار آدمی نہیں رہا اور بغیر شادی کئے کئی بچوں کا باپ بھی ہوگیا تھا لہٰذا جو کچھ روپیہ تھا وہ سب ختم ہوچکا تھا اور اس حال میں اگر عہدہ چھوڑتا تو قرض سے گرانبار نہیں تو کم سے کم ایک قلاش آدمی کی سی زندگی گزارنی پڑتی۔ علاوہ ازیں جب کبھی خود اس کے ارادے میں تزلزل واقع ہوتا تو گرد و پیش بہت سے لوگ موجود تھے جنھوں نے اپنے مستقبل کو اس کے نصیب سے اس قدر وابستہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے قدم پیچھے نہ ہٹانے دیتے تھے۔

لوئی نپولین کی نیت یہ تھی کہ آخر درجے پر فوج کی مدد سے فرانس پر تسلط حاصل کرے۔ نظر بریں فوج کو اپنی ذاتی اغراض کا حامی بنانا ضروری تھا۔ جن سپہ سالاروں نے الجزیرہ کی جنگ یا فرانس کے شورہ پشتوں کا قلع قمع کرنے

لوئی نپولین اور فوج۔

باب ۲

میں نام پایا، وہ سب بلا استثنا خاندان اورلیان یا جمہوریت کا کلمہ پڑھتے تھے۔ بوناپارٹی گروہ میں ابھی تک ایک بھی نامور یا مشہور سردار شامل نہ تھا۔ خود صدر جمہوریہ کو سوئٹزرلینڈ کی چھاؤنی میں فوجی قواعد کی مشق کے سوا میدانِ جنگ میں نکلنے کی کبھی نوبت نہ آئی تھی۔ اور بجز خاندانی نام کے اور کوئی بات اُسے حاصل نہ تھی جس سے اہلِ فوج کے دلوں میں جوش و خروش کی تحریک ہو سکے۔ جب اس کے ذاتی اوصاف اور گذشتہ حالات، میں مردانگی کا عنصر میسر نہ ہو سکا تو حصولِ مقصد کے واسطے خواہ مخواہ دوسری ترغیبات سے کام لینا پڑا۔ لوئی نپولین نے انگلستان کے قیام میں بہت سے سبق سیکھے تھے اور غالباً یہ بھی مشاہدہ کیا تھا کہ اُن دنوں انگلستان کے انتخابات میں رشوت اور شراب خورانی کے سیدھے سادے گُر کس قدر کارگر ثابت ہوتے تھے۔ بہرحال، تہذیب و تمدن کے اس محافظ کو پیرس چھاؤنی کے سپاہیوں کے واسطے برانڈی کا راتب مقرر کردینے میں، یا صدہا مرتبہ دونیاں چونیاں خیرات تقسیم کرنے میں کچھ عار نہ ہوا۔ فوجی ضیافتیں دی جانے لگیں جن میں حوالدار و جمعدار اعلیٰ سرداروں کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر کھانے کھاتے۔ ترقیاں دینے یا روکنے میں بڑے سلیقے سے کام لیا جاتا۔ سب سے اعلیٰ رتبے کے سپہ سالار بوناپارٹ سے خصومت رکھتے تھے لہٰذا ان کے ماتحتوں کو اعلیٰ عہدوں کے لالچ دینے میں اور بھی آسانی تھی۔ ۱۸۵۰ء کے موسم خزاں میں پیرس میں فوج کی موجودات کا موقع آیا تو بعض بعض جیوش کے سپاہیوں اور سرداروں، دونوں کی طرف سے صدر کا جس زور شور اور نعرہائے عقیدت کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا، اسی طرزِ عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ بوناپارٹی گروہ کے قاصد کس قدر کامیابی سے مصروفِ کار ہیں۔ مجلس کے زمانہ تعطیل میں ایک جماعتِ خاص مجلس کی قائم مقام تھی اس نے ان بے ضابطگیوں پر وزیر حرب سے باز پرس بھی کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ صدر اور مجلس

شانگارنیر کی برطرفی جنوری ۱۸۵۱ء۔

مبعوثین کے اختلافات کا فیصلہ شانگارنیر کے ہاتھ میں تھا کہ پیرس کے قشون قومی اور باقاعدہ فوج کے پہلے جیش کا وہی سپہ سالار تھا۔ اس نے ۱۸۵۱ء کے شروع ہی میں صاف صاف الفاظ میں آئینی مجلس کے حق میں فیصلہ کیا مگر یہ بھی بے سود ہوا اور خود شانگارنیر عہدے سے برطرف کردیا گیا۔ اس فعل کو مجلس نے کثرتِ رائے سے قابلِ ملامت قرار دیا اور

وزیروں کو استعفیٰ داخل کرنا پڑا بایں ہمہ مجلس شانگارنیر کو سپہ سالاری پر بحال نہ کرا سکی اور بے بس بیٹھی دیکھتی رہی کہ اس کے فوجی اختیارات مخالف یا نامعتبر اشخاص کے ہاتھوں میں دیئے جا رہے ہیں :-

آئین حکومت کی مجوزہ نظرثانی۔ یہ بات اب صاف نظر آ رہی تھی کہ آئین حکومت پر حملہ ہونے والا ہے اور اسکو ٹالنے کی کوئی صورت ممکن تھی تو وہ صرف یہ کہ آئین ہی کی نظرثانی کو جائز رکھا جائے تاکہ لوئی نپولین عہدے کی میعاد ختم ہونے پر قانون کے اندر رہ کر دوبارہ اپنی صدارت کے انتخاب کی کوشش کر سکے۔ حقیقت میں رائے عامہ بھی بڑے شد و مد سے اس قسم کی رد و بدل کی متقاضی تھی۔ مجلس پر جن عرائض کی بوچھار ہو رہی تھی اُن کی تقاضی عمال نے کیسی ہی علانیہ اور بے شرمی سے تحریک کی ہو اس میں کچھ شک نہ تھا کہ یہ مطالبہ قومی نوعیت رکھتا ہے۔ لوئی نپولین کے برابر کسی دوسرے امیدوار کا نام ملک میں بھی ہر دلعزیزی اور اپنی توقیر نہ رکھتا تھا اور جو مجلسی گروہ صدر کے دشمن تھے وہ بھی کوئی دوسرا نام ایسا نہ پاتے تھے جس کے گرد سب مجتمع ہو جائیں۔ مجلس میں حامیان وراثت، حامیان اورلیان اور جمہوریت پسند، تینوں گروہ قریب قریب مساوی تعداد میں تھے پس اگر دونوں مقدم الذکر، بادشاہی پسند فریق مل کر کام کرتے تو کچھ امید ہو سکتی تھی کہ وہ بادشاہی طرز حکومت کو دوبارہ قائم کرا دیں گے۔ اس قسم کے اتحاد کی ایک کوشش بھی اس بنیاد پر کی جا چکی تھی کہ خاندان اورلیان کی شاخ اکبر کا بزرگ خاندان، کونت دِشامبور کی زندگی تک کے لئے اپنے دعاوی تخت سے دست بردار ہو جائے اور لاولد کونت دِشامبور (اورلیانی) لوئی فلیپ کے پوتے کو متبنیٰ وارث بنا لے۔ مگر کونت دِشامبور کو کسی معاملے کا عوام الناس کی کثرت رائے سے آخری فیصلہ کرانے کا اصول قبول نہ تھا۔ اس کے اسی انکار نے مذکورۂ بالا منصوبے بگاڑ دیئے اور بالفعل بادشاہی کے بحال ہونے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ اب مجلس کو یہ طے کرنا تھا کہ آیا آئین کی نظرثانی کے ذریعے وہ لوئی نپولین کے دوبارہ انتخاب میں سہولت بہم پہنچا دے یا اس کے بزور حکومت غصب کرنے کے خطرے کا مقابلہ کرے۔ ان لوگوں کے لئے جو لوئی نپولین سے اپنی دلی مخالفت بھی نہ چھپا سکتے تھے یہ معاملہ بہت رنج دہ بلکہ باعث ذلت تھا۔ اور اسی کے ساتھ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر نپولین کے مقابلے میں اڑے تو

باب (۴)

بظاہر اورلئانسٹ ہماری تائید نہ کریں گے حامیانِ وراثت کے حوصلے دوسروں کی نسبت بڑھے ہوئے تھے اور وہ اس خیال کو مدِنظر رکھتے تھے کہ آگے چل کر شخصی بادشاہی پھر بحال ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ ہر ایسی روش اختیار کرنے پر خوشی سے مائل ہو جاتے جو حکومتِ جمہوری کے آئینی مورچوں میں رخنہ ڈالتی ہو۔ البتہ قلیل التعداد جمہوریت پسندوں نے ٹھان لی تھی کہ وہ نظرِ ثانی کی ہر تجویز کی مخالفت کریں گے اور آئین کو اپنی موجودہ

نظرِ ثانی کی تجویز مسترد - ۱۹- جولائی -

صورت ہی میں رکھیں گے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مجلس کے دوسرے گروہوں کے مقابلے میں جب کہ وہ جمہوریت پسندوں کے خلاف متحد ہو جائیں، اس فریق کی تعداد تو کم تھی تاہم وہ اتنے ضرور تھے کہ حکومت کو تین چوتھائی رائیں حاصل نہ کرنے دیں جس کے بغیر آئین کی نظرِ ثانی نہیں کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ ساڑھے چار سو رائیں نظرِ ثانی کی تائید میں تھیں تو دو سو ستر اس کے خلاف آئیں (۱۹- جولائی) اور یہ تجویز مسترد ہو گئی۔ اس طرح لوئی نپولین مجلسِ مبعوثین پر جہاں یہ الزام پہلے سے وارد کر سکتا تھا کہ اس نے کثرتِ رائے سے عوام کے حقِ رائے کو مسلوب کر دیا وہاں یہ الزام لگانے کا بھی اسے موقع مل گیا کہ مجلس اپنی قلتِ رائے سے قوم کو اپنے صدر کے انتخاب کرنے سے مانع آئی اور اس کے مقصد کے لئے یہی دو باتیں بالکل کافی تھیں۔ اب صرف وقت اور مناسب موقع کا انتظار تھا کہ ایک ہی وار میں حریفوں کا قصہ پاک اور فرانس پر کامل تسلط حاصل کر لیا جائے۔

لوئی نپولین کے محرمِ راز معدودے چند تھے۔ ان میں سب سے ممتاز اس کا سوتیلا بھائی اور ملکہ ہورتنس کا ایک حرامی بیٹا مورنی تھا۔ وہ شوقین مزاج آدمی اور بڑی تھوک فروشی کا پیشہ کرتا تھا۔ دوسرا شخص فیالن یا پرسینی ایک مفلوک الحال آدمی تھا کہ گرم و سرد روزگار میں اس نے اپنے آقا کا کبھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ لوئی نپولین کا تیسرا معتمد ایک فوجی سردار فلری ان دنوں کام کرنے الجزیرہ گیا ہوا تھا۔ ظاہر ہے

غصبِ سلطنت کی تیاریاں -

کہ یہ لوگ اس حیثیت کے نہ تھے کہ ان سے کوئی حکومت مرتب کی جاتی لیکن یہ سپاہیوں اور ایسے مرتبے کے سرداروں کو ملانے میں بہت کام آئے جن کی شرکت سے لوئی نپولین کی سازش ظاہر میں کسی حد تک

تو سرکاری فعل نظر آنے لگے۔ وزارت حرب کے واسطے ایک ایسے سپہ سالار کی ضرورت تھی جو ہر قسم کے خلاف قانون کام کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ ایسا شخص لوئی نپولین کو سینٹ آرنو کی شکل میں دستیاب ہوا۔ وہ الجزیرہ میں ایک حصۂ جیش کا سردار اور بہت نامی گرامی سپاہی تھا جس نے سالہا سال کی عرق ریزی سے اپنی گذشتہ رسوائیوں کو دھو دیا تھا اور جس کی نسبت معلوم تھا کہ اپنے فرانسیسی ہم وطنوں کے ساتھ بھی ایسے وہی سلوک کرنے میں کوئی باک نہ ہوگا جو افریقہ کے عربوں کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ چونکہ پیرس میں آرنو کا نام عام طور پر مشہور نہ تھا لہٰذا ۱۸۵۱ء کی گرمیوں میں اسے نامور بنانے کی غرض سے خاص اہتمام کیا گیا اور چند صد جانوں کی بھینٹ دے کے اس کی شہرت کا راستہ تیار کر لیا گیا۔ پھر اپنے جنگی کارناموں کے مناسب خود صدر جمہوریہ کے قلم سے مبارکباد پانے کے بعد، اس کو پیرس میں بلا لیا گیا کہ ٹھیک وقت پر وزارت حرب کا عہدہ اسے تفویض کر دیا جائے۔ نوجوان سرداروں کو جوق جوق الجزیرہ سے طلب کر کے انہیں پائے تخت میں وزیر کے گرد و پیش مقرر کر دیا گیا اور یہی وہ لوگ تھے جو آیندہ ۱۸۷۰ء کی جنگ میں سپہ سالار بن کر لڑے اور جنھوں نے اپنے لئے تاسف انگیز شہرت حاصل کی۔ عساکر پیرس کی سپہ سالاری جنرل میگنان کے سپرد کی گئی جس نے سازش کے مشوروں میں حصہ لینا تو پسند نہ کیا مگر وعدہ کر لیا کہ جب وقت آئے گا تو ہاتھ بٹائے گا۔ اس طرح فوج کی امداد یا رضامندی کی جانب سے تو اطمینان ہو گیا۔ قشون قومی اگر شان گارنیر کے ماتحت رہتے تو غالباً مجلس مبعوثین کی حمایت پر کمر بستہ ہو جاتے، سو انھیں ایک ایسے سردار کے زیر حکم دے دیا گیا جس نے عہد کر لیا تھا کہ انھیں معطل رکھے گا۔ پولس کے انتظام کیلئے لوئی نپولین نے ہوت گاردن کے مہتمم، ام موپا کو معین رکھا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس کی بے شرمی کی بدولت ہمیں غصب حکومت کی کارروائی کے متعلق نہایت صحیح معلومات حاصل ہوئی۔ جس وقت وہ ادنیٰ درجے کا آدمی تھا اسی وقت سے اس نے اپنا شعار یہ بنایا تھا کہ صدر جمہوریہ کی خوشنودی کے واسطے کوتوالی کی وہ اطلاعیں جو وزیر حال کے پاس جانی چاہئے تھیں، خاص لوئی نپولین کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ چنانچہ

باب (۲)

تھوڑے ہی عرصے میں لوئی نپولین اس کے مقاصد اور طبیعت کو پاگیا۔ بڑے عہدے پر اُسے ترقی دی۔ بالادستوں کی دار وگیر سے اسے بچاتا رہا اور سیاسی حملے کا وقت قریب آیا تو اُسے پیرس بلالیا کیونکہ بجا طور پر وہ پورا بھروسہ رکھتا تھا کہ قانون کے پاسبانوں سے خود قانون کے خلاف کام لینے کی غرض سے جو تدبیر کہ کوئی ذہین ترین مکار تراش سکتا ہے، وہ موسیو موپا کوتوال بن کر یقیناً سرانجام کر لے گا:۔

ستمبر میں حملے کی تیاریاں اس حد تک مکمل ہو چکی تھیں کہ اکثر اہلِ سازش نے لوئی نپولین سے اصرار کیا کہ وار کرنے میں دیر نہ لگائے کیونکہ اس وقت تک ارکانِ مجلس ایام تعطیل میں فرانس کے مختلف اقطاع میں منتشر تھے۔ لیکن سان ارنود نے یہ رائے قبول نہ کی اور جتایا کہ اگر مبعوثین آزاد رہے تو وہ پایۂ تخت سے دور کسی جگہ جمع ہو کر ان سپہ سالاروں کو بلا بھیجیں گے جو آئینی حکومت کے وفادار ہیں اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ پس آیندہ جوکھوں سے بچنے کے لئے وہ زور دیتا تھا کہ تمام ایسے ممتاز قائم مقاموں اور سپہ سالاروں کو گرفتار کر لینا اور خطرے کا وقت گزر جانے تک حراست میں رکھنا ضروری ہو گا جن کی نسبت گمان ہے کہ وہ اہلِ سازش کی سخت مزاحمت کریں گے اور وقتِ واحد میں فرانس کے سب سے ممتاز اہل الرائے کی گرفتاری صرف اسی موقع پر ممکن تھی جب کہ مجلس مبعوثین کا اجلاس ہو رہا ہو۔ نظر براین شان ارنود نے فرمائش کی کہ حملہ جاڑوں تک ملتوی کر دیا جائے۔ تاخیر کا ایک اور سبب بھی پیش آیا وہ یہ کہ گو پیرس کے عوام الناس رجعت پسند مجلس سے کچھ خوش نہ تھے تاہم لوئی نپولین کو یہ اطمینان نہ تھا کہ وہ خود اسکے غصبِ حکومت کو چپ چاپ بیٹھے دیکھتے رہیں گے۔ پس مجلس کے زمانۂ اجلاس تک انتظار کرنے میں یہ مفیدِ مطلب موقع بھی نظر آتا تھا کہ وہ اپنے مقصد کو خود عوام الناس کا مقصد ظاہر کر سکے اور اپنے فعل کی نسبت یقین دلا سکے کہ جو کارروائی وہ کر رہا ہے سوائے اس کے اور کوئی صورت ایسی مجلس کے مقابلے میں حقوقِ عوام کو منوا دینے کی نہیں ہو سکتی جو حقوق نہ دینے پر اڑی ہوئی ہے۔ مانا کہ عوام کے حق رائے کو

سیاسی حملے کا وقت دسمبر میں مقرر کیا جاتا ہے۔

خود لوئی نپولین کے وزیروں نے سوخت کیا! ورخردہ بینوں کی نظر میں یہ امر محل چون وچرا ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ ایسی رکاوٹ نہ تھی کہ اتنا بڑا کام کرنے میں اس کا لحاظ کیا جاتا۔ لہٰذا لوئی نپولین نے ارادہ کر لیا کہ سرمائی اجلاس شروع ہوتے ہی مجلس کے سامنے خود یہ مطالبہ پیش کرے کہ ۳۱۔ مئی کو جو نیا قانون انتخاب وضع کیا گیا تھا اسے منسوخ کر دیا جائے۔ اور جب وہ انکار کرے جیسا کہ پورا یقین تھا کہ وہ ضرور انکار کرے گی، تو اسی کو مجلس کے فنا کرنے کا حیلہ بنا لے۔

اہل سازش اس وقت تک کوئی منصب وعہدہ نہ رکھتے تھے۔ ایک مجلس وزارت موجود تھی جسے صدر کے ارادوں کی اطلاع نہ دی گئی تھی اور نہ وہ بالکلیہ اس کے حکم میں تھی۔ چنانچہ جب اس نے ۳۱۔ مئی کے قانون انتخاب کی تحریک تنسیخ مجلس میں پیش کرنے کی ہدایت کی تو وزیروں نے استعفیٰ داخل کر دیا اور اس طرح موقع مل گیا کہ سلطنت کے سب سے اعلیٰ عہدے سازش کے کارندوں کو تفویض کر دیئے جائیں۔ سان ارنو وزیر جنگ اور موپا صدر کوتوال مقرر ہوا۔ ان کے ساتھ جو دوسرے وزیر مقرر کئے گئے وہ اتنے حقیر تھے کہ ان کی کسی کارروائی کی روک تھام نہ کر سکتے تھے۔ ۴۔ نومبر کو مجلس کے تازہ انعقاد کے وقت صدر کی جانب سے ایک پر جوش پیام سنایا گیا جس میں ایک طرف تو اس نے قوم کے ان خوفناک اور کثیر جتھوں کو صلواتیں سنائی تھیں جن سے اندیشہ تھا کہ آئندہ سال کے اندر فرانس پر مستولی ہو جائیں گے اور دوسری طرف بعض احتیاطی شرطوں کے ساتھ فرمائش کی تھی کہ جمہور الناس کو دوبارہ انتخاب کا حق دے دیا جائے۔ گو ان شرطوں کی کوئی صراحت اس نے نہ کی تھی۔ اس تجویز نے متوسط طبقے کے لوگوں کو بہت خوفزدہ کر دیا کہ اس سے اشتراکیوں کے انقلاب بپا کر دینے کے آثار پائے جاتے تھے۔ مبصرین میں باہم اختلاف تھا اور پیرس کے عوام الناس خوش ہوئے کہ لوئی نپولین جمہور کے حق راے کے گیت گا رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ۳۱۔ مئی کے قانون کی تنسیخ کی باقاعدہ تحریک مجلس میں پیش کر دی گئی۔ جمہوریت پسندوں اور دوسرے گروہوں کے

لوئی نپولین کا مطالبہ کہ ۳۱۔ مئی کا قانون منسوخ کیا جائے۔

باب (۲)

بہت سے ارکان نے اس کی تائید کی لیکن اکثر مبعوثین کو گوارا نہ ہوا کہ خود اپنے کئے دھرے کام کو اس طرح بے دھڑک نشانۂ ملامت بنائیں جس صورت میں کہ صدر نشین کی مرضی تھی۔ ورنہ باہمی مصالحت اور بین بین کوئی راستہ نکالنے کے وہ بھی خواستگار تھے۔ بہرحال تنسیخ کی تحریک سات رائے کی کمی سے مسترد ہو گئی۔ ساتھ ہی پیرس میں سیاسی انقلاب کی افواہیں گشت کرنے لگیں۔ ان ارکان نے جو کوآستور ("میر بخشی") کے لقب سے مجلس کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ بعض تجویزیں پیش کیں کہ انھیں کافی جنگی مدد مہیا کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے اور مستعدی سے کام لیا جاتا تو عجب نہیں کہ اب بھی مجلس مبعوثین کے برباد ہونے کی نوبت نہ آتی۔ لیکن جمہوریت پسند ارکان کو عام حق رائے کے معاملے میں اپنی تازہ شکست کا غصہ تھا۔ وہ صدر کے جال میں سر کے بل جا پھنسے اور اس کے خفیہ یا علانیہ طرفداروں کے ساتھ مل کر کوآستوروں کی تجویزیں مسترد کرادیں۔ خود شان گارنیر نے اندھے پن سے فوج کی کامل وفاداری کا یقین دلایا۔ ایک جمہوریت پسند مبعوث تخیل کی بلند پروازی میں ساتھ والوں سے دو قدم آگے تھا اس نے مشورہ دیا کہ مجلس کو اپنے نادیدہ پاسبان یعنی جمہور الناس پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ خطرے کے کھلے ہوئے آثار کے باوجود، مجلس کو گویا کد ہو گئی تھی کہ وہ اپنے حملہ کرنے والے کو بہتر سے بہتر موقع بہم پہنچا دے اور اگر دشمنوں کی کورانہ بدعقلی کسی بڑے کام میں کامیابی کا سب سے اچھا شگون ہو سکتی ہے تو سچ یہ ہے کہ لوئی نپولین کو خوف ناکامی کی کوئی وجہ نہ تھی۔

مجلس کا انکار۔

حملے کا دن ۲۔ دسمبر (فجر کا وقت) قرار دیا گیا تھا۔ اس رات کو لوئی نپولین نے قصرِ الیزے میں لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور اس کی دلجمعی اور اطمینان کا انداز دیکھکر ذرا بھی گمان نہ ہوتا تھا کہ معرکہ اتنے قریب آپہنچا ہے۔ احباب رخصت نہ ہوئے تھے کہ لوئی نپولین اپنے کتاب خانے میں چلا آیا اور وہاں اہلِ سازش کی آخری بزم شوریٰ منعقد ہوئی۔ اور جدا ہونے سے پہلے ہر شخص کو خاص خاص کام تفویض کردیئے گئے۔ منصوبے کا اہم جزو یہ تھا کہ کاوے ناک، شان گارنیر مع تین سپہ سالاروں کے جو مجلس کے رکن تھے، گیارہ غیر عسکری

سیاسی حملہ۔ ۲۔ دسمبر

مبعوث جن میں موسیو تھیر بھی شامل تھا اور باسٹھ دوسرے بارسوخ اہل الرائے گرفتار کر لئے جائیں۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت موپا نے کافی تعداد میں اپنے معتبر گرگوں کو کوتوالی میں طلب کیا اور ایک ایک سے الگ الگ کر کے ملاقات کر کے ایک ایک شخص کی گرفتاری کا کام سپرد کر دیا۔ صبح ہونے سے پہلے گرفتاریاں عمل میں آ گئیں اور فرانس کے نامی گرامی سپاہی اور شہری مازا کے قید خانے میں ایک دوسرے سے ملاقی ہوئے۔ قصر بوربن پر مجلس کے سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا گیا۔ فوجی پولس نے سرکاری دارالطبع پر قبضہ کیا اور لوئی نپولین کے اعلانات کا فقرہ فقرہ الگ الگ کاریگروں کو دے کے اس سے قبل کہ وہ خود مضمون سے واقف ہوں چھ گھنٹے میں چھاپ دیا اور چھپوانا شروع کیا۔ دن نکلا تو اہل شہر کو ہر طرف فوج کے سپاہی اور دیواروں پہ لوئی نپولین کے جلی حروف میں چھپے ہوئے اعلان چپکے نظر آئے۔ ان میں سے پہلا فرانسیسی قوم کی طرف سے مجلس مبعوثین اور بزم شوریٰ کے برطرف کئے جانے اور عامۃ الناس کے حق رائے بحال ہونے کی خبر دیتا تھا اور لوگوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ۱۴ سے ۲۱ دسمبر تک نئے انتخابی حلقوں میں اپنے اپنے نام لکھوا دیں۔ دوسرے اعلان میں لوگوں سے خطاب تھا اور اس میں دو گروہوں کو ایک ساتھ مجرم ٹھہرایا گیا تھا۔ ایک تو وہ بادشاہی پسند جو مجلس کے اندر مصروف سازباز تھے اور دوسرے وہ امن و حکومت کے دشمن جو ہر قسم کے نظم و نسق کو برباد کرنے کی فکر میں تھے۔ معلن اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا کہ ایسے نازک موقع پر جمہوریت کے بچانے کی غرض سے قوم سے فیصلہ چاہے۔ اس کی تجویز تھی کہ دہ سالہ انتظامی حکومت، اور ان کے ساتھ مجلس اعیان، بزم شوریٰ اور مجلس وضع قوانین اور بعض دوسرے ادارے جو سنہ ۱۷۹۹ء کے عہد قنصلی کی نقل تھے، قائم کئے جائیں۔ اگر قوم کا اجماع اس کے موافق نہ ہوا تو وہ نئی مجلس مبعوثین کا انتخاب کر کے اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائے گا۔ لیکن اگر قوم یقین رکھتی ہے کہ "نپولین" کا نام جن مقاصد کے مرادف ہے، وہ درست ہیں اور انقلاب فرانس اور تنظیم نپولین کی بدولت ملک میں نئی روح پیدا ہو گئی ہے، تو اس کے ثبوت میں اہل ملک معلن کے اقتدار پر

باب ۲۷ مہرِ تصدیق ثبت کر دیں گے۔ تیسرا اعلان افواج کے نام تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۸ء میں تو فوج کے ساتھ شکست خوردہ فریق کا سا برتاؤ کیا گیا لیکن اب اس کی آواز سنی جائے گی۔ مصائب اور فتوحات میں فرانس کے سپاہی اور نپولین کا وارث باہم متحد ہیں۔ مادرِ وطن کی عظمت و عافیت سے یکساں شغف آیندہ انھیں اور بھی ایک دوسرے سے وابستہ کر دے گا۔

جُوق درجُوق لوگ جو ان اعلانات کو پڑھ رہے تھے اوّل اوّل ان کا صحیح مطلب سمجھنے سے قاصر رہے۔ مجلس مبعوثین سے عامۃ الناس ایسا سوءِ ظن رکھتے تھے کہ اس کی برطرفی اور عام حق رائے کے عود کرنے سے پیرس کے حریت پسند حلقوں میں خوف و ہراس کی بجائے ہوئی

پیرس ۲ دسمبر کے دن

خوشی ہوئی۔ البتہ جب چند گھنٹے کے بعد گرفتاریوں کا حال عام طور پر معلوم ہوا تو لوگوں کے مقابلے پر کمربستہ ہونے کی بھی ابتدائی علامتیں ظہور میں آئیں مبعوثین کے جُوق کے جوق مجلسی سرگروہوں کے مکانات میں مجتمع ہوئے۔ پچاس ارکان کی ایک جماعت کسی نہ کسی طرح قصرِ بوربن کے اندر بھی جا پہنچی اور مباحثہ شروع کر دیا۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ انھیں سپاہیوں نے نکال دیا۔ دن چڑھے تقریباً دو سو مبعوث حلقہ ۱۰ کے میر محلے کی کچہری میں جمع ہوئے۔ وہاں انھوں نے کئی قرار دادیں منظور کیں جن میں صدر کو عہدے سے معزول اور پیرس کی فوجوں کا ایک سپہ سالار نامزد کیا۔ لوئی نپولین کی طرف سے جو فوجی سردار کچہری خالی کرانے کی غرض سے بھیجے گئے تھے وہ اس کام کو کرنے میں جھجک گئے اور مزید احکام لینے واپس چلے گئے۔ یہ بات عدالت عالیہ کے ارکان کے فرائض میں داخل تھی کہ آئین کی خلاف ورزی کی صورت میں صدرِ جمہوریہ کے خلاف مقدمہ چلانے کا حکم دیں۔ چنانچہ وہ عدالت میں آئے اور ضروری کارروائی شروع کی لیکن اس سے قبل کہ طلب نامے پر دستخط کر سکیں فوجی سپاہی ایوانِ عدالت میں گھس آئے اور ارکانِ عدالت کو نکال باہر کیا۔ پھر کچھ دیر میں جنرل فورے فوج کی ایک معقول جمعیت لیے ہوئے مذکورہ کچہری کے سامنے آ پہنچا جہاں دو سو مبعوثین مجتمع تھے۔ انھوں نے اس مقام سے جانے سے انکار کیا تو وہ سب کے سب گرفتار کر لیے گئے اور سپاہیوں کے حلقے

میں اُنھیں قیدیوں کی طرح لے چلے اور کے داورسے کی چھاؤنی میں پہنچا دیا۔ قشون قومی کے نقارے ہی ان کے سپہ سالار نے غائب کرا دئے تھے کہ مبادا وہ از خود جمع ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ یہ سپاہی کہیں نظر نہ آئے۔ لوئی نپولین گھوڑے پر سوار نکل کر آیا تو فوج والوں نے نعرہ ہائے مسرت بلند کئے اور جب دن ختم ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پیرس انقلاب حکومت اور استیصال آئین کو قبول کر لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔

بایں ہمہ چند مستقل مزاج شخص مزدوروں کے محلّوں میں مصروف کار تھے اور ثروت والے باشندوں کے محلے میں بھی قومی نائبین کے ساتھ یہ تعدّی دیکھکر رفتہ رفتہ جذبۂ جنگ مشتعل ہو گیا۔ ۳۔ دسمبر کی صبح کو بودین نامی مبعوث ایک باڑ کی مدافعت کرتا ہوا جان سے گیا جو فوبورگ سان انتواین میں تیار کی گئی تھی۔ مگر مشرقی پیرس کے کاریگران لوگوں کی خاطر ہتھیار اٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے جنھوں نے جون کے دَورِ چہار روزہ میں ان کا ...بگروں کو پامال کر دیا تھا۔ شورش سب سے زیادہ بول وارو کے محلّوں میں تھی اور وہیں سے مغرب کی طرف پیرس کے سب سے شاندار حصوں میں پھیل گئی۔ بول وارد کے جنوب میں جو باڑیں تیار کی گئیں وہ تعداد میں اتنی زیادہ اور لوگوں کا انبوہ ایسا زبردست تھا کہ شام ہوتے فوج کو وہاں سے ہٹا لیا اور تہیہ کر لیا گیا کہ رات چپ چاپ گزارنے کے بعد صبح کو اس حصۂ شہر پر ایک عام حملہ بول دیا جائے اور ایک ہی وار میں جھگڑا چکا دیا جائے۔ چنانچہ ۴۔ دسمبر کی دوپہر کو ہر طرف سے فوج کے جیوش اس باغی محلّے کی سیدھ لے کے بڑھتے چلے اور باڑیں یا تو یورش کر کے چھین لیں یا توپیں مار کے اُنھیں زمین کے برابر کر دیا گیا۔ فوج والوں کی جانب کُل ۲۸ مقتول اور ۱۸۰ زخمیوں کا نقصان ہوا اور حریف مغلوب کر لئے گئے۔ مگر سپاہیوں کو سکھایا گیا تھا کہ اہل پیرس تمھارے دشمن ہیں اور اُنھوں نے سکھانے والوں کی تعلیم سے بھی بڑھکر سبق کا حق ادا کیا۔ شراب کے نشے یا خوفِ جان سے بے حواس ہو کر وہ لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی بول وارد میں اندھا دھند گولیاں برساتے رہے اور گلی کوچوں میں یا دریچوں میں جو ان کی گولی کی زد میں آیا اُسے نشانۂ بندوق بنا دیا۔ سرکاری اعتراف کے مطابق

۳۔ دسمبر

۴۔ دسمبر

باب ۲ ایک ایک مقتول سپاہی کے بدلے میں سولہ سولہ شہریوں کی جانیں گئیں۔ بطور خود لوگوں نے تخمینے کئے ہیں وہ اس قتلِ عام میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کہیں زیادہ قرار دیتے ہیں۔ پھر دو ہزار اشخاص کی گرفتاریاں عمل میں آئیں اور وکتور ہیوگو سے لے کر شراب خانوں کی فساد پسند تقریریوں تک، ہر شخص جو لوئی نپولین کے گرگوں کو خطرناک نظر آیا اسے عبور دریا، جلاوطنی یا قید کی سزا ملی۔ اسطرح جمہوریت کی بقا اور تمدن کی حفاظت ہوئی۔

اہل فرانس نے عام طور پر اس حادثہ سیاسی کی خبر کو بے پروائی سے سنا اور اگر اس پر عوام الناس میں کہیں کچھ ہل چل ہوئی بھی، تو اس کی نوعیت ایسی تھی کہ لوئی نپولین نے اس سے خوب ہی فائدہ اٹھایا۔ دراصل، وسطی اور جنوبی اضلاع فرانس کے سب سے مفلوک دہقانوں میں ایک خاص قسم کی پُرغضب اور کورانہ اشتراکیت پسندی پھیل گئی تھی۔ ان اضلاع میں کہیں کہیں مختصر شورشیں برپا ہوئیں اور اہل شورش نے اس قسم کے قاتلانہ حملے اور بدعنوانیاں کیں کہ آس پاس کے علاقوں میں سخت ہراس و خوف طاری ہو گیا۔ پھر چند روز میں یہ قزاقانہ جرگے تو منتشر کر دیئے گئے اور ہر شخص جو ان کی بداعمالیوں میں شریک تھا، اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ لیکن ان واقعات کی جو اطلاعیں پیرس بھیجی گئیں وہ لوئی نپولین کے حق میں ایسی مفید مطلب تھیں کہ ان سے تغافل نہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ان وحشیانہ دیہاتی شورشوں کو، جو مٹھی بھر سپاہیوں کے مقام واردات پر پہنچتے ہی نسیاً منسیاً ہو گئیں، اس پیرائے میں پیش کیا گیا کہ گویا وہ کسی وسیع اشتراکی انقلاب کا پیش خیمہ تھیں، جس سے صرف لوئی نپولین کے سیاسی حملے نے فرانس کو بچا لیا۔ اسی لال بھوت کے دوبارہ نمودار ہونے کی دہشت پھیلی ہوئی تھی جب کہ ۲۰۔ دسمبر کو فرانسیسی قوم نے تکمیل شدہ غصبِ حکومت کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کیا۔

فتویٰ عوام ۲۰۔ دسمبر

عامۃ الناس کے سامنے رائے کے لیے سوال یہ پیش کیا گیا تھا کہ آیا لوگ چاہتے ہیں کہ لوئی نپولین عہدے پر قائم رہے اور اس کو ضروری اختیارات دے دیئے جائیں کہ وہ اپنے ۲۔ دسمبر کے اعلان کی بنیادوں پر ایک جدید آئین حکومت تیار کرے؟ سوال کا جواب ستر لاکھ اشخاص نے اثبات میں دیا اور اس کے ایک دسویں حصے سے بھی کچھ کم رائیں مخالف آئیں۔ نتیجہ ۱۸۵۲ء کے پہلے روز شائع ہوا اور اسی نو روز کو لوئی نپولین نے نوتردیم کے گرجا

میں نماز شکرانہ ادا کی۔ اور محلسرائے توئی لری کا قبضہ لے کے فرانس کا سابق جنگی نشان یعنی عقابی پرچم دوبارہ بلند کرایا۔ بجز نام کے اب وہ ہر اعتبار سے مطلق العنان فرماں روا تھا۔ اہل کلیسا، اہل فوج اور دیوانی عمّال جن کی سرشت میں ہمیشہ سے غلامی داخل ہے، لقب بادشاہی کے دوبارہ اجرا کے لئے بیتاب تھے اور نہ یہ قوم کا نجات دہندہ ایسا آدمی تھا کہ مزید ذمہ داریاں لینے سے ہچکچاتا۔ سال ختم ہونے نہ پایا تھا کہ لوگوں کو پھر اظہار رائے کی تکلیف دی گئی۔ ستر لاکھ رایوں نے موروثی حکومت کے حق میں فتویٰ دیا اور غصب حکومت کی پہلی ہی سالگرہ پر نپولین ثالث کے "بادشاہِ فرانسیسیاں" ہو جانے کی منادی کرادی گئی۔

نپولین ثالث کا اعلان بادشاہی۔ ۲۔ ڈسمبر ۱۸۵۲ء

باب سوم

ذیلی عنوان: انگلستان و فرانس ۱۸۵۱ء میں — روس، عہد نکولاس میں — ہنگری کے پناہ گزیں — مقامات مقدس پر روس و فرانس کا جھگڑا — نکولاس اور سفیر برطانیہ لارڈ اسٹریٹ فورڈ ڈی ریڈکلف — مِن شیکوف کی سفارت — روسی افواج ولایات ڈینیوب میں داخل ہوتی ہیں — لارڈ ابرڈین کی مجلس وزرا — بیڑے کا حرکت میں آنا — وی آنا والی یادداشت — بیڑے کا دردانیال سے گزرنا — ترکی بیڑے کی بربادی اسنوپ پر — اعلانِ جنگ — آسٹریہ کا طرزِ عمل — پروشیہ کا طرزِ عمل — مغربی سلطنتیں اور اتحادِ یورپ — سلسترِیا کا محاصرہ — ولایات کا تخلیہ — مغربی سلطنتوں کے دیگر مقاصد — کرمیہ پر فوج کشی — جنگ الما — حرکتِ جناحی — بالاکلاوا — انکرمین — کرمیہ میں موسم سرما — نکولاس کی وفات — وی آنا کی مجلس مشاورت — آسٹریہ — محاصرے کے حالات — نپولین ثالث کے ارادے — کان روبر اور پیلیسئیر — ناکام حملہ — جنگ تشرنایا — تسخیر مالاکوف — سقوط سباستوپول — سقوط قارص — صلح کی گفتگو — مشاورۂ پیرس — صلح نامۂ پیرس — ولایات ڈینیوب — سلطنت عثمانیہ میں نااتفاقی چلی جاتی ہے — صلح نامۂ پیرس کی نظرِ ثانی ۱۸۷۱ء میں۔

انگلستان ۱۸۵۱ء میں۔

انگلستان میں ۱۸۵۱ء اپنی "بڑی نمائش" کی وجہ یادگار رہے گا۔ پورے چھتیس سال امن و صلح میں گزرے اور اس عرصے میں صنعتی کارخانوں میں عظیم الشان ترقی، ریل کے رواج اور آزاد تجارت کے اصول کی کامیابی کا جو نتیجہ اس نمائش کی صورت میں ظاہر ہوا، وہ ایسا شاندار اور قابل تعجب تھا کہ بہت سے دیکھنے والوں کو تو یہ نوعِ انسان کی تاریخ میں ایک نئے دور کی علامت اور پیش خیمہ نظر آتا تھا جس میں جنگ کا خاتمہ ہو جائے گا اور اقوام کا

جذبۂ رقابت بالآخر اسباب امن کی منافست میں صرف ہونے کا صحیح راستہ پا جائے گا۔ آزاد تجارت کے علم برداروں نے اپنے مقصد کی وکالت میں تخیل آرائی کا حق ادا کر دیا تھا۔ انکا قول تھا کہ قوموں کے مصائب اور جرائم زیادہ تر حکومتوں کے افعال کا نتیجہ ہیں جو خاندان ہائے شاہی کی اغراض کے لئے لاکھوں معصوم افراد کو جنگ کی آگ میں جھونکتی رہیں اور محض حماقت اور کورانہ دخل اندازی سے مبادلۂ اشیا کے قدرتی روک کر لوگوں کی قوت کار کو معطل کرتی رہیں۔ کوبڈن اور جو لوگ اس کے جوش میں حصہ دار تھے ان کا غریبوں اور مصیبت زدوں کو دیکھکر دل کڑھتا تھا اور ایسے قوانین پر واجبی غصہ بھی آتا تھا جو صرف ایک چیرہ دست گروہ کے فائدے کی خاطر عامۃ الناس کو فلاکت میں مبتلا رکھنے کے لئے وضع ہوئے تھے۔ اور اسی رحم اور غضب کے جذبات نے ان لوگوں کی تعلیم میں ایک اخلاقی حرارت اور رفعت پیدا کر دی تھی۔ لیکن جس طرح اعلیٰ جذبات نے پہلے مصلحین کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں، اسی طرح کوبڈن اور اس کے ساتھی بھی موہوم آرزوؤں سے بری نہ تھے اُن کے ذہن میں اس نئی قوت کی، جو انسانی زندگی پر عمل کرنے کے لئے تیار تھی، ایسی عظمت سمائی کہ وہ اپنے اصول کی خامی کو بھول گئے اور ان موانع کا بھی ٹھیک اندازہ نہ کر سکے جو نوع انسان پر سمت مخالف میں اپنا اثر کر رہے تھے اور یقیناً مدتِ دراز تک کرتے رہیں گے۔ معاشی اصلاح کا یہ انگریز رہنما انیسویں صدی کے وسط میں نہایت خلوص کے ساتھ اُس دن کے آنے کی راہ دیکھتا تھا جب کہ امن کا دَور دورہ اور خاندان یورپ کے افراد میں بے روک ربط ضبط ہوگا۔ اور اس نے اپنے اجتہاد فکر و اذعان کی بنا پر جس بات کی منادی کی تھی، ریاکاروں نے بھی بعد میں اُسی کی آوازیں لگائیں۔ فرانس کے تجارتی طبقوں پر ترقی تجارت کے منصوبوں کا منتر جس طرح کارگر ہوتا تھا اس کی کوئی نپولین قدر و قیمت جانتا تھا۔ اگر ایک طرف وہ پادشاہی جھنڈوں کو مسجود بنا کر ان کے سامنے ڈنڈوت کرنے کے لئے آمادہ تھا اور سپاہیوں سے خطاب کرتے وقت نپولین کے کارنامے یاد دلا کر جوش پیدا کرتا تھا، تو دوسری طرف، جب بیوپار کی دنیا کو دم دلاسا دینے کا موقع

باب (۳) آتا تو وہ صنعت وحرفت کا حامی اور مجسم امن وصلح بن جاتا، لقب شہنشاہی اختیار کرنے سے چند ہی روز پہلے اس نے بورڈو کی ایک تقریر میں کہا تھا کہ "بعض اشخاص کا قول ہے کہ شہنشاہی جنگ کے مرادف ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ شہنشاہی صلح ہے۔ فرانس صلح کا خواستگار رہے اور جب فرانس مطمئن ہو تو دنیا بھی چین سے رہے گی۔ ہمیں بنجر علاقوں میں زراعت کرنی ہے، سڑکیں بنانی ہیں گودیاں کھودنی ہیں اور ریل کا پورا سلسلہ تیار کرنا ہے۔ ہمیں اپنی تمام بڑی بڑی مغربی بندرگاہوں کو براعظم امریکہ کے ساتھ سریع السیر ذرائع رسل ورسائل سے مربوط کرنا ہے جن کے اب تک ہم محتاج ہیں۔ پھر بہت سے نقصانات کی تلافی، اوہام پرستی کا ازالہ اور حقائق کا بول بالا کرنا ہے۔ یہ مطالب ہیں جنھیں میں شہنشاہی سے منسوب کرتا ہوں اور یہ فتوحات ہیں جن کی مجھے فکر رہتی ہے۔" فی الواقع ۱۸۴۸ء کی ہل چل کے متعاقب سنین میں، ترقی صناعات کی غرض سے امن وصلح کے فوائد کو جس پُراثر طریق پر لوگوں کے ذہن نشین کیا گیا، ایسا پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ مگر ان سب تخیل آرائیوں کے باوجود، وہ دور جس میں یورپ اب قدم رکھنے والا تھا، خصوصیت کے ساتھ جنگ وجدال کا دور ثابت ہوا۔ آیندہ پچیس برس کے اندر اندر، کوئی بڑی طاقت ایسی نہ تھی جو اپنے رقیبوں سے مصروف قتال نہ ہوئی ہو۔ پھر یہ کہ اس دور کے محاربات کسی اعتبار سے بھی محض اتفاقاتِ زمانہ کا نتیجہ نہ تھے اور نہ اُن سیاسی افکار کی رُو سے بے تعلق تھے جن سے اس عہد کی تاریخ مرتب ہوئی۔ کیونکہ سوائے ایک جنگ کے باقی تمام محاربات کے عقب میں عظیم الشان تغیرات عمل میں آئے جن کا وقت پوری طرح آگیا تھا اور جو ایک نسل سے زیادہ عرصے سے قومی مطالبات کے مسلمہ مقاصد رہے مگر ترغیب اور بغاوت دونوں سے وہ مُراد حاصل نہ ہوئی تھی۔ وہ جنگ جس سے کوئی قطعی اور دیرپا قسم کا نتیجہ نہ نکلا محاربہ کریمیا تھا کہ معلوم ہوتا ہے اس سے کثیر اتلاف جان کے معاوضے میں سوائے اس کے کہ ایک فرسودہ اور اجل رسیدہ سلطنت کے خاتمے کو چند روز کے لئے ٹال دے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ لیکن ابھی (یعنی تالیف کتاب کے وقت) تک وہ زمانہ نہیں آیا ہے کہ ہم ۱۸۵۴ء میں سلطنت روس کی شکست کے

اثرات کو جو ترکی کی مسیحی قوموں پر پڑے، یقین کے ساتھ معرضِ تحریر میں لا سکیں۔ کیونکہ گو سلطان کے حامیوں کی فتح نے ان قوموں کی گلو خلاصی کو بیس سال تک تعویق میں ڈال دیا لیکن بالکل ممکن ہے کہ ۱۸۲۹ء میں روس کی کامیابی یا بے باکانہ دراز دستی ان کی قومی آزادی کے راستوں کو ہمیشہ کے واسطے مسدود کر دیتی۔

ملکہ کیتھرائن کا اٹھارویں صدی کا منصوبہ کہ قدیم یونانی سلطنت کو روسی خاندان کے کسی شہزادے کے زیرِ اقتدار از سر نو زندہ کیا جائے، روسی حکومت نے مدت سے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا تھا، بعد میں روس کی خارجی حکمت عملی کا سب سے واضح

روسی حکومت علی نکولاس کے زمانے میں۔

اظہار انکیار اسکیلسی کے معاہدے سے ہوا جب کہ محمد علی کے خلاف ۱۸۳۳ء کی پہلی جنگ کے دوران میں اس کی شرطیں سلطان محمود سے روسیوں نے منوائی تھیں اور اگر مغربی سلطنتیں اس معاہدے کو فسخ نہ کراتیں تو اس سے دولتِ عثمانیہ زار کے زیرِ حمایت ایک باج گزار سلطنت رہ جاتی۔ پھر محمد علی کی سلطان سے دوسری جنگ کے وقت دول یورپ کا اتحاد وجود میں آیا، تو اس وقت نکولاس نے اپنا فائدہ اسی میں دیکھا کہ بابِ عالی کو اس کے مصری حریف اور محمد علی کے فرانسیسی حلیف سے بچانے میں، انگلستان اور دول جرمانیہ کے دوش بدوش کام کرے۔ یہ دول یورپ بعد میں بھی سلطنت عثمانیہ کے متعلق ہر معاملے میں نہایت خبرداری اور سرگرمی سے کام کرتی رہیں جس سے روس کو خواہ مخواہ معتدل روش اختیار کرنی پڑی۔ وہ صورت کہ اپنے آپ جب چاہا ہاتھ مار لیا، اب ناممکن ہو گئی اور جنوب میں مزید فتوحات حاصل کرنے کے واسطے کسی حلیف کی رضامندی یا تائید ناگزیر ہو گئی جس کے بغیر روس قدم بڑھانے کی جسارت نہ کر سکتا تھا۔ ۱۸۴۴ء میں زار نکولاس انگلستان آیا اور اس سیاحت کا مقصد یہ تھا کہ

نکولاس کی آمد انگلستان میں ۱۸۴۴ء۔

بادشاہ اور اہلِ حکومت کو ٹٹولے اور کسی ایسے سمجھوتے کی بنیاد ڈالے کہ جب سلطنتِ عثمانیہ کے شیرازہ بکھرنے کی نوبت آئے جس کی نسبت زار سمجھتا تھا کہ قریب زمانے میں آنے والی ہے، تو اس وقت فرانس کو علیحدہ رکھ کر انگلستان و روس مل کر کام کریں۔ اُن دنوں پیل انگلستان کا وزیرِ اعظم اور لارڈ ابرڈین وزیرِ امورِ خارجہ تھا۔ ابرڈین کی سیاسی زندگی کا

آغاز ایک سفارت سے شروع ہوا تھا جو ۱۸۱۴ء میں متحدین کے لشکر کو بھیجی گئی تھی۔ روس کی طرف اس کا میلان ایسا ہی تھا جیسا کہ ایک باوفا دوست کا اپنے پرانے حلیف کی طرف ہونا چاہیئے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۱۴ء کے زمانے کی یاد نے جب کہ نوجوان نکولاس کا ابرڈین سے فرانس میں تعارف ہوا زار کو کچھ خاص طور پر مطمئن کر دیا تھا کہ انگریز وزیر اس کے ساتھ دلی محبّت کا برتاؤ کرے گا۔ نکولاس، ابرڈین اور نیز پیل و ولنگٹن سے سلطنت عثمانیہ کے زمانۂ قریب میں انقراض کے متعلق بارہا اپنے خیالات کا بے تکلف اظہار کرتا رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ "ایک بیمار سسکتا آدمی ہماری تحویل میں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جب تک ہو سکے اُسے زندہ رکھیں لیکن اسی کے ساتھ ہمیں تمام امکانی صورتوں کو پیش نظر رکھنے میں کوئی لحاظ و مروّت نہ کرنی چاہیئے۔ میں ترکی سلطنت کا چپّہ بھر خود لینا نہیں چاہتا لیکن میں کسی دوسری طاقت کا بھی چپّہ بھر ترکی زمین پر قبضہ کرنا برداشت نہیں کروں گا۔ فرانس کے دماغ میں افریقہ، بحر متوسط اور ایشیا میں ملک گیری کے منصوبے سمائے ہوئے ہیں اور اسی کی طرف سے ہمیں اندیشہ ہے۔ پس اگر انگلستان و روس میں کوئی مفاہمت ہو جائے تو امن یورپ میں خلل نہ پڑ سکے گا۔" اس مجمل نظریہ کی اگر زار نے مزید توضیح و تشریح کی ہو جس کی کوئی تحریری شہادت ہمارے سامنے نہیں ہے، تو بھی اسے کوئی حسب مراد جواب نہیں ملا۔ اس کی گفتگو سننے میں احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور بظاہر اس کے انگلستان آنے کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوا کہ رسمی طور پر حکومت برطانیہ نے اپنا یہ منشا ظاہر کر دیا کہ روس سے جو معاہدے کیے گئے ہیں اُن کی شرطوں کی پابندی باب عالی پر واجب ہوگی۔ اور اسی کے ساتھ یہ بے معنی سا وعدہ بھی کیا کہ اگر ترکی میں خلاف توقع واقعات پیش آئیں تو انگلستان و روس آپس میں مشورہ کریں گے کہ مل کر کام کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔[۱]

ہٹ اسٹاک مار، صفحہ ۳۹۷۔ مشرقی امثلہ (کاغذات پارلیمنٹ، بابت ۱۸۵۴ء جلد ۷۱) جزو ششم۔ ماڈبری "میموائرز آف این ایکس منسٹر" جلد اول۔ صفحہ ۴۰۲۔ یہ آخری کتاب غالباً صحیح نہیں ہے۔ "ڈپلومیٹک اسٹڈی آف دی کریمین وار" جلد اوّل حصّہ دوم۔ یہ حکومت روس کی سرکاری کتاب ہے۔ جو اگرچہ

۱۸۴۳ء میں برِاعظم یورپ کی سلطنتیں سخت ضعطے کی حالت میں تھیں لیکن اس موقع سے نکولاس نے فائدہ نہ اٹھایا اور کسی مصلحت سے یا محض بادشاہی شان کے خلاف سمجھکر اس وقت ترکی پر حملہ نہیں کیا۔ اسے سیاسی انقلاب سے شدید نفرت تھی اور ایسے قوموں پہ اپنے بادشاہوں کی خدا داد منتظم حکومت کے خلاف سخت فتنہ انگیزی سمجھتا تھا۔ وہ غالباً یہ احساس رکھتا تھا کہ اپنے بھائی بادشاہوں پر برا وقت پڑا دیکھکر خود اس سے فائدہ اٹھانا جیسی کہ اس کی جدہ کیتھرائن کی خصلت تھی، موجب عار بات ہے۔ وہ بابِ عالی سے اس متاع کے واسطے نہ لڑا جس کی نسبت امید تھی کہ مرورِ زمانہ اور دول یورپ کی دوستی کی بدولت بلا کسی جنگ و جدل کے عنقریب ہاتھ آجائے گی۔ بلکہ اس طرز عمل پر اس نے ہنگری کے باغیوں کے مقابلے میں روسی فوجیں بھیجنے کو ترجیح دی کہ خاندانِ ہیپس برگ کی دستگیری کریں۔ کیونکہ یہی فعل اس کی خود پسند طبیعت کے زیادہ مناسب تھا اور ممکن ہے کہ اس میں بعض دُور کی اور گہری مصلحتیں بھی پوشیدہ ہوں۔ اس دوران میں بخارسٹ اور جاسی میں ہنگامے برپا ہوئے تو اس میں شبہ نہیں کہ ولایات ڈین یوب کے استبدادی نظامِ حکومت کی مدد کے واسطے روسیوں نے مداخلت کی لیکن ان صوبوں پر اس قسم کی نگرانی کا حق روس کو بروئے عہدنامہ حاصل تھا۔ یہ بغاوت ہوس پو داروں کے مقابلے میں برپا ہوئی تھی اور اس کے بعد ان صوبوں پر فوجی قبضہ کرنا ضروری ہوا تو یہ کارروائی بھی روس و ترکی کے باہمی اقرارنامے کی رو سے اور دونوں سلطنتوں کی فوجوں کے اشتراک سے عمل میں آئی۔ پھر دو سال گزرتے ہی روسیوں نے امن و عافیت کے ساتھ اپنی فوج کو واپس طلب کر لیا۔ اس سے بھی زیادہ پیچیدگی کی ایک اور صورت اس وقت پیش آئی جب کہ آسٹریہ اور روس کی متحدہ فوجوں نے ہنگری پر تسلط جمایا اور کوسوت اور ہنگری کے دوسرے قومی سرگروہ بھاگ کر

نکولاس کی روش ۱۸۴۸ء میں

ہنگری کے پناہ گزین ۱۸۴۹ء

بقیہ نوٹ صفحہ (۲۵۲)۔ غیر مربوط اور نامعتبر ہے تاہم اس اعتبار سے مفید ہے کہ اس سے روسیوں کا سرکاری نقطۂ نظر معلوم ہوتا ہے۔

باب (۳)

ترکی علاقے میں چلے آئے۔ ان پناہ گزینوں کی تحویل کا مطالبہ کرنے میں دربار روسی آگا اور سینٹ پیٹرزبرگ متفق اللسان تھے مگر سلطان نے ان کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اور برطانیہ نے بڑی سرگرمی سے باب عالی کی تائید کی۔ کوسوت کے بچے استنبول آئے تو برطانوی سفارت خانے نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خبرگیری اپنے ذمے لی۔ یورپ کے دو بادشاہوں کے ظالمانہ مطالبے اور سلطان کے مردانہ وار نہ ماننے کی خبریں مغربی یورپ میں نہایت اشتیاق سے سنی گئیں۔ یہ بھی تقدیر کی عجیب نیرنگی تھی کہ وہی حکومت جس نے گذشتہ صدی کے اواخر میں دربار روسی آگا سے یونانی سرغنے رحیگاس کی تحویل کا مطالبہ کیا اور آسٹریہ کی پولس نے اُسے ترکوں کے حوالے کیا تو فوراً قتل کرا دیا تھا، آج اس کی مدح وستائش کا تمام آزاد قوموں میں غلغلہ تھا کہ مطلق العنان جابروں کے انتقام سے آزادی یورپ کے سورماحامیوں کو بچنے کی کوئی جگہ مل سکی تو اسی (ترکی)، حکومت کی پناہ میں۔ زار روس اور بادشاہ آسٹریہ نے جب اپنے دشمنوں کو سلطان کے دامن حمایت سے زبردستی چھین لینے کی کوشش کی تو انھیں اس بات کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا کہ ان کی اس کارروائی سے مغربی یورپ میں طیش ومخالفت کا کیسا جوش پھیل جائے گا۔ انھوں نے اپنے سفیروں کو استنبول سے چلے آنے کا حکم اور لڑائی کی دھمکی دی لیکن برطانیہ اور فرانس کے بیڑے دردانیال کے سامنے نمودار ہوئے تو اس قضیے کی نوعیت بدل گئی۔ روس و آسٹریہ کو معلوم ہوگیا کہ اگر اسی معاملے پر وہ ترکی سے لڑے تو انھیں مغربی سلطنتوں سے بھی لڑنا پڑے گا۔ غرض پناہ گزینوں کی تحویل کے مطالبے سے ہاتھ اٹھا لیا گیا اور سلطان نے ان کے سرگروہ کی معقول مدت تک نگرانی رکھنے کا اقرار کیا اور ایسا اطمینان دلایا جسے مذکورۂ بالا بادشاہی حکومتیں قبول بھی کرسکیں اور ان کی کوئی سبکی بھی نہ ہوئی[۱]

۱۸۵۱ء کے آخر میں لوئی نپولین کے غصب حکومت کی کارروائی دیکھ کر زار کے دل میں اس کی حمایت اور ستائش کے جذبات پیدا ہوئے۔ کیونکہ یہ زار کے نزدیک حسن انتظام قائم کرنے کی پسندیدہ کوشش تھی۔ لیکن جب اس شہزادے نے

ملا۔ ایشلے: پامرسٹن وغیرہ وغیرہ۔

فرانس و روس کی نزاع مسیحی مقامات مقدسہ کے بارے میں ۱۸۵۰ء تا ۱۸۵۲ء۔

لقب بادشاہی اختیار کیا تو یہ بات نکولاس کو نہایت ناگوار گزری۔ چنانچہ اس کی بادشاہی تسلیم کر لینے سے تو زار نے انکار نہ کیا مگر اسے "مون فریر" = برادر من) کے الفاظ لکھنے سے جو بادشاہوں کی باہمی خط و کتابت میں بالعموم تحریر کیا جاتا ہے، اِبا کیا۔ ہنگری کے پناہ گزینوں کے قضیئے کے علاوہ ایک اور اختلاف فلسطین کے مقامات مقدسہ کے متعلق ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ روس و فرانس میں سخت جھگڑا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ دراصل، اسی قسم کی ایک مذہبی اور شرعی دلچسپی کی ہوا فرانس میں بھی چل گئی تھی جیسی کہ انگلستان میں چلی اور "ٹریک ٹیرین" تحریک کا باعث ہوئی تھی۔ اور اس تحریک نے کلیسائی معاملات کے متعلق فرانس میں وہ جوش پیدا کیا کہ مدت سے پیرس کے ارباب حکومت اور واضعانِ قانون کے حلقوں میں دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ ۱۸۴۹ء کی مجلس مبعوثین میں مذہب کیتھولک کے تند خو فرقے کا مکھیا مون تالمبر، مجلس کے سربرآوردہ ارکان میں گنا جاتا تھا۔ لوئی نپولین نے صدارت کے زمانے میں مون تالمبر کے زیر اثر گروہ کو اپنا بنانا چاہا اور انہی حکام نے جو پاپا کو دوبارہ روما لائے تھے، باب عالی سے بھی مطالبہ کیا کہ ممالک مشرقی میں کیتھولک حقوق کی پوری پوری نگہداشت کی جائے۔ مذہبِ مسیحی کے قدیم ترین افسانوں کی جائے وقوع یروشلم کے آس پاس قرار دے لی گئی تھی اور جب تک مذہب کا ولولہ رہا، اس وقت تک ان مقامات میں بے شمار تیرتھ ہوا کرتے تھے۔ قریبی زمانے میں بھی اِن کے متعلق فرانس اور دولت عثمانیہ میں عہد و پیمان کیے گئے تھے۔ بایں ہمہ ان مقامات مقدسہ کی تولیت پر یونانی اور لاطینی راہبوں میں جھگڑے ہوتے رہے اور جس نسبت سے روس کی قوت بڑھی، اسی قدر یونانی راہبوں کے امتیازی حقوق میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ ان حریف اہلِ مذہب کی نزاع محض چراغ بتی، قفل کنجی اور دروازوں وغیرہ کے متعلق رہا کرتی تھی اور اگر یہ قضیہ کسی تماشا گاہ کے داروغہ کے سپرد کر دیا جاتا تو غالباً وہ چند گھنٹوں میں ایسا تصفیہ کر دیتا کہ ہر فریق خوش ہو جاتا۔ لیکن وہ اہل سیاست جو ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے درپے تھے، اُن باتوں کا فیصلہ کرنے بیٹھے تو وہ ایسی شیطان کی آنت ہو گئیں کہ امن یورپ کا مسئلہ اُن کی آغوش میں آگیا۔ مظلوم مجاوروں کی

باب ۳ | کی طرح فرانس و روس کے سفیر (متعینۂ استنبول)، باری باری سلطان کو دق کرتے رہتے تھے۔ ۱۸۵۲ء کے اوائل میں باب عالی نے پریشان ہو کر ایک فریق سے جن حقوق کا وعدہ کیا تھا انھی کو دینے کا دوسرے سے بھی وعدہ کر لیا اور اس طرح اپنے آپ کو اور بھی مشکل میں پھنسا لیا۔ سال بھر اور اسی تو تو ئیں ئیں، چلے حوالے اور پھیر دھکی اور ڈراوے میں گزرا تا آنکہ فرانس نے کامیابی پائی اور روسیوں سے جو وعدے کیے گئے تھے، اُن کے متعلق عذر لنگ سے کام لیا جانے لگا۔ "مزار شریف" اور مولد مسیح علیہ السلام کی درگاہ پر جو یونانی راہب مجاور ی کرتے تھے، وہ الگ کر دئے گئے اور اس طرح گویا کلیسائے یونانی نے شکست کھائی ہے[1]۔

نکولاس نے باب عالی کے اس طرز عمل کو ایسا سمجھا کہ گویا خود اس کی ذات کی کوئی سخت توہین کی گئی۔ انھی دنوں سلطان اور اہل جبل اسود (مونٹی نگرو) میں ان بن شروع ہوئی اور قرینہ کہتا تھا کہ وہ بہت جلد خونریز مخاصمت کی صورت اختیار کر لے گی۔ پس زار کو یقین ہو گیا کہ عزم مصمم کے ساتھ کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ ۱۸۵۳ء کے

نکولاس اور سر ہملٹن سیمور۔ جنوری و فروری ۱۸۵۳ء

آغاز میں اس نے سر ہملٹن سیمور (یعنی سنٹ پیٹرزبرگ کے انگریزی سفیر) سے بہت صاف اور اُن سے زیادہ زوردار الفاظ میں، جیسے کہ لارڈ ابرڈین سے کہے تھے، اپنا مدعا ظاہر کیا اس نے کہا کہ "مرد بیمار کی جانکنی کی حالت ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ انگلستان و روس کے درمیان کوئی واضح مفاہمت ہو جائے۔ ممکن ہے کہ قسطنطنیہ پر روسی فوج کا قبضہ کرنا ضروری ہو لیکن زار بالاستقلال اس پر قبضہ نہ رکھے گا۔ وہ کسی اور سلطنت کو بھی اجازت نہ دے گا کہ بوسفورس پر قدم جما لے اور نہ اُس بات کو جائز رکھے گا کہ سلطنت عثمانیہ مختلف جمہوری ریاستوں میں منقسم کر دی جائے جو یورپ کے مازنیوں اور کوسوتوں کی مامن بن جائیں۔ ولایاتِ ڈینیوب پہلے سے روس کی حمایت میں آزاد ریاستیں ہو گئی ہیں۔ بلقان کے شمال میں سلطان کے دوسرے مقبوضات کی بھی یہی حیثیت قرار دی جا سکتی ہے۔ اور کریٹ و مصر کا انگلستان الحاق کر سکتا ہے"۔

---

[1] مشرقی اشلہ، دیکھو

جب زار برطانیہ سے باقاعدہ یہ تحریک کر چکا اور اسے جواب مل گیا کہ انگلستان کسی ایسی تجویز میں جو سلطنت ترکی کے انقراض پر مبنی ہو، حصہ لینا نہیں چاہتا اور مقبوضات سلطان کے کسی حصے کو خود لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، تو نکولاس نے شہزادہ من شیکوف کو استنبول روانہ کیا کہ باب عالی سے نہ صرف مقاماتِ مقدسہ کے متعلق بلا تاخیر قضیئے چکانے کا مطالبہ کرے بلکہ مستقل طور پر ایک عہد نامہ لکھوائے جس کی رو سے سلطنت ترکی اس بات کی ضامن ہو کہ کلیسائے یونان سے جو مراعات پہلے کی گئی تھیں، وہ اُن سے بلا خرخشہ متمتع ہوتا رہے گا نیز ان تمام رعایتوں سے مستفید ہوگا۔ جو باب عالی کی طرف سے آئندہ کسی مسیحی جماعت کو دی جائیں ۔[۱]

اس قسم کا معاہدہ کرنے کے معنی یہ ہوتے کہ سلطان یونانی مذہب رکھنے والی رعایا کے جملہ حقوق و مراعات کے متعلق سلطنت روس کے سامنے جوابدہ ہو جائے اور اگر کسی ایک مسیحی شخص کے حقوق میں کوئی دست اندازی ہو تو از روئے معاہدہ روس کو مداخلت کا، یا خلاف ورزیٔ عہد نامہ کی بنا پر تاوان طلب کرنے کا حق حاصل ہو جائے۔ یہ سچ ہے

روس کے دعاوی۔

کہ معاہدۂ کینارجی (۱۷۷۴ء) کی رو سے سلطان نے اپنے تئیں اس بات کا پابند بنا لیا تھا کہ "وہ دین مسیحی اور اس کے گرجوں کی محافظت کرے گا"، لیکن یہ فقرہ اتنا مبہم تھا کہ اس سے کسی صریحی شرط معاہدہ کی ذمہ داری عائد نہ ہوتی تھی۔ دوسرے اگر اس سے روس کو کلیسائے یونان کے متبعین کی طرف سے مداخلت کا عام حق حاصل ہوا تو اسی قسم کا حق تمام کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مسیحیوں کی حمایت کا بھی حاصل ہوا جو سلطان کی رعایا تھے، حالانکہ زار نے اس حق کا کبھی خود دعویٰ نہیں کیا تھا۔ مزید براں معاہدۂ کینارجی میں صرف ایک مذہبی عمارت کا صراحتاً نام تحریر تھا جس کے پادریوں کی طرف سے روس کو سلطان کی خدمت میں وکالت کرنے کا حق دیا گیا تھا اور اسی سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ مذکورۂ بالا حقاظت

[۱] مشرقی امثلہ - پنجم - ۲ - ۱۹

باب (۳)

کی عام شرائط سے کوئی مخصوص معنی لینے کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔ رہیں ولایات ڈینیوب، تو ان کی حفاظت کرنے کا معاہدۂ اورنہ کی رُو سے روس یقیناً مجاز ہو گیا تھا۔ لیکن سلطنت کے دوسرے صوبوں کی حیثیت ان ولایتوں سے بالکل مختلف تھی۔ اصولی طور پر یہ بات سب کو تسلیم تھی کہ کلیسائے یونان کو رواج قدیم اور احکام شاہی کے ذریعے جو مراعات حاصل ہیں، سلطان کو ان کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ مگر من شی کوف کے مطالبے میں انوکھی چیز تھی تو یہ کہ ان مراعات کے متعلق سلطنت روس کے ساتھ ایک مستقل اور جداگانہ معاہدہ کیا جائے۔ مطالبے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا تھا کہ من شی کوف نے ترکی وزیروں سے تاکید اکید کی کہ دوسری سلطنتوں کے حکام پر اس کا انکشاف نہ کیا جائے اور نکولاس نے برطانوی حکومت کو یہ اطلاع بھجوائی کہ من شی کوف کی سفارت کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کے مسئلے میں جو پیچیدگیاں پڑ گئی ہیں، ان کا بالکل جھگڑا چکا دیا جائے[1]

من شی کوف کے استنبول میں ورود کے وقت برطانوی سفارت کا انتظام ایک ماتحت عہدہ دار کے سپرد تھا۔ اصلی سفیر سر اسٹریٹ فورڈ کیننگ انہی دنوں انگلستان واپس آ گیا تھا۔ یہ شخص سابق وزیر (کیننگ) کا عم زاد بھائی، اور ۱۸۱۰ء سے مختلف اوقات میں ممالک مشرق میں مقرر ہوتا رہا تھا۔ اپنی سیاسی زندگی کے ایک حصے میں اس کی خواہش یہ رہی تھی کہ ترک جیسے ناقابلِ علاج وحشی کو یورپ سے قطعی نکال دیا جائے۔ لیکن آگے چل کر اسے سلطان محمود کی اصلاحات سے خاص شوق و دلچسپی پیدا ہوئی اور استنبول میں برطانوی سفیر کی حیثیت سے وہ ۱۸۴۲ء سے ۱۸۵۲ء تک مسلسل کوشش کرتا رہا کہ سلطنت عثمانیہ کی حالت سنبھل جائے اور سلطان کے ماتحت جو عیسائی قومیں ہیں ان کی فلاح و بہبود کی

لارڈ اسٹریٹ فورڈ ڈی رڈکلف۔

[1] مشرقی امثلہ وغیرہ وغیرہ۔

صورت نکلے۔ اپنی مسلسل اور مردانہ وار سعی و سرگرمی، وجاہتِ ظاہری اور بابِ عالی سے بے لوث دوستی کی بدولت، اسے استنبول میں ایسا رسوخ حاصل ہوا کہ کسی پردیسی مدبّر کو شاذ و نادر حاصل ہوا ہوگا بلکہ شاید کبھی حاصل نہ ہوا ہو۔ ایسے موقعے بھی آئے جب کہ معلوم ہوتا تھا اس کی محنت کچھ نہ کچھ بار آور ضرور ہوگی لیکن جس کارِ دشوار کا اُس نے بیڑا اُٹھایا تھا وہ انسانی طاقت سے ماورا تھا چنانچہ دس سال میں یہ شہرت تو اسے مل گئی کہ زمانۂ حال میں وہ انگلستان کا سب سے سربرآوردہ سفیر مانا گیا لیکن اِس مدّت کے بعد اُس نے صاف کہہ دیا کہ ترکی میں اصلاح کی توقع محض فضول ہے اور یہ ارادہ کرکے کہ واپس نہ آئے گا، استنبول سے روانہ ہوگیا[1] ابھی اِسکا کوئی جانشین مقرر نہ ہوا تھا کہ من شی کوف کی سفارت استنبول پہنچی۔ اور اس کے ناخوشگوار طرزِ عمل، نیز اس افواہ نے کہ من شی کوف اپنے ظاہری مقصد سے کہیں زیادہ اہم مطالبہ کرنے آیا ہے، برطانوی حکومت کو گھبرا دیا۔ کیننگ سے

---

[1] ۔ ۵۔ اپریل ۱۸۵۱ء کو اس نے یہ تحریر کیا تھا کہ "بالفعل تو اصلاحات کا سارا کھیل بگڑا ہوا ہے۔ میں اب اس بات کو چھپا نہیں سکتا کہ میرے یہاں ٹھہرے رہنے کا مقصد حاصل ہونے کی مطلق اُمید نہیں نظر آتی۔" پامرسٹن تک خاص خاص مواقع پر جب کہ اس کی قوت فیصلہ اس معاملے میں اُس کے تعصبات پر غالب ہوتی تھی اِسی قسم کی رائے ظاہر کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ۲۴۔ نومبر ۱۸۵۰ء کے خط میں رشید پاشا کو متنبہ کرتا ہے کہ "سلطنت ترکی کا اپنے فرماں رواؤں اور وزیروں کے تلوّن اور کم ہمتی کی بدولت برباد ہونا شدنی ہوگیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ زمانۂ قریب میں ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ اس کی بجائے دوسرا کیا انتظام کیا جائے۔" اسٹریٹ فورڈ جون ۱۸۵۲ء میں استنبول سے رخصت ہوا تھا مگر جنوری ۱۸۵۲ء ہی میں پھر اپنے عہدے پر آگیا۔ (دیکھو لین پول: "اسٹریٹ فورڈ ڈ کلف" جلد دوم۔ ۲۱۳۔ ۲۱۵) [موٴلف کی ایسی دلچسپ بناوٹی عبارتوں کے متعلق شاید یہ لکھنا تحصیل حاصل ہے کہ جس طرح روس مسیحی اقوام کی حمایت کے حیلے سے سلطنت عثمانیہ کی تخریب کے درپے تھی اسی طرح انگریزوں کی وہمی حکمت عملی نے ترکی میں مداخلت اور اپنی اغراض ملک گیری کے لئے "اصلاحات" کا فرضی عذر گھڑ رکھا تھا اور جب سلطنت عثمانیہ رفتہ رفتہ بالکل کمزور ہوگئی تو برطانیہ نے اس کے علاقوں پر قبضہ کرنے میں روسیوں سے بھی زیادہ چستی اور بے دردی دکھائی۔ مترجم]

باب (۴)

استدعا کی گئی کہ وہ دوبارہ اسی خدمت پر جائے اور اب وہ لارڈ اسٹریٹ فورڈ ڈی رڈ کلف کے خطاب سے سربلند ہو کر استنبول آیا۔ راستے میں پیرس و وی آنا سے بھی اُس نے گفتگو کی اور یہ اختیار بھی اسے دیا گیا کہ مالٹا کے انگریزی بیڑے کے امیر البحر کو حکم دیتا جائے کہ وہ اپنے جنگی جہازوں کو ممالک مشرق کی طرف چلنے کے لئے تیار رکھے ۵۔ اپریل کو وہ باسفورس پہنچا اور صورتِ حال معلوم کر کے مان شی کوف سے گفت و شنید شروع کی۔ روسی سفیر اپنے حریف کے سامنے فن سیاست میں طفلِ مکتب تھا۔ اور اس بات پر رضامند ہو گیا کہ مقاماتِ مقدسہ کے سوال کو کلیسائے یونانی کے حقوق کے مسئلے سے علٰحدہ کر دیا جائے ظاہر ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کے متعلق روسیوں کا مطالبہ معقول تھا مگر دوسری بات محض ایک نئے دعوی کی حیثیت رکھتی تھی۔ جب یہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو اسٹریٹ فورڈ کو مقامات مقدسہ کے بارے میں ایسا بیّن فیصلہ کرا دینے میں کوئی دقت پیش نہ آئی جسے زار کا سفیر بھی قبول کر لے پس اب یونانی مسیحیوں کی حمایت کا دعویٰ بالکل صاف اور الگ نظر آنے لگا اور چھوٹی چھوٹی شکایات کی جن الجھنوں میں اس کی اصلی نوعیت چھپی ہوئی تھی، وہ سب دور ہو گئیں۔ اس دعوے کو مسترد کر دینے کی اسٹریٹ فورڈ نے خود ترکی حکومت کو شہ دی۔ تاہم اس خیال سے کہ مَن شی کوف کا اور بس نہ چلے گا تو وہ ذاتی طور پر سلطان کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کرے گا، اسٹریٹ فورڈ نے اپنی سب سے قوی حجت ترکی وزیروں پر ظاہر نہ کی بلکہ تنہائی میں سلطان کی خدمت میں باریاب ہو کر اس نے ۹۔ مئی کے دن اعلیٰحضرت کو وثوق کے ساتھ یہ بتا دیا کہ مجھے مالٹا کے انگریزی بیڑے کو روانگی کے لئے تیار رہنے کا حکم دینے کی اجازت مل چکی ہے۔ اس بیان کا قدرتی طور

من شی کوف کا رخصت ہونا۔ ۲۱۔ مئی۔

پر جو مطلب ہو سکتا تھا سلطان نے بھی وہی سمجھا اور من شی کوف کے مطالبہ کو حتماً مسترد کر دینے کا حکم دے دیا۔ حالانکہ روسی سفیر اس میں ترمیم کرنے پر بھی آمادہ ہو گیا تھا اور باقاعدہ معاہدے کی بجائے صرف سلطان کی ایک یادداشت قبول کر لیتا جس میں سلطان المعظم کلیسائے یونانی

---

[1] مشرقی مسئلہ۔ جلد اول۔ ۲۵۳ و ۳۳۹۔ لین پول: اسٹریٹ فورڈ۔ دوم ۲۴۲۔

کے حقوق کی نسبت اپنے ارادے ظاہر کر دے۔ لیکن جب صاف انکار ہو گیا تو ۲۱۔ مئی کو منشی کوف استنبول سے رخصت ہو گیا اور زار نے یہ کہکر کلیسائے یونانی کے بقائے حقوق کی ضمانت ہونی چاہیئے اعلان کیا کہ روسی افواج کو ولایات ڈین یوب پر قبضہ کرنے کا حکم دینا ضروری ہو گا۔ پھر چند ہفتے گزرے تھے کہ روسی سپاہیوں نے پرتھ کو عبور کیا اور ملداویہ اور ولیشیہ کے علاقے پر پھیل گئے (۲۲۔ جولائی)۔

افواج روس کا داخلہ ولایات ڈین یوب میں

عام بین الاقوامی دستور کے مطابق ایک سلطنت کے سپاہیوں کا دوسری سلطنت کے علاقے پر چڑھائی کرنا، آغاز جنگ کے مرادف ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے۔ اور ایسی کارروائی کے ساتھ ہی جس حکومت پر حملہ کیا جائے اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ مدافعت کی تدابیر کرے۔ لیکن زار حجت پیش کرتا تھا کہ ولایات ڈین یوب کو کفالت میں لینے سے اس کا مدعا امن شکنی نہیں ہے۔ دوسرے ترکوں کی عقل سلیم نیز جو بیرونی مشورے انھیں مل رہے تھے، وہ مقتضی تھے کہ اعلان جنگ کرنے میں توقف سے کام لیا جائے۔ اُدھر دسمبر ۱۸۵۲ء سے انگلستان کا وزیر اعظم لارڈ ابرڈین ہو گیا تھا اور اس کی مجلس وزارت میں سر رابرٹ پیل کے تبعین اور روھگ فرقے کے سرگروہ، پامرسٹن اور رسل[1] شامل تھے۔ گویا دونوں فرقوں کی ملی جلی وزارت قائم ہوئی تھی۔ تیام امن اور روس کے ساتھ عزت آبرو سے دوستی رکھنے کی خواہش جس قدر لارڈ ابرڈین کو تھی، شاید انگلستان میں کسی دوسرے کو اتنی نہ ہوگی۔ زار کا یہ اندازہ کہ وزیر اعظم اس کے معاملے میں چشم پوشی سے کام لے گا، بالکل صحیح تھا۔ مگر وہ ان اسباب و علل کی صحیح قوت سمجھنے سے قاصر رہا جو مجلس وزرا کے اندر اور باہر کام کر رہے تھے اور جن کا منشا روسیوں کی بزور شمشیر مزاحمت کرنا تھا۔ پامرسٹن کے دل کو لگی ہوئی تھی کہ (جنگ کی) عملی کارروائی کی جائے۔ اور ادھر معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ اسٹریٹ فورڈ

انگلستان کی حکمت عملی۔

[1] پامرسٹن نے وزارت داخلہ کا عہدہ قبول کر لیا تھا لیکن قدرتی طور پر خارجی معاملات میں اس کی رائے کو بہت کچھ دخل تھا۔ وزیر امور خارجہ لارڈ کلیرنڈن تھا۔

باب (۳) نے شروع سے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اگر منشی کوف کا مطالبہ نہ ماننے کی بنا پر سلطان اور زار کے درمیان جنگ چھڑی تو برطانیہ سلطنت عثمانیہ کی طرف سے جنگ کرے گی۔ یہ بات اِس نے صراحتہً نہیں بیان کی لیکن جو ہدایتیں اسے دی گئیں اور انکی اس نے سلطان کو اطلاع دی، ان کا مفہوم سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اگر انگریزی بیڑے کو سلطان کی مدافعت کرنی نہ تھی تو پھر یہ اسے یہ اطلاع دینی کہ سفیر بیڑے کو حرکت میں لانے کا مجاز کر دیا گیا ہے، محض ایک فریب تھا اس قسم کی فریب کاری اسٹریٹ فورڈ کے مزاج سے اتنی ہی بعید تھی جتنی یہ بات اُس کی خود پسند طبیعت کے مناسب تھی کہ جو کچھ کہا ہے اُس کو سلطان سے باقاعدہ عہد کرنے کے مُرادف سمجھے اور کامل یقین کرلے کہ اس کی پابندی انگلستان کا فرض ہے۔ غرض، گو کوئی معاہدہ یا تحریری قول قرار موجود نہ تھا، لیکن جس تاریخ اسٹریٹ فورڈ قصر شاہی میں باریاب ہوا، اسی دن سے انگلستان گویا قول ہار چکا تھا کہ جب تک ترک، انگریزی سفیر کی بتائی ہوئی حکمت عملی پر چلیں گے، اس وقت تک انگلستان کا فرض ہوگا کہ وہ اُن توقعات کے مطابق کام کرے جو انگریزی سفیر نے دلائی تھیں۔

اگر حکومت برطانیہ کی زمام لارڈ اسٹریٹ فورڈ کے ہاتھ میں ہوتی تو کچھ شک نہیں کہ برطانیہ کے ارادے اور منشا اس طرح صاف صاف بتا دئے جاتے کہ زار کو اپنی کارروائی کے نتیجوں کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہتی۔ پامرسٹن وزیر اعظم ہوتا تو غالباً ایسا ہی صاف اور واضح طرز عمل وہ اختیار کرتا۔ اور پھر یا تو انگریزوں کو لڑائی لڑنی نہ پڑتی اور یا وہ ایک واضح مقصد اور معیّن وجہ سے میدان میں اترتے مگر لارڈ ابرڈین کی خود مجلس وزرا میں اختلاف رائے موجود تھا۔ ابرڈین تیار تھا کہ خواہ کچھ ہی نوبت آجائے، لڑائی کی بجائے رسل و رسائل سے معاملہ طے کیا جائے۔ مگر اسے نہ اپنے ساتھ کے وزیروں پر اتنا اقتدار تھا نہ دوسرے ملکوں میں انگلستان کے قائم مقاموں پر کہ اُنھیں اس قسم کی کارروائیوں سے باز رکھ سکتا جو بجائے خود لڑائی کو قریب لا رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ابرڈین ترکی سے یہ شرط منوانے میں بھی قاصر رہا کہ جب تک گفتگو ہو رہی ہے، ترک جنگ چھیڑنے سے محترز رہیں گے۔۔ حالانکہ یہ ایسی شرط تھی کہ انگلستان اور دوسری طاقتیں جو باب عالی کی حمایت پر کمربستہ تھیں،

برطانوی اور فرانسیسی بیڑوں کا درود خلیج بسیکیہ پر۔ جولائی 1853ء۔

انھیں اس پر یقیناً اصرار کرنا چاہیئے تھا۔ بہرحال جب زار نے اعلان کیا کہ اس کی فوجیں ولایات ڈینیوب میں داخل ہوا چاہتی ہیں تو حکومت برطانیہ نے اپنا بیڑا دردانیال کے دہانے کے قریب خلیج بسیکیہ پر بھیج دیا اور اسٹریٹ فورڈ کو اختیار دیا کہ اگر استنبول پر حملہ ہو تو وہ اُسے باسفورس میں طلب کر لے[1]۔

فرانسیسی بیڑا من شی کوف کے استنبول آتے ہی یونانی سمندروں میں آگیا تھا، وہ بھی بڑھ کر اسی خلیج میں لنگر انداز ہوا۔ اِدھر یورپ کے سیاسی شاطر بڑے انہماک سے باب عالی اور زار روس میں مصالحت کی صورتیں تجویز کرنے میں مصروف تھے چار بڑی سلطنتوں کے قائم مقام وی آنا میں جمع ہوئے اور انھوں نے متفقہ ایک یادداشت مرتب کی جس سے اِن کے نزدیک کلیسا کی حمایت کے جائز دعاوی بھی پورے ہوجاتے تھے اور اسی کے ساتھ سلطان پر بھی سوائے اُن ذمہ داریوں کے جو پہلے سے موجود تھیں، روس کی طرف سے کوئی نئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی تھی[2]۔ مگر اس یادداشت کی عبارت ناقص تھی اور اس سے روس کو ترکی پر ایک عام نگرانی رکھنے کے دعاوی کی گنجائش مل سکتی تھی، جو یادداشت لکھنے والوں کا ہرگز منشا نہ تھا۔ اس یادداشت کا مسودہ سینٹ پیٹرزبرگ بھیجا گیا تو زار نے اسے منظور کر لیا۔ لیکن استنبول کے اہل الرائے نے اس کی پیچیدگیاں فوراً تاڑ لیں اور ہرچند لارڈ اسٹریٹ فورڈ نے سرکاری طور پر اصرار کیا کہ جب دول یورپ یہ ذمہ لیں کہ اس کے غلط معنی نہ لیئے جائیں گے تو باب عالی کو اسے قبول کر لینا چاہیئے

وی آنا کی یادداشت۔ 28۔ جولائی۔

مگر وزیر اعظم پر ترکی محبانِ وطن کا ایسا دباؤ پڑا کہ دیوانِ وزارت نے یادداشت کو اس وقت تک کہ اس کے الفاظ میں بعض تبدیلیاں نہ کر دی جائیں، قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرانس، انگلستان اور آسٹریہ نے دربار سینٹ پیٹرزبرگ سے بالاتفاق سفارش کی کہ ان لفظی تبدیلیوں کو قبول کر لیا جائے۔ مگر زار نے یہ تجویز نہ مانی اور اِدھر ایک دستاویز سے جو روسی حکومت کی منشا کے خلاف شائع ہو گئی تھی یہ ثابت ہوا کہ

---

[1] امثلہ مشرقی وغیرہ۔

[2] مشرقی امثلہ۔ دوم ۔ 23۔

باب (۳)

دولت روس یادداشت کے ٹھیک وہی معنی لینا چاہتی ہے، جن سے بچنے کے لئے اس کی عبارت میں تبدیلی کرائی جا رہی تھی۔ تب حکومت برطانیہ نے کہہ دیا کہ آیندہ وہ باب عالی سے یادداشت قبول کرنے کی سفارش نہ کریگی[۱]۔ آسٹریہ عبارت میں ترمیم کی موید تھی مگر اس کے نزدیک انگلستان کا محض زار کی ترمیم نہ ماننے کی بنا پر یورپ کے اس متفقہ فیصلے کو چھوڑ بیٹھنا مناسب نہ تھا۔ غرض اتحاد یورپ میں تو خلل پڑ گیا اور انگلستان و فرانس وہ روش اختیار کرنے پر متفق ہو گئے، جس پر پروشیہ اور آسٹریہ کو چلنا منظور نہ تھا۔ اِدھر جس نسبت سے دول یورپ کے متحدہ کام کرنے کا امکان کم ہوا اسی قدر ترک اور ان کا ساتھ دینے والوں کے جوش میں ترقی ہوئی۔ استنبول میں حامیانِ جنگ

استنبول کی حالت ستمبر میں۔

کے سرگروہوں نے ہنگامے برپا کرا دیئے۔ فرانسیسی سفارت خانے والوں کو سخت خوف پیدا ہو گیا اور انھوں نے اسٹریٹ فورڈ کو اطلاع دی کہ دار الخلافت کے فرنگیوں کا قتل عام ہونے والا ہے۔ اس خبر کو تو اسٹریٹ فورڈ نے کچھ وقعت نہ دی تاہم انگریز ساکنوں اور خود سلطان کی حفاظت کے خیال سے ضروری سمجھا کہ وہ جنگی جہاز طلب کر لئے جائیں۔ انگلستان میں پامرسٹن اور مجلس وزرا کے بعض ارکان نے جو عملی کارروائی کے حامی تھے، ابرڈین کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔ فرانسیسی حکومت کی طرف سے زوردار کارروائی کرنے کا دباؤ پڑا اور اسی کی خواہش کے مطابق لارڈ اسٹریٹ فورڈ کو لندن سے ہدایات بھیجدی گئیں کہ وہ بیڑے کو باسفورس بلا لے اور فوج کشی کرنے والوں سے سلطان کا

برطانیہ اور فرانس کے بیڑے درِ دانیال کے اندر۔ ۲۲۔ اکتوبر۔

علاقہ بچانے کی تدبیر کرے۔ ۲۲۔ اکتوبر کو فرانسیسی اور برطانوی بیڑے در دانیال کے اندر آ گئے۔

ترکوں کو مغربی سلطنتوں کی امداد کا پورا یقین ہو چکا تھا اور اس لئے انھوں نے کئی ہفتے سے لڑائی کی ٹھان لی تھی۔ بایں ہمہ سیاسی گفت و شنید سے معاملہ طے ہو جانے کی امید منقطع نہ ہوئی تھی۔ خود اسٹریٹ فورڈ نے ایک یادداشت بطورِ خود مرتب کر کے ویانا بھیجی تھی جسے سلطان قبول کرنے

[۱] مشرقی امثلہ۔ دوم ۱۰۶، ۹۱، ۱۰۳۔

عمر پاشا کی اتمام حجت کو روسی نہیں مانتے ۔ ۱۰ اکتوبر ۔

آمادہ تھا ۔ یہ ابھی تک سینٹ پیٹرز برگ نہیں پہنچی تھی ۔ اسی طرح مصالحت کی دوسری تجویزوں سے یورپ کے سربرآوردہ اہل الرائے کی میزیں پٹی پڑی تھیں ۔ مگر اس عام یقین کے باوجود کہ اس قسم کی کوئی صورت نکلنی ممکن ہے جس کے ذریعے سلطان بغیر اپنے نقصان یا کسر شان کے زار کو ولایات ڈینیوب کے چھوڑ دینے پر آمادہ کرلے، صحیح معنی میں کوئی کوشش اس بات کی نہ کی گئی کہ ترکوں کو خشکی اور تری، دونوں جگہ اپنے دشمنوں سے کے ساتھ متصادم ہونے سے باز رکھا جائے ۔ ولایات ڈینیوب میں روسیوں نے جو جیش بھیجیں ان کے سپہ سالار کو ترکی امیر لشکر نے اتمام حجت کے لئے آخری پیام دیا کہ وہ دو ہفتے میں ترکی علاقہ خالی کردے اور اس نے ۱۰ اکتوبر کو انکاری جواب بھیجا جس کے معنی یہ سمجھے گئے کہ باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوگیا ۔ زار نے ترکی اعلان جنگ پر ایک بیان شایع کیا کہ ہم اپنی طرف سے پیش قدمی نہ کریں گے اور صرف ولایت ڈینیوب پر بطریق یرغمال قبضہ قائم رکھیں گے ۔ مگر عمر پاشا کو اسی قسم کا مدافعانہ طرز عمل اختیار کرنے کی اجازت نہ دی گئی بلکہ افواج بلغاریہ کا یہ ترکی سپہ سالار ڈینیوب کو عبور کرکے آگے بڑھا اور اس نے اولٹی نٹزا میں روسیوں کو شکست دی ۔ اس طرح حملہ ہوا تو زار نے سمجھ لیا کہ اب اس کے پیش قدمی نہ کرنے کی شرط قائم نہیں رہی اور اسی بیڑے نے سباستوپول سے نکل کر ترکی جہازوں کے ایک دستے پر اسنوپ کی بندرگاہ میں حملہ کیا جو بحر اسود کے جنوبی ساحل پر واقع ہے اور انھیں غرقاب کردیا ۔ روسی حکام اگر فی الواقع ابھی تک امن وآشتی کی امید رکھتے تھے، جیساکہ زار کا بیان تھا، تو ان کی یہ حرکت سخت نادانی تھی ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ دوسروں کا بھی قصور تھا ۔ اگر لارڈ اسٹریٹ فورڈ اور انگریز امیر البحر ترکی جہازوں کو بحر اکشین میں منع نہ کرسکتے تھے جہاں روسیوں کی بیشتر تعداد کے مقابلے میں ان کا رہنا بیکار تھا، تو کم سے کم وہ اپنے مفوضہ اختیارات سے کام لے کر خود اپنے جہاز آتنی تعداد میں بھیج سکتے تھے کہ فریقین میں لڑائی کی نوبت نہ آنے پائے ۔ لیکن گذشتہ چند ماہ میں جیسا ادھورا اور بے ڈھنگا کام بزم سیاست میں ہوا تھا، ویسا ہی باسفورس میں امرائے بحر کی بزم شوریٰ میں ہوا ۔ اور اسنوپ کے

ترکی بیڑے کی بربادی اسنوپ پر ۔ ۳۰ نومبر ۔

باب (۲۱)

حادثے نے روس اور مغربی سلطنتوں میں جنگ کو ناگزیر بنا دیا[1]

زار نکولاس کے اعلان کا ترکوں نے ہرگز یہ مطلب نہیں سمجھا تھا کہ ان کا بیڑا اسنوف میں حملے سے محفوظ رہے گا اور عثمانی امیر البحر بھی یقیناً کسی خلاف امید اور ناگہانی حملے کا شکار نہیں ہوا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے لڑائی سے چند روز پہلے اپنی حکومت کو لکھا تھا کہ غالباً ہمارا بیڑا تباہ و غرقاب ہو جائے گا۔ لیکن انگریزی قوم روسیوں سے اسی وقت سے بگڑی ہوئی تھی جب اُنھوں نے ہنگری کی آزادی کو پامال کیا اور ہنگری کے پناہ گزینوں کی تحویل کا جابرانہ مطالبہ کیا۔ اب جو کچھ گزرا وہ انگریزوں کی نظر میں محض ایک مطلق العنان جابر کی متواتر تعدّی اور دغا بازی کا کرشمہ تھا جسے کسی طرح برداشت نہ کیا جا سکتا تھا۔ ترکی جہاز رانوں پر اسنوف میں بے پناہ رہ جانے کے بعد بھی دیر تک گولہ باری ہوتی رہی جس سے لڑائی کی نوعیت قتل عام کی سی ہو گئی۔ زار نے اعلان کیا تھا کہ ہم بجز مدافعت کے خود پیش قدمی نہ کریں گے۔ اب اسے کُھلی ہوئی غدّاری ٹھہرایا گیا۔ پھر یہ کہ ترکی جہاز سلطانی بندرگاہ میں یعنی اسی علاقے کے اندر لنگر انداز تھے جس کی حفاظت کا انگلستان کے بیڑے نے ذمّہ لیا تھا۔ ایسی حالت میں حملے کے معنی یہ نکلتے تھے کہ گویا روسی، انگلستان کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے اور اُسے ٹوک کر لڑائی مول لینی چاہتے ہیں۔ پس لڑائی، لڑائی کا شور مچ گیا۔ لوئی نپولین انگلستان سے اتحاد کرنے کا مشتاق تھا کہ اس سے مل کر یورپ کو اپنے کارہائے نمایاں کا تماشا دکھائے خواہ اس شوق کی خاطر ایسی لڑائی لڑنی پڑے جس میں فرانس کا کچھ نفع نہ تھا۔ اس نے تجویز کی کہ متحدہ بیڑے باسفورس سے آگے بڑھیں اور بحر اسود میں روسیوں کے ہر جہاز کو مجبور کر دیں کہ وہ ہٹ کر اپنی بندرگاہ میں پناہ لے حکومت برطانیہ نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور نکولاس نے سُن لیا کہ بجز اقتین سے روسی جہاز کوڑے کی طرح سمیٹ دیئے گئے۔ پھر اگرچہ دول یورپ کے وکیلوں نے

اسنوف کی بحری جنگ کا اثر۔

روسی جہازوں کو اپنی بندرگاہوں میں گھسنے پہ مجبور کیا جاتا ہے دسمبر۔

[1] مشرقی انتلد۔ دوم ۲۰۲ وغیرہ۔

دوبارہ بالاتفاق ایک یادداشت تیار کی اور باب عالی نے اُسے قبول کرلیا اور وہ سینٹ پیٹرز برگ روانہ کر دی گئی (۲۱ دسمبر)، مگر یہ سب بے سود تھا۔ زار کی غیرت کو جو صدمہ پہنچا اُسے وہ کسی طرح برداشت نہ کر سکا اور فروری کے شروع میں اس نے اپنے سفیروں کو لندن و پیرس سے رخصت ہو جانے کا حکم دیا۔ نپولین ثالث نے اپنی اور ملکۂ انگلستان کی طرف سے اسے خط لکھکر مطالبہ کیا کہ ولایات ڈینیوب کو خالی کر دیا جائے۔ جواب میں زار نے ماسکو کی گذشتہ معرکہ آرائی یاد دلائی۔ آسٹریہ نے اس وقت مغربی سلطنتوں کو مطلع کیا کہ اگر وہ ولایات کے تخلیئے کے لئے کوئی مدّت مقرر کر دیں جس کا گزر جانا اعلان جنگ کے مرادف سمجھا جائے، تو وہ بھی ان کے مطالبے کی تائید کرے گی۔ لیکن برطانیہ و فرانس نے یہ معلوم کرنے کا انتظار نہ کیا کہ اگر اس قسم کا مطالبہ روس نے مسترد کر دیا تو آسٹریہ ان کا ساتھ دے گی یا نہیں ؟ بلکہ اپنی طرف سے آخری بار قبول شرائط یا جنگ کا پیام سینٹ پیٹرز برگ بھیجدیا۔ آسٹریہ اور پروشیہ نے بہت چاہا کہ اس شرط کو روسی ماننے پر کسی طرح رضامند ہو جائیں جس سے اب بھی امن قائم رہ سکتا تھا مگر کوئی کوشش نہ چلی۔ انگلستان و فرانس کے پیام اتمامی کا کوئی جواب نہ ملا اور ۲۷۔ مارچ کو ان دونوں سلطنتوں نے جنگ کا اعلان کر دیا۔

انگلستان اور فرانس کا اعلان جنگ ۲۷۔ مارچ۔

کچھ عرصے تک زار یہ سمجھتا رہا تھا کہ اس کے مشرقی منصوبوں میں حکومتِ آسٹریہ ضرور اسکا ساتھ دے گی۔ اور آسٹریہ سے معاونت کی توقع نہایت قوی وجوہ پر مبنی تھی لیکن یہ اسکی سادگی تھی۔ دربار وی آنا ایسے سیدھے سادے خیالات نہ رکھتا تھا۔ ایک موقع پر جب کسی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ہنگری میں روس کی مداخلت خاندان ہیپس برگ کو اپنے دستگیری کرنے والوں کا بالکل پابند بنا دے گی تو شوارزن برگ نے یہ قابل یادگار جواب دیا تھا کہ "ہم دنیا کو اپنی احسان فراموشی سے متحیّر کر دیں گے"۔ مگر حق یہ ہے کہ شاید آسٹریہ کا احسان کو یاد رکھنا دنیا کے لئے زیادہ موجب تحیر ہوتا۔ بہرحال شوارزن برگ کے جانشین ایسی کرشمہ نمائیوں کی خاطر اپنے پکے اصول کو ہاتھ سے دینے والے لوگ نہ تھے۔ وی آنا کے مدبروں میں مشرقی حکمت عملی کے متعلق پہلے سے دو حریف گروہ چلے

آسٹریہ کی حکمت عملی۔

باب (۳)

آتے تھے جو کئی پیشی کے ساتھ دو مختلف اصول کے حامی تھے۔ ایک تو یہ کہ روسیوں سے مل کر اپنی سلطنت کی توسیع کی جائے اور دوسرا یہ کہ روسی کشور ستانی کو روکا جائے جس کا لازمہ یہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی صیانت میں فتور نہ پڑے۔ میٹرنک کے اقتدار کے طویل زمانے میں مسلسل دوسرے اصول کی پابندی کی جاتی رہی کیونکہ وہ معاہدات اور آئین ۱۸۱۵ء کا معتقد اور نیز ہر زندہ اور فتنہ انگیز تحریک سے ڈرتا تھا۔ ۱۸۵۴ء تک دربار وی آینا کا طرز عمل ایسے کسی سیاسی اذعان پر مبنی نہ تھا بلکہ اس کی تہ میں یہ بات تھی کہ اگر ہم نے روس کا ساتھ دیا تو مغربی سلطنتوں سے یقیناً لڑائی مول لینی پڑے گی۔ اگر قرینہ ہوتا کہ جنگ میں صرف روس و ترکی زور آزمائی کریں گے تو عجب نہیں کہ کچھ علاقے کے عوض میں زار کو آسٹریہ کی اعانت حاصل ہو جاتی جس طرح بعض دوسرے موقعوں پر ہوئی۔ لیکن اس موقع پر ترکی کے خلاف جتھے میں شریک ہونا ایسے جوکھوں کا کام تھا کہ سلطنت آسٹریہ کو اس میں پڑنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ غرض لڑائی میں تو نفع کی صورت نہ تھی، البتہ وی آینا کے مدبروں کو ایسی تدبیر نکالنی تھی کہ ان کا کچھ نہ بگڑے نہ کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔ روسی فوجیں ولایت ڈین یوب میں داخل ہوئیں تو ہنگری کی سرحد سے بحر اسود تک ڈین یوب کی گزرگاہ بھی ان کی زد میں آگئی اور یہ بات اجتک کوئی مفاہمت اس بارے میں نہ ہو، آسٹریہ کے لئے خدشے سے خالی نہ تھی۔ پس مغربی سلطنتوں نے ان ولایتوں کے تخلیے پر زور دیا تو یہ امر وی آینا کے وزیر اعظم کاؤنٹ بواول کے عین حسب مراد تھا۔ اور ایسی حالت میں کہ فرانس و انگلستان تلوار کھینچنے کے واسطے بیقرار تھے، آسٹریہ کا بھی ولایات ڈین یوب کے لئے جنگ کی دھمکی میں ہم آہنگ ہو جانا، زار کے ساتھ محض غیر ضروری بے مہری ہوتا۔ بایں ہمہ آسٹریہ تلی ہوئی تھی کہ ولایات کا تخلیہ کرائے بغیر نہ رہے گی۔ اور اسی نظر سے زار نے اس کے غیر جانب دار رہنے کا عہد لینا چاہا تو پروشیہ کی طرح آسٹریہ نے بھی اس قسم کا عہد کرنے سے انکار کر دیا۔ اور چونکہ ڈین یوب میں بحر اسود تک جہاز رانی کی آزادی سے تمام ممالک جرمانیہ کی تجارتی اغراض کا وابستہ ہونا تسلیم کیا جانے لگا تھا، لہذا پروشیہ اور ریاست ہائے جرمانیہ نے ذمہ لیا کہ اگر ولایات ڈین یوب کو آزاد رکھنے کی کوشش میں خود آسٹریہ پر روس کا حملہ ہوا تو وہ ریاستیں آسٹریہ کے علاقے کی

مدافعت کریں گی ؎۱

شاہ پروشیہ کا دل و دماغ مذہبی و سیاسی توہمات سے پریشان تو رہتا تھا تاہم کبھی کبھی اس کی نگاہ اپنے ہمسایوں سے زیادہ دور تک دیکھتی تھی۔ اور من شی کوف کی سفارت کے وقت، نکولاس اور بابِ عالی کا اختلاف طے کرنے کا جو حل اس نے سوچا تھا، وہ اس سے زیادہ التفات کا مستحق تھا جتنی کہ اس پر مبذول کی گئی۔ یعنی فریڈرک ولیم کی تجویز تھی کہ سلطان کی مسیحی رعایا کے حقوق کا از روئے معاہدہ تمام دول یورپ کو ضامن بنا دیا جائے اس خیال کی لارڈ اسٹریٹ فورڈ اور ترکی وزیروں نے مخالفت کی کہ اس سے سلطان کی حدود فرماں روائی میں مداخلت ہوتی تھی۔ اور جب تجویز مسترد ہوئی تو فریڈرک ولیم نے ذرا جل کر اپنے سفیر لندن کو لکھ بھیجا کہ وہ پروشیہ کی سلامتی، کامل غیر جانب داری میں تلاش کرتے ؎۲۔ آگے چل کر اس بادشاہ نے اپنی اعانت کی یہ شرط پیش کی کہ انگلستان جرمانیہ اور پروشیہ کی حدود وجغبہ

پروشیہ

؎۱ معاہدہ۔ ۲۰۔ اپریل ۱۸۵۴ء اور ملحقہ دفعات۔ مشرقی اشلہ۔ جلد نہم ۶۴۔ آسٹریہ اور پروشیہ کے مابین عام دفاعی اتحاد کا معاہدہ ہوا تھا جس میں یہ صورت بھی داخل تھی کہ اگر آسٹریہ پر ولایات ڈینیوب میں پیش قدمی کرنے کی وجہ سے حملہ ہو تو بھی پروشیہ اس کا ساتھ دے گی۔ نیز جس صورت میں کہ روس ولایات ڈینیوب کا الحاق کرلے یا بلقان کے ماورا اپنی فوجیں بڑھائے تو معاہدے کی نوعیت جنگ جارحانہ کے لئے اتحاد کی سی ہو جاتی۔

؎۲ Briefechsel وغیرہ۔ ۲۰۔ نومبر کو جب کہ ترک اعلان کر چکے تھے، شاہ پروشیہ نے سفیر لندن (بن سن) کو یہ تحریر بھیجی اور اس میں خط زدہ اور جلی الفاظ نیز علاماتِ تاکید و تاسف سب اس کی قلم کی تعیں:۔ جو کچھ امداد انگلستان بلاواسطہ اپنی غیر مسیحانہ نادانی!!!!! سے مسیحیوں کے مقابلے میں اسلام کو دے رہا ہے اس کا نتیجہ "یوم حساب میں منتقم حقیقی سے بدلہ پانے کے علاوہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ جو ملک اس وقت سلطنت ترکی کا مقبوضہ ہے وہ کسی آیندہ زمانے میں روس کے زیر نگیں ہوگا" (دو بریف ویشل" صفحہ ۳۱۷)۔ اس عبارت سے ناظرین شاید قیاس کریں گے کہ وہ دیوانگی جس کا فریڈرک ولیم بالآخر شکار ہوا، ابھی سے اسی پر غلبہ پاتی جاتی تھی۔ لیکن منقولہ بالا تحریر اس کی طرز انشا کا ایسا نمونہ نہیں ہے جس کی اور مثالیں (اس کے خطوں میں) نہ مل سکتی ہوں۔

باب (۳) قائم رہنے کا قومہ لے۔ دراصل وہ نپولین ثالث کو ایک انقلابی نظام کا قائم مقام جانتا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کی ماتحتی میں فرانسیسی فوجیں زمانہ قریب میں یورپ کے اس نظم کو جو ۱۸۱۵ء میں قائم ہوا، درہم برہم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایسے شخص کے ساتھ انگلستان کا اتنے گہرے تعلقات بڑھانا دیکھکر ہی شاہ پروشیہ کو بہت حیرت اور کراہت ہوئی۔ پس جب تک وزرائے لندن اس بات کے ضامن نہ ہوں کہ بادشاہ فرانس جرمانیہ پر آیندہ کوئی حملہ نہ کرنے پائے گا، ان کا پروشیہ سے کسی قسم کی مدد چاہنا فضول تھا۔ کیونکہ لوئی نپولین کی نسبت باور کیا جاتا تھا کہ اسے کسی طرح کی سیاسی بازی کھیلنے میں باک نہیں ہے مگر لارڈ ابرڈین ایسی کوئی ضمانت نہ دے سکتا تھا اور شاہ پروشیہ کا یہ عجیب و غریب پرجوش مطالبہ پورا کرنا تو اور بھی اسکے امکان سے باہر تھا کہ سوئزرلینڈ کا ضلع نشاتل (Ninchatel) جو ۱۸۴۸ء سے پہلے برائے نام شاہان ہوہن زولرن کی ملک تھا، فریڈرک ولیم کو واگذاشت کرا دیا جائے۔

تاہم انگلستان اور اسی طرح روس کی طرف سے شاہ پروشیہ پر بہت سے اثرات ڈالے جا رہے تھے۔ انگلستان کے شاہ و وزیر کوشاں تھے کہ فریڈرک ولیم، روس کے خلاف ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے دول یورپ کے جتھے میں شریک ہو جائے اور اسکی دلیل میں کہتے تھے کہ پروشیہ بڑی طاقتوں کے زمرے میں شامل ہے تو اس موقع پر شریک اتحاد ہونا اس کا فرض ہے۔ نیز الگ تھلگ رہنے کے خطرات جتاتے تھے اور اس کوشش میں پروشیہ کا سفیر بن سن شد و مد سے ان کی تائید کرتا تھا۔ دوسری طرف، اول تو خود فریڈرک ولیم نکولاس کے اوصاف کا دل سے مداح تھا، دوسرے روس و پروشیہ میں قدیم سے دوستی کی رسم چلی آتی تھی اور ان وجوہ سے برلن میں زار کے حامیوں کو بڑی تقویت تھی۔ اس اثنا میں اڑتی سی خبر یہ شاہ پروشیہ کے کان تک پہنچی کہ یورپ کی ایک از سرنو تنظیم زیر غور ہے جس کی تجویز نپولین نے کی اور گمان کرلیا گیا تھا کہ پامرسٹن بھی کان لگا رہا ہے [1] اس تجویز کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر آسٹریہ شمالی اطالیہ کو چھوڑ دے تو اسے

[1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرانس و انگلستان کے درمیان اتحاد کا جو معاہدہ ہوا اور جس میں شریک ہونے کی پروشیہ سے استدعا کی گئی، اس میں ایک فقرہ یہ تھا کہ "متعاہدین کسی صورت میں جنگ سے خود کوئی نفع حاصل کرنیکے درپے نہ ہوں گے۔"

ولایات ڈینیوب دے دی جائیں۔ لمبارڈی، پیڈمونٹ کے حوالے کی جائے بشرطیکہ وہ سیوائے کا علاقہ فرانس کو دینے پر رضامند ہو اور اگر آسٹریہ مغربی سلطنتوں کے ساتھ عملاً شریک ہونے سے انکار کر دے جائے تو اطالیہ اور ہنگری میں بغاوتیں بپا کرا دی جائیں۔ یہ تجویزیں سن کر شاہ فریڈرک ولیم بہت بگڑا۔ اس نے اپنے سفیر کو لکھا "مغالطے میں نہ رہنا۔ برطانوی وزیروں کے کان میں کہہ دو اور چھتوں پر چڑھ کر پکار دو کہ میں آسٹریہ کی حمایت میں تلوار کھینچے بغیر، اسے بغاوت کا شکار نہ بننے دوں گا اگر انگلستان اور فرانس بغاوت کو اپنا حلیف بنا کر میدان میں لاتے ہیں تو لانے دو، میں روس کے ساتھ ہوا جاتا ہوں خواہ اس کا نتیجہ موت ہو یا زندگی" بن سن نے پروشیہ کو اتحاد یورپ میں شامل کرانے کی جو سعی کی، وہ جس قدر پرجوش تھی اتنی بار آور ثابت نہ ہوئی۔ بادشاہ تو اس امن شکنی پر لے دے کر رہا تھا جس کا اثر پیرس کی محل سرائے توایلری سے بڑھ کر ڈاؤننگ[1] اسٹریٹ تک پھیلا اور یہاں بن سن نے اپنی رائے سے ایک تجویز برلن بھیجی جس میں بتایا گیا تھا مغربی سلطنتوں سے اتحاد کے معاوضے میں فلاں روسی علاقے پروشیہ کو مل جائیں گے۔ یہ تحریر برلن میں روس کے طرفداروں کے ہاتھ پڑ گئی اور اس سے خود بادشاہ کو بہت غصہ آیا۔ ایسی غدارانہ تجویز کے مصنفوں پر شدت سے لعنت ملامت کی بوچھار ہوئی اور بن سن اپنے عہدے پر قائم نہ رہ سکا۔ مغربی سلطنتوں سے اتحاد کے دوسرے وکیل بھی خدمات سے علیحدہ کیے گئے اور برلن میں غیر جانب داری کا طرز عمل سب پر غالب آیا۔

اتحاد یورپ اور مغربی سلطنتوں کے تعلقات۔

اس طرح، اپریل ۱۸۵۴ء میں دول یورپ کا حال کچھ عجیب تھا۔ چاروں سلطنتیں ولایات ڈینیوب سے روس کے دست بردار ہو جانے کے مطالبے میں متفق الرائے تھیں، نیز اس میں کہ اگر ضرورت پڑی تو بزور شمشیر تخلیہ کرا لیا جائے۔ اس فیصلے کی شہادت وہ اقرار نامے تھے جن پر ۹۔ اپریل اور ۲۳۔ مئی کو دستخط ہوئے[2] مزید برآں یہ

[1] لندن میں وزیر انگلستان کا مکان
[2] مشرقی امثلہ، ششم تا ہجاد—

باب (۳)

اعلان کیا گیا کہ چاروں طاقتیں سلطنت عثمانیہ کی صیانت و خود مختاری کو ضروری سمجھتی ہیں۔ لیکن گو فرانس و انگلستان نے جنگ کا ظاہری سبب روسیوں کی ولایات میں موجودگی کو قرار دیا تھا، فی الحقیقت ان کا منشا مداخلت کرنے والوں کو صرف نکال دینا اور سابقہ صورت کو بحال کر دینا ہی نہ تھا بلکہ وہ اس فکر میں تھے کہ روس کی قوت اس طرح توڑ دی جائے کہ پھر اس میں سلطنت عثمانیہ کے لئے موجب خطر ہونے کا دم ہی باقی نہ رہے۔ یہی وہ منشا تھا کہ جب مئی ۱۸۵۴ء میں سب دول یورپ مل کر شریک جنگ ہونے پر آمادہ تھیں، تو وزرائے برطانیہ صاف طور پر ارادہ ظاہر نہ کر سکے جسے اتحاد یورپ کی غرض و غایت قرار دیا جاتا۔ پس انگلستان کی قوم اور حکومت دونوں نے سارے یورپ کے ساتھ مل کر روس کو صرف ایک شرط ماننے پر مجبور نہیں کیا جو ناگزیر تھی اور جس کے ماننے میں روس کو ذلیل و سرنگوں بھی ہونا پڑتا۔ بلکہ یہ زیادہ پسند کیا کہ صرف فرانس کی شرکت سے جس قدر ہو سکے روس کو کمزور کر دیا جائے۔ ان حقیقی مقاصد کو پورا کرانے میں انگلستان و فرانس کو آسٹریہ اور پروشیہ سے کسی قسم کی جنگی مدد مل سکتی تھی یا نہیں؟ اس کے متعلق شروع میں کوئی شخص ٹھیک پیش گوئی نہ کر سکتا تھا۔ آسٹریہ کی نسبت تو قرینہ بھی تھا کہ عجب نہیں وہ اتحادیوں کا کسی حد تک ہمنوا ہو جائے۔ لیکن پروشیہ کے متعلق ایسا قیاس کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ اس کے برعکس خاصے واضح اشارے اتحادیوں کو خبردار کر چکے تھے کہ بعض ایسی صورتیں پیش آسکتی ہیں جن میں پروشیہ بالآخر زار کے پہلو پر نظر آئے۔ مغربی حکومتوں نے لاکھ جتن کئے کہ کوئی ایسا اصول یا مقصد یا طریق کار معلوم ہو جائے جس کے ذریعے آسٹریہ اور پروشیہ کے خالص دفاعی اصول کو وسعت دے کر مشترکہ عملی کارروائی کی بنیاد بنایا جا سکے لیکن ذیل کی مبہم تجارداد کے سوا استادرہ وی اپنا یں اور کوئی صاف صاف عہد و پیمان کی شکل نہ نکل سکی:۔ "چاروں حکومتیں قرارداد کرتی ہیں کہ وہ باہمی غور و مشورے سے اس قسم کے اسباب کی تلاش کریں گی جن سے اس بات کا بہترین امکان پیدا ہوتا ہو کہ سلطنت عثمانیہ کا وجود یورپ کے عام توازن سے وابستہ ہو جائے گا۔ اس قرارداد کا مقصد حاصل کرنے کی غرض سے جو تدابیر ضروری ہوں وہ ان پر غور کرنے کے

واسطے آمادہ ہیں" اور درواقع میں غور کرنے کی اس آمادگی میں جس کا ڈرتے ڈرتے اعتراف کیا گیا تھا آیندہ دو سال تک دربار وی آینا و برلن نے کوتاہی نہ کی۔ رہا لڑائی کا معاملہ تو اس کا جوکھوں فرانس وانگلستان نے خود مول لیا تھا اور اس میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے کوئی بھائی بیقرار نظر نہ آیا۔

محاصرۂ سلستریا ماہ مئی۔

۱۸۵۳ء اور آیندہ سال کے موسم سرما میں ڈینیوب کے کنارے ترکوں اور روسیوں میں اس قسم کے معرکے ہوتے رہے جن سے جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ جنگ چھڑتے ہی زار نے آزمودہ کار پاسکی ویش سے مشورہ کیا کہ استنبول پر پیش قدمی کرنے کا سب سے اچھا راستہ کونسا ہوگا پاسکی ویش فن حرب کے نشیب وفراز خوب سمجھتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ڈینیوب کے پار جو فوج بڑھے گی وہ بازو کی طرف سے عیسا کہ آسٹریہ کی زد میں آجائے گی۔ ۱۸۴۹ء میں جو روسی فوجیں ہنگری بھیجی گئی تھیں، پاسکی ویش ان کا سپہ سالار تھا اور اسی سلسلے میں اسے اپنے حلیف (آسٹریہ) کا برتاؤ بدعہدی اور رذالت کا معلوم ہوا جس کا بدلہ اس نے بھی ان کی توہین وتذلیل سے دیا۔ دوسرے سلطنت آسٹریہ کی اپنے مشرقی ممالک میں جنگی اور اخلاقی کمزوری کو بھی جس قدر اس نے دیکھا کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ زار کے استفسارات کا جواب اس نے یہ دیا کہ "استنبول کا راستہ وی آینا سے ہوکر گزرتا ہے" لیکن زار کو فرانسس جوزف کی ناسپاسی پر کیسی ہی تلخ کامی ہوئی ہو، وہ آسٹریہ سے جنگ کرنے پر تیار نہ تھا کیونکہ اس لڑائی میں لامحالہ سلطنت آسٹریہ کی باغی رعایا سے مدد لینی پڑتی۔ پھر یہ کہ اگر استنبول کی سڑک وی آینا سے گزرتی تھی تو کہا جاسکتا تھا کہ وی آینا کی سڑک برلن سے گزرتی ہے۔ غرض بلقان پر بڑھنے کا سیدھا شملا کا راستہ تجویز کیا گیا اور اس کی پہلی منزل یہ تھی کہ سلستریا پر قبضہ کیا جائے۔ مارچ کے اخیر میں روسی ہراول ڈینیوب کے سب سے کم گہرے مقام پر سے، جہاں سے دریا کو اترنا ممکن تھا، پار ہوا اور دبروجہ کے علاقے میں بڑھا۔ مئی میں خود پاسکی ویش نے سلستریا کے محاصرے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا لیکن اس کام پر ہاتھ ڈالنے میں بہت تاخیر ہوچکی تھی اور محاصرہ کرنے اور آگے مشرق میں لڑنے کے واسطے جو فوجیں میدان میں

باب (۳) لائی گئیں، ان کی تعداد ناکافی تھی۔ قلعے کی ترکی فوج کو ایک جرمن انجنیئر نے سدھایا اور دو نوجوان انگریز افسروں نے جوش دلایا تھا اور وہ استقلال کے ساتھ بہت کارگر مدافعت کرتی رہی۔ فرانسیسی اور انگریزی فوجیں استنبول کی مدافعت کے لئے گیلی پولی پر لنگر انداز ہو چکی تھیں اور جب وہاں کوئی دشمن سامنے نظر نہ آیا تو جہازوں پر سوار ہو کر بلقان کے آگے بندرگاہ وارنا کو روانہ ہو گئی تھیں۔ ادھر ۳۔ جون کو آسٹریہ نے ولایات ڈینیوب کے تخلیے کا مطالبہ پیش کیا۔ قریب قریب اسی زمانے میں پاسکی ویش نے ایسا زخم کھایا کہ وہ بیکار ہو گیا اور سپہ سالاری دوسروں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوا۔ آئندہ دو ہفتے میں سلستریا کے محاصرین کو پے در پے پسپائیاں نصیب ہوئیں اور ۲۲۔ جون کو انھیں محاصرہ چھوڑ کر ہٹ جانے کے سوا کچھ بن نہ آئی۔ اب وہی دشمن جسے روسی حقیر سمجھتے تھے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ ڈینیوب کے شمال میں ہٹ آئے مگر پسپائی پھر بھی جاری رہی حتیٰ کہ چند ہفتوں میں ساری ولایات ڈینیوب کا تخلیہ ہو گیا اور روس کا آخری سپاہی پرتھ کے پار اپنے ملک میں اُتر آیا۔ روسی حملہ آور دفع ہو گئے تو آسٹریہ نے باب عالی سے ایک عہد نامہ کیا اور ذمہ لیا کہ جب تک صلح ہو، ولایات ڈینیوب کی حفاظت عساکر آسٹریہ انجام دیں گے۔ اور پھر انھیں سلطان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسی عہد و پیمان کے مطابق آسٹریہ نے اپنے سپاہی ان سرحدی ولایات میں بھیج دیئے۔

ولایات ڈینیوب کا تخلیہ۔ ماہ جون

ولایات ڈینیوب کی مخلصی کے ساتھ لڑائی کا ظاہری مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن مغربی سلطنتیں روسیوں سے اور مراعات منوائے بغیر صلح کا ارادہ نہ رکھتی تھیں۔ سلستریا کا محاصرہ دور ہوتے ہی وارنا کی اتحادی افواج کے سرداروں کو مراسلات پہنچے جن میں قطعی حکم نہ تھا تو زور ضرور دیا گیا تھا کہ افشین کے روسی بیڑے کے مستقر سباستوپول پر حملہ کر دیا جائے چند مہینے قبل ہی نپولین ثالث نے سمجھایا تھا کہ روسیوں پر سب سے کارگر ضرب جو لگائی جا سکتی ہے وہ سباستوپول کی تسخیر ہے۔ اسنوپ کے ترکی جہازوں کو جس بیڑے نے تباہ کیا وہ سباستوپول ہی سے نکل کر آیا تھا اور جب تک یہ جنگی

مغربی طاقتوں کے دوسرے مقاصد۔

مخزن مفتوح نہ ہو، وہ روز افزوں بحری قوت نہیں ٹوٹ سکتی جس کا زار کی قریبی ممالک کی بری فوجوں سے بھی زیادہ براہِ راست استنبول پر دباؤ پڑتا تھا۔ اب وہ مقاصد جن کے حصول کے فرانس و انگلستان درپے تھے، رفتہ رفتہ اتنے نمایاں ہوگئے کہ دوسری سلطنتوں سے ان کو بیان کرنے میں وقت نہ رہی۔ اگرچہ جو شرائط پیش کی گئی تھیں ان کی تعبیر کے بارے میں آیندہ بحث و تمحیص کی گنجائش رہی۔ اعلان کیا گیا کہ ولایا ڈین یوب اور سرویہ پر روس کو جو حق نگرانی حاصل ہے وہ آیندہ نہ رہنا چاہیے۔ ڈین یوب کے دہانوں میں جہاز رانی کی جس قدر رکاوٹیں ہیں سب دور ہونی چاہئیں۔ جولائی ۱۸۵۴ء کے معاہدے میں یورپ کے توازن دول کی اغراض کو پیش نظر رکھکر ترمیم کی جائے۔ اور زار باب عالی کی مسیحی رعایا کے کسی گروہ کے بارے میں باضابطہ سیادت و سرپرستی کے جتنے دعاوی رکھتا ہے سب سے دست بردار ہو جائے۔ یہ شرطیں جو "امور اربعہ" کے نام سے مشہور ہوئیں، پروشیہ نے تو پسند نہ کیں لیکن آسٹریہ نے انھیں اگست ۱۸۵۴ء میں منظور کرلیا۔ اور انھیں روس کے سامنے پیش کیا گیا کہ اگر صلح کی کوئی گفتگو ہوسکتی ہے تو وہ ان بنیادوں پر۔ زار نے اس کے جواب میں اعلان کیا کہ ایسی بنیاد پر روس صرف اس وقت گفتگو کرے گا جب اس میں کچھ دم باقی نہ رہے۔ ادھر اتحادی حکومتیں حریف کی کمزوری کا اندازہ سکستریا پر اس کے ناکام رہنے سے کر رہی تھیں اور فیصلہ کر چکی تھیں کہ مذکورۂ بالا شرطوں سے کم پر صلح نہ کریں گی۔ پس سباستوپول پر حملے کا حکم جو ولایات کے خالی ہونے سے پہلے بھیجا گیا تھا، بحال رہا کہ اس کے مطابق عمل ہوتا رہے[1]

بحری "شاہ راہ" یعنی سباستوپول کی بڑی بندرگاہ مشرق کی سمت خشکی میں اس

[1] مشرقی امثلہ۔ دہم۔ ۲۔ ایشلے کی سوانح پامرسٹن۔ دوم۔ ۶۰۔ ڈین یوب کے دہانوں میں جہاز رانی کے متعلق دیکھو ڈپلومیٹک اسٹڈی، دوم ۳۹۔ معاہدۂ اورنہ کے وقت سے روس کا ان دہانوں پر قبضہ اور یہ ذمہ تھا کہ وہ انھیں صاف رکھیگا۔ لیکن اس نے ان دہانوں کو اٹ جانے دیا اور دوسرے طریق سے بھی آمد و رفت میں رکاوٹیں ڈالیں تاکہ بحر اسود کی ساری تجارت اوڈیسا کے ہاتھ میں رہے۔

باب (۳)

مقام تک اندر چلی گئی ہے جو کرمیہ کی جنوب مغربی منتہا سے کچھ بہت فاصلے پر نہیں ہے۔
پھر کھلے سمندر سے ایک میل آگے چل کر اس کی دو شاخیں ہو گئی ہیں۔ ان میں سے

سباستوپول

بڑی شاخ آگے مشرق ہی میں چلی آتی ہے تا آنکہ دریائے تسرنایا
سے مل گئی ہے مگر چھوٹی شاخ یکایک خم کھا کے جنوب کی
طرف جاتی ہے۔ اسے جنگی جہازوں کی بندرگاہ کہتے تھے۔ اسی چھوٹی بندرگاہ
کے دونوں جانب شہر سباستوپول تعمیر ہوا ہے۔ سمندر کی طرف یعنے جانب مغرب
سباستوپول اور اس کے سارے راستے پوری طرح مورچہ بند تھے لیکن خشکی یعنی
جنوب کی طرف ۱۸۵۳ء تک شہر کو کھلا چھوڑ دیا تھا اور اس کی حفاظت کا انتظام ہنوز
ناقص اور جنوب مشرقی رخ پر بہت ہی کم اور ناکافی تھا۔ بڑی بندرگاہ کے
شمال میں سمندر کے راستے پر بہت ہی مضبوط مورچے اور ان کے سرے پر
قلعۂ کونسٹن ٹاین بنا ہوا تھا۔ اور سباستوپول کے بالکل مقابلے میں بلند زمین پر قلعۂ
اسٹار اور دوسرے فوجی استحکامات موجود تھے۔ سباستوپول کے عام خطط و عمارات
سے اتحادی سپہ سالاروں کو آگہی تھی بایں ہمہ وہ کوئی صحیح اطلاع نہ رکھتے تھے
کہ ان مورچوں میں کتنی فوج اور کس قسم کا سامان حرب مہیا ہے۔ انھوں نے ارادہ
کر لیا کہ اتحادی فوجیں قلعے سے تیس میل شمال میں خلیج یوپاتوریہ پر اتاری جائیں۔
چنانچہ ۱۴۔ ستمبر کو اسی مقام پر تقریباً تیس ہزار فرانسیسی ستائیس ہزار انگریز اور سات ہزار
ترک پہنچے اور بغیر اس کے دشمن کی طرف سے مزاحمت ہو خشکی پر اتر آئے۔ روسی
فوج کی قیادت شہزادہ من شی کوف کے ہاتھ میں تھی جو کچھ عرصے پہلے سفارت لیکے
استنبول گیا تھا۔ اور اس نے دس میل ہٹ کر ایک بلند جگہ رود الما کے پیچھے پڑاؤ

اتحادی کرمیہ میں فوج اُتار دیتے ہیں۔ ۱۴۔ ستمبر۔

ڈالا تھا۔ ۲۰۔ ستمبر کو ان پر انگریزوں نے سامنے سے حملہ کیا اور
سمندر کے رخ سے فرانسیسیوں نے لپیٹ لینے کی کوشش
کی۔ لڑائی میں سخت بے ترتیبی پیدا ہوی اور اول اول معلوم

جنگ الما۔ ۲۰۔ ستمبر۔

ہوا کہ انگریز حملہ آور پیچھے دھکیل دئے گئے۔ لیکن حملے کی شدت
بڑھتی رہی اور قبل اس کے کہ فرانسیسی روسیوں کے میسرہ پر
کوئی اثر ڈال سکیں لارڈ رگلین کی فوجوں نے دشمن کو اپنے مقام سے پیچھے ہٹا دیا۔

سامنے کی صفیں اس طرح ٹوٹ چکی تھیں کہ بازو پہ ضرب پڑی اور روسیوں نے جن کی تعداد کم اور قیادت بُری طرح ہو رہی تھی، سمجھ لیا کہ اب کچھ باقی نہیں رہا۔ ترتیب کے ساتھ پسپائی کی صورت صرف اس وقت تک قائم رہ سکی کہ فتح مندوں کو اپنی فتح کا پل کا پتہ نہ چل سکے ورنہ رات ہوتے ہی روسی فوج کا سارا نظم بگڑ گیا اور اگر اسی وقت تعقب کیا جاتا تو وہ تباہی سے بہ مشکل سلامت رہ سکتی تھی۔ لیکن سینٹ آرنو مرض موت کے آخری درجے میں تھا، اُس نے ریگلن کی درخواست کے باوجود اپنے تھکے ہارے سپاہیوں کو مارا مار بڑھائے جانے سے انکار کر دیا۔ من شی کوف کو دوسری لڑائی اڑنگو اتحادی پیش قدمی کے روک سکنے سے مایوسی ہو گئی۔ دشمن کو وہ سمجھا کے برابر تعقب کر رہا ہے پس سباستوپول کو بچانے کی گھبراہٹ میں وہ قلعے کے اندر چلا آیا اور بڑی بندرگاہ کا راستہ روکنے کی غرض سے دہانے پر اپنے سات جنگی جہاز ڈبو دیئے اور باقی ماندہ کو گودی کے اندر ٹھہرا کر دیا۔ جہازی سپاہی بری لڑائی کے لئے ساحل پر اتر آئے توپیں جہازوں پر سے کھینچ کھینچ کے مورچوں اور دمدموں پر چڑھا دی گئیں۔ پھر جب معلوم ہوا کہ اتحادی بڑھنے میں پس و پیش کر رہے ہیں تو روسی سپہ سالار نے اپنا نقشہ بھی بدل دیا۔ اس نے نائب امیر البحر کورنی لاف اور ایک انجنیروں کے سردار ٹوٹل بن کو تو شہر میں چھوڑا کہ موجودہ استحکامات کا انتظام سنبھالیں اور جہاں سے آبادی کا رُخ کھلا ہوا ہے اُدھر نئے مورچے بنائیں اور خود فوج کا حصۂ اعظم لے کے چلا کہ کریمیہ کے اندرونی حصوں میں پہنچ کر روس کے ساتھ رسل و رسائل کا راستہ صاف رکھے اور کمک پہنچنے کا انتظار کرے۔ اور اگر سباستوپول کی تسخیر میں دیر ہو جائے تو پھر اپنا وقت اور موقع دیکھ کر اتحادیوں پر حملہ کرے۔ (۲۴ ستمبر)۔

الما کے معرکے میں انگریز سپاہیوں کا دو ہزار کے قریب اور فرانسیسیوں کا غالباً اس کے نصف سے کم تھا۔ لڑائی کے دوسرے دن لارڈ ریگلن نے تجویز کی کہ دونوں فوجیں سیدھی قلعوں پر پیش قدمی کریں جو بڑی بندرگاہ کے شمال میں واقع تھے، اور ان کو یورش کر کے چھین لیں تاکہ وہ مورچے ہاتھ آ جائیں جہاں سے خود سباستوپول توپوں کی زد میں آ جاتا تھا۔ مگر فرانسیسیوں نے ان استحکامات پر سامنے سے حملہ کرنے کا جوکھوں

سباستوپول کے جنوب میں جناحی پیش قدمی۔

باب ۳۱

لینے میں پہلو تہی کی، جو فی الواقع اتنے مضبوط نہ تھے جس قدر کہ فرض کر لیا گیا تھا۔ انگریز انجنیروں کے صدر بورگوان نے بھی فرانسیسیوں کی تائید کی اور انھوں نے کہہ سُن کے ریگلن کو ایک چکر کے راستے سے بڑھنے پر رضامند کر لیا جس کی نسبت خیال تھا کہ وہ پورا چکر کھا کے سباستوپول کے عین جنوبی پہلو پر پہنچا دے گا۔ یہی پہلو کھلا ہوا تھا اور امید تھی کہ اس طرف سے بخوبی یورش ہو سکے گی۔ یہ جناحی پیش قدمی بہت خطرناک تھی، لیکن سفر بخیر طے ہو گیا۔ من شی کوف سباستوپول سے روانہ ہو چکا تھا اور اتحادیوں کے آنے سے تھوڑی ہی دیر پہلے ان راستوں سے گزر کر اندرون مُلک میں ہٹ گیا تھا جنوب میں بڑھتے بڑھتے انگریزی فوج بالاکلاوہ کے مقام پر ساحل بحر تک پہنچ گئی اور اس بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح مشرق کی طرف وہ پہلو جو سباستوپول کی اندرونی اور من شی کوف کی بیرونی فوج کے درمیان دُہری زد میں تھا، انگریزوں نے اس پر رہنا قبول کر لیا۔ ادھر فرانسیسیوں کی سپہ سالاری اب کان روبیر کے تفویض ہوئی تھی، اُنھوں نے مغرب کی طرف سباستوپول کے عقب میں کوچ جاری رکھا تاآنکہ خلیج کا ساش پر پہنچ کر ساحل تک آ گئے۔ گویا وہ بلند غیر مسطح قطعہ جو بالاکلاوا کے میدان اور تسہرنایا کی وادی سے مغرب کی طرف اونچا ہوتا چلا گیا ہے اور سباستوپول کا جنوبی رُخ اس کے نیچے ہے، اس پر دونوں فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس بات کا خود روسیوں کو یقین نہ تھا کہ ان پچاس ہزار سپاہیوں کا حملہ جنھوں نے الما کا میدان جیتا قلعے کی فوج روک سکے گی جس میں زیادہ تر ملاح شریک تھے[1]۔ لیکن فرانسیسی سرداروں نے اور برگوین نے پھر ایک مرتبہ تامل پر اصرار کیا اور فیصلہ ہوا کہ قلعہ شکن توپوں کے پہنچنے کا انتظار کیا جائے جو ہنوز سمندر میں آ رہی تھیں۔ یہ فیصلہ سخت نقصان رساں تھا۔ اس عرصے میں کہ اتحادی بھاری توپوں کے مناسب موقعے تجویز کریں اور اطمینان سے توپیں جہازوں سے اتروا کر مورچوں پر جائیں، کورنی لوف اور ٹوڈل بن نے سباستوپول کے جنوبی رُخ کو غنیم کا حملہ روکنے کے لئے کافی مضبوط مورچے تیار کر لئے

[1] لیکن دیکھو برگوین کا خط اخبار ٹائمز کے نام ۲۸۔ اگست ۱۸۵۴ء گنگ لیک کے مجموعے میں جلد چہارم ص ۴۶۵۔ وغیرہ۔

روسی جہازوں کی بھینٹ بیکار نہ گئی۔ ملاحوں نے قلعے کی دفاعی فوج کے سارے ہنر سیکھ لئے۔ جہازوں کی توپیں خشکی میں اور بھی زیادہ مفید مطلب ثابت ہوئیں انمول فرصت کے تین ہفتے ایسے سرداروں کو مل گئے جو ہر لحظے سے کام لینا خوب جانتے تھے۔ چنانچہ ۱۷۔ اکتوبر کو جب وہ گولہ باری جس کے بعد سباستوپول پر یورش ہونے والی تھی شروع ہوئی اور جنوب مغرب کے رُخ فرانسیسی توپ خانہ لگایا گیا تو اسے مدافعین کی توپوں نے مغلوب کرلیا۔ بیڑوں نے بہت کڑک چمک دکھائی مگر قلعے کے سامنے سمندر کی دیوار حائل تھی، حملہ آور کچھ نہ کر سکے۔ آتش باری کا سلسلہ آٹھ دن تک جاری رہا۔ محاصرین نے گولے بارود کا وہ طوفان سباستوپول پر برسایا کہ کوئی قلعہ ایسی گولہ باری کی تاب نہ لایا تھا، بایں ہمہ قلعے کے مورچے نہ ٹوٹنے تھے نہ ٹوٹے۔

بے اثر گولہ باری۔ ۱۷ تا ۲۵ ستمبر۔

اس اثنا میں منشی کوف کو جس کمک کا انتظار تھا وہ پہنچ گئی اور وہ تیار رہا کہ محاصرین پر مشرق کی طرف سے آگرے۔ اس نے حملے کا مقام انگریزوں کی مقبوضہ بندرگاہ بالاکلاوا اور اس سے کسی قدر مشرق کی مورچہ بند سڑک کو قرار دیا۔ یہ اس خط کا جس پر انگریز اور ان کے ترک معین خیمہ زن تھے، بیرونی حلقہ تھا۔ بالاکلاوا کے میدان کو ایک نیچی پہاڑی نے شمالی اور جنوبی وادیوں میں منقسم کر دیا ہے۔ اسی پہاڑی سے ملی ہوئی ایک پشتہ سڑک چلی گئی ہے جس کی حفاظت کی غرض سے برج بنے ہوئے تھے اور ان کا پہرا قلیل التعداد ترکوں کے سپرد تھا۔ ۲۵۔ اکتوبر کی صبح کو روسی پہاڑی کی شمالی وادی میں نمودار ہوئے اور شمال اور مشرق میں پہاڑی کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ پھر انھوں نے سڑک پر پیش قدمی کی۔ ترک پہرہ داروں کو کوئی مدد نہ پہنچ سکی۔ روسیوں نے انھیں دھکیل کر تین برجوں پر قبضہ کرلیا۔ لارڈ ریگلن اس کارروائی کو مغربی بلندی کے کنارے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے دُور سے پیادوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن اس جگہ انگریز سواروں کے ایک نیم مسلح اور ایک زرہ پوش رسالے (بریگیڈ) کے سوا اور کوئی فوج موجود نہ تھی۔ اور ان دونوں میں کوئی چھ چھ سو سوار تھے۔ اب خود قبضۂ بالاکلاوا غنیم کی زد میں تھا لہٰذا زرہ پوش رسالے کو اسی طرف بڑھنے کی ہدایت کی گئی اور

بالاکلاوا کا معرکہ ۲۵۔ ستمبر

باب (۳) یہ جنرل اسکارلٹ کے ماتحت روانہ ہوا۔ یہ رسالہ ابھی بڑھ ہی رہا تھا کہ روسی سواروں کا پرا، تقریباً تین ہزار کی تعداد میں، پہاڑی کی چوٹی پر نظر آیا اور معلوم ہوتا تھا کہ مٹھی بھر انگریز سواروں کو دبوچ لینے پر کمر بستہ ہے۔ لیکن پہاڑی سے اُترتے میں روسیوں نے توقف کیا اور اسکارلٹ نے قابل تحسین پامردی اور اصابت رائے سے اپنی صفیں حملے کے واسطے درست کیں اور انھیں معدودے چند سواروں کو لے کر جو اس کے قریب تھے دشمن پر جا پڑا۔ وہ روسی قطار کے عین قلب میں گھس گیا اور اس سے قبل کہ روسی محض کثرتِ تعداد سے حملہ آوروں کو پامال کر ڈالیں، اسی انگریزی رسالے کے دوسرے دستے بے حس و حرکت دشمن پر دائیں اور بائیں سے آگرے۔ روسی قطار ٹوٹ گئی اور اپنے سے ایک ربع سواروں کے سامنے سے، بے ترتیبی کے ساتھ پسپا ہوئی۔ اسکارلٹ اور اس کے رفیقوں نے وہ ناموری پائی جو پرشیہ والوں کے ۱۸۷۰ء کے حملۂ مارس لاتور کی شہرت کے ہم رتبہ ہے یعنی عہد جدید کی جنگ میں رسالہ کا سب سے درخشاں کارنامہ مانی جاتی ہے۔ اپنے ساتھ والوں کے اس خطرے اور رفتح پانے کے وقت نیم مسلح سواروں کا انگریزی رسالہ بُت بنا کھڑا رہا۔ اس کا یہ تعطّل بھی سوار فوج کے سپہ سالار کی اسی بلادتِ طبع یا کم فہمی پر دلالت کرتا ہے جس کی بدولت تھوڑی ہی دیر کے بعد اس رسالے نے اپنے آپ کو بیکار مگر یادگار طریق پر ہلاکت میں ڈالا۔ روسی پیادے سڑک کے مفتوحہ برجوں کی توپیں اپنے ساتھ لئے جا رہے تھے کہ رسالے کے سرلشکر ارل اوف لوکن کے پاس سپہ سالار کا ایک سردارِ رکاب یہ حکم لایا کہ فوراً آگے بڑھ کر سامنے آئے اور ان توپوں کو بچائے۔ لوکن ایسے مقام پر تھا کہ خود اسے نہ غنیم نظر آتا تھا نہ توپیں، اُس نے یہ سمجھا کہ شمالی وادی کے سرے پر جو روسی توپ خانہ لگا ہوا تھا، اُس پر حملہ کرنے کا حکم ملا ہے چنانچہ اُس نے اپنے نیم مسلح رسالے کو اسی طرف دھاوا کرنے کا اشارہ کیا۔ اس رسالے کا سردار لارڈ کارڈی گن تھا، اس نے اپنے بالادست کو بہت دبے الفاظ میں متنبہ بھی کیا کہ سامنے اور دونوں بازوؤں پر توپیں جمی ہوئی ہیں اور میدان میں روسی بندوقچی بھرے پڑے ہیں۔ لیکن دوبارہ یہ کہہ کر کہ سپہ سالار کا حکم ہے،

باب ۳

وہی ہدایت کی گئی اور اس کی تعمیل ہوئی۔ اور اس طرح؛ ؎

"Into the Valley of Death Rode the six Hundred"

(موت کی وادی میں وہ چھ سو سوار گھوڑے اڑاتے ہوئے آگے چلے)، انھوں نے جس طرح جان دی، اور جس طرح باقی ماندہ راستہ چیر کر توپوں کے پار گزر رہے اور جب تک عقب میں غنیم کے سواروں کو مار کر نہ بھگا دیا، واپس نہ آئے، یہ ایسے واقعات ہیں جنھیں انگریزی قوم کبھی فراموش نہ کرے گی۔ ؎

جنگ بالاکلاوا کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریق کچھ ہار میں رہے اور کچھ جیت میں۔ روسیوں کا اس اونچے راستے پر جسے انھوں نے فتح کیا تھا قبضہ بحال رہا اور انگریزوں کی سات توپیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اور انگریزوں نے، جہاں کہیں مقابلے کی نوبت آئی، ثابت کر دیا کہ وہ اپنے سے کہیں زیادہ تعداد کو شکست دے سکتے ہیں۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے جب کہ ہمارے (یعنی انگریزی) پیادوں کی بھی اسی قسم کی

معرکۂ انگرمان۔ ۵ نومبر

آزمایش کا موقع آیا جس میں ہمارے سوار اس فتحمندانہ شان سے پورے اترے تھے۔ فرانسیسی محاصرین اپنے مورچے نہایت تیزی سے شہر کے قریب بڑھا لائے تھے لہذا ارادہ کر لیا گیا کہ ۵۔ نومبر کو سباستوپول پر یورش کر دی جائے جو اتنے دن سے ملتوی ہوتی رہی تھی اتفاق سے اسی صبح کو کہرے کی آڑ میں انگریزی میمنے پر خود دشمن کی پیوستہ قطاروں نے حملہ کیا۔ واضح رہے کہ منشیکوف کی فوج کی تعداد اب ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے کچھ دستے سباستوپول کے اندر بھیج دیے۔ اور یہ منصوبہ بنایا کہ ایک فوج تو جنوبی وادی تسرنایا میں انگرمان کے پل سے بڑھے اور اندر سے خود سباستوپول کی فوج حملہ کرے کہ ساری انگریزی سپاہ اسیر ہو جائے۔ ادھر انگریزوں نے اس دن (۵۔ نومبر کو) جو لڑائی لڑی وہ محض سپاہیوں کی لڑائی تھی۔ جس کا نہ کوئی نقشہ بنا نہ حکم ملا نہ اس میں کسی سپہ سالاری کو دخل تھا سپاہی جہاں کھڑے تھے، خواہ دشمن کے مقابلے میں ان کی تعداد کسی قدر بھی تھی، وہیں پاؤں

؎ ملاحظہ ہوں بیانات ریگلن لوکن، لارڈگن۔ کنگ لیک، پنجم ۲۰۱ و ۲۰۲۔

باب (۳) جمائے رہے اور جب گولی بارود کا ذخیرہ ختم ہوا تو سنگینوں سے، بندوق کے دستوں سے بلکہ لاتیں مُکّے اور پتھروں سے لڑتے رہے۔ گھنٹوں تک روسی قطاریں سمندر کی موجوں کی طرح بڑھ بڑھ کے اُن پر آئیں مگر اُنھوں نے اپنی جگہ نہ چھوڑی تاآنکہ فرانسیسی دستے آپہنچے اور اُنھوں نے انگریزوں کو اس خوفناک جھلکے سے نجات دی۔ دشمن بے ترتیبی کے ساتھ میدان سے پسپا ہوا۔ جو روسی قطاریں توپوں کی سیدھ میں بڑھی تھیں انھیں توپ خانے کی آتش باری نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ان کے بہت زیادہ سپاہی مجروح و مقتول ہوئے اور شکست ایسی نمایاں ملی جسے کوئی بناوٹ چھپا نہ سکتی تھی۔ بایں ہمہ انکرمان کی لڑائی نے اتحادیوں کے تسخیر سباستوپول کے منصوبے کو غارت کر دیا۔ اُنھیں خود سخت نقصان ہوا تھا اور ادھر دشمن کی جس تعداد اور قوّت کا اظہار ہوا وہ اتنی تھی کہ قلعے پر کسی ناگہانی یورش کے کامیاب ہونے کی امید نہ رہی۔ یہ تکلیف دہ حقیقت بہت جلد آشکارا ہو گئی کہ جس مُہم کے لئے اتحادی فوجیں بھیجی گئی تھیں، وہ فی الواقع ناکام رہیں اور اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ یا تو بالکل ایک دوسری قسم کی مُہم، یعنی زیادہ تعداد کے مقابلے میں، جاڑے بھر محاصرے کا بیڑا اٹھایا جائے اور یا کریمیہ کو خالی کر دیا جائے۔ پہلی صورتِ جنگ وہ تھی جس کے واسطے کوئی تیاری نہ کی گئی تھی اور اس کے سب سے ضروری لوازم بھی اتحادیوں کے پاس مہیّا نہ تھے:-

۱۴۔ نومبر کا طوفان ۔ ۱۴۔ نومبر کو ساحل افشین کے جاڑے کا طوفان باد و باراں سے آغاز ہوا جس نے کُھلے ہوئے بلند میدان کے خیمے اُکھاڑ دیئے اور گولہ بارود اور کپڑوں کی اکیس کشتیوں کو تباہ کر دیا۔ اس وقت سے لشکر گاہ اور بالاکلاوا کے درمیان جو میدان تھا اسے برف باراں نے دلدل بنا دیا۔ اس پشتہ سڑک کے ہاتھ سے نکل جانے کا نقصان جس پر تین ہفتے قبل روسیوں نے قبضہ کر لیا تھا، اب ظاہر ہوا کہ یہ برطانوی فوج کے حق میں کیسی سخت مصیبت تھی۔ لشکر سے بالاکلاوا کی بندرگاہ تک جانے کی صرف ایک بٹیا جو پہاڑی کے نیچے نیچے جاتی تھی، رہ گئی اور چند ہی روز میں یہ بھی گاڑیاں چلنے کے قابل نہ رہی۔ ناچار سامان رسد گھوڑوں پر لاد لاد کے لانے لگے۔ لیکن خوراک کی کمی اور اس غیر معمولی مشقّت نے گھوڑوں کو ہلاک کر دیا۔ سپاہی تعداد میں

کریمیہ کا جاڑا۔

تھوڑے، کمزور اور انگریزی ملاحوں کے امداد باہمی کے ذرائع سے محروم تھے کہ خود اپنا سامان خوراک وغیرہ مہیا کرنے میں کچھ نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا وہ اس بھیانک ٹیکرے پر پڑے تلف ہوتے رہے جہاں وبائے ہیضہ پھیل گئی تھی اور انھیں کچا گوشت اور سبزیاں کھانے کو ملتے تھے جو اس ٹھہر جانے والے جاڑے کی شدت میں قوت تو کیا بخشتے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس خوراک سے ان غریبوں کا تمسخر کیا جا رہا ہے۔ ان کی باقاعدہ فوج وسط سرما میں گھٹ کر گیارہ ہزار رہ گئی۔ فروری کے ختم سے قبل ۹ ہزار آدمی شفاخانوں میں ہلاک ہوئے۔ کیونکہ سقوطری میں بھی جو شفاخانے تھے ان میں رہنا، سپاہیوں کو دشمن کی شدید ترین آتش باری میں رہنے سے بھی زیادہ ناگوار گزرتا تھا۔ بے شبہ ایک وقت آیا جبکہ معلوم ہوتا تھا فرشتۂ رحمت ان کلبہ ہائے احزان میں داخل ہوا اور فلورنس نایٹ انگیل کے آنے سے خود فطرت نے اپنی شفا دینے کی صلاحیت دوبارہ پالی، وبائی جراثیم اس ہوا میں مسلط نہ رہے جس میں بیمار سانس لیتے تھے اور خود موت میں نرمی پیدا ہو گئی۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ نیا اثر ضابطے کی کھس کھس پر غالب آئے فوج کے جوق قبر میں پہنچ چکے تھے جنھیں لیجانے کا وہ کوئی حق نہ رکھتی تھی۔ دوسری فوجوں نے کہیں زیادہ سخت مصائب اٹھائے ہیں لیکن محاربۂ کریمیہ کے جاڑے میں انگریزی فوج کو اپنی تعداد کی نسبت سے جو نقصانات اور اتلاف جان برداشت کرنے پڑے شاید ایسا افسانۂ غم کسی فوج کے حالات میں میسر نہ آئے گا۔ اخباروں میں بڑی بیباکی سے اس بدانتظامی کا راز فاش کیا گیا جس کی وجہ سے ہمارے سپاہی ہلاک ہو رہے تھے اور اسی افشا نے لوگوں میں غیظ و غضب کا وہ طوفان بپا کیا کہ ابرڈین کی وزارت کا تختہ الٹ گیا اور پامرسٹن برسر اقتدار ہوا۔ اس واقعے نے عام طور پر یورپ میں یہ خیال پھیلا دیا کہ برطانیہ کو کسی لڑائی کا انتظام کرنا نہیں آتا، اور بلاوجہ فرانسیسیوں کے فوجی انتظامات کی شہرت بڑھا دی کیونکہ گو ان میں بھی کچھ کم خرابیاں نہ تھیں لیکن کسی فرانسیسی اخبار نویس کی مجال نہ تھی کہ انھیں بیان کر سکے۔ الما اور انکرمان کے معرکوں کے باوجود محاربۂ کریمیہ میں انگلستان کے جنگی وقار میں کوئی ترقی نہیں بلکہ نقصان پہنچا۔ اور پھر جب تک انگریزوں نے ہندوستان کے فوجی غدر کو فرو نہیں کیا، جنگ کے وقت

ان کی قوم کی اصلی قابلیت کے جوہر دنیا پر ثابت نہیں ہوئے۔

نکولاس کی وفات ۔ ۲ مارچ ۱۸۵۵ء۔

بیان کرتے ہیں کہ مِن شی کوف کی آخری شکست سن کر زار نے کہا تھا کہ "میرے دو سپہ سالار ایسے ہیں، جو میرا کام کرنے میں کبھی قصور نہ کریں گے ۔ یعنی سپہ سالار جنوری اور فروری!" اور واقعہ یہ ہے کہ سپہ سالار فروری نے خاطر خواہ خدمت انجام دی لیکن ساتھ ہی زار کو کبھی نہ چھوڑا اور مارچ کے شروع میں نئے بادشاہ نے تخت روس پر قدم رکھا الکزنڈر ثانی نے تخت نشیں ہو کر اعلان کیا کہ میں پیٹر اعظم، کیتھرائن اور نکولاس کے طرز عمل کی اتباع کروں گا۔ مگر یہ لاف و گزاف یورپ کی بجائے اصل میں خود اپنی رعایا کو سنانا

۱؎ نکولاس کی موت پر شاہ پرشیہ نے غریب بن سن کو یہ خط لکھ کر بھیجا تھا:۔ "وہ تمھیں خیال بھی نہ ہوگا کہ جس وقت تم مجھے خط لکھ رہے تھے ٹھیک اسی وقت، ایک شریف ترین انسان، تاریخ کی ایک شاندار ترین صورت، ایک صادق ترین دوست اور اسی کے ساتھ تنگنائے دہر کا ایک بزرگ ترین فرماں روا دنیائے دنی سے حضور الہٰی میں بلا لیا گیا ۔ میں گھٹنوں کے بل اپنے خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے صحیح معنی میں اسکی یعنی نکولاس کی، دوستی اور آخر تک اسے نباہنے کی توفیق عطا فرمائی ۔ تم اے عزیز بنسن، اس کی نسبت دوسری رائے رکھتے تھے اور اپنے ضمیر کے سامنے تمھیں بکمال رنج و تکلیف کے ساتھ وہ اعتراف کرنا ہوگا جو نہایت ہی رنجدہ حقیقت ہے اور جو ان آخری ایام فتن میں تمھارے خطوں سے، افسوس ہے کہ بالکل صاف طور پر مجھے معلوم ہو چکا ہے، کہ تم اس سے نفرت کرتے تھے ۔ تمھاری نفرت ذاتی اوصاف کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس لئے کہ وہ ایک خاص اصول، یعنی اصول جبر و تشدد کا، حامی تھا لیکن اگر خون مسیح علیہ السلام پر سیدھا سادہ ایمان رکھنے کی بدولت تم اسے جاودانی اطمینان و عافیت سے ہمکنار دیکھتے ہو، تو جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اسے یاد رکھو اور وہ یہ ہے کہ اس سے معافی مانگو ہاں میرے عزیز دوست اسی عالم میں ۔ اور خدا تمھیں قبول توبہ کی نعمت سے مشرف فرمائے" (بریف ویشل ۔ صفحہ ۳۲۵) مگر معلوم ہوتا ہے کہ فریڈرک ولیم کو اسی قسم کا پیام انابت اُن پوتوں کے پاس بھیجنا یاد نہیں رہا جو سادی بریہ میں سے تھے ۔

—— ❋ ——

باب ۳

منظور تھا کیونکہ نکولاس نے خود انھی شرائط پر صلح کی گفتگو کرنے پر رضامندی ظاہر کر چکا تھا جنھیں مغربی سلطنتوں نے اگست ۱۸۵۴ء میں پیش کیا تھا۔ زار کی رائے میں اس تبدیلی کی وجہ محض الما اور انکرمان کی لڑائیاں نہ تھیں۔ اصل میں پرشیہ نے یہ دیکھکر کہ ممالک جرمانیہ میں وہ سب سے الگ تھلگ رہ گئی ہے چند مہینے کے تردد کے بعد بذریعۂ سفیر انھی "امور اربعہ" کو تسلیم کر لیا تھا جنھیں آسٹریہ پہلے سے صلح کی ناگزیر شرطیں مان چکی تھی۔ اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ لے دے کر ایک دوست جو رہ گیا تھا اس نے بھی روس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اب یہ غیر ممکن ہو گیا کہ نکولاس محض ان دعاوی سے جن کی بدولت لڑائی کی نوبت آئی دست بردار ہو کر صلح کی امید کر سکے۔ پس وہ اپنے دشمنوں سے انھی کی پیش کردہ شرطوں پر گفتگوئے صلح کرنے کے لئے رضامند ہو گیا۔ اس موقع پر آسٹریہ مغربی سلطنتوں کی اور بھی ہمنوائی کرنے لگی اور بروئے معاہدہ پابند ہو گئی کہ اگر شرائط مذکورہ پر سال کے ختم تک صلح نہ ہو گئی تو وہ فرانس و انگلستان کے ساتھ مل کر اس قسم کی کارگر تدابیر پر غور کرے گی جن سے اتحاد کا مقصد حاصل ہو سکے۔[1]

وی اینا میں مجلس مشاورہ کی تیاریاں۔

وی اینا میں مجلس مشاورۃ کی تیاریاں ہونے لگیں پروشیہ نے اب بھی یہ عہد کرنے سے انکار کیا کہ صلح کی گفتگو بے نتیجہ رہی تو وہ کوئی جنگی کارروائی کرے گی۔ لہذا اسے مجلس مشاورۃ میں شریک نہیں کیا گیا۔ مجلس کا اجلاس الکزنڈر ثانی کی تخت نشینی کے چند ہی روز بعد شروع ہوا۔ روس کی طرف سے اُس کا سفیر شہزادہ الکزنڈر گورٹ شاکوف شریک تھا جو آگے چل کر جب وزیر ہوا تو عہد کریمیہ کے گئے کرائے کام کو بگاڑنے میں بھی بہت پیش پیش تھا۔ پہلی دو دفعات جن پر گفتگو ہوئی، ولایات ڈینیوب اور سرویہ پر سے روسی حقوق نگرانی کی تنسیخ، اور ڈینیوب میں جہاز رانی کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے متعلق تھیں۔ ان کے ماننے پر روسی رضامند ہو گئے۔ لیکن بحر اسود اور دردانیال کے بارے میں جو معاہدہ جولائی ۱۸۴۱ء میں ہوا تھا، اس کی ترمیم کے متعلق روسی ایلچی اور مغربی سلطنتوں کے وکلا کی رائے میں بہت تباین تھا۔ گورٹ شاکوف مانتا تھا کہ

[1] کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۵۴-۱۸۵۵ء جلد پنجاہ و پنجم۔ وغیرہ۔

باب (۳)

معاہدہ ۱۸۴۱ء کی ترمیم اس طریق پر ہونی مناسب ہے کہ بحر اسود میں روسیوں کی چیرہ دستی باقی نہ رہے۔[1] مگر مغربی سلطنتیں مصر تھیں کہ روس کے جنگی جہاز ان سمندروں ہی میں مجبور بیٹھے پائیں۔ اور گورچاکوف روسی غلبے کو دور کرنے کی صرف اس حد تک تائید کرتا تھا کہ وہ دوسری سلطنتوں کے جنگی جہازوں کو بھی ان سمندروں میں آنے کی عام اجازت دے دی جائے یا اور اسی قسم کا کوئی طریقہ روسیوں کے مقابلے میں اختیار کر لیا جائے۔ غرض گفتگوئے صلح بے نتیجہ رہی البتہ اس کے ختم ہونے سے پہلے آسٹریہ نے اتحادیوں سے اس قول کو منوا لیا کہ دفعۂ سوم کا مدعا بجز اُن کی مجوزہ تدابیر کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اپنی طرف سے ایک تیسری صورت پیش کی جس میں ایک طرف قسطنطنیہ میں روسی بیڑے کو محدود کر دینے کی تجویز تھی اور دوسری طرف دوسری قوموں کے جنگی جہازوں کو ایک حد تک اندر آنے کی آزادی دی گئی تھی۔ اس تجویز کو مغربی سلطنتوں نے مسترد کر دیا۔ تب آسٹریہ نے اعلان کیا کہ دوسری دسمبر ۱۸۵۴ء کے معاہدے سے جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی وہ ختم ہو گئی لہذا اب اس کی حیثیت پھر خالص غیر جانب دار سلطنت کی سی رہ گئی ہے۔

آسٹریہ۔

اس حرکت پر، جسے آسٹریہ کی غداری سے تعبیر کیا گیا، لندن اور پیرس میں لوگ بہت برافروختہ ہوئے نیز اس پر کہ اعلان کے بعد ہی آسٹریہ کے فوجی دستے جو لڑائی میں حصہ لینے کے خیال سے خاص خاص مقامات پر متعین ہوئے تھے، واپس طلب کر لیے گئے۔ آسٹریہ پر الزام یہ لگایا جاتا تھا کہ صلح کی پہلی دو دفعات میں آسٹریہ نے خاص اپنی جو غرضیں تھیں انھیں پورا کرا لیا اور جب دربار سینٹ پیٹرزبرگ نے اس بارے میں اطمینان دلا دیا تو ویانا کے وزرا بے غیرتی سے زار کی دوبارہ دوستی حاصل کرنے کی خاطر تیار ہو گئے کہ معاہدۂ اتحاد کے دوسرے مقاصد اور بحری سلطنتوں کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔ اس الزام کے جواب میں یہ کہا گیا، اور فی الواقع یہ بالکل صحیح بات تھی کہ آسٹریہ نے روسیوں کو بحر اسود سے خارج

[1] مشرقی امثلہ۔ حصہ ۱۳–۵۰۔

کر دینے کا اصول کبھی قبول نہیں کیا تھا، رہا بحر اسود میں ان کا غلبہ تو اسے بہترین طریقے سے دور کرنے کی جو تدبیر اختیار کی جائے اس کے لئے آسٹریہ اب بھی لڑنے پر کمربستہ ہے۔ لیکن جنگجو اتحادیوں کے ذہن میں تو یہ سمایا ہوا تھا کہ روسیوں کو قابو میں رکھنے کا کوئی طریق سوائے ان کی مجوزہ تدبیر کے ہو نہیں سکتا، پس انھوں نے آسٹریہ کے ان عذرات کو محض لاطائل سمجھا اور اس طرح آسٹریہ مغربی سلطنتوں کی نظر میں اپنا وقار و اعتبار بہت بری طرح کھو بیٹھی۔ ساتھ ہی روس کے جو چرکا اُس نے لگایا تھا وہ اتنا گہرا تھا کہ زار کا دل صاف ہو جانے کی اُسے جو توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ اس نے دونوں پلڑے برابر رکھنے کی حکمتِ عملی اختیار کی تھی اور خواہ اسے کامل عیاری کہو یا کامل ناطرفداری، بہرحال وہ ناکام رہی۔ نئی دوستیاں تو قائم نہ ہو سکیں اس حکمتِ عملی کی بدولت قدیم دوستیوں پر ضرور پانی پھر گیا۔ وہ یورپ بھر میں تنہا رہ گئی کہ بے یار و مددگار وہ ٹھوکریں کھائے جو عنقریب اُسے نصیب ہونے والی تھیں:-

ادھر سباستوپول کی طرف، اواخر جنوری ۱۸۵۵ء تک محاصرین کی حالت بعض اعتبار سے بہ نسبت اس زمانے کے بہتر تھی جب کہ ۶ ہفتے بعد وی اینا میں مجلس مشاورۃ منعقد ہوئی۔ کیوور کی رائے سے حکومت سارڈینیا مغربی سلطنتوں کے اتحاد میں شریک ہو گئی اور پندرہ ہزار سپاہی کریمیہ کو روانہ کر رہی تھی۔ فوجی مستقر پر ایک نیا نقشۂ جنگ اختیار کیا گیا اور اس سے بہت اچھے نتائج کی امید ہو گئی۔ ۱۸۵۴ء کے اخیر تک فرانسیسیوں کے حملے کا سارا زور جھنڈے کے برج پر رہا تھا اور یہ جنگی جہاز والی بندرگاہ کے سرے سے ذرا مغرب کی طرف ہٹ کر واقع تھا۔ لیکن اب لارڈ ریگلن نے ان کو یقین دلا دیا کہ سباستوپول کے بروج و حصار کی اصلی کنجی بندرگاہ کے مشرق میں مالاکوف ہے۔ چنانچہ انھوں نے تو اس زبردست قلعہ کو تسخیر کرنے پر کمر باندھی اور ادھر انگریزوں نے برابر کے مورچے ریڈان پر اپنی ہمت صرف کی۔ اس طرح ایک تنگ خط محاصرین کی شدید ترین گولہ باری کا ہدف بن گیا اور معلوم ہونے لگا کہ اب یقیناً بہت جلد سباستوپول فتح ہو جائے گا۔ لیکن فروری کے شروع میں فرانسیسی لشکر گاہ میں اندر ہی اندر ایک خاص تغیر یہ پیدا ہوا کہ پیرس سے جنرل نیل ایسے اختیارات لے کر آیا جنھوں نے

محاصرے کی کیفیت۔ از جنوری تا مئی۔

باب (۳)

درحقیقت اسے صدر عسکر بنا دیا اور گو کان روبیر کو بادشاہ کے ارادوں کی صرف جزوی طور پر اطلاع دی گئی لیکن اسے چار و ناچار اپنی اور اپنی فوج کی بات کو ان ارادوں پر سے قربان کرنا پڑا۔ اصل میں نپولین ثالث نے خود کریمیہ آنے کی ٹھانی تھی کہ ٹھیک موقع پر پہنچ کر ایک ہی کاری ضرب سے اس جنگ کا خاتمہ کردے جو دوسروں کے انتظام میں اتنی مدت سے ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ اس کا خیال یہ تھا کہ سباستوپول کی تسخیر کی صورت صرف یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو ہر طرف سے بالکل گھیر لیا جائے۔ پس اس نے تازہ دم فوج لیکر کریمیہ کے جنوب مشرقی ساحل پر اترنے کی سوچی تھی کہ جزیرہ نما کے اندر بڑھتا چلا جائے اور قسرنایا کے ادپر منشی کوف کی فوجوں نے جہاں قدم جما رکھے تھے، انھیں وہاں سے بھگا کر سباستوپول کے شمالی رخ کو بھی پوری طرح گھیر لے اس نئے منصوبہ جنگ کے معنی یہ تھے کہ اب تک جو کچھ زحمت سباستوپول پر جنوب کی طرف سے یورش کرنے میں اٹھائی گئی، وہ سب اکارت جائے۔ کان روبیر نے لارڈ ریگلن سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی انتہائی قوت سے انگریز سپہ سالار کے ساتھ مل کر کام کرے گا مگر بادشاہ کے نووارد قاصد نے اس کی وہ جکڑ بند کی کہ وہ معطل ہوگیا۔ مسلسل تین مہینے تک روسی نہ صرف اپنے مورچوں پر جمے رہے بلکہ ہوائی سابالطون کے ذریعے انھوں نے کچھ زمین جو فرانسیسیوں نے چھینی تھی، پھر حاصل کرلی۔ اسی زمانے میں لارڈ ریگلن اور کان روبیر نے ایک فوج بھیجی تھی کہ بحر ازاف کی روسی چوکیوں کو چھین لے کہ بادشاہ کا نادری حکم پہنچا کہ اس فوج کے فرانسیسی سپاہی فوراً واپس آئیں تاکہ انھیں کریمیہ کے اندر سے جانب شمال پیش قدمی کرنے کے کام پر لگایا جاسکے۔ اور یہ ایسی بات تھی جس سے خود فرانس و انگلستان کا اتحاد سخت معرض خطر میں پڑ گیا تھا۔ آخر کان روبیر اپنے عہدے کی ان مشکلات کو برداشت نہ کرسکا اور درخواست کی کہ خدمت سے سبکدوش کردیا جائے۔ ان کا جانشین جنرل پے لیسیر مقرر ہوا اور نہایت مستقل مزاج، مستعد سپاہی ہونے کے علاوہ وہ ان لوگوں میں نہ تھا جنھیں غصب حکومت کی سازش میں شرکت کی بدولت ترقیاں ملی تھیں۔ غرض اس نے بادشاہی احکام ماننے سے صاف انکار کردیا۔ پیرس کی شاہی محل سرا سے جو طفلانہ منصوبے بن بن کے

کان روبیر کی بجائے پے لی سیئر۔

سلہ کنگ لیگ وغیرہ

آتے تھے، انھیں تو اس نے بالائے طاق رکھا اور دل و جان سے پھر اسی نقشۂ جنگ کی طرف رجوع کیا جو شروع سال میں اتحادی سپہ سالاروں نے طے کیا تھا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ فوجوں کو کئی بار مصائب کا سامنا ہوا، لیکن اس کا سبب فرانسیسی مستقر کا تذبذب یا وعدہ خلافی نہ تھا۔ مالاکوف اور ریڈان پر عام یورش کی تاریخ ۱۸- جون مقرر ہوئی۔ اس حملے کو روسیوں نے بڑی مردانگی سے روکا۔ اتحادی بھاری نقصان اُٹھا کے پیچھے ہٹا دیئے گئے اور محاصرے کی مدت میں تین مہینے اور بڑھ گئے۔ جنگ کا آخری حملہ دیکھنے تک لارڈ ریگلن زندہ نہیں رہا۔ مشقتوں نے اسے بالکل مضمحل کر رکھا تھا۔ اس عام یورش کی ناکامی نے اس کا دل توڑ دیا اور وہ ۲۸- جون کو فوت ہو گیا۔ جنرل سمپسن نے اس کی جگہ سپہ سالاری کا کام ہاتھ میں لیا گو وہ ریگلن سے کہیں کم قابلیت کا آدمی تھا۔ جب محاصرین کی خندقیں روسی بروج و حصار کے قریب تر ہو گئیں تو انکرمان کی شکست خوردہ فوج آخری بار قسمت آزمائی کے لئے پھر آگے بڑھی۔ اس نے رود چرنایا کو اُتر کے ۱۶- اگست کو لڑائی لڑی۔ جس میں بغیر انگریزی فوج کی کسی مدد کے فرانسیسیوں اور سارڈینیا والوں نے فتح کامل حاصل کی۔ سباسٹوپول کی باہر سے مدد ملنے کی ساری امیدیں منقطع ہو گئیں اور ۸- ستمبر کو ان پر دوبارہ وہی ضرب پڑی جو ماہ جون میں ناکام رہی تھی۔ فرانسیسی سپاہی بڑی تعداد میں مالاکوف پر آپڑے اور اس قلعے کو سر کرنے کے بعد روسیوں نے اسے دوبارہ لینے کی جتنی کوششیں کیں، ان میں سے کسی کو نہ چلنے دیا۔ انگریزوں نے قابل افسوس قلت تعداد کے ساتھ ریڈان پر حملہ کیا مگر پٹے اور دبوچ لئے گئے۔ بایں ہمہ خود مالاکوف کا سر ہو جانا تسخیر سباسٹوپول کے برابر تھا۔ چند ہی گھنٹے اور گزرے تھے کہ زور زور کے دھماکے سنائی دیئے اور اتحادی سمجھ گئے کہ روسی قلعدار اپنے مخزنوں کو آگ لگا کر بڑی بندرگاہ کے شمال میں ہٹ رہا ہے۔ بالآخر مقصد حاصل ہو گیا اور زار کے زبردست قلعے میں تین سو پچاس دن کے محاصرے کے بعد جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔

ناکام یورش ۱۸- جون۔

معرکۂ چرنایا ۱۶- اگست

تسخیر مالاکوف ۸- ستمبر۔

سقوط سباسٹوپول ۹- ستمبر۔

باب (۳)

اتحادیوں کے کریمیہ میں فوجیں اتارنے کے وقت سے اب تک ایک لاکھ نفوس ضایع ہوئے تھے۔ اس کام کا بیڑا انھوں نے یہ سمجھ کر اٹھایا تھا کہ مہم چند ہفتے میں سر ہو جائے گی اور اسی قدر جانوں کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا جس قدر کہ کسی مستحکم مقام پر حملہ کرنے میں قربان کرنا پڑتی ہیں۔ لیکن تجربے سے یہ کام نہایت دشوار اور اس درجہ نقصان رساں ثابت ہوا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ بایں ہمہ اگر محاربۂ کریمیہ میں پڑنا فوج کشی کرنے والوں کی غلطی اور رندانہ پن کا نتیجہ تھا تو روسیوں کے حق میں بھی اتنا مصیبت انگیز ثابت ہوا کہ اگر کسی زیادہ واقفِ حال غنیم سے بھی لڑائی کی نوبت آتی تو شاید انھیں اس قدر نقصان و زحمت اٹھانی نہ پڑتی۔ ملک روس کے اندرونی جنگی مرکزوں سے سباستوپول دور دراز کے فاصلوں پر واقع تھا اور اس کی مدافعت میں نئی فوجوں اور مصارفِ سلطنت کا حصۂ کثیر قربان کرنا پڑا۔ کتنے لاکھ نفوس ریگستان ختم نہ ہونے والے کوچ میں جان سے گئے اور سمندر کے قریب پہنچنا تک انھیں نصیب نہیں ہوا۔ اور پھر آتش فشاں گولے کی خاطر جو دشمن پر چلایا گیا اور صدہا میل سے بیلوں پر لاد لاد کر آیا کتنے ضلع کے ضلع لدو جانوروں سے خالی ہو گئے، یہ ایسی باتیں ہیں کہ جنگ کے تحریری واقعات سے ان کا صرف خفیف سراغ مل سکتا ہے۔ روسیوں کا مجموعی نقصان شاید اتحادیوں سے سہ گنا سمجھنا درست ہو گا۔ پھر بھی سقوطِ سباستوپول کے ساتھ ہی جدال ختم نہ ہو گئی۔ روسی فوج کے واپسی کا راستہ کاٹنے میں اتحادیوں نے تامل کیا اور اس کی بدولت روسی سپہ سالار اس قابل ہو گیا کہ کریمیہ میں پنجہ جمائے رہے۔ ادھر ایشیا میں امدادی فوج کی تاخیروں سے زار کو تسخیر قارص کی صورت میں اپنی کامیابی کی ایک جھلک نظر آ گئی کہ سخت مقابلے کے بعد رسد نہ ہونے کی وجہ سے یہ قلعہ ۲۸۔ نومبر کو مسخر ہو گیا۔ لیکن صلح کی گفتگو اس تسخیر سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ فرانس جنگ سے اکتا گیا تھا۔ براعظم یورپ میں دراز دستی کا موقع ملے بغیر خود نپولین جنگ جاری رکھنے سے خوش نہ تھا اور اس کے اردگرد [illegible] کر کے جمع تھے جنھوں نے اپنے سارے مال کی بازی تجارتی حصوں کی قیمت بڑھنے پر لگا دی تھی اور قیمتوں کا یہ اضافہ صلح ہونے پر منحصر تھا۔ اتحادیوں کے

روسیوں کا اضمحلال۔

سقوطِ قارص ۲۸۔ نومبر

درمیان کامل اختلاف ہونے کا حال بھی یورپ کی کسی سرکار سے چھپا ہوا نہ تھا۔ یعنی انگریزی قوم تو جاڑوں میں اپنے فوجی انتظامات کی خرابی، بالٹک میں اپنے بیڑے کے کچھ نہ کر سکنے اور آخر میں ریڈان پر شرمناک ہزیمت کھانے سے بہت خفیف ہوئی اور جوش غیرت میں بیقرار تھی کہ نئے معرکوں میں اپنی اصلی قوت نکسے جوہر دکھائے اور فرمانروائے فرانس مالاکوف کی چوٹی کی فتح و ناموری سے بالکل مطمئن ہو گیا اور فکر میں تھا کہ بری بھلی شرطوں پر صلح ہو جائے۔ سینٹ پیٹرزبرگ میں سیکسنی کا ایلچی بیرن سی باک روس کے وزیر خزانہ کا داماد تھا، اس نے خفیہ طور پر پیرس سے خط و کتابت کی۔ ادھر آسٹریہ کے وزیر ابھی تک ثالثی کی خدمت خود انجام دینے پر تلے ہوئے تھے۔ کسی نئی مجلس مشاورۃ کے جمانے کی تو انھیں امید رہی نہ تھی لہذا تنہا نپولین سے مراسلت شروع کی اور اسے اس قسم کی معاملت کرنے پر رضامند کر لیا جو کچھ عرصے تک حکومت برطانیہ پر ظاہر نہ کی گئی۔ یہ دونوں طرف کے ساز باز ہمارا حلیف وقت واحد میں کرتا رہا۔ لیکن سی باخ کی تجویزیں ایسی تھیں کہ جو مجلس اے قومی لیری میں روس کے سب سے پر جوش حامی تک ان کی مشکل سے تائید کر سکتے تھے۔ پس وی آینا کے شاطران سیاسی بازی لے گئے۔ طے پا گیا کہ آسٹریہ اپنی طرف سے ایک یادداشت سینٹ پیٹرزبرگ بھیجے جس میں صلح کی مبادیات درج ہوں اور اس کے قبول کرنے کو خود اپنی صلح و بے طرفی کی آخری شرط قرار دے۔ مگر ان مبادیات کے متعلق برطانیہ کی رضامندی کا حاصل ہونا مقدم تھا اور یہ کام نپولین نے اپنے ذمہ لیا۔ آسٹریہ کی تجویز میں بے شبہ وہ چاروں باتیں آ گئی تھیں جنھیں گزشتہ ایام میں حکومت برطانیہ نے صلح کی شرائط قرار دیا تھا۔ اور جنھیں مان لینے کے واسطے برطانوی مدبر سقوط سباستوپول کے بعد بھی تیار تھے۔ لیکن یہ غیر ممکن تھا کہ ایسی کوئی تجویز بغیر شکوہ و شکایت کے قبول کر لی جائے جسے انگریزوں کی بلا اصلاح و مشورہ بالا ہی بالا مرتب کیا گیا تھا کہ وہ اسے بے چون و چرا تسلیم کر لیں۔ غرض لارڈ پامرسٹن نے خواہش کی کہ "امور اربعہ" کے متعلق یہ بات سمجھ لی جائے کہ وہ ایسے مطالب کے بھی حامل ہیں جو ان کے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتے۔ نیز ایک پانچویں دفعہ

صلح کی سلسلہ جنبانی۔

باب (۳) بڑھا دی جائے کہ دول کو بعض اور خاص خاص شرطوں کے عائد کرنے کا حق ہوگا برطانیہ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ روسیوں سے عہد لیا جائے کہ وہ بحر بالٹک کے جزائر آلینڈ میں جنگی مورچے نہیں بنائیں گے۔ برطانیہ کے حسب مراد یادداشت میں ترمیم کر کے آسٹریہ نے اسے دسمبر کے آخیر میں زار کے پاس روانہ کیا اور اطلاع دے دی کہ اگر ۱۶۔جنوری تک اسے قبول نہ کیا گیا تو آسٹریہ کا سفیر سینٹ پیٹرز برگ سے رخصت ہو جائے گا۔ ۱۵۔جنوری کو زار کے حضور میں مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے نسیل روڈ نے رائے دی کہ لڑائی کا جاری رکھنا روس کو تمام یورپ سے مبتلائے جنگ وجدال کردے گا، پس اس قرارداد کو بالفعل مان لینا مناسب ہے کیونکہ اس کا اثر صرف اس وقت تک رہے گا جب تک کہ روس از سر نو قوت حاصل نہ کرلے اور یا دول کے تعلقات میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔ یکے بعد دیگرے روسی وزیروں نے جتایا کہ اگر اس وقت صلح نہ کرلی گئی تو پولینڈ، فن لینڈ، کریمیہ اور قفقاز کی خیر نظر نہیں آتی۔ مالیات کے صدر نے بیان کیا کہ دوالہ نکالے بغیر سلطنت روس دوسری لڑائی کا بار نہیں اٹھا سکتی[1]۔ بحث کے آخر میں اہل شوریٰ نے بہ اتفاق آسٹریہ کی تجاویز قبول کرنے کا مشورہ دیا، اور گو عام اہل ملک کے جذبات لڑائی جاری رکھنے کو ترجیح دیتے تھے لیکن روس کے ارباب بست وکشاد میں سے صرف ایک شخص شہزادہ گورٹشاکوف سفیر وی آینا، ایسا تھا جس نے زار کو صلح کرنے سے باز رکھنا چاہا۔ اس کی رائے نہیں لی گئی۔ بلکہ بزم شوریٰ کی رائے کے بعد ہی صلح کے سفیر پیرس روانہ کردیئے گئے اور وہاں ۲۵۔فروری ۱۸۵۶ء کے دن، بہ استثنائے پروشیہ[2] تمام سلطنتوں کے قائم مقاموں کا جلسہ شروع ہوا کہ مستقل صلح کا عہد نامہ مرتب کریں۔ اس جلسے میں جو بحثیں چھڑیں اور ایک مہینے سے زیادہ وقت صرف ہوا ان میں انگریزی قائم مقام

---

[1] ڈپلومیٹک اسٹڈیز جلد دوم ۳۶۱۔ وغیرہ۔

[2] پہلی دفعات طے ہوچکیں تو پروشیہ کو بھی شریک کرلیا گیا اور جولائی ۱۸۴۱ء کے معاہدے کی ترمیم ضروری ہوئی جس کے دستخط کرنے والوں میں حکومت پروشیہ بھی شامل تھی:۔

لارڈ کلیرنڈن کو معلوم ہو گیا کہ دربار تویلری اب روسیوں کے ساتھ صلح و دوستی کر لینے پر اس قدر تلا ہوا ہے کہ اسے ہر نزاعی مسئلے میں روس و فرانس دونوں کے متحدہ وکیلوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا لہٰذا جنگ کے مسلمہ مقاصد ہی ہاتھ سے جاتے نظر آتے تھے اور اسی لئے حکومت برطانیہ کو بڑے استقلال اور بڑی صاف گوئی سے کام لینا ضروری ہوا۔ فرانس کے اس میلان کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ ان مقاصد کو ناقابل حصول یا محض خیالی سمجھنے لگا تھا بلکہ اس کا سبب محض رائے کی سستی اور یہ آرزو تھی کہ جس طرح ہو سکے شکست خوردہ دشمن کو پھر دوست بنا لیا جائے۔ بہر حال آخر سب قضیئے طے ہوئے اور ۳۰۔ مارچ کو **صلح نامۂ پیرس** پر دستخط ہو گئے ہیں بحر اسود کو غیر مصافی قرار دیا گیا۔ اس کے اقطاع اور بندرگاہیں ہر قوم کے جہاز رانوں کے واسطے کھول دی گئیں اور دونوں سلطنتوں کو جو اس کے سواحل پر حکمران تھیں، نیز دوسری ہر سلطنت کو ہمیشہ کے لئے وہاں جنگی جہاز لانے سے منع کر دیا گیا۔ زار اور سلطان نے عہد کیا کہ وہ اس سمندر کے ساحل پر کوئی جنگی یا بحری مخزن نہیں قائم کریں گے۔ روس نے بیسارابیہ کے ایک حصہ سے ہاتھ اٹھا لیا اور ایسی سرحد قبول کر لی جس نے اسے ڈینیوب سے دور ہٹا دیا۔ اس دریا میں جہاز رانی کا انتظام ایک بین الاقوامی جماعت کے سپرد ہوا کہ آئندہ وہ مستعدی کے ساتھ یہ خدمت انجام دیتی رہے اور دریا میں آمد و رفت کی آزادی، یورپ کے قوانین عامہ کا جزو بنا لی گئی۔ دول نے اعلان کیا کہ حکومت عثمانیہ یورپ کے اتحادِ دول اور قوانین کے جملہ فوائد میں حصہ دار ہو گی۔ اور ہر سلطنت نے سلطنت ترکی کی صیانت و آزادی کا پورا لحاظ رکھنے کا عہد کیا، ہر سلطنت اِس عہد کی متفقہ پابندی کی ضامن ہوئی اور اقرار کیا کہ ہر فعل کو جس سے اس عہد کی خلاف ورزی کا احتمال ہو سارے یورپ کا

پیرس کی مجلس صلح ۲۵۔ فروری ۱۸۵۶ء۔

صلح نامۂ پیرس ۳۰ مارچ ۱۸۵۶ء

لہ "بحث و مشورے کے دوران میں جب کبھی ہمارے (یعنی روسیوں کے) وکیلوں کو ناقابل گزر دشواریاں پیش آئیں، اسی وقت اُنھوں نے اعلیحضرت (نپولین) کی بذاتِ خاص مداخلت کی التجا کی اور ہمیشہ اس کا نتیجہ حسب دلخواہ برآمد ہوا۔" ڈپلومیٹک اسٹڈی۔ دوم ۳۷۷۔

باب (۳)

"قابل مداخلت مسئلہ سمجھیں گی۔ سلطان نے "اپنی رعایا کی سود و بہبود کو مدِ نظر رکھکر" ایک فرمان شائع کیا جس میں اپنی سلطنت کی مسیحی رعایا کے متعلق اپنے کریمانہ ارادوں کا اظہار فرمایا[۱] اور اس کی دولِ یورپ کو اطلاع دی"۔ دول نے "اس اطلاع کی اعلیٰ قدر و قیمت کا اعتراف کیا" اور اسی سلسلے میں صراحت کر دی کہ یہ سلطانی تحریر کسی حال میں دولِ یورپ کو اس امر کا مجاز نہیں بنا سکتی کہ وہ مل کر یا اُن میں کوئی ایک بطور خود سلطان یا اس کی رعایا کے معاملات، یا سلطنت کے اندرونی نظم و نسق میں دست اندازی کرے"۔ ولایاتِ ڈینیوب کو بیسارابیہ کے قطعے سے اور وسعت ہوگئی اور بابِ عالی کی سیادت اور دول کی ضمانت میں وہ تمام حقوق و مراعات سے بہرہ مند رہیں جو انھیں پہلے سے حاصل تھے۔ مگر ضمانت لینے والی سلطنتوں میں سے کسی کو بطور خود نگرانی کا کوئی حق نہیں رہا۔[۲]

پیشِ نظر مقاصد سے گزر کر مجلس مشاورۃ کے وکلا نے اس بین الاقوامی مجمع سے یہ فائدہ بھی اُٹھایا کہ اسی موقع پر برطانیہ کلاں کو بحری جنگ کے قوانین میں تبدیلی پر رضا مند کیا۔ انگلستان کو ہمیشہ سے دعویٰ تھا، اور اسی پر وہ عمل بھی کرتا رہا تھا کہ اسے غنیم کے مال و اسباب کو کھلے سمندر میں چھین لینے کا حق حاصل ہے

---

[۱] وعدوں سے پورے تین صفحے بھرے تھے (مشرقی اسلہ ۔ ہنداہم) ان میں سے ایک بہت سچائی سے پورا ہوا:۔ "ان مقاصد کی تکمیل کے واسطے تدابیر کی جائیں گی کہ یورپ کے علوم و فنون اور سرمائے سے فائدہ اٹھایا جائے" اس زمانے کی سب سے عجیب اور مضحکہ انگیز پیشین گوئی وہ تھی جو مسیحی داعیوں نے لارڈ اسٹریٹ ڈی رڈکلف کو تہنیت نامہ پیش کرتے وقت کی۔ (فی سنہ ۱۸۸۲ء) انھوں نے لکھا کہ اعلیٰحضرت کے فرمانِ مبارک نے ہمیں کامل یقین دلا دیا ہے کہ ہماری دلی تمنا میں بر آئیں گی۔ جو لوگ اب تک تاریکی میں رہے اُن تک (مذہب کی) شعاعیں پہنچ جائیں گی اور معاشی فلاح اور مذہبی آزادی سے مستفید ہو کر ترکی کے لاکھوں نفوس، ہمیں یقین ہے کہ بہت جلد آرام سے خود اپنے تاکستان و نخلستان کے سائے میں بیٹھے ہوں گے" اور واقع میں یہی ہوا اور ان آرام لینے والوں کی جیب میں دوسروں کی کمائی کے ساتھ خود غریب اسٹریٹفورڈ کی کمائی بھی تھی۔

[۲] یہ معاہدے کی بلفظہ نقل ہے۔ دیکھو کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۵۶ء جلد ۶۱، صفحہ ۵۰۔

باب ۲۳

مجلس مشاورۃ کا قول و قرار غیر جانب داروں کی حقوق کی نسبت۔

گو وہ کسی غیر جانب دار کے جہاز میں لدے ہوں۔ اس غرض سے وہ غیر جانبداروں کے تجارتی جہاز روکنے اور اُن کی تلاشی لینے کا بھی اپنے آپ کو مجاز سمجھتا تھا۔ اسی حق سے کام لینے کی بنا پر ۱۸۵۶ء کی انجمن بحریات کو انگلستان پر غصّہ آیا اور انگلستان کی کارروائی پر قریب قریب ساری متمدّن دنیا نے نفرت ظاہر کی تھی۔ یوں بھی، اس عمل کا نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ خطرے کے وقت تمام غیر جانب دار ممالک ایسی سلطنت کے دشمن ہو جائیں، پس کسی اکیلی سلطنت کے واسطے، جب تک اسے سمندروں پر کامل اقتدار حاصل نہ ہو نہ یہ ممکن تھا نہ احتیاط کا مقتضیٰ کہ وہ اس طرح کی زبردستی کرتی رہے۔ دوسرے اگر یہ بات انگلستان کے فائدے کی تھی کہ جب خود جنگ میں مصروف ہو تو غیر جانب دار جہازوں کی تلاشی لے، تو ایسے تمام مواقع پر جب کہ خود انگلستان کی کسی سے لڑائی نہ ہو اور دوسری سلطنتیں لڑ رہی ہوں، انگلستان کو نقصان بھی رہتا تھا۔ اسی طرح اگر انگلستان کے رہزن جہاز دشمنوں کو سخت نقصان پہنچاتے تھے تو خود انگلستان کی بحری تجارت جو ہر ملک سے بڑھی ہوئی تھی، دشمن کے رہزن جہازوں کا نشانہ تھی اور دشمنوں کے جہازوں سے بھی زیادہ قیمتی مالِ غنیمت انگریزی جہازوں کے لوٹنے سے غنیم کو حاصل ہو سکتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سمندروں کی ملکہ ہونے کے باوجود برطانیہ اس زمانے کے بحری قوانین سے صرف فائدے ہی میں نہ تھی۔ پس بحری قزاقوں کے سدّباب کے عوض میں حکومت برطانیہ اپنا سب سے چلتا ہوا اور خوفناک ہتھیار ہاتھ سے رکھ دینے پر رضامند ہو گئی یعنی اس نے تسلیم کر لیا کہ جنگ کرنے والے ملک کو اجازت ہو گی کہ وہ اپنی پیداوار کو زمانۂ جنگ میں دساور لے جائے۔ قاعدہ بنا دیا گیا کہ بجز اشیائے ممنوعہ (حربی)، کے دشمن کا مال غیر جانب دار جہاز میں محفوظ رہے گا اسی طرح غیر جانب داروں کا مال جو دشمن کے جہاز میں پایا جائے لوٹے جانے سے معاف کر دیا جائے گا۔

زمانۂ جنگ کے متعلّق جو تجارتی قوانین مجلس مشاورۃ پیرس نے مرتب کئے اُن کی عملی آزمائش کی (جب کہ انگلستان کسی یورپی سلطنت سے برسرِ جنگ ہو)

باب (۳)

ابھی تک نوبت نہیں آئی ہے[۱]۔ البتہ دوسرے مسائل جن کا اُس نے تصفیہ کیا،

معاہدۂ پیرس کی موہوم دفعات سلطنتِ ترکی کے متعلق۔

یکے بعد دیگرے معرضِ امتحان میں آئے اور معلوم ہوا کہ مجلس کے سب فیصلوں میں نقص و خامی تھی۔ اگر وہ قوتِ کارفرما جس نے آدمی کو زندگی بخشی ہے، اپنے مخلوق کی تعلّی اور تدبیر پر تبسم فرما سکتی ہے، تو عجب نہیں کہ اربابِ بست وکشاد کی اُس جماعت پر مسکرائی ہو جو محاربۂ کریمیہ کے خاتمے پر اپنے نزدیک مشرقی یورپ کا مستقبل بنانے بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے یہ خیال پکایا تھا کہ صرف بعض فقروں کے بار بار دُہرانے کے زور سے سلطان اور اس کے بھوکے پاشاؤں کی فوج کی فوج ممالک یورپ کے اعلیٰ احکام کی سی جماعت ہو جائے گی۔ خاندانِ عثمان اپنے تدریجی تنزل میں، نوبت بہ نوبت ہنگری، سرویہ، جنوبی یونان اور ولایاتِ ڈینیوب کو ہاتھ سے دے چکا تھا، اور گذشتہ پچیس سال میں اگر یورپ کی مداخلت نہ ہوتی تو خود سلطنت عثمانیہ کے ایک باج گذار نے دو مرتبہ اس سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے ہوتے، بایں ہمہ یورپ کے اربابِ سیاست اس خبط میں تھے کہ کچھ منتر کر دینے سے اس بادشاہی خاندان کا انحطاط رک جائے گا اور وہ اتنا مضبوط اور مہذب ہو جائے گا کہ ان اسلافی اور یونانی آبادیوں پر جو بدنصیبی سے اب تک اس کے زیرِ نگیں تھیں، ابد تک حکمرانی کر سکے۔ سلطان کے مواعید اصلاح کی قدر و قیمت کا اعتراف جن الفاظ میں کیا گیا تھا، ان میں طعن تلخ کا مزا آتا تھا حالانکہ دراصل ان میں بناوٹ یا طعنہ وغیرہ مطلق نہ تھا۔ لہٰذا معلوم ہوتا تھا کہ معاہدۂ پیرس کے مصنفین گویا عمداً حکومتِ عثمانی کے دل سے ذمہ داری کے احساس کا، اور مسیحی باشندوں کے دلوں سے ہر قسم کی امید کا، جو تھوڑی بہت باقی تھی، یہ کہہ کر خاتمہ کر دینا چاہتے تھے، کہ خواہ سلطان اپنے وعدے وفا کرے یا ان کے خلاف کرے، کسی حال میں یورپ کی دخل دہی کا سوال نہ پیدا ہو سکے گا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کشتی تختوں سے ڈھانپ کر ناخدا کی رائے پر چھوڑ دی گئی۔ کیونکہ الفاظ کے کچھ معنی

---

[۱] یعنی تالیفِ کتاب ۱۸۹۸ء تک۔

ہو سکتے ہیں اور اگر معاہدۂ پیرس محض مکر و فریب کا طومار نہ تھا، تو سلطان کی مسیحی رعایا کو مطلق امید نہ رہی کہ آیندہ اپنی کسی مصیبت و تکلیف کی باہر والوں سے فریاد کر سکے گی اور اس کے پاس اصلاح حال کے واسطے صرف اپنی قوّتِ بازو کا آسرا رہ گیا۔ حقیقت میں معاہدے کی شرطیں ایسی تھیں کہ اگر مغربی سلطنتوں کی خود اپنی کسی غرض کے لئے روسیوں سے لڑائی چھڑتی اور اس میں انھیں شکست اور سخت مصیبت سے ترکوں کی فتحمندانہ دست اندازی نجات دلاتی، تو اس وقت بھی بابِ عالی شاید ایسی ہی شرطیں عاید کرتا۔ غرض سارا معاہدہ لغو و لایعنی اوہام اور رسم پرستی پر مبنی تھا۔ قوموں کی انقلاب کے ہیجان میں موہوم امیدوں پر اور آزادی و اخوّت کے پیش پا افتادہ خیالی اور مصنوعی مقولوں پر تو لوگوں نے خوب خوب خاک اڑائے ہیں لیکن ۱۸۵۶ء میں جو یورپ کی دانشمندی کا کمال اس معاہدے کی صورت میں پیش کیا گیا اور جس طرح سلطنت عثمانیہ کو مقدّس بُت بنا کے بٹھایا گیا، حامیانِ جمہوریت کی کسی بکواس میں اس فعل سے زیادہ لغویت نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ یہ وہ معاہدہ تھا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہ تھا، جو گذشتہ مشاہدات کے سرتاسر خلاف تھا اور جسے آیندہ واقعات نے نہایت ذلّت کے ساتھ جھٹلا دیا۔

ترک کے ارادتمندوں میں سب سے زیادہ جوش و خروش انگلستان کے وکلا نے دکھایا۔ اس کی علت ہندوستان کا قبضہ تھا کہ وہ ہر خیالی رکاوٹ کی جو روسیوں کو استنبول سے دُور رکھ سکے، حمایت پر کمربستہ ہو جاتے تھے۔ ”بادشاہ فرانسیسیاں“ نے اپنی تجویز پھر چھیڑی تھی کہ آسٹریا لمبارڈی سے دست بردار ہو جائے اور اس کے معاوضے میں اسے ولایات ڈین یوب دے دی جائیں۔ لیکن حکومت وی آنا نے اس قسم کی کوئی داد و ستد کرنے کی اجازت نہ دی۔ تب نپولین نے مشرق میں ایک نئی حکمتِ عملی کی راہ نکالی۔ اس نے یورپ کے معاملات میں قومیت کے روز افزوں رسوخ کا اندازہ کر لیا اور یہ سوچ کر کہ اگر میں ۱۸۱۵ء کے معاہدوں کے خلاف حقوقِ قومیت کی حمایت میں آواز بلند کروں گا تو مجھے اور فرانس کو درازدستی کے لئے بہت اچھے موقعے ہاتھ آ جائیں گے اُس نے تجویز کی کہ ملداویہ اور والاشیا کی ولایتوں کو ایک مملکت کی شکل میں باہم ملحق

ولایات ڈین یوب۔

باب (۳) کر دیا جائے اور گو یہ ممالکت سلطان کے محکوم رہے لیکن اس کا فرماں روا دول یورپ منتخب کریں۔ انگریز وزرا نے اس قسم کے کسی اتحاد کو نہ مانا۔ ان کے نزدیک رومانیہ کی ایک علیحدہ مملکت تیار کرنے کے معنی یہ تھے کہ سلطان کی رعایا میں سے ساٹھ لاکھ اشخاص جو اس وقت اس کی سیادت تسلیم کرتے تھے، خارج کر دیئے جائیں۔ حالانکہ لارڈ کلیرنڈن کی رائے تھی کہ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ یہ جو خراج سلطنت ترکی کو ادا کرتے تھے اس میں اور اضافہ کیا جائے۔ آسٹریا کو اندیشہ ہوا کہ رومانیہ میں قومی تحریک خود اس کے صوبے ٹرین سلوانیہ کے رومانی باشندوں پر برا اثر کرے گی، لہٰذا وہ بھی نپولین کی مخالفت میں انگریزوں کی ہمنوا ہو گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ولایات ڈینیوب کے نظم و نسق کا مسئلہ اہل مشاورہ نے آئندہ پر اٹھا رکھا۔ ۱۸۵۷ء کے موسم بہار میں باب عالی کے حکم سے ان ولایتوں کے وکلا منتخب ہوئے اور یہ احوال ظاہر ہوا، مولداویہ کے وکیلوں نے براببر کی ولایت سے اتحاد کی تجویز رد کر دی۔ مگر ساتھ ہی پکار ہوئی کہ باب عالی نے عام رائے کو غلط دکھا دیا ہے۔ فرانس و روس میں اس وقت ایسی دوستی کے تعلقات قائم ہو گئے تھے کہ اگر گزشتہ انتخابات منسوخ نہ کئے جائیں تو انھوں نے بالاتفاق استنبول سے رخصت ہو جانے کی دھمکی دی۔ بادشاہ فرانس ملکہ وکٹوریہ سے ملنے انگلستان بھی آیا تھا کہ وہ پیچیدگیاں دور ہو جائیں جن سے انگلستان و فرانس کے اتحاد میں خلل آنے کا اندیشہ ہوتا جاتا تھا۔ لیکن اس کے آنے سے ولایات ڈینیوب کی آیندہ حکومت کے متعلق باہمی قرارداد ہونے کی بجائے اُلٹی آپس میں غلط فہمیاں بڑھ گئیں۔ بہر حال، انتخابات منسوخ ہوئے۔ بخارسٹ و جاسی میں از سر نو انتخابی مجلسیں منعقد ہوئیں اور انھوں نے قریب قریب متفق اللفظ ہو کر دونوں ولایتوں کو باہم ملا دینے کی رائے دی (اکتوبر ۱۸۵۷ء)۔ ۱۸۵۸ء کے موسم بہار میں مجلس مشاورہ کے وکلا دوبارہ جمع ہوئے کہ ولایات ڈینیوب کے معاملے کے آخری تصفیے کی صورت نکالیں۔ پھر طے پایا کہ ہر دو ولایات میں ایک ایک ہوسپودار عمر بھر کے واسطے منتخب کیا جایا کرے۔ ہر ولایت کا محکمۂ عدالت، مجلس وضع قوانین جداگانہ ہو۔ لیکن ایک مرکزی جماعت ماہرین دونوں ولایتوں کے مبعوثین سے مرتب کی جائے اور مشترکہ اغراض

کے لئے دونوں ولایتوں کی مجلسوں میں جدید آئین و قوانین کی تجویزیں پیش کیا کرے۔ اُنھی دفعات کے مطابق ۱۸۵۹ء کے اوائل میں ہر دو ولایت نے اپنی مجلس کے واسطے مبعوث منتخب کئے۔ ان کا پہلا کام یہ تھا کہ اپنے اپنے ہوسپوداروں (= والی) کا انتخاب کریں مگر دونوں میں باتفاق رائے شخصِ واحد کا انتخاب کیا گیا اور یہ شہزادہ الکزنڈر کیوزا تھا۔ اس طرح خود اہلِ رومانیہ نے آسٹریا اور انگلستان کی سعی کو جو وہ اِن ولایتوں کے باہمی اتحاد کے خلاف کر رہے تھے، بیکار کر دیا۔ اور تین سال کے بعد معاہدۂ پیرس کی ساری موشگافیاں اور صراحتیں بھی دھری رہ گئیں اور دو حکومتوں کی بجائے دونوں صوبوں میں ایک ہی وزارت اور واحد مجلس وضع قوانین قائم ہوگئی۔ رومانیہ کے مستقل مملکت بننے میں اب صرف یہ کمی رہ گئی تھی کہ تا زیست عہدۂ ولایت کی بجائے موروثی بادشاہی کا آئین جاری ہو۔ ۱۸۶۶ء میں جب الکزنڈر کیوزا کو اُسکی رعایا نے ملک سے نکالا تو شہزادۂ چارلس ہوہن زولرن سگمارنجن کو تمام یورپ نے بھی رومانیہ کا موروثی امیر تسلیم کرلیا۔ جو فرمانروائے پروشیہ کا دُور کا رشتہ دار ہوتا تھا۔ باب عالی کی سیادت اب محض حقِ خراج تک محدود رہ گئی تھی چند سال اور یہ کانٹا کھٹکتا رہا تا آنکہ رومانیہ نے اس سے بھی نجات پائی۔

الکزنڈر کیوزا دونوں ولایتوں کا والی منتخب ہوتا ہے۔

کامل اتحاد ۱۸۶۲ء۔

خاندان ہوہن زولرن کا شہزادہ چارلس موروثی امیر مقرر ہوتا ہے ۱۸۶۶ء

رومانیہ کی آزادی قائم ہونے میں تو کئی سال لگے۔ مگر یورپ کو معاہدۂ پیرس کے مصنفین کی دُوراندیشی اور تدبر کے متعلق رائے قائم کرنے میں اتنا انتظار کرنا نہ پڑا۔ دولِ یورپ نے جو یہ اعتراف کیا تھا کہ ترکی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا دور ختم ہوا اور اب ترکی میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی قوت آگئی، آیندہ ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا جسکے کسی نہ کسی واقعے سے اس اعتراف کی تکذیب اور اس خیالِ خام کی تضحیک نہ ہوئی ہو۔ ترکی حکام کی بالارادہ بُری حکومت، اور جن پر اُنھیں حکومت کا دعویٰ تھا، اُن کے اوپر نمایاں ظلم و ستم کو روکنے میں ان کی عدم قابلیت یا بے اعتنائی،

ترکی سلطنت کی اندرونی خرابیوں کا بجنسہٖ موجود رہنا

باب ۳۱

معاہدۂ پیرس کے بعد بھی ٹھیک اسی طرح موجود رہی جیسی اس سے پہلے تھی۔ ۱۸۶۰ء میں لبنان میں قتل و خون اور خانہ جنگی کی بنا پر فرانسیسی فوج نے ملک شام پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۶۱ء میں بوسینا اور ھرزی گوویںہ والوں نے سرکشی کی۔ ۱۸۶۳ء میں سرویہ نے ترکی فوج کے مقامی دستوں کو نکال باہر کیا۔ اگلے سال کریت نے بغاوت کی اور مدت تک آزادی کے واسطے لڑتا رہا بلکہ ایک دفعہ تو معلوم ہوتا تھا کہ دول کی سرپرستی میں اسکا الحاق یونان کے ساتھ ہوا چاہتا ہے۔ لیکن آخر میں اسے اپنے ترک مالکوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا۔ معاہدۂ پیرس کے چودہ سال

معاہدۂ پیرس کی نظرثانی ۱۸۷۰ء۔

بعد جب فرانس کی بادشاہی کا تختہ اُلٹا تو روسیوں کو یہ اعلان کرنے کا موقع مل گیا کہ ہم معاہدے کی ان دفعات کی پابندی نہیں کریں گے جو بحر اسود میں روس کے جنگی جہازوں اور حربی ذخائر کے متعلّق طے ہوئی تھیں۔ یہ دفعات اور صرف یہی وہ دفعات تھیں جنکی خاطر حکومتِ انگلستان نے جنگِ کریمیہ مول لی تھی اور اگر پامرسٹن روس کو بحر اسود سے خارج کرنے پر جما ہوا نہ ہوتا تو اسی وقت صلح ہوجانی ممکن تھی جبکہ اتحادی فوجیں وارنا ہی کی بندرگاہ پر مقیم تھیں۔ کہا یہ جاتا تھا کہ روسیوں کو بحر اسود سے خارج رکھنے میں سارے یورپ کا فائدہ پیشِ نظر ہے۔ لیکن آسٹریا اور پروشیہ کے طرز عمل نے خاصی طرح ثابت کردیا کہ مذکورۂ بالا شرط یورپ کے فائدے کے واسطے نہیں بلکہ صرف انگلستان کے فائدے کی خاطر عاید کی جارہی ہے۔ کیونکہ لندن سے مسلسل وعظ و پند لکھکر بھیجے جانے کے باوجود، آسٹریا اور پروشیہ کے اہل الرائے کو اپنے ملکی فوائد کا کم سے کم اتنا خیال تو ضرور رہتا جتنا لارڈ پامرسٹن کو ان کے ملکوں کا ہوسکتا تھا۔ رہا فرانس، تو اُس کو ۱۸۵۴ء میں روسیوں کی قوت توڑنے، یا عام مشرقی معاملات میں حصہ لینے کی کوئی ایسی معقول وجہ بھی نہ ہوسکتی تھی جو مالکانِ ہندوستان کے مقابلے میں پیش کی جاسکے۔ محض ذاتی ضرورتوں نے نپولین ثالث کو برطانوی حکومت کا آلۂ کار بنادیا۔ حالانکہ ظاہرا نپولین اس مہم کا سرگروہ نظر آتا تھا۔ اور اس طرح لارڈ پامرسٹن کو ایک جدید اور ناپائیدار اتحادِ دول مرتب کرنے کی گنجائش مل گئی۔ سباستوپول فتح ہوا تو اتحادیوں کو تمام

ممالکِ یورپ کو ظاہراً اپنا ہمنوا بنا لینے میں کچھ دقّت پیش نہ آئی مگر مجلسِ مشاورۃ میں آسٹریا اور پروشیہ کے قائم مقاموں کو بُلا کر اس عہد نامے پر جسے فرانس و انگلستان نے اپنے حسبِ منشا مرتّب کیا تھا، دستخط کرا دینے کے معنی یہ نہ ہو سکتے تھے کہ آسٹریا اور پروشیہ کا پہلے جن چیزوں سے تعلّق نہ تھا، اب اُن سے تعلق پیدا ہو جائے گا یا وہ اس حکمتِ عملی کے جو اُن کی اپنی نہ تھی، پابند ہو جائیں گے۔ غرض ۱۸۷۰ء میں جب فرانس کی بادشاہی کا خاتمہ ہوا تو انگلستان تنہا وہ مُلک رہ گیا جو ابھی تک بحراقشین سے روسیوں کو خارج رکھنے کا خواستگار تھا گو اس ارادے کو جبراً عمل میں لانے کی قوت اُس میں نہ تھی۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ پامرسٹن نے معاہدۂ پیرس کو ممالکِ یورپ کا مشترکہ عہد نامہ بنایا تھا اگرچہ اس کے اسباب وہ نہ تھے جو پامرسٹن نے سوچے تھے۔ اتّحادِ یورپ کے ڈھونگ سے فی الواقع کوئی نیا تعلّق وجود میں نہیں آیا۔ اور جب مغربی یورپ کی قوی تر طاقت مدّمقابل نہ رہی تو پھر ایک گھنٹہ بھی روسیوں نے اپنی اطاعت گزاری میں ثابت قدم رہنا گوارا نہ کیا۔ بایں ہمہ معاہدے کی کارروائی کے مشترکہ ہونے کی بنا پر برطانیہ کو ایک فائدہ ضرور ہوا وہ یہ کہ روس پر جو غلبہ ایک اتفاقی حلیف کی مدد سے حاصل ہوا تھا جب اسے انگلستان تنہا قائم نہ رکھ سکا تو اسے ہاتھ اُٹھا لینے میں سرکاری طور پر کوئی خجالت اُٹھانی نہ پڑی۔ ۱۸۵۶ء کی مجلسِ مشاورۃ کا گڑا مردہ ۱۸۷۱ء میں گویا کھود کے پھر نکالا گیا تو زمانہ بدلا ہوا تھا وہی ظاہری رسوم جن کے ذریعے روس کی روک تھام کے عہد نامے پر سارے یورپ سے تصدیق کرائی گئی تھی، اب اسے ڈھیل دینے کی غرض سے، اُسی قدر شان و شکوہ سے استعمال کی گئیں۔ اور جس شئے کی یورپ مخالفت کرنی نہ چاہتا تھا، اسے برطانیہ نے بھی قبول کر لیا۔ اُنھی ڈھلانوں کے نیچے، جن پر تین قوموں کے بے شمار مُردے پڑے تھے، سباسٹوپول نے اپنے کھنڈروں سے دوبارہ سر بلند کیا اور سلطنتِ روس کا پھریرا پھر ایک مرتبہ اس کے جنگی جہازوں پر لہرانے لگا۔

بابِ چہارم

پیڈمونٹ ۱۸۴۹ء کے بعد۔ ازیگ لیو کی وزارت۔ کاوور صدرِ اعظم مقرر ہوتا ہے۔ کاوور کے ارادے۔ جنگ کریمیہ کے متعلق اس کی حکمت عملی۔ اس کا حصہ مشاورۂ پیرس میں۔ کاوور اور نپولین ثالث۔ پلومبیر کی ملاقات۔ اطالیہ میں تیاریاں۔ معاہدہ جنوری ۱۸۵۹ء۔ ثالثی کی کوشش۔ آسٹریہ کا پیامِ جنگ۔ ۱۸۵۹ء کے معرکے۔ ماگنتا۔ وسط اطالیہ کی کیفیت سولفرینو۔ نپولین اور پروشیہ۔ ولافرانکا کی ملاقات۔ مجوزہ مجلس۔ مدپاپا اور مجلس ملکی۔" کاوور دوبارہ عہدہ قبول کرتا ہے۔ کاوور اور نپولین۔ رو ماتا اور ریاستوں کا الحاق پیڈمونٹ میں۔ سیوائے اور نیس فرانس کو دیئے جاتے ہیں۔ اس بازگزاشت پر کاوور کی رائے۔ ممالک یورپ کے خیالات۔ نیپلز۔ صقالیہ۔ گیری بالڈی مارسلا میں لنگر ڈالتا ہے۔ تسخیر پالرمو۔ نیپلز والے صقالیہ کو خالی کر دیتے ہیں۔ کاوور اور جنگجو فرقہ۔ کاوور کا طرزِ عمل نیپلز کے بارے میں۔ گیری بالڈی اندرون اطالیہ میں۔ پرسانو اور ولا مارینا نیپلز میں۔ گیری بالڈی نیپلز میں۔ پیڈمونٹ کی فوج امبریا اور "دو مارچیز" کے علاقے میں داخل ہوتی ہے۔ سقوط انکونا۔ گیری بالڈی اور کاوور۔ فوج کا دل ترنو کے کنارے پہنچنا۔ سقوط گیتا۔ کاوور کی حکمت عملی روما اور وینس کے متعلق۔ کاوور کی وفات۔ آزاد ریاست کا آزاد کلیسا۔

۱۸۴۹ء کے بعد کے تاریک سنین میں بھی سارڈینیا سب سے الگ چمکتی ہوئی ریاست

پیڈمونٹ ۱۸۴۹ء کے بعد

نظر آتی تھی کہ میدانِ جنگ میں شکست کھانے کے باوجود وہ اس وقت بھی آزادی کی حمایت میں ثابت قدم رہی جب کہ گردوپیش رجعت واستبداد کی فوجیں فتح پر فتح حاصل کررہی تھیں۔ اس کا بادشاہ وہ دماغی قابلیتیں تو نہیں رکھتا تھا جو کسی بڑی ریاست بنانے والے کو حاصل ہوتی ہیں لیکن وہ ایسا آدمی ضرور تھا کہ اس کے ساتھ ل کر ان قابلیتوں کے اشخاص کام کرسکتے اور اس پر بھروسہ کرسکتے تھے۔ ذاتی اخلاق میں سنگین نقائص ہونے کے باوجود، وکٹر امانوئیل، حبِ وطن، عہد کی پابندی، وزرا سے نباہ کرنے اور ایک مقصدِ عظمیٰ سے کامل شغف کے قومی محاسن رکھتا تھا۔ فلسفیانہ خیالات سے تو اسے بہت کم سروکار نہ تھا مگر اپنے جاننے کی یہ بات وہ خوب جانتا تھا کہ پیڈمونٹ آزادی کا گھر بن گیا تو اطالیہ کی حکمراں ریاست بھی وہی بن جائے گا۔ میدان جنگ میں اس کی بہادری بڑی شان کی اور ولولہ انگیز تھی مگر اس سے بھی زیادہ جس بہادری نے اسے ممتاز کیا وہ ایک خاص قسم کی مردانہ جسارت تھی۔ کہ بے علم اور اوہام پرست ہونے کے باوجود، عین اس وقت جب کہ وہ لاوارث رہ گیا اور نادیدہ عالم کے کنارے پر کھڑا انتہائی کرب میں مبتلا تھا اس کی روح میں اتنی قوت تھی کہ وہ اس آواز کی ہولناکیوں سے ذرا نہ ڈرا جو فوق الانسان تحکم کے ساتھ اس کو پکار رہی تھی۔ اطالیہ کی آزادی کے راستے میں روما بھی آسٹریہ ہی کی طرح حائل تھا۔ اور اس نے اپنے سارے فن اور روحانی قوتوں کو صرف کردیا کہ جس طرح ہو وکٹر امانوئیل کا رخ پیش نظر کام کی طرف سے پھیر دے۔ امانوئیل کی زندگی میں ایسی ساعتیں بھی آئیں جب کہ ایسا آدمی جس میں معمولی کمزوریاں ہوں، عجب نہ تھا کہ اس راستے سے ہٹ جائے جس کو دوراندیشی اور جوش وقوت کے اوقات میں اس نے منتخب کیا ہو۔ ایسے وقت بھی آئے جب کہ ایک کم استقلال شخص کا لڑکھڑانا اور متحیر کردو متضاد حکمت عملیوں کے فوائد ونقصانات پر نظر ڈالنا بالکل ممکن تھا۔ یاد رہے کہ وکٹر امانوئیل نے اطالیہ کی جو کچھ خدمت کی وہ کسی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے نہ تھی۔ سیدھے سادے اور مستقل ارادے کے جیسے لوگ ہوتے ہیں، امانوئیل کا مزاج بھی کچھ ان سے بہت نمایاں اختلاف نہیں رکھتا تھا۔ لیکن جو اوصاف اس کو ملے وہ بعینہ وہی تھے جن کی اطالیہ کو ضرورت تھی۔ منصب شاہی، بخت واتفاقات نے اس کی مساعدت کی اور اس کے درخشاں کام کو ممکن کردیا۔ لیکن اس صدی کا اور کونسا اطالوی شہریار، گو وہ پیڈمونٹ کا والی ہی کیوں نہ ہو اور کاوور اس کی رعایا ہی میں داخل ہو وہ

باب(۲) سیدھا سادہ مگر عظیم الشان روپ نباہ سکتا تھا جو وکٹر امانویل نے اس خوبی سے نباہ لیا۔ اہل اطالیہ نے اپنے پہلے بادشاہ کے نام پر محبت اور شکر گزاری کے پھول نچھاور کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ اس نے اپنی قوم کی ایسی سادہ اور بے تکلف طرز پر خدمت کی گو اس کی زندگی میں بہت سی باتیں ایسی تھیں، جن کے لیے وہ معافی کا خواستگار ہو سکتا تھا۔ وکٹر امانویل اُن معدودے چند افراد کی صف میں داخل کیا گیا ہے جن کے بغیر اتحادِ اطالیا لبا اور ایک نسل تک وجود میں نہ آسکتا تھا۔ اور کسی آیندہ زمانے میں جب کہ زیادہ انصاف اور ناطرف داری کے ساتھ رائے لگائی جا سکے گی، امید نہیں کہ امانویل کے مذکورۂ بالا فخر کے متعلق کسی کو حجت اور انکار ہو گا۔

معرکہ نوارا کے بعد آسٹریہ سے صلح ہو گئی تو ٹیورن کی حکومت اور مجلس معبوثین نے اپنے ملک کو مقتدایانِ دین کے پنجے اور اہل کلیسا کے ناواجب امتیازات سے نجات دلانے کی طرف توجہ منعطف کی جن کا چارلس البرٹ کے عہد حکومت میں آخری سال تک پورا زور رہا تھا۔ اہل کلیسا ۱۸۱۴ء سے پیڈمونٹ اور جزیرۂ سارڈینیا دونوں علاقوں میں اُن حقوق پر قبضہ جمائے رہے یا دوبارہ قابض ہو گئے تھے جنھیں یورپ کے دوسرے ملکوں میں مدت سے سلب کیا جا چکا تھا اور جو اس آئینی حکومت سے کوئی مناسبت نہ رکھتے تھے جس کی بنیاد وکٹر امانویل کے دور میں مضبوط ہو رہی تھی۔ چنانچہ یہاں کے پادریوں کی ابھی تک علیحدہ عدالتیں قایم تھیں اور وہ فوجداری جرائم کی صورت میں بھی حکومت کے حدود اختیارات سے باہر مانے جاتے تھے۔ اساقفہ کے اختیارات اتنے وسیع اور گرجا کے مداخل میں ان کا حصہ اس قدر زیادہ تھا جو کسی طرح معقول نہیں سمجھا جا سکتا۔

ازگ لیو کی وزارت ۱۸۴۹ء تا ۱۸۵۲ء

حلقے کے پادری تو فلاکت میں زندگی گزارتے اور خانقاہوں اور صومعوں میں روپے کی کثرت تھی۔ ماسی مو دِ ازگ لیو نے جو اصلاح کی تدبیریں کیں وہ کلیسا کی مخالفت پر مبنی نہ تھیں۔ نوارا کے بعد اسی شخص کو بادشاہ نے عہدۂ وزارت تفویض کیا اور اس نے جو قوانین بنائے ان کا مقصد یہ تھا کہ پادریوں کو سرکاری عدالتوں کے ماتحت لایا جائے، خانقاہوں میں نذر نیاز کے حقوق اڑا دیئے جائیں اور کلیسائی جماعتوں کو زرعی املاک نہ خریدنے سے روک دیا جائے۔ اس موقع پر اگر پاپائی گروہ وکٹر امانویل کے ساتھ منصفانہ

معاملہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا تو اُسکے حکام خوشی سے ایک خطرناک اور تکلیف دہ کشمکش میں پڑنے سے احتراز کرتے۔ لیکن اُنھوں نے مجوزہ اصلاحات کی مخالفت میں سخت مذہبی تعصب سے کام لیا اور اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدامت پرستوں نے جن پر وزیر کو بھروسہ تھا، ساتھ چھوڑ دیا اور وزیر کو ان لوگوں سے اتحاد کرنا پڑا جو زیادہ دلیرانہ اور جامع حکمتِ عملی اختیار کرنے پر تیار تھے۔ اور اسی سلسلے میں اس نے کاوور کو وزرا کے زمرے میں شامل کیا جو اس کی آزادانہ تائید کرنے والوں میں سب سے پیش پیش رکن مجلس تھا۔ کاوور ۱۸۵۰ء میں وزیر تجارت کی حیثیت سے داخل ہوا تھا مگر دیکھتے دیکھتے اپنے سارے ساتھی وزیروں پر حاوی ہو گیا۔ غرض اختلاف کے زیادہ معتدل حصے کا سر گروہ رتازی تھا اور اسے کاوور نے اپنی ذمہ داری پر وزرا کا موید بنانے کی کوشش کی اور کامیاب ہوا۔ پھر مجلس وزرا کے اندرونی اختلاف رائے کی بنا پر وہ کچھ عرصے کے واسطے عہدے سے علٰحدہ بھی ہو گیا تھا لیکن اکتوبر ۱۸۵۲ء میں دوبارہ صدر اعظم بن کر عہدے پر فائز ہوا۔

کاوور صدر اعظم مقرر ہوتا ہے۔ ۱۸۵۲ء۔

فن ملک داری میں کاوور کے برابر چند ہی آدمیوں نے شہرت پائی ہو گی۔

کاوور

بایں ہمہ اس کا نشو و نما سرکاری ملازمت میں نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک خاندانی امیر کا چھوٹا بیٹا تھا اور ۱۸۲۶ء میں فوج میں داخل ہو کر بہ حیثیت انجنیر کام کرنے لگا۔ لیکن ۱۸۳۰ء کی تحریک آزادی سے اسکی ہمنوائی نے بالادستوں کو اس سے نہایت ناراض کر دیا۔ چارلس البرٹ ان دنوں امیر کارگنانو تھا۔ اس نے کاوور کو ملک بھر میں سب سے مخدوش آدمی قرار دیا اور وہ خود اپنے باپ کے ایما سے الپس کے دور دست قلعے بارڈ میں بدل دیا گیا۔ مگر اسکی طبعی مستعدی بیکاری کو برداشت نہ کر سکتی تھی اور نہ اسکی دوراندیشی اور فراست کسی سازش میں اسے شریک کرا سکتی تھی۔ پس اسنے فوج سے استعفیٰ دیا اور تھوڑے ہی دن بعد ایک خاندانی جاگیر کا کام سنبھالا اور وہاں جدید اصول پر زراعت کرنے میں منہمک ہو گیا۔ تجارتی کاروبار میں اسے بڑی دستگاہ اور سلیقہ حاصل تھا۔ آیندہ بارہ سال بہت مفید محنت اور ذاتی بیوپار میں گزرے، تاہم اس زمانے میں بھی اس کا دماغ ملکی معاملات پر شوق و توجہ سے غور کرتا رہا۔ اپنے گرد و پیش پیڈمونٹ کی حالت، اور مجموعی طور پر ساری اطالیہ کی غیروں کے ماتحت یا اہلِ کلیسا کے زیر نگیں زبوں حالی اسے نہایت ناگوار تھی۔ فرانس و انگلستان کے وہ بارہا پھیرے کرتا رہا۔ اسی سے آزاد ملکوں کے آئین و ضوابط سے اسے واقفیت ہوئی اور جو سیاسی یا تمدنی مقاصد پیشِ نظر تھے وہ ایک واضح شکل میں اسکے ذہن نشین ہو گئے[1]۔ ۱۸۴۷ء میں

[1] Berti وغیرہ وغیرہ۔

باب (۱۴)

جبکہ پے در پے سیاسی تغیرات ہو رہے تھے اسنے بعض اور آزاد خیال امیروں کی شرکت میں ایک سالہ "رسورجی منتو" جاری کیا جسکا مقصد قوم کی احیا تھا۔ پھر سب سے اول جن لوگوں نے شاہ چارلس البرٹ سے آئینی حکومت کا مطالبہ کیا ان میں کاوور بھی داخل تھا۔ ۱۸۴۸ء کے طوفانی ایام میں جہاں وہ آسٹریہ سے جنگ کرنیکا پرجوش حامی تھا، وہیں افراط پسند اور طالبان جمہوریت کے گروہ سے جو اپنے نظریات کی خاطر اطالیہ کو بدامنی کے گڑھے میں ڈھکیلنے سے بھی نہ چوکتے، اسے مخالفت تھی۔ عوام الناس اسکی نسبت سوئے ظن رکھتے تھے، تاہم وہ ٹیورن کی طرف سے مجلس کا مبعوث منتخب ہوگیا اور صلح کے بعد بھی پائے تخت والوں کی نیابت کرتا رہا۔ اس وقت تک اسکے غیر معمولی جوہر کھلنے کا بہت کم موقع پیش آیا تھا لیکن وکٹر امانویل کی طبعی فراست نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ کاوور ادنیٰ حیثیت میں پڑے رہنے والا شخص نہیں ہے۔ چنانچہ وزارت میں پہلی مرتبہ اسکو داخل کرنیکی منظوری دیتے وقت بادشاہ نے وزیروں کو جتا دیا تھا کہ "تم دیکھ لوگے کہ وہ تم سب کو اپنے عہدوں سے نکال باہر کرے گا"۔

ازگ لیو کی وزارت ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۲ء تک نیکنامی کے ساتھ پیڈمونٹ کی خدمت کرتی رہی۔ مگر زمانہ جس قسم کی ذہانت اور جسارت کا متقاضی تھا، ان سے اس وزارت کا صدر مشکل سے متصف تھا۔ کاوور نے وزیر ہوتے ہی حکومت میں وہ سرگرمی اور خردمندی پیدا کی کہ بہت جلد اسکے نتائج تمام یورپ کے سامنے ظاہر ہوگئے۔ اطالیہ کے ساتھ اسکی محبت اتنی ہی گہری، اسی قدر ہمہ گیر تھی جتنی خود ماتزینی کی۔ اگرچہ ان دونوں کے طریق کار اور منصوبوں میں بون بعید تھا۔ کاوور کا منشا یہ تھا کہ سب سے اول آسٹریہ کو میدان جنگ میں

کاوور کے منصوبے۔

شکست دے کے اطالیہ سے خارج کیا جائے اور شمالی اطالیہ میں وکٹر امانویل کے ماتحت ایک طاقتور سلطنت قائم کردی جائے جو آیندہ تمام ملک کی شیرازہ بندی کا پیش خیمہ ہو۔ اسنے سمجھ لیا تھا کہ پیڈمونٹ کی بری اور بحری فوجوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بہترین طریق پر آراستہ کرنے کی غرض سے ملک کے ذرائع آمدنی کو ترقی دینا لازمی ہے۔ اس غرض سے اس نے دول خارجہ سے تجارتی عہد نامے کیے۔ ریلیں بنائیں۔ خانقاہوں کی بہت سی املاک ضبط کرلی اور ان کی زمینیں کاشتکاروں کے ہاتھ فروخت کرکے ان رقوم کو سرکاری کاموں میں لگانے کی بجائے کارکن پادریوں کی تنخواہوں میں صرف کیا۔ صنعت و حرفت کا قدم آگے بڑھنے لگا۔ لوگوں نے محاصل کے بار گراں کو صبر سے برداشت کیا اور اسی کے ساتھ فوج اور بیڑے میں اضافہ ہونے لگا۔ مگر پیڈمونٹ کو صرف اپنی ہی فکر نہ تھی بلکہ اطالیہ کے تمام باشندوں کی حمایت بھی اس کا فرض تھا اور مناسب تھا کہ امانویل کی حکومت اس کا پے در پے قولاً یا فعلاً برابر اظہار کرتی رہے۔ چنانچہ آسٹریہ یا پاپا کے جبر و جور کے ستائے ہوئے

لوگوں کو وہ پناہ دیتی اور ان کی دستگیری کرتی تھی۔ پیڈمونٹ کے اخبار ظلم کا ہر قصہ شایع کرنے کے لئے تیار رہتے۔ اور جب ۱۸۵۳ء میں میلان میں ناکام بغاوت ہوئی تو گو اس کے ذمہ دار تمام تر مائزینی اور جمہوریت پسند گروہ کے افراد تھے تاہم حکومت آسٹریہ نے اپنی رعایا کے ان افراد کے مال واملاک کو ضبط کیا جو پیڈمونٹ سے واپس آنا نہ چاہتے تھے، کاوور نے اپنے سفیر متعینۂ وی آنا کو حکم دیا کہ وہ وی آنا سے رخصت ہو جائے اور یورپ کی ہر سرکار میں شکایت کی۔ ان سب باتوں کے باوجود، کاوور کو یقین نہ تھا کہ اطالیہ کے ہر حصہ میں بوقت واحد بغاوت کر دی جائے تو بھی اہل اطالیہ مستقل طور پر عساکر آسٹریہ کو ملک سے نکال سکیں گے یا آسٹریہ کے قلعوں پر قبضہ کر سکیں گے۔ کیونکہ چالیس سالہ کا تجربہ اس کے خلاف گواہی دیتا تھا۔ لہٰذا اس حال میں کہ مائزینی وطن سے دور بیٹھا ابھی تک اسی سوچ میں تھا کہ کسی قوم کے آزاد ہونے کے لئے صرف اس کا عزم مصمم کر لینا کافی ہے کاوور نے بیرونی ممالک سے ایسے اتحاد کی تدبیر سوچی جس کے ذریعے سلطنتِ آسٹریہ کے مقابلے میں اسی کے برابر کثیر التعداد اور اعلیٰ درجے کی باقاعدہ فوجیں فراہم کی جا سکیں۔

جنگ کریمیہ میں کاوور کی حکمتِ عملی

یہی خاص سبب تھا کہ اس نے مملکتِ سارڈینیا کو جنگ کریمیہ میں شریک کرایا۔ زار سے شکایت ہونے کی اور بھی معقول وجوہ تھیں لیکن اصلی وجہ تحریک جس کی بنا پر اس نے اپنے سپاہیوں کو سباستوپول بھیجا، روس سے بدلہ لینا نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ وہ فرانس اور انگلستان کے سپاہیوں کے دوش بدوش ہو کر لڑیں۔ لڑائی میں آگے چل کر نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا امکان کاوور کی نظر سے پوشیدہ نہ تھا۔ ایسی کسی صورت میں سارڈینیا کا مغربی یورپ کی دو بڑی طاقتوں سے متحد ہونا، بڑی بات ہوتی۔ مگر مستقبل کے ایسے امکانات سے قطع نظر، آسٹریہ غیر جانب داری کے باوجود لڑائی کے لئے کمر بستہ کھڑی تھی اور بظاہر کچھ بعید نہ تھا کہ فرانس و انگلستان کے ساتھ شریک ہو جائے۔ بس ایسے موقع پر سارڈینیا کا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار رہنا اس کے حق میں مفید نہ ہوتا۔ اگر مملکت سارڈینیا چپ چاپ رہتی اور آسٹریہ روس کے خلاف تلوار کھینچ لیتی تو آیندہ کئی سال تک مغربی سلطنتیں اقطاع اطالیہ پر آسٹریہ کا قبضہ بحال رہنے کے معاملے میں، آسٹریہ کی تائید میں اپنا اثر صرف کرتیں۔ اور پیڈمونٹ کو لے دے کر اپنی رفاقت یا ہمدردی کرنے والا کوئی نظر آتا تو وہ روس ہوتا۔ کاوور کے پیش نظر اطالیہ کو

باب ۱۶ آزاد کرانا تھا اور وہ اس کے وسائل انتخاب کرنے میں اخلاقی وجوہ سے پس وپیش کرنے والا آدمی نہ تھا۔ چنانچہ اس پر الزام ہے کہ اتحاد میں شرکت کی خاطر وہ بے سوچے سمجھے ایسی لڑائی میں حصہ دار بن گیا جس کا پیڈمونٹ سے براہ راست کوئی واسطہ نہ تھا۔ لیکن عقل اور تاریخ دونوں سے اطالوی مدبّر کی نہ صرف صفائی، بلکہ تائید ہوتی ہے۔ اگر فرانس وانگلستان نے یورپ کے جس توازن کی خاطر ہتھیار اٹھائے تھے وہ جنگ کا جائز سبب ہو سکتا ہے تو ان کے حلیف کی شرکتِ جنگ کی وجہ بھی اتنی ہی معقول ہے۔ اور اگر کسی جنگ کے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ اسباب کی بجائے اس کے نتائج دیکھ کر کیا جائے، تو بھی کاوور یورپ بھر میں اکیلا وہ مدبّر نکلے گا جس کی جنگِ کریمیہ میں شرکت کی اغراض پوری ہو گئیں۔ یہ نہیں ہوا کہ آیندہ واقعات نے ان اغراض کو مہمل ثابت کیا ہو۔ کیونکہ وہ روسیوں سے کشمکش میں اس لئے شریک نہ ہوا تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ کو سلامت رکھا جائے بلکہ اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ اطالیہ کو آزاد کرانے میں اپنا معین ومددگار پیدا کیا جائے۔ چنانچہ سلطنتِ عثمانیہ تو سلامت نہیں رہی مگر اطالیہ کو آزادی حاصل ہوئی اور اسی اتحاد کے ذریعے حاصل ہوئی جو کاوور نے قائم کیا تھا۔ واقع میں، اس کی کریمیہ کی حکمتِ عملی اس تدبّر کی وہ نہایت نادر مثال ہے جس میں کوئی سیاسی کارروائی بے دلی اور وقتی ضرورتوں کی مجبوری سے نہیں بلکہ مستقبل کے صاف اور صحیح اندازے کی بنا پر کی جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس کی نظر صرف ایک پہلو دیکھتی تھی۔ لیکن اس پہلو کو اس نے بالکل صحت کیساتھ دیکھا۔ یورپ کے دوسرے اربابِ بست وکشاد اندھا دھند لڑ پڑے یا ترکی کے احیا کا خواب دیکھ کر ایک ایسی سلطنت کی خاطر لڑے جس کی کیفیت سراب کی سی تھی۔ حتیٰ کہ اسی قسم کا سوال کیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے (انگریز) سپاہی جو بالاکلاوا میں مارے گئے، اگر انھیں چھوڑ دیا جاتا کہ اپنے بچھونوں پر (عمر طبعی کو پہنچ کر) مریں، تو کیا مشرقی یورپ کا جو نقشہ آج نظر آتا ہے، اس کے خلاف ہوتا؟ برخلاف اس کے، اطالیہ کا ہر سپاہی جسے چرنایا کے کنارے یا ہیضہ زدہ لشکر میں مرنے کے واسطے کاوور نے بھیجا تھا، براہِ راست آزادئی اطالیہ کے لئے کام آیا بالکل اسی طرح جس طرح کہ وہ کستوزا کے کنارے یا رومہ کی فصیلوں کے نیچے لڑتا ہوا مارا جاتا۔

سنہ ۱۸۵۶ء کے مشاورۂ پیرس میں سارڈینا کا صدر اعظم اتحادی ہونے کے

باب ۲

کاوور کی شرکت مشاورۂ پیرس میں

حق سے) دول عظمیٰ کے وکلا کے پہلو بہ پہلو شریک ہوا اور جب مجلس کا اصلی کام ختم ہو گیا تو آسٹریہ کے وزیر کنٹ بواول کو چار و ناچار کاوور کی زبردست تقریر سننی پڑی جس میں اس نے وسطی اور جنوبی اطالیہ کے خرابی انتظام کی خوب خبر لی اور آسٹریہ کے قبضے پر بھی لے دے کی جنکی وجہ سے یہ خرابیاں پیدا ہو سکیں۔ یوں تو فرانسیسی فوج بھی ابھی تک روما میں موجود تھی لیکن ازرہ تواضع ان کی موجودگی کا سبب یہ بیان کیا جا سکتا تھا کہ زیادہ شمال کے علاقے میں آسٹریوں کے دخل بیجا کے باعث فرانسیسیوں کو احتیاطاً روما جانا پڑا۔ بہرحال، فرانس و انگلستان دونوں کے قائم مقاموں نے لعنت ملامت کرنے میں کاوور ہی کی تائید کی اور گو کاوور واپس آیا تو اسے کوئی حصۂ ملک پیڈمونٹ کی خدمت جنگ کے معاوضے میں حاصل نہیں ہوا، لیکن دراصل اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس نے دکھا دیا کہ یورپ کی نظر میں آسٹریہ کی کچھ توقیر نہیں اور کوئی اس سے اتحاد یا علاقہ نہیں رکھتا۔ اُس نے اپنے ملک کی آواز میں وہ قوت پیدا کی جو پہلے کبھی دول یورپ کی بزم شوریٰ میں اسے حاصل نہ تھی۔ اس نے یہ امر تمام اطالیہ والوں کے پوری طرح نقش خاطر کر دیا کہ پیڈمونٹ نہ صرف قومی دشمن کے مقابلے میں پوری قوت سے کام کر سکتا ہے اور کرنا چاہتا ہے بلکہ کام کرنے میں حلیف و مددگار بھی اس کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ اسی وقت سے خاندان سیوائے، اس کے وزیر اور اس کی فوج کے روز افزوں اقتدار نے جمہوریت طلب گروہ اور ماتزینی کے متبعین کی انجمنوں کا رنگ پھیکا کر دیا۔[1] کاوور کی کریمیہ کی حکمت عملی اور مشاورۂ پیرس میں شرکت کا جیسا کچھ اثر ہوا اس کی سب سے قوی شہادت خود حکومت آسٹریہ کی کارروائی سے فراہم ہوتی ہے۔

آسٹریہ کے طرز عمل میں تبدیلی ۱۸۵۶ء

۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۶ء تک شمالی اطالیہ میں آسٹریہ کی حکومت کے قوانین اتنے سخت نہ تھے جتنا کہ عملاً وہاں

---

[1] دیکھو کاوور کے خطوط۔ جلد دوم۔ مقدمہ صفحہ ۱۸۱۔ گورروتی؛ "گے ری بالڈی" جلد اول صفحہ ۱۴۲۔ وینس کے سابق میر مجلس مانن نے جو ان دنوں جلاوطنی میں تھا، اسی زمانے میں اعلان کیا کہ میں خاندان سیوائے کے ساتھ ہوں اور ایسا ہی گے ری بالڈی نے کیا۔

باب (۱۴)

وحشیانہ تشدد سے کام لیا جاتا تھا۔ لیکن اب رنگ بدل گیا۔ خود شہنشاہ آسٹریہ میلان آیا کہ عفو عام کا اعلان اور اپنی رعایا کی تالیف قلوب کرے۔ ضبط شدہ جاگیریں اصلی حقداروں کو واگذاشت کردی گئیں۔ خدا خدا کر کے، بانوے برس کی عمر میں ، ارڈٹس کی کو عہدے سے سبکدوش ہونے کی اجازت ملی۔ اعلان کر دیا گیا کہ تلواری حکومت ختم ہوئی اور خاندان ہیپس برگ کے سب سے نرم مزاج شہزادے میکس میلئن کو اپنی دلہن کے ساتھ یہاں مامور کیا گیا کہ حسن سلوک سے پچھلی باتوں کی رنج دہ یادد لوں سے محو کرا دے۔ لیکن یہ سب تدبیریں بعد از وقت ثابت ہوئیں۔ لمبارڈی والوں کو شاہ کی ذاتی لطف وعنایت کا اعتراف تھا مگر اس کے معنی یہ نہ تھے کہ ان کو حکومت آسٹریہ سے آشتی ہو گئی۔ دوسرے ابھی فرانسس جوزف میلان ہی میں تھا کہ شاہ وکٹر امانویل نے لمبارڈی کے وفد کی موجودگی میں ایک مجسمے کا بنیادی پتھر رکھا جو ۱۸۴۸ء و ۴۹ء کے معرکوں کی یادگار ہیں ساری اطالیہ کے چندے سے بنایا گیا تھا۔ یہ ایک پیادہ سپاہی کی صورت تھی جو اپنی تلوار سے سرحد آسٹریہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ادھر سارڈینیہ کے اخباروں نے آسٹریہ اور اس کے اطاکوی باج گزاروں پر پہلے سے زیادہ زور شور کے ساتھ حملے شروع کئے اور حکومت وی آنا نے اس کے سدباب کی استدعا کی تو کاوور نے انکار کر دیا۔ تب، مشاورۂ پیرس کے بعد سے دونوں حکومتوں میں جو سیاسی تعلقات بحال ہوئے تھے، وہ پھر منقطع ہو گئے۔

مغربی سلطنتوں میں سے کاوور برطانیہ کے ساتھ اتحاد کو ترجیح دیتا جس کی اپنی کچھ غرض اطالیہ میں اٹکی ہوی نہ تھی۔ مگر جب اسے معلوم ہوا کہ لندن کے حکام آسٹریہ کے خلاف جنگی امداد کرنی نہیں چاہتے تو وہ خواہ مخواہ نپولین ثالث کی طرف

کاوور اور نپولین ثالث	زیادہ جھک چلا اور ولایات ڈینیوب کے جھگڑے میں اول سے آسٹریہ اور انگلستان کے خلاف نپولین کی تائید کرتا رہا۔

اس میں شک نہیں کہ نپولین کو بھی اطالیہ کے معاملے میں حقیقی دلچسپی تھی۔ اوائل عمر میں اس کے سیاسی نظریے، جو نپولین اعظم کے اصول سلطنت کے مطالعے پر مبنی تھے، اور انجمن کاربوناری کے ساتھ جوانی میں اس کا تعلق، اطالیہ کے قومی مقاصد سے اس کی ہمدردی کے اسباب بن گئے تھے یہ ہمدردی بہت گہری نہ سہی تاہم سچی ضرور تھی

باب (۴)

اور گو ۱۸۴۹ء میں فرانس نے رومی آزادی کے خلاف کام کیا، تاہم نپولین کی سابقہ ہمدردی بالکل زائل نہیں ہو گئی تھی۔ پھر یہ کہ اگر ۱۸۱۵ء کے نظام یورپ اور معاہدات کی اس طرح تجدید کرنی منظور تھی کہ فرانس کو فائدہ پہنچے اور قومیت کا اصول سرسبز ہو، تو اس کام کے آغاز کی بہترین صورت یہ تھی کہ نپولین آسٹریہ کو شمالی اطالیہ سے جبر اً خارج کر دے۔ اسے اپنی طرف سے نئی حکمت عملی نکالنے کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ اوائل ۱۸۴۸ء میں جب کہ قرینہ کہتا تھا کہ پیڈمونٹ کی مملکت میں کل لمبارڈی اور وینیشیہ کے بعض اضلاع کا اضافہ ہو جائے گا، لامارٹین نے قرار دے دیا تھا کہ ایسی صورت میں فرانس کو سیوائے بطور معاوضہ ملنا واجب ہے تاکہ وہ جدید مملکت اطالیہ جیسے طاقتور ہمسائے سے اپنی سرحد محفوظ رکھ سکے۔ نپولین نے اسی خیال کی طرف عود کیا۔ ۱۷۹۲ء سے ۱۸۱۴ء تک سیوائے ملک فرانس میں ضم رہا تھا اور اس کے باشندے بھی تمدن و قومیت کے اعتبار سے اتنے اطالوی نہ تھے جتنے فرانسیسی ہو گئے تھے۔ اس کے الحاق سے کسی بڑی طاقت کو نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ غرض تین سمتوں میں سے، جدھر حدود فرانس کی توسیع ممکن تھی، الپس، رائن کے رُخ میں، سب سے کم خدشہ سیوائے کی سمت بڑھنے میں تھا۔ بلجیم کو ہاتھ لگانے میں انگلستان کے اتحاد کو کسی حد تک چھوڑنا پڑتا اور یہ بات ابھی تک نپولین کی مصلحت کے خلاف تھی۔ ولایات رائن پر فوج کشی کی صورت میں قرینہ غالب یہ تھا کہ تمام جرمن ریاستیں آمادۂ جنگ ہو جائیں گی۔ پس سیوائے ایسا علاقہ تھا کہ جس پر قبضہ کرنے میں قیاس کہتا تھا کہ دول یورپ کا کوئی جتھا مقابلے کے لئے آمادہ نہ ہوگا۔ نظر بریں، اس مجلس کا کام ختم ہوتے ہی جو ۱۸۵۸ء کے موسم بہار میں ولایت ڈینیوب کی تنظیم کے لئے منعقد ہوئی تھی، نپولین نے اپنے اطالوی منصوبوں کو پھیلانا شروع کیا۔ انہی دنوں ایک رومی جلاوطن اورسینی نے اس کی جان پر بڑا خوفناک حملہ کیا تھا اور اگرچہ اس وقت تو معلوم ہوتا تھا کہ اس اقدام قتل سے سارڈینیہ اور فرانس کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو جائے گی لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اسی واقعے نے نپولین کو کارروائی آغاز کرنے کی اور بھی تحریک ولادی۔ ۱۸۵۸ء کی گرمیوں میں اس نے کاوور کو مقام پلومبیئر میں ملنے کے لئے بلایا۔ یہاں جو کچھ گفتگو ہوئی، اسے بادشاہ نے اپنے

پلومبیر کی ملاقات جولائی ۱۸۵۸ء

باب (۴)

وزیروں پر ظاہر نہیں کیا اور کاوور نے بھی شاہ وکٹر امانویل کے علاوہ صرف دو شخصوں پر اس کا اظہار کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ عہد و پیمان ہوئے وہ قلمبند نہیں کئے گئے بلکہ صرف زبانی یہ طے ہوا کہ اگر پیڈمونٹ انقلاب حکومت کا مقصد لئے بغیر آسٹریہ کو اس طرح لڑنے پر مشتعل کر دے کہ نپولین پر پیش دستی کا الزام عائد نہ ہو سکے، تو فرانس اس کا حلیف بن کر کام کرے گا۔ پھر آسٹریہ کو لمبارڈی کی طرح وینیشیہ سے بھی نکال دیا جائے گا اور وکٹر امانویل، کو رومہ کے سرحدی اضلاع ("لگیشنز" اور "مارچیز") سمیت شمالی اطالیہ کا ملک مل جائے گا اور اس کے معاوضے میں پاپا کی باقی ماندہ ریاست میں سوائے شہر رومہ اور نواحی ضلعے کے، تمام تسکنی شامل کرکے، گویا وسط اطالیہ کی ایک جداگانہ بادشاہی قائم کر دی جائے گی اور خود رومہ کو نیپلز کے ساتھ متحد کر کے ریاست ہائے اطالیہ کا ایک جتھا بنا دیا جائے گا جس کا صدر پاپا ہو گا۔ سیوائے اور ممکن ہو تو نیس کو فرانس کے حوالے کرنا قرار پایا تھا۔ شاہ پیڈمونٹ کی نوعمر لڑکی کلوتلدہ کی، بادشاہ کے عمزاد بھائی جیروم نپولین سے شادی ہونے کی بھی اگر قرارداد نہیں ہوئی تو گفتگو ضرور آئی[1]

کاوور اور اتحاد فرانس کی ذمہ داریاں۔

اس ملاقات کے بعد سے کاوور دن رات جنگ کی تیاری میں منہمک ہو گیا اس کے لئے یہ بہت نازک موقع تھا کہ ایک طرف تو نپولین کی طبیعت کے تلون کا خیال اور اس بات کا لحاظ رکھنا تھا کہ جب تک لڑائی کی کوئی بظاہر نہایت معقول وجہ نہ پیدا کی جائے اس بادشاہ نے کہہ دیا تھا کہ ہم لڑائی میں حصہ نہ لیں گے۔ دوسرے اگر جنگ کا مرحلہ طے ہو جائے اور فرض کیا کہ آسٹریہ کو شکست دے دی جائے تو بھی اطالیہ کے لئے کاوور کے پیش نظر مقاصد اور فرانس کی حکمت عملی میں جو قدیم سے چلی آتی تھی، کتنا بڑا فرق نظر آتا تھا! وینس کا علاقہ نپولین اوّل ہی نے کامپو فورمیو کے مقام پر آسٹریہ کے حوالے کیا تھا۔ اور اب ہر چند نپولین ثالث اپنے عہد کے مطابق ساری شمالی اطالیہ کو آزاد کرا دے، گمان غالب یہی تھا کہ وسطی اور جنوبی اطالیہ کے کسی مستقل اتحاد

[1] کاوور کے خطوط وغیرہ وغیرہ۔

ان علاقوں میں خاندانِ سیوائے کے اقتدار کو بڑھانے کے معاملے میں فرانس کا طرزِ عمل معاندانہ ہوگا۔ پس فرانس سے اتحاد کرنے کے ساتھ ساتھ کاوور کو اطالیہ کی وطنی قوتیں بھی عمل کے لئے اس طرح تیار کرنی تھیں کہ اگر نپولین اپنے عہد و پیمان سے پیچھے ہٹنا چاہے تو ان متحدہ قوتوں کو دیکھکر اسے ہٹنے میں تامل ہو اور اطالوی قوم کے مستقبل کا فیصلہ اُن تجویزوں پر مبنی نہ ہو جو بادشاہ پیرس میں بیٹھکر بنائے بلکہ خود اہلِ اطالیہ کے دعاوی اور آرزو کے مطابق مرتب ہو۔ اسی غرض سے کاوور کو نہ صرف انجمن قومی کی ہمت افزائی اور مالی امداد کرنی ضرور ہوئی بلکہ اس جمہوری یا انقلاب پسند فریق سے بھی رسل و رسائل کرنے پڑے جو اب تک ہر قسم کی بادشاہی کا دشمن تھا۔ انجمن قومی ایک خفیہ جماعت تھی جس کی شاخیں دوسری اطالوی ریاستوں میں کام کر رہی تھیں کہ آئندہ جنگ میں یہ ریاستیں پیڈمونٹ کی مدد کریں اور خاندان سیوائے کے ماتحت تمام اطالیہ کی شیرازہ بندی کی جائے۔ خفیہ طور پر گے ری بالڈی کو بھی اس نے ٹیورن بلایا اور پوری طرح اس کے ذہن نشین کر دیا کہ جو لڑائی وکٹر امانویل اب لڑنے والا ہے اس میں گیری بالڈی کو ممتاز حصہ لینا واجب ہے۔ حالانکہ جمہوریہ روما کی حفاظت کے لئے گیری بالڈی فرانسیسیوں سے لڑا اور انقلاب پسند گروہ کا سورما ہونے کی وجہ سے بھی بادشاہ فرانس کا معتوب و مردود تھا۔ اسی لئے کاوور کو یہ قرار داد نپولین سے چھپانی پڑی کہ اتحادی فوجوں کے پہلو بہ پہلو گیری بالڈی ایک آزاد جیش کا سپہ سالار بن کر شریک جنگ ہوگا۔ اسی طرح اُس نے گیری بالڈی پر بھی یہ راز ظاہر نہیں کیا کہ فتح کی صورت میں نیس کو، جو خود گیری بالڈی کا مولد تھا، فرانس کے حوالے کرنے کی تجویز ہوئی ہے۔ اسی توڑ جوڑ میں ایک طرف تو کاوور سیوائے والوں کو دھکیلے دے دے کر فوج میں بھرتی اور محاصلِ سرکاری کی اوقھی آدھی تک جو وہ دے سکتے تھے، جنگ کے لئے وصول کر رہا تھا، بحالیکہ یہ قرار پاچکا تھا کہ فتح کے بعد وہ ایک دوسری سلطنت کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ اور اُدھر آسٹریہ کو مشتعل کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا۔ اطالیہ کے انقلاب انگیز عناصر کو بھی کبھی اُبھارتا اور پھر کبھی روکتا اور قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا تھا اور اسی سلسلے میں اپنے بادشاہ کی بیٹی کو بدترین خلائق شخص کو دینے کی بھی اس نے معاملت کی۔ غرض اپنی زندگی

باب ۱۰

کے ایک بڑے مقصد یعنی آزادی اطالیہ کی خاطر اس نے ہر شے کی بازی لگا دی تھی
انقلاب فرانس کے طوفانوں میں دان تون بے اختیار پکار اٹھا تھا کہ "برباد ہو
میرا نام اور میری شہرت کہ فرانس کسی طرح آزاد ہو جائے !" اطمینان و سکون کی
حالت میں بھی کاوور اپنے جذبات کا اظہار ہمیشہ انھی الفاظ میں کرتا تھا جب کہ سوائے
ایک دوست کے اور کوئی سننے والا موجود نہ ہو[1] کاوور کے پیش نظر جو مقاصد تھے
وہ اس قسم کے وسائل سے حاصل نہیں ہوا کرتے جنھیں کوئی شریفانہ خیالات کا آدمی
کہ فی الحقیقت کاوور تھا، استعمال کرنا دل سے پسند کرے۔ وہ ایسی تدابیر کو چھوڑ
بیٹھنا ہی بہتر سمجھے گا۔ لیکن کاوور نے اگر انھیں استعمال کیا تو اس کے متعلق رائے
زنی کرنے کا حق بھی صرف انھیں حاصل ہے جنھوں نے کسی قوم کو بنایا اور زیادہ
پاک ہاتھوں سے یہ کام انجام دیا ہو۔ اگر نوع انسان کے وہ خیر اندیش انگریز اور
برطانوی ارباب سیاست جنھیں ایک عالمگیر سلطنت بزرگوں سے ترکے میں ملی،
بین الاقوامی تعلقات کے معاملے میں، امن و صلح کے اخلاق حسنہ سے کام لینا لازم
ٹھہراتے تھے یا شریفوں کی سی صاف گفتاری اور ضبط کے فضائل بیان فرماتے تھے
تو یہ بن آئی کی باتیں تھیں۔ آسٹریہ کے سپاہیوں نے انگریز عورتوں کو بیچ منڈی میں
کھڑا کر کے کوڑے نہیں لگائے تھے۔ نہ ۱۸۱۵ء کے عہد ناموں نے انگریزوں کے
آدھے ملک پر ایک غیر قوم کو مسلط کیا تھا۔ لیکن کاوور کو تو سب سے بڑا جرم یہ نظر
آتا تھا کہ اطالیہ کی آزادی کے واسطے کوئی کام جو کیا جا سکتا تھا۔ اس کے کرنے
میں کسر کی جائے[2]

عہد نامہ جنوری ۱۸۵۹ء

معلوم ہوتا ہے نپولین سمجھتا تھا کہ وہ ۱۸۵۹ء کے موسم بہار میں جنگ
کے لئے تیار ہو جائے گا۔ پہلی جنوری کو شاید محل سرا میں باریابی کے موقع پر اس
سفیر آسٹریہ سے جن الفاظ میں خطاب کیا ان میں آنے والے تصادم کا اشارہ تھا

---

[1] اس کے الفاظ یہ ہوتے تھے :-
دیکھو کاوور کے معتمد۔ ارٹوم کی کتاب : "کاوور اِن پار لامنٹو"۔ مقدمہ صفحہ ۴۶۔
[2] لا فارینیا "ایس تواریو"، جلد دوم : گیری بالڈی سے ملاقات ؛ وغیرہ وغیرہ۔

اور چند ہفتے کے بعد ہی شہزادہ نپولین اور کلوتلدہ بنت امانوئیل کی شادی کا نکاح نامہ معرض تحریر میں آگیا۔ نیز باضابطہ ایک معاہدے میں پلومبیر کی طے شدہ شرطیں بھی لکھ لی گئیں۔ جس میں نپولین ثالث نے ذمہ لیا کہ اگر آسٹریہ نے پیش دستی کی تو وہ پیڈمونٹ کی طرف ہو کر لڑے گا اور کامیابی کی صورت میں لمبارڈی اور وینشیہ کا وکٹر امانوئیل کی مملکت میں اضافہ کر دے گا۔ اس کے معاوضے میں قرار پایا کہ سیوائے فرانس کو دیا جائے گا۔ اور نیس کا مسئلہ صلح و امن ہونے پر اٹھا رکھا گیا۔ اس عہدنامے پر دستخط بھی ہونے نہ پائے تھے کہ وکٹر امانوئیل نے آسٹریہ کو ٹوک کر جنگ پر آمادہ کیا یعنی مجلس ملکی کے ٹورن میں انعقاد کے موقع پر اعلان کیا کہ اطالیہ سے مصیبت زدوں کی جو فریاد بلند ہو رہی ہے، ہم اس کی طرف سے بے حس نہیں رہ سکتے۔

لڑائی سر پر تل چکی تھی اور صرف اس کا باضابطہ اعلان ہونا باقی تھا کہ متلون مزاج نپولین کو تذبذب پیدا ہو گیا جس کا سبب گرد و پیش کے وزیروں اور سیاست دانوں کا اصرار تھا اور کچھ سرمایہ داروں کا وہ اضطراب جو سفیر آسٹریہ سے بادشاہ کی تقریر کا حال سن کر فرانس میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس تذبذب کی بدولت اطالیہ اور یورپ اور کئی مہینے تک بیم و رجا کے عالم میں رہے۔ پھر یہ حالت منتظرہ دور ہوئی بھی تو وہ نپولین کی قوت ارادی کے کسی عمل سے نہیں بلکہ خود آسٹریہ کی ناعاقبت اندیشی اور بیجا جوش کی کارروائی نتیجہ ہے۔

ثالثی کی کوششیں

شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ دربار وی آنا کے ایما سے حکومت برطانیہ رضامند ہو گئی تھی کہ ثالثی کی تدابیر اختیار کرے۔ پیرس کا انگریز سفیر، لارڈ کاؤلے بعض تجاویز کے ساتھ وی آنا بھیجا گیا اور امید تھی کہ ان تجاویز کی بنیاد پر اطالیہ کے معاملات خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں گے۔ لارڈ کاؤلے خواہاں تھا کہ پاپائی اقطاع سے فرانس اور آسٹریہ دونوں کی فوجیں ہٹالی جائیں۔ آسٹریہ اُن معاہدوں سے دست بردار ہو جائے جن کے ذریعے

لہ کاؤر، مکتوبات جلد سوم۔ مقدمہ صفحہ ۳۲۔ بیانکی "دپلوماتیا" ہشتم۔ ۲ مارٹن کی کتاب "پرنس کنسورٹ" جلد پنجم صفحہ ۱۳۱ کا یہ بیان کہ نپولین ثالث نے لارڈ کاؤلے سے معاہدے کے وجود سے انکار کیا غلط ہے۔

باب (۷)

اسے حقیقتاً موڈنا اور پارما کی سیادت حاصل ہوگئی تھی۔ اور نیز یہ کہ وہ تمام اطالوی حکومتوں میں اصلاح پر اپنی رضامندی ظاہر کر دے۔ اس بارے میں گفتگو کچھ آگے بڑھی تھی کہ نپولین کے اشارے سے ورلاہ روس نے یہ تجویز پیش کی کہ اطالیہ کے معاملات تمام ممالک یورپ کی مجلس میں طے ہونے چاہئیں۔ کادولے کی گفتگو ملتوی ہوگئی۔ آسٹریا بعض شرائط کے ماتحت یورپ کی عام مجلس میں شرکت پر آمادہ تھی لیکن اس کی پہلی شرط آغاز مجلس کے لئے یہ تھی کہ سارڈینیا اپنی فوجوں سے ہتھیار لے لے۔ اس اثنا میں نپولین کو علم ہوا کہ اطالیہ کی فوج مطوعہ گیری بالڈی کے زیر قیادت وکٹر امانوئل کی طرف سے لڑے گی۔ اسے اپنی حکمت عملی کی درستی کے متعلق ساعت بہ ساعت شکوک پیدا ہونے لگے۔ برطانیہ کی دوستی کو وہ ابھی تک ناگزیر سمجھتا تھا اور اسکی طرف سے پیہم جنگ کے خلاف استدعا ہو رہی تھی۔ غرض اس خیال سے کہ کہیں وہ آسٹریا کا مطالبہ نہ مان لے کادور کو پیرس جانا ضروری ہوا۔ معلوم ہوتا ہے اس کی موجودگی میں نپولین کے بعض خدشے رفع ہوگئے یا اسے احساس ہوگیا کہ پلومبیر کے محرم راز کو بگاڑ لینا بھی قرین مصلحت نہیں ہے۔ بایں ہمہ کادور کو پیرس سے واپس آئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ لندن سے یہ تجویز بھیجی گئی کہ صرف سارڈینیا کے ہتھیار کھلوانے کی بجائے بہتر ہے کہ تمام سلطنتیں اپنی فوجوں کے ہتھیار کھلوا دینے پر رضامند ہو جائیں اور اس تجویز کی جزئیات ایک جماعت ماہرین طے کرے۔ نپولین نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ اس نے کادور کو تار دیا کہ وہ بھی اس قرارداد کو تسلیم کر لے۔ کادور کو عدم تعمیل کی مشکل سے گنجائش تھی مگر اس کے معنی یہ نظر آتے تھے کہ اس کی تمام امیدوں کو جن کے بر آنے میں معلوم ہوتا تھا کہ اب کچھ دیر نہیں، قلم کی ایک جنبش نے نسیاً منسیاً کر دیا، اور آسٹریا سے بذریعۂ جنگ اطالیہ کو آزاد کرانے میں جو کچھ عرق ریزی اور جاں کاہی اس نے

۱؎ بیاکی:۔ پولی تیک دو کادور" صفحہ ۲۲۸ جہاں کادور کا غصہ بھرا خط نپولین کے نام نقل کیا ہے۔ اس خط کے آخری فقرے میں معلوم ہوتا ہے وہ کنایۃً دھمکی دیتا ہے کہ راز میں جو گفتگو اس کے ساتھ ہوئی تھی اسے شایع کر دے گا۔

کی تھی وہ سب اکارت گئی اس ضرب نے چند گھنٹے تک اسے بظاہر بالکل مایوس و سراسیمہ کر دیا۔ وہ ہفتوں تک دن اور رات اس قسم کی مسلسل مشقت کرتا رہا تھا جو انسانی برداشت کی انتہا ہے، پس اس واقعے سے اس کی قوی لیکن پُر آرزو طبیعت بیٹھ گئی اور جن چند احباب نے اسے دیکھا تھوڑی دیر تک تو انھیں یہ خوف رہا کہ کاوور[1] خود کشی کر لے گا۔ مگر یہ دشوار و نازک وقت بالآخر گذر گیا۔ کاوور نے عام طور پر ہتھیار کھلوانے کی شرط کو ناگزیر سمجھ کر سر تسلیم خم کر دیا اس کا طاقتور دماغ آیندہ کے واسطے نئی تجاویز میں مصروف ہو چکا تھا جب کہ وی اینا کے فیصلے کی اطلاع ملی اور اس اطلاع کی تصدیق بھی بہت جلد آسٹریہ کے پیامِ جنگ کے آنے سے ہو گئی جس نے اُسے اتنا ہی بے حد مسرور و شاداں کیا جس قدر کہ پہلے وہ مایوس و رنجیدہ ہوا تھا۔

آسٹریہ کا پیامِ جنگ ۲۳۔ اپریل۔

اصل میں، فوجوں سے عام طور پر ہتھیار لینے کی برطانوی تجویز پر تو آسٹریہ کے وزیروں نے اعتنا نہ کی جسے ٹیورن میں قبول کیا جا چکا تھا، اور اس کی بجائے مطالبہ کیا کہ تین دن کے اندر اکیلی سارڈینہ ہتھیار کھلوا دے۔ اور یہ مطالبہ تسلیم نہ کئے جانے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی۔ وی اینا والے سمجھے یہ تھے کہ نپولین صرف تیاری کے لئے وقت ٹال رہا ہے۔ لڑائی ہوئے بغیر نہ رہے گی۔ اور اس وقت آسٹریہ اپنے حریفوں کی نسبت فوری جنگ کرنے کی زیادہ استعداد رکھتی ہے۔ نپولین کے منشا کو حکومت آسٹریہ نے غلط سمجھا ہو یا صحیح اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ اس موقع پر پیش دستی اسی کی طرف سے ہوئی۔ کاوور کو اب یہ جتانے میں کوئی دقت نہ تھی کہ پیڈمونٹ نے عام اسلحہ کشائی کی تدبیر کو قبول کر لیا تھا اور امن یورپ میں خلل ڈالنے کی ساری ذمہ داری آسٹریہ پر عائد ہوتی ہے۔ اُس کے جواب کو آغاز جنگ کا اشارہ سمجھا گیا اور ۲۹۔ اپریل کو آسٹریہ کی فوجیں رود ٹچینو Ticino کو عبور کر آئیں۔ پیرس کی طرف سے بھی اعلانِ جنگ ہونے میں کچھ دیر نہ لگی۔

گذشتہ مہینوں میں آسٹریہ شمالی اطالیہ میں فوج پہ فوج بھیجتی رہی تھی۔

[1] کاوور۔ "خطوط" وغیرہ وغیرہ۔

باب (۹)

محاربہ ۱۸۵۹ء

آغازِ جنگ کا وقت بھی خود اُس نے پسند کیا تھا۔ مقابلے میں ایک کمزور دشمن سامنے تھا اور اس کا قوی تر دشمن الپس یا جنوا کے شمال کے پہاڑوں کو طے کئے بغیر میدان میں نہ پہنچ سکتا تھا۔ تمام قرائن کہتے تھے کہ آسٹریہ کے سپہ سالار پوری قوت سے پیش قدمی کریں گے۔ خود پیڈمونٹ میں لوگوں کو یقین تھا کہ فرانسیسی سپاہ کے شہر کی وفاع میں مدد کو پہنچنے سے قبل ہی ٹیورن پر ضرور دشمن کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور ٹیورن کو مرکز بنا کر آسٹریہ والے آسانی سے ہر جگہ فرانسیسی دستوں پر جو جنوا سے کوہ سینی Cenis تک کے نیم دائرے کے پہاڑوں کو اُتر اُتر کے آتے، ضرب لگا سکتے اور زیادہ تعداد میں اپنی فوجیں مجتمع کر سکتے تھے۔ ایسی صورت جس میں ایک خاص نقشۂ جنگ کو اختیار کرنا اتنا ضروری اور مفید مطلب ہو، شاید کم پیش آئی ہوگی جیسی اس وقت عساکر آسٹریہ کے سامنے تھی۔ بایں ہمہ ایک لاکھ جوان کی تعداد میں ٹچینو کو عبور کرنے کے بعد اہلِ آسٹریہ اپنے نالائق حاکم گیولے کے ماتحت اس طرح وہیں جمے کے جمے رہ گئے جیسے کسی نے جادو کے زور سے انھیں باندھ دیا ہو۔ اور ادھر اتنی مدّت میں فرانسیسی دستے کوہِ سینی کو اتر آئے اور اس سے بھی زیادہ تعداد نے بادشاہ کے ساتھ جنوا میں لنگر ڈالا اور پیڈمونٹ والوں سے رسل و رسائل کا راستہ نکال لیا جن کا جنگی مستقر الیسندریا پر تھا۔ اب گیولے یہ سمجھا کہ اتحادی اس کے ذرائع آمد و رفت پر پارما کی سمت میں حملہ کریں گے۔ عجب نہیں کہ یہ خوف ۱۷۹۶ء میں بوناپارٹ کی پیاچنزا پر فوج کشی، نیز مارنیجو کی معرکہ آرائی یاد کر کے اس کے دل میں سما گیا ہو۔ لیکن نپولین ثالث کا اصلی منشا یہ تھا کہ شمال کی طرف سے آسٹریہ کے بازو کو لپیٹ لے اور اس طرح سیلان پر قبضہ کر لے۔ گیری بالڈی سارڈنیہ کی فوج کے انتہائی یسار پر، کومو کی نواح میں پہلے ہی لڑائی چھیڑ چکا تھا۔ اب پیڈمونٹ والے تو سامنے کے رخ اپنی جگہ پر قائم رہے اور جنوا سے فرانسیسیوں نے کوچ کیا اور ان کے عقب سے گزر کے ٹو کے پار ہو گئے اور اس سے پہلے کہ آسٹریہ والے ان کی چال سے آگاہ ہو سکیں، وہ ورچیلی پہنچ گئے۔ گیولے سی زیا اور ٹچینو کے درمیان ہی وقت ضائع کر رہا تھا۔ اب اس نے فوج کا ایک حصّہ شمال میں طلب کیا لیکن وہ بھی اتنی دیر میں کہ وہ پیڈمونٹ کی فوج کو سی زیا کے عبور کرنے یا پالسترو پر

آسٹروی سپاہ کو جوان کے مقابلے میں تھی، شکست کھانے سے نہ بچا سکا۔ (۳۰-مئی)، آسٹریہ والے اسی مقام پر اُلجھے ہوئے تھے کہ فرانسیسیوں نے اور شمال میں بڑھ کر دریا کو عبور کیا اور مشرق میں نیچیو کی طرف پیش قدمی کی۔ اس طرح گیولے کا بازو عقب سے دشمن کی زد میں آگیا۔ اور اسے مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ اتحادی پیچھے پیچھے چلے اور میلان کے راستے میں اُنھوں نے ماجنتا (Magenta) کے قریب، آسٹریہ کی فوج پر مورچہ بند لشکر گاہ میں حملہ کیا۔ دن بھر شدید جنگ ہوی آخر شمال کی طرف سے میک موہن نے ہجوم کیا اور لڑائی کا فیصلہ اتحادیوں کے حق میں ہو گیا۔ آسٹریہ والے میلان کی مدافعت نہ کر سکے اور پہلے ایدا اور پھر منچو Mincio پر ہٹ گئے۔ لمبارڈی کا علاقہ اُنھوں نے حملہ آوروں کے ہاتھ میں چھوڑا اور بولونا وغیرہ پاپائی ریاستوں کے مقبوضہ شہروں میں جو فوج متعین کی تھی، اسے واپس طلب کیا کہ وینیشیہ کی سرحد اور اس کے محافظ قلعوں کی مدافعت میں شریک ہو۔

جنگ ماجنتا ۴۔جون۔

وسط اطالیہ میں اتحادیوں کی فتح کا اثر فوراً نمایاں ہوا۔ ٹسکنی کا امیر کبیر اپنے ملک سے پہلے ہی بھاگ چکا تھا اور وہاں کی ہنگامی حکومت نے دورانِ جنگ میں تمام اختیارات وکٹر امانویل کے تفویض کرنے چاہے تھے۔ امانویل نے یہ استدعا تو قبول نہیں کی لیکن اپنے سفیر بون کامپانی کو اجازت دے دی کہ وہ اس کے نائب کی حیثیت سے عارضی طور پر فلورنس کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اب امیر موڈینا اور بیگم پارما بھی اپنی ریاستوں سے رخصت ہوئے۔ روما سے آسٹریوں کے کافور ہوتے ہی لوگوں نے پاپائی حکومت کا جوا اتار پھینکا۔ ہر جگہ پیڈمونٹ کے ساتھ الحاق کا تقاضہ کیا جانے لگا۔ گذشتہ دس سال کے مصائب نے اہل اطالیہ کو جو سبق دیا تھا اُسے وہ نہ بھولے۔ اس موقع پر ۱۸۴۸ء کی سی بدنظمی، بیہودگی اور طفلانہ حرکتیں اُنھوں نے نہ کیں۔ وہی باشندے جو اس وقت ایسے غیر متحد، ایک دوسرے سے بدگمان اور بازاری تقریروں کا بلاوقت شکار ہو جاتے تھے، اب نہایت خبردار، اپنے جذبات پر قابو رکھنے والے ہو گئے جو اپنی واحد قومی حکومت کی رہنمائی کے دل سے خواستگار تھے۔ فلورنس کی طرح

وسط اطالیہ کی کیفیت

باب (۳)

روماناں اور وسطی ریاستوں میں بھی وکٹرامانویل کو خود مختار حاکم بنانے کی آرزو ہو رہی تھی شاہ پیڈمونٹ اس بارے میں بھی اسی طرز عمل پر قائم رہا جو تسکنی میں اختیار کیا تھا اور ہر ایسا قول قرار کرنے سے بچتا رہا جس سے یورپ یا اس کے حلیف کو بدظنی پیدا ہو جائے۔ البتہ اس نے ناظروں کی جماعت مقرر کر دی کہ مشترکہ وطنی جنگ کے واسطے فوجیں بھرتی کریں اور مذکورۂ بالا اقطاع میں نظم ونسق کرتے رہیں۔ رومی ریاستوں کی تاریخ لکھنے والا فارینی[۱]، موڈینا بھیجا گیا۔ سابق وزیر اعظم آزگ لیو بولونا میں مقرر ہوا اور یہ دونوں عامل اپنی مفوضہ خدمات اسی جوش کے ساتھ بجالائے جو اس زمانے کے مناسب حال تھا۔ دونوں جانتے تھے کہ اس وقت دلیری سے کام کرنے میں اطالیہ کا کتنا فائدہ ہے اور بے محل تامل ولحاظ سے کس قدر نقصان پہنچ سکتا یا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

آغاز جنگ کے وقت نپولین نے اپنے اعلانات میں بیان کیا تھا کہ اطالیہ کو اڈریاٹک کے کناروں تک آزاد ہونا چاہیئے۔ میلان میں وہ وکٹرامانویل کے ساتھ داخل ہوا اور اہل اطالیہ کو مخاطب بنا کے تقریر کی تو اس وقت تک یہی منشا ظاہر ہوتا تھا۔ اور چونکہ ابھی تک صرف لمبارڈی کا علاقہ فتح ہوا تھا لہذا چند روز دم لے کے فوجیں آگے بڑھیں اور ۲۳۔جون کو عساکر آسٹریہ کے مورچوں تک پہنچ گئیں جو اس وقت منچو کے کسی قدر مغرب میں خیمہ زن تھے۔ خود فرانسس جوزف، ویانا سے آگیا تھا کہ فوج کی سپہ سالاری اپنے ہاتھ میں لے۔ مگر اس کی موجودگی سے اُلٹا غنیم کو فائدہ پہنچا کیونکہ بادشاہ آسٹریہ کا اپنا کوئی نقشۂ جنگ نہ تھا اور وہ فوجی مستقر پر سپہ سالاروں کی متضاد رایوں میں سے کبھی ایک کو اختیار کرتا کبھی دوسری کو۔ اس کے بعض سردار کہتے تھے کہ منچو کو خط دفاع قرار دیا جائے اور بعض کی رائے تھی کہ نہیں کسی قدر اور مغرب میں ہٹ کر رود کائیز پر مورچے باندھے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس سپہ سالار کی رائے وقت کے وقت بادشاہ کو پسند آجاتی اسی کے مطابق حکم جاری ہو جاتا اور آسٹروی

جنگ سول فرینو ۲۴۔جون

---

[۱] لافارینا۔ وغیرہ۔

فوج ان دو ندیوں کے درمیان کبھی آگے بڑھائی جاتی اور کبھی پھر واپس ہٹالی جاتی تھی۔
وہ اسی ہٹنے بڑھنے میں تھے کہ سول فرینو کے قریب غنیم کے سپاہیوں سے اتصال ہوگیا۔
مگر فریقین میں سے کسی کو بھی خبر نہ تھی کہ غنیم کی پوری فوج سے مقابلہ درپیش ہے چنانچہ
سول فرینو کی لڑائی جو زمانۂ حال کی خونریز ترین لڑائیوں میں گنی جاتی ہے محض اتفاقاً
واقع ہوئی۔ نپولین ثالث اور امانویل کے ماتحت ڈیڑھ لاکھ کے قریب سپاہی صف آرا
تھے۔ آسٹریہ والوں کی مجموعی تعداد اس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ شمال میں آسٹریہ کے میمنے
کی قیادت بینی ڈک کر رہا تھا اور اس پر سان مارٹینو کے میدان میں پیڈمونٹ
کی فوج نے حملہ کیا تو معلوم ہوتا تھا کہ جو کام ان کے سپرد ہوا ہے وہ اس کی طاقت
سے باہر ہے۔ وکٹر امانویل ایسی بہادری سے لڑا جو نوادرا میں دکھائی تھی مگر وہ دیکھ رہا
تھا کہ اس کے سپاہی رہ رہ کے آگے بڑھتے ہیں اور رہ رہ ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ بالآخر
قلب میں فرانسیسی کامیابی نے جو سول فرینو کے مقام پر حاصل ہوئی، لڑائی کا فیصلہ کردیا
اور آسٹریہ والے پورا خط چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے مجروحین و مقتولین کی تعداد
چودہ ہزار تھی اور اتحادیوں کا نقصان بھی اس سے شاید کچھ ہی کم ہوا ہوگا۔

نپولین کو فتح تو حاصل ہوئی مگر یہ فتح بہت مہنگی پڑی اور ابھی اس کے سامنے
آسٹریہ کے قلعوں کا مستطیل نما سلسلہ جوں کا توں موجود تھا اور عساکر آسٹریہ کی ناشکستہ
فوج کی کمک پر شمال و مشرق سے فوج پہ فوج مارا مار چلی آتی تھی۔ کیا تعجب ہے کہ
اسے اپنے اکیلے حریف پر ہی مزید غلبہ حاصل کرنا محال نظر آیا ہو۔ وہ ذکی الحس، اور
نیک دل آدمی تھا اور میدان جنگ کی خونریزیاں دیکھنے کا عادی نہ ہوا تھا۔ پس
قرینہ کہتا ہے کہ سول فرینو کے خوفناک منظر نے، جس کی ناخوشگواری کو گرمی کی شدت
نے بڑھا دیا ہوگا، اس کی طبیعت پر خاص اثر ڈالا۔ یہ یقین کرنے کی بھی وجوہ ہیں کہ
سرکاری بیانات میں فرانسیسی فوج کی جو حالت بیان کی جاتی تھی، حقیقت میں اس سے
بہت مختلف اور ایسی تھی کہ معرکہ آرائی کو طول دینا حد درجہ مخدوش ہوگیا تھا۔ مگر

فرانس اور پروشیہ۔

ان سب باتوں سے قطع نظر بادشاہ فرانس جانتا تھا کہ اگر وہ
اور آگے بڑھا تو پروشیہ اور جرمانیہ کی ساری ریاستیں کسی
وقت بھی اس کے خلاف تلوار میان سے کھینچ لیں گی۔ جرمانیہ کی جنوب مغربی ریاستوں

باب ۴

میں آسٹریہ کی حمایت کا شور برپا تھا۔ نپولین کے سب سے بڑے جرمن فرماں روا پر حملہ کرنے سے خواہ مخواہ وطن پرستی کے جذبات مشتعل ہوئے اور یہ بھی عام طور پر یقین کیا جانے لگا کہ اطالیہ کی فرانسیسی فتح رہائن کی طرف فرانسیسی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ پروشیہ اب تک اپنے آپ کو لئے دئے رہی تھی۔ اگر دربار روسی اپنا اس کے امتیاز یافتہ مرتبے کو مان لیتا تو وہ آسٹریہ کے ساتھ میدان میں نکلتی۔ فرانسیس جوزف اب تک اس کے دعاوئ امتیاز کو مسترد کرتا رہا لیکن ممکن تھا کہ اپنے اوپر مصیبت آتی دیکھ کر وہ کسی وقت بھی پروشیہ کی پیش کردہ شرطوں کو قبول کرلے جن سے اب تک انکار کرتا رہا تھا۔ ان دونوں حکومتوں میں صاف صاف معاہدہ نہ ہو تو بھی ممکن تھا کہ محض جرمانیہ کی رائے عامہ کے دباؤ سے پروشیہ، فرانس پر حملہ کر بیٹھے اس کی فوجیں میدان میں نکلنے کے واسطے ابھی سے تیار ہوچکی تھیں۔ اور پروشیہ کے حملہ آور ہونے سے غالباً ایک ایسی ہی بڑی جنگ رہائن کی طرف چھڑ جاتی جیسی کہ مستطیل نما قلعوں کے لئے درپیش تھی۔ پس ان دونوں جانب جدوجہد کے خطرے مول لینے سے اگر نپولین اپنے خاندان اور ملک فرانس کی خاطر جھجکا تو کچھ بیجا نہ تھا۔ اس نے ارادہ کرلیا کہ خود فرانسس جوزف سے مل کے پتہ چلائے کہ اب صلح کن شرطوں پر ہوسکتی ہے۔

ولافرانکا کی ملاقات۔ ۱۱۔ جولائی۔

ملاقات من چیو کے مشرق میں مقام ولافرانکا میں ۱۱۔ جولائی کو ہوئی۔ فرانس جوزف نے بغیر مزید جنگ کے وینیشیہ کا کوئی ٹکڑا دینا بھی قبول نہ کیا۔ البتہ وہ لمبارڈی کو دینے اور پاپا کی صدارت میں اطالوی ریاستوں کی ایک متحدہ حکومت قائم کئے جانے پر رضامند تھا اور کہتا تھا کہ وینیشیہ بھی آسٹریہ کا مقبوضہ ہونے کے باوجود اس اتحاد کا رکن ہوگا۔ لیکن اس کی خواہش تھی کہ ماں توا کو آسٹریہ کے علاقے میں رہنے دیا جائے اور ٹسکنی اور موڈینا کے رئیسوں کا اپنی اپنی ریاست پر دوبارہ قبضہ بحال ہو۔ ان شرطوں کو نپولین، زبانی اتنا اقرار لے کے، مان گیا کہ معزول شدہ رئیس کسی غیر سلطنت کی فوجی مدد سے بحال نہیں کرائے جائیں گے۔ پارما کے متعلق اور

صلح نامۂ ولافرانکا۔

رومانا میں پاپائی اقتدار دوبارہ قائم کئے جانے کی نسبت کوئی قرارداد نہیں ہوئی۔ ولافرانکا کی ابتدائی مبادیات صلح پر

جن کی بنیاد پر زیورخ میں باقاعدہ معاہدہ مرتب کرنا تجویز ہوا، فریقین کے دستخط ہو گئے اور وکٹر امانویل نے بھی بعض پہلو محفوظ رکھ کر دستخط کر دیے۔ ساتھ ہی لڑائی موقوف کر دی گئی۔ اور زیورخ میں اگرچہ گفتگو نے کئی مہینے طول کھینچا تاہم کوئی خاص بات معاہدے میں بڑھائی یا گھٹائی نہیں گئی نہ کسی شے کے متعلق جو مبادیات صلح میں مبہم رہ گئی تھی قطعی اور واضح فیصلہ کیا گیا۔ اطالیہ کی ریاستوں کے اتحاد کا ذمہ صرف آسٹریہ اور فرانس کے بادشاہوں نے لیا تھا۔ پیڈمونٹ نے اس کے یا وسطی ریاستوں کے متعلق کوئی اقرار نہیں کیا بلکہ وکٹر امانویل تو اول سے اعلان کر چکا تھا کہ وہ کسی ایسی جمعیت میں شریک نہ ہو گا جس میں آسٹریہ کا محکوم صوبہ شامل ہو۔ اور اس ارادے پر وہ آخر تک جا رہا۔[1]

عہد نامہ زیورخ ۱۰ نومبر

اگرچہ جنگ میں لمبارڈی ہاتھ آگئی، تاہم صلح ولافرانکا اہل اطالیہ کی سخت ناخوشی کا موجب ہوئی۔ نپولین چند روز قبل تک اور ایسے اطمینان کے ساتھ تمام شمالی اطالیہ کو آزاد کرانے کا وعدہ کرتا رہا تھا کہ اُس فعل کو جو سیاسی ضرورت سے اُسے کرنا پڑا، عام لوگوں نے غداری یا بزدلی پر محمول کیا۔ صلح ہونے کی سن گن پاتے ہی کاوور، ٹیورن سے بہ عجلت تمام روانہ ہوا تھا مگر اس کے پہنچنے سے پہلے صلح ہو گئی۔ شرائط صلح سن کر اسے جس قدر غصہ آیا اور صدمہ پہنچا، اسے دیکھنے والوں نے "خوفناک" کے لفظ سے موصوف کیا ہے۔[2] نپولین کو اس سے آنکھ چار کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ البتہ وکٹر امانویل کو اپنے وزیر کی برابر دو گھنٹے تک لتاڑ سننی پڑی۔ کیونکہ کاوور بالکل آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ پھر وہ ٹیورن واپس آیا اور تھوڑی ہی مدت کے بعد عہدے سے دستکش ہو گیا۔ علیحدہ ہوتے ہوتے آخری کام جو اس نے کیا وہ یہ تھا کہ دس ہزار بندوقیں فارینی کے پاس مودینا بھجوا دیں۔ کاوور کا جانشین رتاتزی ہوا اور اس نے صلح نامہ کی

کاوور کا استعفیٰ۔

---

۱ کاوور: خطوط۔ وغیرہ وغیرہ

۲ اری وابین: "دور اٹیلی انڈر وکٹر امانویل" جلد اول صفحہ ۲۰۰۔

باب ۶

وسطی اطالیہ۔

شرائط کے بموجب پیڈمونٹ کے مقرر کردہ ناظروں کو احکام بھیجدیئے کہ وہ وسط اطالیہ سے واپس چلے آئیں اور جو کچھ فوجیں انھوں نے فراہم کی ہوں ان کے ہتھیار رکھوا دیں لیکن غالباً خود حکم دینے والوں کا مقصد نہ تھا کہ ان احکام کی تعمیل ہو۔ بہرحال، فارینی تو حکم پہنچتے ہی چالاکی سے پیڈمونٹ کی رعایا ہونے سے ہی دست بردار ہوگیا اور موڈینا کا اعزازی شہری بن کر اس نے اپنے نئے ہموطنوں کی آمرانہ حکومت قبول کرلی۔ ازگ لیو ٹیورن چلا آیا مگر آتے آتے روماناً میں لائق سرداروں کے ماتحت چار ہزار سپاہی فراہم کرکے اس بات کا اچھی طرح انتظام کرتا آیا کہ حملہ ہو تو وہ مدافعت کرسکیں۔ یہ بھی کاوور کے حسن تدبیر کی کچھ ادنیٰ شہادت نہیں ہے کہ اس نے اپنے گرد ایسے اشخاص جمع کرلئے تھے کہ جب تھوڑی دیر کے لئے اس کا ہاتھ ہٹ گیا تو اس وقت بھی وہ ایسی دانائی اور سرگرمی سے کام کرتے رہے، جیسی کہ اس موقع پر وسط اطالیہ کے قومی سرگروہوں نے دکھائی۔ سردست وینیشیہ ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن اگر نپولین نے وعدے کے خلاف کام کیا تو پھر وہ اضلاع جنھیں وہ آزاد نہ کرسکا یا آزاد کرنا نہ چاہتا تھا، اگر ہوسکے تو کیوں نہ حکومتِ اطالیہ میں شامل کرلئے جاتے؟ امیر موڈینا کی وفاداری میں چھ ہزار آدمی ثابت قدم رہے اور وہ انھیں لئے ہوئے آسٹریہ کی سرحد پر پڑا تھا اور اندیشہ تھا کہ اپنے صدر مقام پر فوج کشی کرے گا۔ لہٰذا فارینی نے شہر کے دروازوں میں سرنگیں لگا دیں اور اتنی بڑی جمعیت کو مسلح کرلیا کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ امیر موصوف باقاعدہ جنگ کئے بغیر اپنی ریاست کو دوبارہ حاصل نہ کرسکے گا۔ پارما والوں نے بھی اپنے آپ کو موڈینا کی خود مختار حکومت کے تحت میں دے دیا۔ اور روماناً میں ازگ لیو کی بنائی ہوئی ہنگامی حکومت اسی کی راہ پر چلتی رہی۔ ٹسکنی میں نپولین اپنے عمزاد بھائی کو حاکم بنانے کی امید میں تھا، وہاں کے باشندے قومی اتحاد کی جماعت میں ہمنوا ہوگئے اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ فوجی جمعیت مرتب کرلی۔ غرض صلحنامہ ولافرانکا کے بعد کے ہفتوں میں سارے وسط اطالیہ کے شہروں میں، عام جلسوں نیابتی مجالس کی متفقہ آرا اور لاکھوں آدمیوں کے دستخطی اعلانات نے باقاعدہ اور

پرامن طریقوں سے بتا دیا کہ اہلِ ملک میں خاندان سیوآئے کے ماتحت متحد ہونے کی کس درجے خواہش پائی جاتی ہے۔

صلحنامۂ ولافرانکا سے قبل کاوور کے منصوبے۔

کاوور نے ۱۸۵۹ء سے قبل جو منصوبہ بنایا تھا اُس کا منشا صرف پو کے اوپر شمالی اطالیہ میں ایک حکومت قائم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور یا براہِ راست یا قریبی نتیجے کی اسے امید نہ تھی۔ اور وہ سمجھتا تھا کہ پوری اطالیہ کی شیرازہ بندی کے مراحل بعد میں اپنے اپنے موقع پر طے ہوتے رہیں گے۔ یہ کام شاید جلد ہو جائے یا ممکن تھا کہ اس میں دیر لگے۔ لیکن اگر آسٹریہ کو دفع کر دیا جائے اور سلطنت آسٹریہ اور اس کی سابق باج گزار ریاستوں کے درمیان ایک خالص اطالوی بادشاہی قائم ہو جائے جس کی آبادی ایک کروڑ ہو اور جنگی قلعے اور طاقتور بیڑا اس کے قبضے میں ہو، تو کاوور کے نزدیک یہ اطالیہ کی قومی آزادی کے حقیقی اسباب کا مہیا ہو جانا تھا اور باقی مراحل کے واسطے اہلِ اطالیہ وقت اور موقع کا انتظار کر سکتے تھے۔ لیکن صلح ولافرانکا نے وینیشیہ کو آسٹریہ کے قبضے میں چھوڑ کر اس تمام منصوبے کو بالکل بدل دیا۔ ریاست ہائے اطالیہ کی شیرازہ بندی کی تجویز جس میں ہیپس برگ بادشاہ اوئیس کے حاکم کی حیثیت سے شریک ہو اور اپنی آسٹروی اغراض بھول جائے، اس قدر کھلا ہوا ڈھونگ تھا کہ اس سے کوئی شخص دھوکے میں نہ آسکتا تھا۔ اس کے معنی حقیقت میں یہ تھے کہ یا تو ساری اطالیہ کی حکومت وی آینا کی مٹھی میں ہو اور یا وہ اپنے فرانسیسی سرپرست کا صدقے کا بکرا بن جائے۔ نظر براین جس بات کو کاوور سنین آیندہ پر ملتوی کرنے پر آمادہ تھا، اس کا فی الوقت کیا جانا، ضروری ہو گیا۔ خود اس کے الفاظ میں، "ولافرانکا سے پہلے اتحاد اطالیہ کا محض امکان تھا، لیکن اس کے بعد، اتحاد اطالیہ ناگزیر ہو گیا۔" وکٹر امانویل بھی اس نکتے کو سمجھتا تھا

صلحنامۂ ولافرانکا کے بعد وسطی اطالیہ کی حالت جولائی تا نومبر۔

اور کاوور کے جولائی میں استعفیٰ دینے کے بعد چند مہینے کے لیئے رتاتزی وغیرہ جو وزیر اس کی جگہ برسرِ اقتدار ہو گئے تھے، ان کی نسبت بادشاہ کو عملی کارروائی کی ضرورت زیادہ صاف نظر آتی تھی۔ واقعی صورت حالات ایسی آپڑی تھی کہ

باب (۴)

اس میں بڑی فراست اور اعلیٰ تدبر ہی کام دے سکتا تھا۔ اگر اطالیہ کو تنہا چھوڑنا اور خاندان سیوائے کی شہرت کو خاک میں ملانا منظور نہ تھا تو پھر اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو سکتی تھی کہ نہ صرف اقطاع موونیا و پارما، بلکہ وسطی اطالیہ کو بشمول روماناو ٹسکنی پیڈمونٹ کی مملکت میں شامل کر لیا جائے۔ مگر اس کام کی تکمیل میں بڑے بڑے خطرے در پیش تھے۔ خود شہنشاہ ٹسکنی میں کچھ اور علاقہ ملا کر اتروریہ یا وسطی اطالیہ کی ایک مستقل ریاست بنانا چاہتا تھا جو پیڈمونٹ کی حریف ہو اور اس کا عمزاد بھائی وہاں فرماں روائی کرے۔ ادھر روماناسے پاپائی اقتدار کی بیخکنی نے فرانس کے متقشفین کو نہایت سراسیمہ اور غضب ناک کیا۔ وہ پہلے ہی بادشاہ سے متقاضی تھے کہ ان فرائض کو بجا لائے جو مقدس دربار کی طرف سے اس پر عاید ہوتے ہیں۔ اطالیہ کی قومی تحریک کے روما تک پھیلنے کی صورت میں تو کوئی شبہ ہی نہ تھا کہ فرانس والے مداخلت کریں گے۔ غرض، جب تک زیورخ میں آسٹریہ سے شرائط صلح کے متعلق گفتگو ہوتی رہی، اس وقت تک تو یہ بالکل احتیاط کے خلاف تھا کہ وکٹر امانویل ٹسکنی اور نواح کے اقطاع کی پیش کردہ بادشاہی کو خود قبول لیتا یا اپنے عمزاد بھائی شہزادہ کارگ نانو کو اجازت دے دیتا کہ وہ شاید پیڈمونٹ کی طرف سے جا کر نیابت کرے جیسی کہ اس زمانۂ تعطل کے واسطے تجویز کی گئی تھی۔ ان سب سے بڑھکر ایک ضرورت اس امر کی تھی کہ حکومت ان جمہوری قوتوں کو قابو سے باہر نہ ہونے دے جن سے اب تک اشتراک عمل کرتی رہی تھی۔ ولافرانکا کی ہنگامی صلح کے بعد، اسی نازک موقع پر ماتزینی نے وکٹر امانویل کو مخاطب کیا جس طرح تیس برس پہلے اس کے باپ کو کیا تھا۔ اور خاندان سیوائے کے ماتحت اطالیہ کو متحد کرنے کے کام میں مدد دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس کی پہلی تدبیر اس کے نزدیک یہ تھی کہ گیریبالڈی مہم لے کر نیپلز جائے اور وہاں کی بادشاہی کا تختہ الٹ کر نیپلز و صقالیہ کا پیڈمونٹ سے الحاق کر لیا جائے۔ لیکن اسکی شرط یہ تھی کہ اگر اس کارروائی میں کوئی بیرونی طاقت مداخلت کرے، تو پیڈمونٹ اپنی فوج لے کر میدان میں اتر آئے۔ اور معلوم ہوتا ہے وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ فتح نیپلز کے بعد ہی روما اور وینیشیہ پر حملہ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان شرطوں کو وکٹر امانویل قبول

ماتزینی اور گیریبالڈی
اگست تا نومبر۔

باب (۴) نہ کر سکتا تھا پس ماتزینی کو در بار ٹیورن سے جو بدظنی تھی وہ اور پختہ ہو گئی اور اُس نے گیری بالڈی کی طرف رُخ کیا جو ان دنوں سودینا میں تھا۔ ماتزینی کے اُبھارنے سے گیری بالڈی نے قصد کر لیا کہ خود رومہ پر فوراً چڑھائی کر دے۔ ٹھیک اسی وقت نپولین، پاپا کی جانب سے اصلاحات کے وعدے کر رہا تھا اور اس نے وکٹر امانویل کو متنبہ کیا تھا کہ روماناکے الحاق کا ارادہ نہ کرے (۲۰۔ اکتوبر)، نظر بریں، حکومت سارڈنیہ کو ضروری ہوا کہ وہ گیری بالڈی کو رومہ پر فوج کشی کرنے کے خیال سے باز رکھے اگرچہ اس میں گیری بالڈی کے متبعین کو اپنا دشمن بنانے اور خود ان کے سرگروہ کو خاندان سیوائے کی مخالفت میں کمربستہ کر دینے کا اندیشہ تھا۔ بہر حال خاندان سیوائے کی تاریخ میں یہ بڑا نازک وقت آیا۔ لیکن ثابت ہوا کہ جمہوریت پسند اطالیہ کا سپاہی (= گیری بالڈی) اُس کے مسلم ماتزینی، سے زیادہ آشتی پذیر تھا۔ گیری بالڈی کو سمجھانے بجھانے سے اس مہم کو چھوڑنے یا ملتوی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ جس کا نتیجہ بلا شبہ اطالیہ کے حق میں نہایت نقصان رساں ہوتا۔ اس نے شاید پیڈمونٹ کی نسبت ارادت مندی کے الفاظ کہے اور ان کیا داہل الرائے پر تین حرف بھیجے جنھوں نے اسے فوج کشی کی رائے دی تھی اور سپہ سالاری سے دست بردار ہو کر ساتھیوں کو خیرباد کہی۔ مگر رخصت ہوتے وقت انھیں ہدایت کی کہ وہ برابر ہتھیار باندھے رہیں اور یقین رکھیں کہ زیادہ عرصہ نہ گزرے گا کہ انھیں قومی پرچم کو جنوب میں لے جانے کا زیادہ بہتر موقع میسّر آئے گا۔[1]

ولافرانکا کے قول و قرار کے تھوڑے ہی دن بعد نپولین نے حکومت برطانیہ سے تجویز کی تھی کہ اطالیہ کے بہت سے مسائل کو طے کرنے کی غرض سے جن کا اب تک فیصلہ نہیں ہوا تھا، پیرس میں تمام سلطنتوں کی مجلس منعقد کی جائے۔ دراصل شمالی اطالیہ کو آزاد کرانے کا ذمہ لینے کو تو نپولین نے لے لیا تھا لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ کام اُس کی قوت سے بالکل باہر تھا۔ چنانچہ اسے یکایک بیچ میں چھوڑنا پڑا۔ اور جب موعودہ خدمت انجام نہ دی گئی تو جس فائدے

مجوزہ مجلس مشاورۃ

[1] کاوور: خطوط۔ وغیرہ وغیرہ

باب (۱۴) کی توقع تھی وہ بھی حاصل نہ ہوا۔ دوسرے اس قسم کی قوتیں ہیجان میں آگئیں، کہ جس نے انھیں حرکت دی تھی اب وہ بھی انکا سدّ باب نہ کرسکتا تھا۔ صلحنامۂ ولا فرانکا جن حکومتوں کو بحال کرنا چاہتا تھا، اُن کی مخالفت میں شہر کے شہر ہتھیار باندھے کھڑے تھے۔ پاپا کے اقتدار کا اس کے شمالی اضلاع میں خاتمہ ہو چکا تھا۔ اتحاد اطالیہ جس کی فرانس و آسٹریہ مل کر سرپرستی کرنے والے تھے، محض خیالی بات نکلی جس پر سارا یورپ ہنستا رہا۔ نپولین کی فتوحات نے لمبارڈی کا ملک پیڈمونٹ میں اضافہ تو کر دیا۔ باقی خود اہلِ اطالیہ کے منشا سے قطع نظر کیجئے، تو وہاں کے سارے معاملات اور بھی ابتر ہوگئے۔ اس تامّل و تذبذب میں کہ آسٹریہ سے جو اقرار کئے تھے انھیں پورا کرے یا اطالیہ میں اپنی بات بنائے رکھے، اور ادھر قوم پرستوں اور متقشفین کے متضاد دعاوی سے نپولین ایسا چکر آگیا تھا کہ اگر برطانیہ یا سارا یورپ اس خلجان سے نجات دلانے میں اس کی مدد کرتا تو وہ بہت خوش ہوتا۔ لیکن لندن کے وزرا اطالیہ سے ہمدردی کے باوجود، اس بات پر مائل نہ تھے کہ خود ان جھگڑوں میں پھنس جائیں جن کی وجہ سے ممکن تھا کہ انھیں فرماں روائے فرانس کی خاطر آسٹریہ اور جرمانیہ سے جنگ کرنی پڑے۔ لارڈ جان رسل کا قول تھا کہ اطالیہ کے معاملات کا فیصلہ خود وہیں کے اندرونی واقعات پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اور چونکہ آسٹریہ نے اس موقع پر کوئی خاص کارروائی نہیں کی اس لئے عدم مداخلت کا اصول ہی غالب آیا۔ وسطی ریاستوں اور رومانا دونوں جگہ کی آبادی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ لوگ باہم متحد تھے اور قابو سے باہر بھی نہیں ہوئے۔ اس قسم کی کوئی بدامنی یا فساد بپا نہیں ہوا جس کو بیرونی سلطنتیں بارہا مداخلت کا حیلہ بنا چکی تھیں۔ اور یہ سب ایسی باتیں تھیں کہ نپولین کے دل پر اور عام طور پر اہلِ یورپ کی رائے پر ان کا بہت اثر پڑا۔ پھر جس قدر وقت زیادہ گزرتا گیا اسی قدر معزول حکمرانوں کی بحالی زیادہ دشوار اور اطالیہ والوں کو اپنی قوتِ بازو پر زیادہ بھروسہ ہوتا گیا۔ یہ کیفیت نپولین غور سے دیکھ رہا تھا اور اس کے ارادوں میں لغزش ہو رہی تھی۔ عہدنامۂ زیورخ پر دستخط ہوتے وقت تک وہ اپنے طرزِ عمل کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ اگر اس وقت بھی پاپائی حکومت اصلاحات کے اجرا میں فیاضی سے کام لیتی تو ممکن تھا کہ اسی حکومت کے

باب ۲۷

حق میں دوستی کا پلڑا جھک جاتا۔ مگر پائیس نہم کی سرکش طبیعت کسی مروّت وفیاضی یا مصلحت کا اثر قبول کرنے والی نہ تھی۔ ایک تو حکومت روما کی یہ ضد، اور دوسرے ۱۸۵۹ء میں پاپائی عامل انتونیلی کے جمہوریۂ فرانس کے ساتھ برتاؤ کی یاد نے، اور ممکن ہے کہ پاپائی حکومت اور آسٹریہ کے درمیان معاہدۂ اتحاد کے انکشاف نے بھی، بالآخر نپولین کا تذبذب دور کر دیا اور اسے جرأت ہوگئی کہ پاپائی دربار اور فرانس کے مذہبی علما دونوں کی رائے کی پروا نہ کرے اور اطالیہ کے قومی مطالبات کو پورا کر دے۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ وکٹر امانوئل کے ماتحت ایک اطالوی بادشاہت قائم ہونے کی تجویز مان لے جس میں وسطی ریاستیں، ٹسکنی اور نیز پاپائی علاقے کے شمالی اضلاع شامل ہوں۔ اور اس ہنگامے کو فرو کرنے کی غرض سے جو اس آخری فعل سے فرانس کے کلیسائی فریق میں برپا ہوتا، نیس و سیوائے کا فرانس کے ساتھ الحاق کر لیا جائے۔

"پاپا اور مجلس مشاورۃ"
۲۲- دسمبر

۲۲- دسمبر کو "پاپا اور مجلس مشاورۃ" کے نام سے ایک رسالہ شائع ہوا جس میں نپولین کے مذکورۂ بالا فیصلے کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ مقالہ نگار نے مسئلہ یہ نکالا تھا کہ گو پاپا کی دینی خودمختاری کے واسطے تھوڑا سا دنیاوی اقتدار ضروری ہے۔ لیکن مسیح علیہ السلام کے خلیفہ کو اپنے گرد و پیش جو امن و سکون درکار ہے، اس کے حصول کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس کی دنیاوی حکومت کو حتّی الامکان تنگ و محدود رکھا جائے پس، اگر رومہ اور اس کے متصلہ مضافات کو یورپ کی سلطنتیں مجلس مشاورۃ میں پاپا کے نام چھوڑ دیں تو اسکی مقدس سرکار کی ضروریات کے لئے بالکل کافی ہوگا۔ رہا مالی نقصان، جو پاپائی اضلاع کے لینے سے عائد ہوگا، سو اس کی تلافی یوں ہو سکتی ہے کہ کیتھولک مذہب کے بادشاہ اپنے مذہبی پیشوا کو سالانہ دینی خراج ادا کرتے رہیں۔ یہ امر کہ مذکورۂ بالا اصول کی حمایت میں یہ رسالہ خاص نپولین کے ایما سے لکھا گیا ہے، مخفی نہیں رکھا گیا تھا۔ بہر حال، اس کی اشاعت پر حکومت رومہ نے نہایت ناراضی کا اظہار کیا۔ پاپا نے اعلان کر دیا کہ وہ اس وقت تک مجوزہ مجلس میں کوئی حصّہ نہ لے گا جب تک کہ رسالے میں جو خیالات ظاہر

باب (۴)

کیے گئے ہیں، اُن سے تبرّی نہ کرے۔ نپولین نے جواب میں پاپا سے التماس کیا کہ روماناجو پہلے ہی اس کے ہاتھ سے جاچکا تھا وہ اس کے دعاویِ ملکیت سے دست بردار ہو کر، اپنے باقی ماندہ علاقے کا دول کو ضامن بنالے۔ اسے پاپا نے یہ کہہ کے رد کیا کہ جو چیز خدا نے مجھے نہیں بلکہ کلیسا کو عطا کی ہے، میں اس سے دست برداری کرنے والا کون ؟ اور یہ کہ اگر دول یورپ رومانا کے علاقے کو صرف پیڈمونٹ والوں سے جنھوں نے خواہ مخواہ مداخلت کی ہے، خالی کرادیں تو وہ خود بغیر فرانس یا آسٹریہ کی امداد کے اس باقی صوبے کو دوبارہ فتح کرلے گا۔ پاپائی حکومت کے اس طرزِ عمل سے نپولین کو بہت اچھا حیلہ مل گیا کہ دول یورپ کی مشترکہ مجلس کی تجویز

پیرس میں وزیر خارجہ کی تبدیلی ۵۔جنوری ۱۸۶۰ء۔

سے دست بردار ہو جائے، کیونکہ ایسی مجلس سے یہ توقع مشکل سے ہوسکتی تھی کہ وہ بادشاہ فرانس کو الحاق نیس وسیوائے کی منظوری دے دیگی غرض پیرس میں اعلان کر دیا گیا کہ مجلس کا انعقاد ملتوی رہے گا۔ اور ۵۔جنوری ۱۸۶۰ء کو نپولین کی حکمت عملی میں تغیر کا ہونا سب

کاوور کی بحالی اپنے عہدے پر ۲۱۔جنوری۔

پر اس طرح ظاہر ہو گیا کہ اُس نے اپنے وزیر خارجہ والیوسکی کو برطرف اور تھوونِل کو اس کی جگہ مقرر کیا جو اتحاد اطالیہ کا حامی تھا اس کے دس دن بعد ہی راتازی نے ٹیورن میں استعفیٰ دیا اور کاوور دوبارہ اپنے عہدے پر بحال ہو گیا:۔

راتازی نے اس چھ مہینے کے عرصے میں کہ ملک کی باگ اس کے ہاتھ میں رہی، احتیاط سے کام کیا اور بعض مخدوش موقعوں سے بچ کر نکل گیا تھا۔ مگر وہ پوری طرح قابلِ اعتماد اور مستقیم نہ تھا اور اس نے کاوور سے ایک طرح کا نامناسب حسد کا اظہار بھی کیا کیونکہ عہدے سے دستکش ہونے کے باوجود وہ تاامکان وطن کی خدمت کرنے سے باز نہ رہتا تھا۔ کاوور نے جب دوبارہ عنانِ حکومت سنبھالی تو وہ تہیہ کر چکا تھا کہ اب وسطی اطالیہ کے الحاق کو دیر تک ملتوی نہ رکھا جائے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ تشویش بھی تھی کہ اس الحاق کے عوض میں

کاوور اور نپولین ۔ جنوری تا مارچ۔

نپولین، سیوائے اور نیس کو فرانس کے حوالے کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ کسی معاہدے کی رو سے فرانس کو اس قسم کا

دعویٰ کرنے کا حق نہ تھا کیونکہ آسٹریہ ابھی تک وینیشیہ پر تسلّط رکھتی تھی۔ مگر نپولین کی فوجیں میلان میں چھاؤنی ڈالے پڑی تھیں اور ان کا جنوب کی طرف قدم بڑھانا تمام اطالوی معاملات میں پھر خرابی ڈال دیتا اور چھ مہینے میں جو کچھ ہوا تھا، اس سب کے کرائے کام کو غارت کر دیتا۔ عجب نہیں کہ کاوور دول یورپ کے کسی ایسے جتھے میں شریک ہو جاتا جو فرانس کی توسیع مملکت کی تو مخالف ہو مگر اطالیہ کی بادشاہی کی ضامن و محافظ ہو جائیں۔ سو اس قسم کی کوئی صورت جسے فرانس کی دوستی کے عوض میں اختیار کیا جاتا ممکن نہ ہوئی۔ اور اگلے چند ہفتوں میں پیرس، ٹیورن میں جو نامہ و پیام ہوتے رہے ان کا مطلب صرف یہ تھا کہ تحویلِ اقطاع کی کارروائی کو فی الجملہ شائستگی کا پیرایہ دیدیا جائے ورنہ کمزور ملک کا قوی تر سلطنت کو علاقہ دینا، ایک شدنی بات ہو گئی تھی۔ لندن سے پے در پے تجویزیں اس غرض سے کی جا رہی تھیں کہ اطالیہ سے فرانس اور آسٹریہ دونوں کا اقتدار ہٹا دیا جائے۔ اس کے سلسلے میں دربار آسٹریہ نے اقرار کیا کہ اس کی فوجیں ٹسکنی اور رسودینا کے رئیسوں کو بحال کرنے میں مدد نہیں دیں گی۔ اس اقرار کے نپولین نے یہ معنی لئے کہ ولافرانکا اور زیورک میں جو قرارداد یں ان مفرور رئیسوں کی بحالی کے متعلق ہوئی تھیں، وہ ناقابلِ عمل ہو گئی ہیں لہٰذا اس نے وکٹر امانویل کو متوجہ کیا کہ وہ پارما اور رسودینا کا اپنے ملک میں الحاق کرلے رومانا میں پاپا کا خلیفہ بن کر ملکی کاروبار انجام دے اور ٹسکنی کو ایک علیحدہ حکومت بننے کے لئے چھوڑ دے۔ اس تجویز کے ساتھ اس نے یہ بھی اضافہ کیا کہ چونکہ ایسی قوی سلطنت کا فرانس سے متصل ہونا، قدیم سے فرانس کی خارجی حکمت عملی کے خلاف رہا ہے، لہٰذا حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے فرانس کو لازم ہوگا کہ نیس اور سیوائے پر قبضہ کر کے اپنی خشکی سرحد کو درست کرلے۔ (۲۴ فروری) کاوور خوب سمجھتا تھا کہ ٹسکنی کی خود مختاری اور رومانا میں کسی حد تک پاپا کے عمل دخل کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ پیڈمونٹ کو جتا دیا جائے کہ فرانس مطلوبہ اقطاع حاصل کرنے کے واسطے ان ان وسائل سے دباؤ ڈال سکتا ہے۔ اس نے جواب میں لکھا کہ وکٹر امانویل ممالک محروسہ کے کسی جزو کو علیحدہ تو نہیں کر سکتا البتہ اس کی سرکار تسلیم کرتی ہے کہ سیوائے اور نیس کے باشندوں کو

باب (۹)

بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو وسطی اطالیہ والوں کو۔ پس اگر ان اضلاع کے لوگ آئندہ پیرس فرانس کے ساتھ الحاق کیے جانے کی خواہش ظاہر کریں تو وکٹر امانویل ان کی مرضی کے خلاف نہ کرے گا۔ اس طرح کاوور نے نیس و سیوائے کی ضرورت قربانی پر رضامندی ظاہر کر دی اور ٹسکنی اور پاپا کے متعلق نپولین کی شرائط کو اڑا دیا بلکہ احکام بھیجدیے کہ پارما اور موڈینا کی طرح روماناو اور ٹسکنی میں بھی، پیڈمونٹ کے ساتھ اتحاد کے مسئلے پر عوام کی رائے لی جائے۔ رائے شماری اوائل مارچ میں ہوئی اور بہت بڑی اکثریت اتحاد کے موافق نکلی۔ اس تخریب دین کے کام کے بانیوں، مددگاروں اور کارندوں پر پاپا نے کفر کبیر کا فتوی دیا اور لعنت پر لعنت بھیجتا رہا۔ مگر اس سے کسی کا کچھ بگڑتا نظر نہ آیا۔ وکٹر امانویل نے پیش کردہ بادشاہی کو قبول کر لیا اور ۲۔ اپریل کو ممالک متحدہ کی مجلس ملکی کا ٹیورن میں انعقاد ہوا۔ نیس اور سیوائے کے باشندوں کو پہلے ہی اطلاع دے دی گئی تھی کہ شاہ پیڈمونٹ ان کے فرانس سے الحاق پر رضامند ہو گیا ہے۔

وسطی ریاستوں اور روماناکا اتحاد پیڈمونٹ سے۔ ماہ مارچ۔

"اذن عوام" کی رسم چند روز کے بعد ادا ہوئی کہ فرانس اور پیڈمونٹ کے مل کر دباؤ ڈالنے سے اُن کے حسب دلخواہ نتیجہ حاصل ہو گیا۔ صرف چند صد اشخاص نے اس داد وستد سے اظہار ناراضی کیا جس کی نسبت سب جانتے تھے کہ شاہ پیڈمونٹ کو اُسے قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔[1]

سیوائے اور نیس کی تحویل فرانس کو۔

یہ امر محقق ہے کہ وکٹر امانویل ایک وقت میں آمادہ ہوا تھا کہ اپنے وطن آبائی کو فرانس کے حوالے کرنے میں کاوور کی مخالفت کرے۔ لیکن یہ تجویز فرانس کے ساتھ اتحاد کی بنیاد قرار پائی تھی اور راستے طے ہوئے ایک سال گزر چکا تھا۔ اور اگر اس وقفۂ التوا میں جو صلح نامہ ولافرانکا کے بعد حایل ہوا شاہ وکٹر امانویل کو یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ شاید اطالیہ کی اغراض یا نپولین سے اپنے تعلقات کو نقصان پہنچائے بغیر اب یہ قربانی نہ کرنی پڑے گی تو کاوور

کاوور کی مجبوری نیس و سیوائے کے معاملے میں۔

[1] کاوور "خطوط" وغیرہ وغیرہ۔

کو اس قسم کا کوئی مغالطہ نہ تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی اپنی حکمتِ عملی کی تکمیل ان اضلاع کو ہاتھ سے دئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ حکمت عملی وہ تھی کہ اسی کی بدولت آسٹریہ کو شکست دینا ممکن ہوا اور کاوور کے نزدیک یہی اطالیہ کی آیندہ شیرازہ بندی اور استحکام کا باعث ہوئی۔ روما اور پڑموا اس کی نظر میں تھے جہاں کی دبی ہوئی چنگاریوں کا کسی وقت بھی بھڑک اُٹھنا ممکن تھا اور اسی اندیشے کی بنا پر وہ ابھی نپولین کی دوستی سے بے نیاز نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ ایسے شخص کو اشتعال دینے کی جرأت کر سکتا تھا جس میں اتنی قوت تھی کہ فرانس کو کلیسائی گروہ اور وراثتِ شاہی کے حامیوں کے علی الرغم اپنی رائے کے مطابق چلا سکے۔ رتا تنزی کو اس فخر کا دعویٰ ہو تو ہو کہ وہ پیڈمونٹ کو معاہدۂ زیورخ سے صحیح سلامت نکال لایا اور چپہ بھر زمین بھی قبضہ سے نہ دی۔ کاوور نے اس سے کہیں زیادہ قابل تعریف جوش کے ساتھ فرانس کو ملک دینے کی ذمہ داری کا اعتراف کیا اور اطالیہ کے مبعوثین سے استدعا کی کہ وہ اس کے کام کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ کریں۔ اس میں کلام نہیں کہ اگر سرحدی اضلاع کے ہاتھ سے جانے کا یہ قلق نہ ہوتا تو شمالی اطالیہ کی مجلس کا ٹیورن میں انعقاد اطالیہ کی تاریخ کا سب سے مسرت انگیز واقعہ بن جاتا۔ گیری بالڈی اپنے مولد نیس کی طرف سے قائم مقام منتخب ہو کر آیا تھا۔ اُس نے جلسے میں اُس شخص کی نسبت جس کی بدولت وہ دیگیری بالڈی، اطالیہ میں غیر آدمی بن گیا، بڑی تحقیر اور ناانصافی کے کلمات کہے اور ایوانِ مجلس سے رخصت ہو گیا۔ کاوور کو اس موقع پر، اور آیندہ زندگی بھر اس لعنت ملامت سے جو اس پر کی جاتی تھی، دلی صدمہ پہنچتا رہا، بایں ہمہ مجلس میں جو معرکہ آرا تقریر اُس نے اپنے طرزِ عمل کو جائز ثابت کرنے میں کی اور جس کی بدولت مبعوثین سے اپنی تائید و تصدیق حاصل کی، اس میں اپنے صدمے یا اپنے ساتھ ناانصافی پر رنج کا کوئی اثر نہ ظاہر ہونے دیا نہ اس بیجا لعنت ملامت پر کسی قسم کی بے صبری اور برافروختگی دکھائی۔ البتہ ایک سال گزرنے کے بعد، جب کہ قریب تھا کہ اجل کا ہاتھ اسے اچک لے، اور جب کہ گیری بالڈی نے رُو در رُو غضب ناک الفاظ اس سے کہے، اس وقت وہ تاب نہ لا سکا اور یہ پُر اثر جواب اس کی زبان سے نکلا کہ "وہ فعل جس نے ہمارے درمیان یہ خلیج حائل کر دی ہے، میری زندگی کا

باب (۴)

سب سے رنج دہ فریضہ تھا۔ خود مجھے جو احساس ہے، اسی سے میں جان سکتا ہوں کہ گیری بالڈی کو کیا احساس ہوگا۔ اور اگر وہ مجھے معافی دینے سے انکار کرے تو اس پر میں اُس کی کوئی گرفت نہیں کر سکتا۔"

نیس وسیوائے کے الحاق کو یورپ میں عموماً اور خاص کر انگلستان میں لوگوں نے بہت ہی بُری نظر سے دیکھا۔ برطانیہ کی تاریخ پر اس کا براہِ راست اثر پڑا کہ اس سے افواج مطوعہ کی نشو و نما کو تحریک ہوئی۔ اور سیلفی کی سازش اور اس کے ایک شریک کی لندن میں برأت کے بعد فرانس کی فوج نے بعض موقعوں پر انگلستان سے خصومت کا اظہار کیا، تو اس وقت وہاں افواج مطوعہ کی ابتدا ہوی لیکن نیس وسیوائے کے الحاق کے بعد تین مہینے کے اندر ان کی تعداد ستر ہزار سے بڑھ کر ایک لاکھ اسی ہزار پر پہنچی۔ اب اگر ان زیر الپس اضلاع کے حصول کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ یہ کارروائی اس بات کی علامت تھی کہ فرماں روائے فرانس ۱۸۱۵ء کی حدود پر قانع نہیں رہے گا، تب تو نیس وسیوائے کا الحاق کسی حد تک واجبی طور پر خوف و پریشانی کا موجب ہو سکتا تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ اس کے سوا، اور کسی بنا پر ان اضلاع کے انتقال کو مجرمانہ فعل نہیں کہا جا سکتا۔ محلِ وقوع، زبان اور تجارتی اغراض، سیوائے کو پیڈمونٹ سے جدا کرتے اور فرانس کے ساتھ وابستہ کرتے تھے۔ اور گو ضلع نیس کے کسی کسی حصے میں اطالویت کا رنگ غالب تھا، تاہم مجموعی طور سے دیکھیے تو اس پر پیڈمونٹ یا لگوریہ کا نہیں بلکہ صوبۂ پروونیس کا ٹھپہ لگا ہوا تھا۔ ۱۸۱۵ء سے نیس وسیوائے دونوں میں ایک معقول گروہ کی برابر یہ خواہش رہی کہ ان اضلاع کو دوبارہ فرانس میں شامل کر دیا جائے۔ ۱۸۱۵ء سے ۱۸۴۸ء تک مملکت سارڈنیہ کا سیاسی اور تمدنی نظام ایسی پست اور تنزل پذیر حالت میں رہا کہ ان سرحدی اضلاع کے متوسط طبقے پچھتا پچھتا کے فرانس کا منہ تکا کرتے تھے جہاں ان کے طبقے کی شکایتیں رفع کر دی گئیں اور انھیں اپنی پسند کے موافق مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ وکٹر امانوئل کا آئینی نظام اور لوئی نپولین کا استبدادی طریق حکومت، دونوں حال میں رائج ہوئے لہذا ان ممالک کے متعلق جو خیالات گزشتہ تیس سال سے جاگزیں رہے، ان میں ابھی تغیر نہ ہوا تھا۔ اس طرح اگر بعض لوگ ایسے تھے

اضلاع کی تحویل یورپ اور اطالیہ کی نظر میں۔

باب ۲۱

جنھیں گیری بالڈی کی شکل، اطالیہ سے اِن اضلاع کی جدائی حد درجے شاق گزری تو اُنھیں کوئی معقول گروہ سیوائے یا نیس میں ایسے افراد کا نہ ملا جن کے دل میں اُنہی جیسے جذبات موجزن ہوتے۔ اور گیری بالڈی کا آبائی وطن سچ پوچھیے تو جنوا تھا اگرچہ وہ خود نیس میں پیدا ہوا۔ پھر دوسرے پہلو پر نگاہ ڈالئے تو سیوائے والوں کے مذہبی جذبات کے لحاظ سے اِن کا فرانس کی طرف منتقل ہو جانا، فی الواقع ملک اطالیہ کے حق میں مفید تھا۔ اس علاقے میں پاپائیت کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ ازگ لیو کی وزارت نے اصلاحات کا آغاز کیا تو سیوائے کے مبعوثین کی ایک ٹکڑی پاپا کی ہواخواہ میں، اِن اصلاحات کی مخالفت پر جم گئی۔ خود کا وور کے لئے ہمیشہ خطرہ رہا کہ اسکے وسیع تر منصوبوں پر عمل کی نوبت آئی تو کہیں یہ اشد قدامت پسند فریق کا دور کے انتہا پسند مخالفین سے سازباز نہ کرلے۔ پس پاپا سے کشمکش کے وقت یہ اچھا ہی ہوا کہ سیوائے کے امرا اور اہل کلیسا کے اثرات بادشاہ اور مجلس اطالیہ سے دور ہو گئے۔ کیونکہ پاپا سے لڑے بغیر متحدہ اطالیہ کی بادشاہی کا وجود میں آنا ممکن نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ مجلسی معرکوں میں سیوائے کی جماعت اختلاف نے بڑی دیانت سے کام لیا۔ شاہ وکٹر ایمینوئل کے ساتھ ان کی عقیدت و وفاداری مسلّم تھی، بایں ہمہ وہ قوم اطالیہ کا جزو نہ تھے۔ ان کی اغراض اطالیہ کی شیرازہ بندی سے وابستہ نہ تھیں۔ اُن کے سرگروہ اپنے دلوں میں اطالیہ کی قومی زندگی کا ولولہ نہ رکھتے تھے۔ دوسرے، جدید مملکت کے مستقبل کو مخدوش بنانے کے لئے بہت سی اندرونی قوتیں ایسی زبردست موجود تھیں کہ ایک نیم اجنبی، پادریوں سے مغلوب عنصر کو ہاتھ سے دے دینا کوئی حقیقی نقصان نہ سمجھا جا سکتا تھا۔

نیس اور سیوائے کا انتقال مشکل سے تکمیل کو پہنچا ہو گا کہ گیری بالڈی، نیپلز اور صقالیہ کی رستگاری کے لئے جنوا سے چل کھڑا ہوا۔ وہاں کا بادشاہ فرڈی نینڈ ثانی

نیپلز

جو اپنی رعایا اور مغربی یورپ میں "شاہ بومبا" پکارا جاتا تھا، جنگ ماجنتیا سے چند ہی روز پہلے قضا کر گیا اور اس کا بیٹا فرانسس ثانی تخت کا وارث ہوا تھا۔ متوفی بادشاہ نے جنگ کریمیہ میں روس کے ساتھ اظہار دوستی کیا اور اپنے جابرانہ طرز حکومت میں تبدیلی کرنے سے

باب (۳۷)

بھی انکار کر دیا تھا، بدیں وجوہ ۱۸۵۶ء میں مغربی سلطنتوں نے اپنے سفیر نیپلز سے واپس بلا لئے تھے۔ فرانسس ثانی کی تخت نشینی کے موقع پر سیاسی تعلقات کی تجدید ہو گئی اور کاوور نے جو فرڈی نینڈ سے شدید بغض نہ رکھتا تھا، اس کے بیٹے سے دوستانہ روابط قائم کرنے چاہے۔ آسٹریہ کے خلاف جنگ میں نیپلز سے اتحاد کا ہو جانا، سارڈینیہ کے لئے بیش قیمت اور نپولین کے اقتدار کے مقابلے میں مصلح کا کام دے سکتا تھا، لہٰذا کاوور نے کوشش کی کہ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نیپلز کے ساتھ ہو جائے۔ مگر اس میں وہ ناکام رہا۔ اور صلح ولافرانکا کے بعد دربار نیپلز جوش و خروش کے ساتھ وسطی اطالیہ کے رئیسوں کی بحالی اور رومانا سے پیڈمونٹی فوج کے اخراج کے جوڑ توڑ میں مصروف ہو گیا۔ اور ان مقاصد کا ذریعۂ حصول یہ سوچا کہ اسپین و آسٹریہ سے مل کر ایک جتھا بنایا جائے اور خود اطالیہ کے اندر جوابی انقلاب کی تحریک پھیلا دی جائے۔ قرار پایا کہ ٹسکنی میں وہاں کے مفرور امیر کبیر کے واسطے لوگ ہنگامہ بپا کریں تو یہ نیپلی فوج کے شمال کی طرف پیش قدمی کرنے کا اشارہ ہو۔ لیکن اس ہنگامے کا انتظار عبث رہا اور شاہان کیتھولک کے جتھے کی زبردست تجویز بھی بے نتیجہ نکلی۔ ان وسیع تر مقاصد میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو بوربنی حکومت نے تجویز کی کہ ۱۸۶۰ء کے موسم بہار میں آمبریا اور "مارچیز" کے اضلاع پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ انقلابی تحریک دوسری پاپائی ریاستوں میں سرایت کرنے نہ پائے۔ اس پر کاوور نے مخالفت کی اور اس کی یہ دھمکی سن کر کہ سارڈینیہ کا سفیر نیپلز سے ہٹا لیا جائے گا، شاہ فرانسس دب گیا۔ پھر کاوور کو معلوم ہوا کہ نیپلز کے تخت پر خاندان مورا کو بحال کرنے کی سازش موجود ہے جس سے فرانس کو جنوبی اطالیہ میں بڑا رسوخ حاصل ہو جاتا۔ تو اس نے دوبارہ خواستگاری کی کہ فرانسس ثانی کو پیڈمونٹ کا حلیف ہو جانا چاہیے اور آئینی طرز حکومت نیز وکٹر امانوئیل کی اطالوی حکمت عملی اختیار کر لینی چاہیے۔ لیکن ٹیورن کے ان تقاضوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ حامیانِ مورا کی شورش اور برطانیہ کی ان تنبیہوں سے کہ بجز اصلاح کرنے کے خاندان بوربن کا زوال کسی طرح نہیں ٹل سکتا، دربار نیپلز کے طرز عمل میں کوئی حقیقی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ وزیر معزول کئے گئے کہ قوم پرستوں کے

خلاف جو استبدادی نظام حکومت پہلے تھا اس میں کوئی ردو بدل نہیں ہوا۔ ادھر اس اثنا میں گیری بالڈی، جنووا میں اپنے متبعین کو جمع کر رہا تھا۔ ۱۵۔اپریل کو وکٹر امانویل نے فرانسس کو لکھا کہ اگر وہ (یہ فرانسس) اپنے اصول اور طور طریق کو جو ملک کے حق میں سم قاتل ہیں، بلا تاخیر ترک نہ کرے تو عجب نہیں کہ خود پیڈمونٹ کی حکومت کو اس کا وسیلۂ تباہی بننا پڑیگا۔ مگر یہ تہدید بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی اور دربار نیپلز کو بیجا ضد کے برے نتائج سے بخوبی خبردار کرنے کے بعد، آخر وکٹر امانویل نے گیری بالڈی کی انقلابی قوتیں اس پر لپکا دیں۔

واضح رہے کہ ۱۸۵۹ء کی معرکہ آرائی کے وقت سے صقالیہ کے بڑے بڑے شہروں میں باغیانہ جماعتیں برابر سرگرم کار تھیں۔ صقالیہ کے آزاد خیال جو اس جزیرے کی آزادی کے درپے تھے، گزشتہ سال کے واقعات سے متاثر ہو کر آزادی کی بجائے اتحادِ اطالیہ کے خواہاں ہو گئے تھے۔ ادھر گیری بالڈی نے نومبر ۱۸۵۹ء میں رومہ پر پیش قدمی کرنے کا خیال ترک کیا تو اسے سمجھایا گیا تھا کہ صقالیہ کی رستگاری کی خدمت زیادہ قابلِ عمل کارنامہ ہو گی اور ۱۸۶۰ء کی بہار میں اس سپہ سالار کو خود بھی تذبذب رہا کہ وہ اپنی رومی مہم کو تازہ کرے یا نیپلز کے بوربنوں پر جنوب کی طرف سے حملہ کر دے۔ صقالیہ میں افواہ پھیل گئی کہ گیری بالڈی اپنے متبعین کو لئے ہوئے کوئی دن میں وہاں آیا چاہتا ہے۔

صقالیہ۔

۳۔اپریل کو پلرمو میں بغاوت کا اقدام بھی ہوا جسے بلا وقت دبا دیا گیا۔ اور گو جزیرے کے دوسرے حصوں میں بھی ہنگامے برپا ہوئے لیکن جو اطلاعیں گیری بالڈی کو جنووا میں اہلِ صقالیہ کے جوش اور آئندہ امیدوں کے متعلق ملیں وہ ایسی ہمت شکن تھیں کہ کچھ مدت تک اس کا رجحان یہ رہا کہ اس حملے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا لہٰذا سردست اسے چھوڑ دیا جائے۔ البتہ جب صقالیہ کے بعض جلاوطنوں نے اعلان کیا کہ اس کی رفاقت کے بغیر بھی وہ جان پر کھیل کر اس کام کا خود بیڑا اٹھائیں گے تو وہ اسی وقت فوج کشی پر آمادہ ہو گیا۔ دو دُخانی جہاز جنووا کی بندرگاہ میں لنگر ڈالے پڑے تھے ۵۔مئی کو ان پر قبضہ کر کے، گیری بالڈی اپنے "یک ہزار" کے ساتھ سمندر کی راہ

گیری بالڈی کی روانگی صقالیہ کو ۵۔مئی۔

باب (۱۷)

سے روانہ ہو گیا۔ کاوور کو ان کارروائیوں کی بخوبی اطلاع تھی اور گو وہ خود اس بات کو ترجیح دیتا کہ جب تک شمالی اطالیہ کی نئی مملکت میں کوئی استحکام نہ آجائے، صقالیہ سے چھیڑ نہ کی جائے، مگر اسے گیری بالڈی کو باز رکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تاہم اس کی خواہش تھی کہ مہم والے سارڈینیہ کے ساحل پر نہ ٹھیریں، اور ظاہری طور پر اپنے امیر البحر پرسانو کو اس نے احکام بھی بھیجدیے کہ گیری بالڈی کے جہاز سارڈینیہ کی کسی بندرگاہ میں آئیں تو انھیں گرفتار کر لیا جائے۔ گیری بالڈی نے حکومت سارڈینیہ کو ذمہ داری سے بچانے کی خاطر یہ بات بنا دی تھی کہ ہم نے دو تجارتی جہازوں پر اچانک قبضہ کر لیا ہے۔ اب بھی اس خیال سے کہ وکٹر امانویل کو کوئی دقت نہ پیش آئے وہ سارڈینیہ کے بیڑے سے کتراتا ہوا گیا جو پہنے کو کاگ لیاری کے آگے لنگر انداز تھا کہ ساحل سارڈینیہ کی گیری بالڈی کے جہازوں سے محافظت کرے۔ اور ساحل ٹسکنی کے ایک ویران مقام پر پہنچ کر پہلی منزل کی تاکہ یہاں سے وہ توپیں اور گولہ بارود جو اس کے انتظار میں جمع کی گئی تھیں، ساتھ لے لے۔ ۱۱ مئی کو کسی انگریزی تجارتی جہاز سے یہ خبر ملی کہ مرسالا میں نیپلز کا کوئی جنگی جہاز موجود نہیں ہے۔ پس وہ اسی بندرگاہ کی طرف چل پڑا اس کے پہلے دو جہاز بندرگاہ میں بخیریت داخل ہوئے اور اپنے آدمیوں کو ساحل پر اتار دیا۔ بعد کے دو جہاز ایک چٹان پر چڑھ گئے تھے اور کچھ دیر تک نیپلز کے ایک جنگی جہاز کی توپوں کی زد میں رہے جو اس بندرگاہ کی جانب آرہا تھا لیکن کسی غیر معلوم سبب سے جہاز کے سردار نے آتش باری کرنے میں تاخیر کی اور اس وقفے میں گیری بالڈی کے رفیق بلا نقصان اٹھائے ساحل پر اتر گئے۔[1]

گیری بالڈی کا ورود مرسالا میں۔ ۱۱ مئی۔

اگلے دن یہ مختصر فوج جنوبی امریکہ کے گلہ پروروں کی سی سرخ قمیصیں پہنے ہوئے مرسالا سے مشرق کی طرف روانہ ہوئی۔ دیہات سے گزرتے میں گاؤں والوں کے جوق ان کے ساتھ ہوتے گئے اور خلاف توقع بعض پادریوں نے بھی شرکت کی۔ تیسرے دن کے کوچ میں نیپلی سپاہی کلاتافیمی میں صف آرا نظر آئے۔

[1] گیری بالڈی: رقعات وغیرہ وغیرہ

گیری بالڈی نے ان پر حملہ کیا اور گو اِن کی تعداد کہیں زیادہ تھی، اُنھیں بھگا دیا۔ اِس پہلی فتح کا لوگوں کے دلوں پر بہت اثر پڑا۔ نیپلی سردار ہٹ کر پلرمو چلا آیا اور جزیرے کے مغربی حصے پر گیری بالڈی بلا وقت قابض ہوگیا۔ بغاوت اندرونی علاقے میں پھیلتی چلی اور خود پلرمو کی انقلاب پسند جماعت کی پھر ہمت بندھ گئی اور وہ تیاریاں کرنے لگی کہ گیری بالڈی وہاں پہنچے تو اس سے مل کر کام کرے۔ شہر کے قریب پہنچ کر گیری بالڈی نے سوچا کہ ان فوجوں پر جو شہر کے اندر متعین ہیں براہِ راست حملہ کرکے جوکھوں میں پڑنا، درست نہ ہوگا، لہٰذا اس نے ارادہ کیا کہ ممکن ہو تو مدافعین کے ایک حصے کو دھوکا دے کر باہر پہاڑوں میں لگا لائے اور ان کے شہر سے باہر ہونے کے وقت خود شہر میں گھس جائے اور شہر والوں پر بھروسہ کرے ان کی مدد سے وہاں جما رہے گا۔ یہ چال کامیاب ہوئی۔ نیپلز کی پیادہ دستوں کے سردار کو صقالیہ کے غیر تربیت یافتہ گروہوں پر آسانی سے غلبہ حاصل ہوا جو اس کے مقابلے کو بھیجے گئے تھے، تو لالچ میں آکر وہ شکست خوردہ دشمن کے تعاقب میں پہاڑوں تک بڑھا چلا آیا۔ اور ادھر گیری بالڈی اپنے بہترین سپاہیوں کو لے کر ۲۶ مئی کی رات کو لڑتا بھڑتا پلرمو میں گھس گیا۔ اگلے دو دن تک گلی کوچوں میں لڑائی ہوتی رہی اور قلعوں سے نیز بندرگاہ کے جہازوں سے نیپلی بے نتیجہ شہر پر گولہ باری کرتے رہے۔ ۳۰۔ تاریخ کو جب کہ غیر حاضر دستے واپس آتے نظر آرہے تھے، برطانیہ کے جنگی جہاز "ہنی بال" پر ایک ہنگامی صلحنامہ ہوا۔ نیپلی سردار نے خزانہ اور سرکاری عمارات گیری بالڈی کے حوالے کردیں اور شہر کے باہر قلعوں میں ہٹ آیا۔ لیکن حکومت نیپلز اس عرصے میں بالکل گھبرا گئی تھی اور یہ سمجھ کر کہ شہر پلرمو، ہاتھ سے جاچکا اُس نے حکم بھیجا کہ وہاں سے سپاہی جہازوں میں بٹھا کر میسینا اور خود نیپلز کو روانہ کردیئے جائیں۔ اس طرح گیری بالڈی کا صقالیہ کے صدر مقام پر بلا شرکت قبضہ ہوگیا۔ یہاں وہ دو مہینے تک ٹھہرا۔ اور وکٹر امانوئیل کی طرف سے ملک کا مختار مطلق بن کر وزیروں کا تقرر، ملک کا نظم و نسق اور وصول محاصل کرتا رہا۔ اطالیا سے بہت بڑی کمک اس کو پہنچ گئی۔ نیپلی جس طرح ان شہروں سے نکالے گئے تھے جن پر حملہ آوروں نے قبضہ کیا اسی طرح اندرونی علاقہ سے بھی خارج کردیے گئے۔

گیری بالڈی پلرمو کو تسخیر کرتا ہے - ۲۶ - مئی -

باب ۴۱

اور اب جزیرے کا صرف شمال مشرقی سرا ان کے پاس رہ گیا۔ ۲۰۔ جولائی کو گیری بالڈی نے برو بحر دونوں طرف سے بڑھکر انھیں شمالی ساحل کے مقام ملازو میں شکست دی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیپلیوں نے بغیر لڑے بھڑے مسینا کو بھی، بجز وہاں کے بالاحصار کے، خالی کر دیا۔ گیری بالڈی کی فوج تعداد میں اٹھارہ ہزار ہو گئی تھی اور سمندر سے سمندر تک اس کا قبضہ تھا۔ پس اب وہ اطمینان سے امید کر سکتا تھا کہ عنقریب اصل اطالیہ سے بوربن بادشاہی کی جڑیں اکھاڑ دے گا۔

گیری بالڈی کے پلرمو میں قیام کے زمانے میں اُن دو سیاسی گروہوں کی مخاصمت بھی بخوبی آشکارا ہو گئی جو دونوں اطالیہ کے دل سے شیدائی تھے۔ اس مخاصمت کا انتہائی درجہ وہ تھا جس کا نمونہ ماتزینی اور کاوور کی شکل میں نظر آتا تھا۔ ماتزینی سیاسی اور نظری مسائل کو ایک ریاضی داں کی سی آزادی کے ساتھ حل کرتا تھا اور اسی لئے قوم اطالیہ کا پہلا فرض اس بات کو قرار دیتا تھا کہ خارجی طور پر کتنی ہی دشواریاں پیدا ہوں، روما اور وینس پر قبضہ کر لینا ضروری ہے۔ اپنے سیاسی عقائد کے اعتبار سے اس کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ اطالیہ میں جمہوری حکومت ہو مگر بعض شرائط کے ماتحت وہ وکٹر امانویل کی بادشاہی قبول کرنے میں بھی مضائقہ نہ کرتا تھا۔ اس کے برخلاف کاوور یورپ کی سیاسی قوتوں کی نبض پہچان کر، اور سب سے بڑھکر نپولین کے تعلقات دیکھکر، جنھوں نے اسے ابھی تک کلیسائی گروہ سے وابستہ کر رکھا تھا، سمجھے ہوئے تھا کہ بعض ایسی حدود ہیں جن سے فی الحال اہل اطالیہ تباہی میں پڑے بغیر تجاوز نہیں کر سکتے۔ ماتزینی کی امیدوں کا مرجع روما پر پیش قدمی تھی اور اسی کو کاوور اطالیہ کے حق میں خودکشی کے مرادف جانتا تھا اور تیار تھا کہ نتیجہ جو کچھ ہو، اس پیش قدمی کو جس طرح بن پڑے روک دیا جائے۔ صقالیہ کی مہم میں کاوور نے کوئی رخنہ نہ ڈالا۔ اس مہم سے یہ قرین قیاس نہ تھا کہ اطالیہ اور اس کے حلیف (فرانس) میں اَن بن ہو جائے گی۔ مگر اسی کے ساتھ کاوور اس مہم کا بانی مبانی بھی نہ تھا۔ صقالیہ کی رستگاری کاوور کی بجائے ماتزینی کے گروہ کا کام سمجھنا چاہئے۔ یہ سچ ہے کہ گیری بالڈی ذاتی طور پر وکٹر امانویل کا معتقد تھا۔ لیکن اس کے گرد جو لوگ تھے وہ اگر جمہوریت

فریقی حدحامیٔ عمل

طالب نہ تھے تو کم سے کم اس بات کے خواہاں ضرور تھے کہ جب تک وکٹر امانویل نام نہاد "حامئ عمل" فریق کا منشا پورا نہ کرے اور روما پر حملہ کرنے پر رضامند نہ ہو، اس وقت تک صقالیہ اس بادشاہ کے حوالے نہ کی جائے۔ انھی اہل الرائے کے زیر اثر گیری بالڈی نے ایک وفد کے جواب میں، جو اہل صقالیہ کی یہ خواہش ظاہر کرنے اسکے پاس آیا تھا کہ صقالیہ کو وکٹر امانویل کی مملکت میں شامل کر دیا جائے، اعلان کیا کہ میں صرف صقالیہ کے لئے نہیں، بلکہ تمام اطالیہ کے واسطے لڑنے آیا ہوں اور اگر اتحادِ اطالیہ کا اطمینان ہونے سے قبل الحاق صقالیہ کی کارروائی کرنی ہو تو میں اس کام سے دست بردار ہو کے علیحدہ ہو جاؤنگا۔ گیری بالڈی کے ان الفاظ کا اثر اتنا برا ہوا کہ جن وزیروں کو اس نے مقرر کیا تھا وہ مستعفی ہو گئے۔ گیری بالڈی نے چاہا کہ ایسے اشخاص کو وزیر بنائے جو حامیانِ عمل کے زیادہ موافق مزاج تھے لیکن خود پلرمو کے ایک مظاہرے نے اسے مجبور کیا کہ انھی صقالویوں کو مقرر کیا جائے جو بلا تاخیر الحاق کے موید تھے۔ جزیرے کی رائے عامہ مازنی کے دوستوں اور جمہوریت پسندی کی سخت مخالفت تھی اور ملک میں جو بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، اس سے اندیشہ تھا کہ کہیں رجعت کا عمل نہ شروع ہو جائے۔ خود گیری بالڈی میں نظم ونسق کی مطلق قابلیت نہ تھی۔ آخر کئی ہفتے کی گڑبڑ اور بڑی حکومت کے بعد اسے ٹیورن کی ہدایت پر چلنا ہی ضروری نظر آیا اور کاوور کے فرستادہ، یعنی پیڈمونٹ کے ڈیپ ریٹیس کو وہ نائب مختار ماننے پر رضامند ہو گیا۔ پھر ڈیپ ریٹس ہی کی نگرانی میں ملکی اور تمدنی تنظیم از سر نو شروع ہوئی۔عا

جب تک گیری بالڈی صقالیہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتا رہا، اور جب تک پلرمو پر اس کا قبضہ نہ ہوا، اس وقت کاوور بناوٹ سے اس مہم سے تماشائی کرتا اور راسے حکومت کے علی الرغم افراد کا ذاتی فعل کہہ کے جس کا مواخذہ بھی انھی کے ذمہ ہو، اسے مجرمانہ قرار دیتا رہا۔ پیڈمونٹ کا سفیر بھی ایک دوست حکومت کا قائم مقام کی حیثیت سے نیپلز میں موجود رہا اور جب دولت روس و جرمانیہ کی طرف سے لعن طعن ہوئی تو کاوور نے یہ عذر کیا کہ وکٹر امانویل کے

کاوور کی حکمت عملی نیپلز کے متعلق

عا کاوور: وغیرہ وغیرہ۔

باب (۱۲)

نام سے گیری بالڈی صقالیہ کا مختار مطلق بن بیٹھا ہے، تو یہ اس کا اپنا فعل ہے جسکی اس نے اپنے فرماں روا کو نہ اطلاع دی نہ منظوری لی۔ لیکن بیرونی سلطنتوں کو جواب دینا تو دوسری بات تھی ورنہ حقیقت میں پلرمو کی تسخیر کے وقت سے کاوور سمجھ گیا تھا کہ اتحاد اطالیہ کے کام میں قدم آگے بڑھانے کا موقع آگیا ہے۔ اور کسی خاص طرز عمل کا پابند ہوئے بغیر وہ ابھی سے خاندان بوربن کے نیپلز سے نکالنے کی فکر میں تھا۔ ادھر شاہ فرانس نے اب اپنے سیاسی قیدیوں کو رہائی دی ۱۸۴۸ء کے آئین حکومت کے نفاذ کا اعلان کیا اور پیڈمونٹ کے ساتھ معاہدۂ دوستی کرنے پر رضا مندی ظاہر کی جس سے پہلے انکار کر چکا تھا، تو یہ سب بعد از وقت باتیں تھیں۔ اس کی سلسلہ جنبانی کے جواب میں کاوور نے کہلا بھیجا کہ میں اپنی ذمہ داری پر پیڈمونٹ کو ایسی بادشاہی کی حمایت کرنے کا پابند نہیں بنا سکتا، جو اب قریب قریب نزع کی حالت کو پہنچ گئی ہے۔ پس اس معاملے کو مجلس ملکی کے ٹیورن میں اجلاس ہونے تک ملتوی رکھنا پڑے گا۔ اس وقت تک بھی دونوں حکومتوں میں صلح و آشتی ہو جانے کی امید منقطع نہ ہوئی تھی لیکن گیری بالڈی کی میلازو میں فتح اور اخیر جولائی میں میسینا کے تخلیے کی خبر سنتے ہی کاوور نے سارے تامل و احتیاط کو بالائے طاق رکھدیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا تھا کہ آسٹریہ سے غالباً دوبارہ جنگ چھڑ جائے گی۔ پس اب اس نے انتہائی کوشش صرف کی کہ آسٹریہ کے میدان میں اترنے سے پہلے نیپلز اور اس کے بیڑے پر قابض ہو جائے۔ اس نے امیر البحر پرسانو کو حکم دیا کہ دو جنگی جہازوں سے اطالیہ پہنچنے کے راستے کی حفاظت کرے اور خود ایک جہاز کو لیکر نیپلز روانہ ہوا اور وہاں لوگوں کو بغاوت پر ابھار کر نیپلز کی بیڑے کو وکٹر امانویل کے علم کے نیچے لے آئے۔ پرسانو ۳۔ اگست کو نیپلز پہنچ گیا اور ان سرکاروں میں جو صلح کی گفتگو ہو رہی تھی، دوسرے ہی دن وہ منقطع ہو گئی۔ ۱۹۔ تاریخ کو گیری بالڈی صقالیہ سے سمندر پار ہو کے اطالیہ میں اترا اور پائے تخت تک اس کے فاتحانہ کوچ میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔

گیری بالڈی خاص اطالیہ میں پہنچتا ہے۔ ۱۹۔ اگست۔

کاوور آرزومند تھا کہ گیری بالڈی کے نیپلز پہنچنے سے قبل خود شہر کے لوگوں کی

باب ۱۴

سرکشی بادشاہ کو فرار ہونے پر مجبور کردے کہ گیری بالڈی وہاں پہنچے تو سارا نظم ونسق اور بیڑے اور فوج کی زمام اختیار بھی وکٹر امانوئل کے عاملوں کے ہاتھ میں آچکی ہو۔

پرسانو اور ولا ماریناکا ورود نیپلز میں۔

کیونکہ اگر آسٹریہ سے جنگ فی الواقع سر پر تلی ہوئی تھی تو ایسی صورت میں نیپلز میں ایک نیم آزاد حکومت قائم ہونے سے جو رومہ پر چڑھائی کرنیکے جوش میں کسی مصلحت و مآل کی پروا نہ کرے، شدید نقصان پہنچ سکتا تھا اس لئے کہ اس حکومت کے افعال کا فرانسیسی اتحاد پر بڑا اثر پڑتا۔ دوسرے اگر گیری بالڈی اپنے عدیم المثال کارناموں کی شہرت کے ساتھ نیپلز آیا اور صقالیہ کی طرح وہاں کے کامل اختیارات بھی اسے حاصل ہوگئے تو پھر اطالیہ کے معاملات میں بادشاہ (امانوئل) اور وزیر کو بلا شرکت اقتدار ملنا ممکن نہ تھا۔ نظر برایں کاوور نے نیپلز کے شدنی انقلاب کی رفتار تیز کرنے میں جو کچھ تدبیر اور چالاکی ممکن تھی، وہ کی۔ پرسانو اور سارڈینیہ کے سفیر ولا ماریناکا بوربن بادشاہ کے خاندان کے بعض افراد اور وزیروں تک سے ساز باز تھا۔ باایں ہمہ شاہ فرانسس کو نیپلز سے بھگانے اور گیری بالڈی کی آمد سے پہلے وکٹر امانوئل کی حکومت قائم کرنے میں ان کی کوئی کوشش نہ چلی۔ کچھ تو بادشاہ اور ملکہ کے اڑے رہنے سے اور کچھ "حامیان عمل" کی انجمنوں کی مخالفت کی وجہ سے جو یہ چاہتے تھے کہ زمام حکومت سوائے گیری بالڈی کے اور کسی کے ہاتھ میں نہ جائے، کاوور کے فرستادوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور جب گیری بالڈی سلرنو تک آپہنچا اور بادشاہی سپہ سالاروں نے یکے بعد دیگرے اس کے مقابلے میں فوج کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا، تب جاکر فرانسس نے بھاگنے کا قصد کیا۔ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بیڑے کو اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ کرلے بلکہ یہاں تک احتمال تھا کہ کہیں وہ اسے لے جا کے آسٹریہ والوں کے حوالے نہ کردے۔ لوگ سمجھتے تھے کہ بیڑے والے بادشاہ کا کہنا ماننے پر رضامند ہیں اور گوان کے سردار آزادی اطالیہ کے حامی ہیں، لیکن وہ اپنے ماتحتوں کو بادشاہ سے باز رکھنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ وقت بہت تنگ تھا۔ لہٰذا بادشاہ کے پائے تخت سے بھاگنے کا ارادہ معلوم ہوگیا تو ۵۔ ستمبر کی رات کو پرسانو اور ولا مارینا بھیس

باب ۸

بدل کے اپنے رفیقوں کے ساتھ بیڑے کے جہازوں میں جا ملے اور جہاز والوں کو رشوت دے کے اور کہہ سن کے آمادہ کر لیا کہ وہ جہازوں کے دُود دانوں کی بھاپ نکال کے اُنھیں بیکار کر دیں۔ ۶۔ تاریخ کو فرانسس یہ کہہ کر کہ میں پائے تخت کو کشت و خون سے بچانا چاہتا ہوں، ایک ڈاک کے جہاز میں سوار ہوا اور آسٹریہ پروشیہ اور اسپین کے سفیروں کے ساتھ بندر گاہ سے چلا تو بیڑے کا صرف ایک جہاز اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ ادھر شہر کے ہر فریق کی خواہش اب یہ تھی کہ گیری بالڈی جلد سے جلد پائے تخت میں داخل ہو کہ وہاں فتنہ و فساد بپا ہونے نہ پائے۔ اُسے تاکیدی پیام بُلانے کا بھیجا گیا اور وہ فوج کو سلرنو میں چھوڑ کر براہِ ریل ۷۔ ستمبر کی صبح کو نیپلز آ گیا اس کے ساتھ عملے کے صرف چند آدمی تھے۔ اور گو شہر کے قلعوں میں ابھی تک بوربن بادشاہ کے آٹھ ہزار سپاہی موجود تھے، بایں ہمہ مقابلے کا کسی کو خیال تک نہ آیا اور گیری بالڈی بے خطر گاڑی میں بیٹھکر بازاروں سے گزرا جہاں خوش ہونے والوں کے اژدہام لگے ہوئے تھے۔ آمر ملک ہو کر اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مملکت نیپلز کے جنگی جہازوں کی نسبت اعلان کیا کہ وہ امیر البحر پرسانو کی سپہ سالاری میں شاہ وکٹر امانوئیل کے جہازوں میں شریک کر دئے جائیں گے۔ چنانچہ شام ہونے سے پہلے نیپلزی بیڑے پر اطالیہ کا پھریرا لہرانے لگا۔ مگر شاہی سپاہیوں کو اس طرح قومی فوج میں ضم کر لینا آسان نہ تھا۔ شاہ فرانسس نے سلرنو اور نیپلز کے درمیان لڑائی کا خیال ترک کیا تو اپنے سپاہیوں کو حکم دیدیا تھا کہ وہ کاپوا چلے آئیں تاکہ خط والتر نو پر آخر مرتبہ ایک کشمکش کی جا سکے۔ اور اس حکم کی تعمیل ہوئی تھی۔

> شاہ فرانسس کا رخصت ہونا ۶۔ستمبر

> گیری بالڈی کا داخلہ نیپلز میں ۷۔ستمبر

؎ بیان کی وغیرہ۔ پرسانو نے اپنا روزنامچہ آزگ لیو کو بھیجا اور اس کے چھاپنے کے متعلق رائے دریافت کی۔ ازگ لیو نے کاوور کے اس قول کا حوالہ دیا کہ "وہ کام جو ہم اطالیہ کے لئے کر رہے ہیں، اگر اپنی ذات کے لئے کریں تو سب کی نظر میں ذلیل بدمعاش رہ جائیں گے" اور

جب یہ بات آشکارا ہو گئی کہ گیری بالڈی کے نیپلز میں داخلے سے پہلے وہاں وکٹر امانویل کا عمل دخل ہو جانا ممکن نہیں ہے، تو کاوور سمجھ گیا کہ اب قومی حکومت کو دلیری اور چیرہ دستی سے کام کرنا ضروری ہے۔ اُس نے رومہ پر اپنی فوج بھیجنے کے ارادے کو بھی نہیں چھپایا۔ کیونکہ اب وقت نہیں رہا تھا کہ قومی تحریک کو نیپلز یا سسلی کی سرحد پر روکا جاسکتا۔ اب کاوور کے سامنے صرف یہی راستہ رہ گیا تھا کہ گیری بالڈی کے نیپلز سے حرکت کرنے سے قبل ہی شاہ پیڈ مونٹ کی فوجوں کو پاپائی اضلاع میں بھیجدے تاکہ زمین کا ہر چپہ جو فرانس سے لڑائی مول لئے بغیر ہاتھ آسکتا تھا حکومت اطالیہ کے واسطے حاصل کرلیا جائے اور ان حدود پر پہنچ کر قدم روک لیا جائے جس کے آگے بڑھنے والوں کا استقبال نپولین کے سپاہی یقیناً تلوار سے کرتے۔ پاپا کے قبضے میں ابھی تک مارچیز، امبریہ اور تراکینا سے لے کے اوروی تونک کے ساحل اور اپی نائن کے درمیان کا علاقہ تھا۔ کاوور کو یہ سمجھنے کی معقول وجوہ تھیں کہ جب تک اس آخری قطعے پر زد نہ آئے نپولین پاپائی حکومت کی خاطر تلوار نہیں چلائے گا۔ پس اُس نے ارادہ کرلیا کہ جو کچھ بھی نتیجہ ہو، مارچیز اور امبریہ پر قبضہ کرلیا جائے۔ چنانچہ جس دن گیری بالڈی نیپلز میں داخل ہوا اسی دن ایک مراسلہ کاوور نے پاپائی حکومت کو بھیجکر استدعا کی کہ باہر کی اجیر فوجوں کے ہتھیار رکھلوا دئے جائیں جنھوں نے پچھلے موسم بہار میں پروگیہ کو لوٹ لیا تھا، اور جن کی موجودگی امنِ اطالیہ کے حق میں سراسر مخدوش تھی۔ اس پر نپولین نے کہدیا کہ اگر پاپائی اقطاع پر حملہ ہوا تو وہ سارڈنیہ کی حکومت سے قطع تعلق کرلے گا مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کاوور نے کہلا بھیجا کہ بغیر اس کے ساری اطالیہ کو انقلاب کی سیل آب سے بچانے کی اور کوئی شکل نہیں ہے۔ اور ۱۰ ستمبر کو فرانسیسی سفیر تیورن سے رخصت ہو گیا۔ پاپا کے والی، انتونیلی کے جواب کا کاوور نے انتظار ہی نہیں کیا بلکہ شاہی

پیڈمونٹی فوج امبریہ اور "مارچیز" میں داخل ہوتی۔ ۱۱ ستمبر۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۴، پرسانو سے التجا کی کہ وہ اپنے رازوں کو راز ہی رہنے دے۔ کیونکہ تقسیم پولینڈ کے بعد سے ایسی "زبردست بدمعاشیوں" کا اقرار بذریعہ طبع کسی ذی وجاہت آدمی نے نہیں کیا ہے۔

باب (۱۵)

فوجوں کو سرحد سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ پاپائی فوج کا سپہ سالار لاموری سیئر نامی ایک فرانسیسی جنرل تھا جسے الجزائر میں کسی قدر شہرت حاصل ہو چکی تھی لیکن پیڈمونٹی فوج کی جو مزاحمت کی گئی وہ توقع کے خلاف بہت کمزور تھی۔ امبریہ میں جو لشکر داخل ہوا اس کا سوائے اسپولٹو کے مقامی فوجوں کے جو اہل آئرلینڈ پر مشتمل، جنوبی سرے تک کسی نے مقابلہ نہیں کیا۔ مارچیز میں لاموری سیئر کے ماتحت فوج کی معقول تعداد تھی لیکن پاپائی فوجیں منتشر ہو گئیں اور سپہ سالار نے ایسی نااہلی دکھائی کہ یہاں کی معرکہ آرائی بہت جلد اور شرمناک طریق پر ختم ہو گئی۔ مدافعت کرنے والوں کی جمعیت اصلیہ نے ۹۔ ستمبر کو لورتو کے قریب موسون پر شکست کھائی۔ دوسرے دستوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور لاموری سیئر کے پاس صرف انکونا باقی رہ گیا۔ اس قلعے میں بر و بحر دونوں جانب سے اس پر سخت حملہ کیا گیا اور آٹھ دن کے محاصرے کے بعد اس نے اطاعت قبول کر لی۔ غرض گیری بالڈی کے نیپلز میں داخل ہونے سے تین ہفتے کے اندر پیڈمونٹ کی فوج نے وہ مہم جو اس کے تفویض ہوئی تھی، انجام کو پہنچا دی اور رابروزی تک ساری اطالیہ پر وکٹر امانوئیل کا تسلط ہو گیا:

سقوط انکونا۔ ۸۔ ستمبر۔

کاؤور کو یہ کامیابیاں بالکل بروقت حاصل ہوئیں۔ ورنہ نیپلز میں داخل ہونے کے بعد سے گیری بالڈی روز بروز ''حامیان عمل'' کے زیادہ اثر میں آتا جاتا تھا، اور گو وکٹر امانوئیل سے وفاداری کا اسے اقرار تھا لیکن وہ علانیہ کہتا تھا کہ بادشاہ کی حکومت اجازت دے یا نہ دے میں روما پر فوج کشی کئے بغیر نہ رہوں گا۔ صقالیہ میں ''حامیان عمل'' نے جو عامل مقرر کئے تھے وہ اتنا تشدد کر رہے تھے کہ جب ڈپ ری ٹس کو کاؤور کے پاس سے فوج نہ مل سکی تو وہ مستعفی ہو گیا۔ گیری بالڈی ایک بہ یک ۱۱۔ ستمبر کو پلرمو پہنچا اور ڈپ ری ٹس کی بجائے دوسرا ''نائب امیر'' مقرر کر کے اہل صقالیہ کے سامنے پھر وہی قول دہرایا کہ صقالیہ کے وکٹر امانوئیل کی مملکت سے الحاق کو اس وقت تک ملتوی رکھنا ضروری ہے جب تک کہ اطالیہ کے اور سب اجزا آزاد نہ ہو جائیں۔ مگر اہل صقالیہ بلاشرط و تاخیر الحاق چاہتے تھے اور اس رائے کو گیری بالڈی

کاؤور، گیری بالڈی اور ''حامیان عمل''

کی موجودگی اور خفگی آمیز الفاظ بھی نہ روک سکے۔ اس کے پلرموآنے کے جواب میں اہل صقالیہ کا ایک وفد ٹیورن پہنچا اور اُس نے فوری الحاق کی درخواست، نیز یہ شکایت کی کہ گیری بالڈی کے ساتھ والے صقالیہ سے مفتوح صوبے کا سا برتاؤ کر رہے ہیں۔ نیپلز میں بھی آمر کے بے موقع اور درشت اقوال کی لوگوں نے مذمت کی۔ جن وزیروں کو خود اُس نے مقرر کیا تھا وہ مستعفی ہو گئے۔ گیری بالڈی نے ان کی بجائے جنھیں مقرر کیا وہ قریب قریب جمہوریت کے حامی تھے۔ پھر ایک خط وکٹر امانویل کو لکھ کر درخواست کی کہ وہ رومہ پر فوج کشی کی منظوری دے دے۔ اور کاؤور کو عہدے سے برطرف کر دے۔ اس وقت ٹیورن میں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ عین اسی زمانے میں نپولین رومہ میں فرانسیسی فوج بڑھانے کی فکر کر رہا ہے اور پاپا کے پاس جو علاقہ باقی رہ گیا ہے، اُس سب پر سپاہی تعینات کرنے کے خیال میں ہے۔ وکٹر امانویل جانتا تھا کہ گیری بالڈی کے خط کا کیا جواب دیا جائے۔ وہ اپنے وزیر کے ساتھ رہا اور رولا آماریناکو نیپلز میں حکم لکھ بھیجا کہ اگر گیری بالڈی جمہوریت کا اعلان کر دے تو اس صورت میں تم اس سے تعلقات منقطع کر کے بیڑے پر اپنا قبضہ رکھو۔ ۲۸۔ستمبر کو انکونا کے سقوط سے کاؤور کے اعتبار و ہر دلعزیزی کو بروقت تقویت پہنچ گئی چار دن بعد ٹیورن میں مجلس کا انعقاد ہوا تو اس نے مجلس کو اپنے اور گیری بالڈی کے جھگڑے میں حکم بنا کر فیصلہ چاہا اور قریب قریب سب نے اُس کی تائید کی اور اس پر اعتماد ظاہر کیا۔ مجلس کے اس فیصلہ کی تو غالباً گیری بالڈی کچھ پروا نہ کرتا، جو اس کی اپنی مرضی کے خلاف تھا لیکن نووارا اور رسول فرنیو کے جنگ آزمودہ سپاہی سے اُلجھنے میں اُسے ہچک ہوئی۔ اس طرح، وکٹر امانویل کی شہرت اور اوصاف دوسرے پرخطر مواقع کی مانند اس موقع پر بھی اطالیہ کے آڑے آ گئے۔ گیری بالڈی نے وطن کی جو خدمات انجام دی تھیں اُن کا ہر محبِ وطن گرویدہ و مداح تھا۔ لیکن اس جوش و خروش کے باوصف لوگوں کے دلوں میں اتنی گنجایش ضرور تھی کہ وہ اطالیہ میں ایسے شاہ دونیبو کے برسرِ اقتدار ہونے پر شکرانہ ادا کریں جو اطالیہ کے مردِ میداں کا مقابلہ کرنیلی کی بھی قوت رکھتے تھے جب کہ اسکی مردانگی سے قومی مقاصد خطرے میں پڑ جائیں۔[1]

[1] بیانکی، ۔ دغیرہ۔ وغیرہ

باب ۱۴

شاہ نیپلز کو ابھی تک یہ امید باقی تھی کہ یورپ کی کوئی طاقت اس کی طرف سے مداخلت کرے گی۔ فوج میں اس کے جس قدر وفادار سپاہی تھے وہ والترنو کے کنارے قلعہ کاپوا کے گرد جمع ہو گئے تھے

فوج کا اجتماع والترنو پر۔

اور قرائن کہتے تھے کہ اس جگہ گیری بالڈی کی ایسی جم کر مزاحمت کی جائے گی کہ اب تک کہیں نہ ہوی تھی۔ وہ خود تو نیپلز میں تھا مگر اس کی فوجوں کو جو شمال میں بڑھی چلی آئی تھیں کجازو پر حریف نے زک دی۔ اس کامیابی سے دلیر ہو کر نیپلزی فوج نے اکتوبر کے شروع میں خود پیش قدمی کی اور گیری بالڈی پھر سپہ سالار بن کر بڑی مشکل سے انھیں واپس کاپوا میں ہٹا سکا۔ لیکن اب میدان میں خود وکٹر امانویل کی فوجیں داخل ہوئیں اور راپی تائین کواتر کے انھوں نے اس کمزور سی فوج کو جو راستہ روکنے کے واسطے بھیجی گئی تھی، اسرنیا پر پسپا کر دیا۔ اس طرح یہ شاہی افواج نیپلزی لشکر کے عقب میں آپہنچیں۔ اور اس کی آمد کی اطلاع پاکر نیپلزی سرلشکر شمال کی جانب خط گیریک لیانو پر چلا آیا اور کاپوا کی مدافعت کے لئے کچھ فوج وہاں کے قلعے میں متعین کرایا۔ گیری بالڈی اس کے پیچھے پیچھے بڑھتا رہا اور ٹیانو کی نواح میں شاہ وکٹر امانویل سے ملاقی ہوا (۲۶۔ اکتوبر) بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ تو اس موقع پر بہت تپاک سے ملا لیکن گیری بالڈی نے بادشاہ کے جلو میں ان اشخاص کو دیکھا

وکٹر امانویل اور گیری بالڈی کی ملاقات ۲۶۔ اکتوبر۔

جنھوں نے اسے گذشتہ سال پاپائی ریاستوں پر حملہ کرنے سے روک دیا تھا، اور وہ ملاقات میں اپنے آپ کو لئے دئے رہا۔ گیری بالڈی کے مطوعین اور امانویل کے سپاہی بھی اگو حب وطن کے معاملے میں مشترک تھے، مگر آپس میں اس وقت ایک دوسرے کے حریف کی حیثیت رکھتے تھے اور دونوں لشکروں کے سرداروں کے تعلقات کشیدہ اور نازک تھے بہرحال، گیری بالڈی کاپوا کو گھیرنے کے لئے واپس چلا آیا اور بادشاہ پسپا ہونے والے نیپلزیوں کے تعقب میں روانہ ہو گیا۔ یہی وقت ہے جب کہ گیری بالڈی کی زندگی میں جتنے بڑے کارنامے تھے، وہ فی الواقع ختم ہو گئے۔ اس کے گرد جو سیاست داں جمع تھے، انھوں نے صقالیہ کی طرح نیپلز اگرچہ بھی یہی کوشش کی تھی کہ وکٹر امانویل

کی بادشاہی کے ساتھ الحاق کو ملتوی رکھا جائے اور ممالک جنوبی کی ایک مجلس علیحدہ منعقد کر کے الحاق سے پہلے خاص خاص شرائط پیش کی جائیں۔ مگر رائے عامہ نے پہلے تو خود سپہ سالار (گیری بالڈی) کی بے توقیری کی اور پھر مذکورۂ بالا سیاست کی ساری تجویزوں کو خاک میں ملا دیا۔ اکتوبر کے شروع میں فوری الحاق کے مسئلے میں اہل ملک سے عام رائے طلب کی گئی تو معلوم ہوا کہ بہت بڑی اکثریت اس کے موافق ہے۔ ۲- نومبر کو کاپوا کی تسخیر کے بعد وکٹر امانوئیل شہر نیپلز میں داخل ہوا۔ گیری بالڈی نے سال بھر کے لئے جنوبی اطالیہ کی صوبہ داری پورے اختیارات کے ساتھ طلب کی، اسے بادشاہ نے دینے سے انکار کر دیا[1] اور اس سے کم درجے کے انعام اکرام کو خود گیری بالڈی نے لینا قبول نہ کیا، بلکہ اسی طرح کاوور کی طرف سے غصے میں بھرا اپنے وطن کو روانہ ہو گیا اور اپنے سپاہیوں سے کہتا گیا کہ اگلی ربیع میں پھر واپس آ کر میں تمھیں روما اور وینس لے چلوں گا۔ گیٹا اور مسینا کے بالاحصار کی تسخیر جنگ کے آخری واقعات تھے۔ گیٹا میں خود شاہ فرانسس ثانی نے پناہ لے رکھی تھی اور سارڈینیا کے بیڑے کو کچھ عرصے تک فرانسیسی بیڑے نے گیٹا پر حملہ نہ کرنے دیا جس کے باعث محاصرے میں دیر ہوتی رہی۔ کہیں جنوری ۱۸۶۱ء میں نپولین نے فرانسیسی امیر البحر کا وہاں سے ہٹ جانا گوارا کیا اور اب بر و بحر دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہوئی تا آنکہ دلیری سے مدافعت کرنے کے بعد گیٹا کے محاصرین نے ۱۴- فروری کو ہتھیار ڈال دیے۔ شاہ فرانسس اور اس کی دلھن جو ملکۂ آسٹریہ کی بہن تھی، ایک فرانسیسی جہاز میں بٹھا کے پاپائی ریاستوں میں پہنچا دیے گئے جہاں انھیں ساری عمر جلا وطنی میں گزارنی تھی۔ مسینا کے بالاحصار کا سردار نیپلز کے ان معدودے چند سرداروں میں تھا جنھوں نے تھوڑی بہت سپاہگری کی شان دکھائی وہ بوربنی جھنڈے کے جزیرے سے غائب ہونے کے بعد ایک مہینے اور

سقوطِ گیٹا - ۱۴- فروری ۱۸۶۱ء۔

[1] کاوور کا خط اپنے سفیر لندن کے نام مورخہ ۱۶- نومبر جس میں یہ فقرہ درج ہے: "بادشاہ نے دو ٹوک جواب دے دیا کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے!" دیکھو ہیالی: وغیرہ وغیرہ۔

باب (۱۴)

دلیری سے مقابلہ کرتا رہا۔

غرض، آسٹریہ سے جنگ چھڑنے کے دو سال کے اندر اندر ۱۸۶۱ء کے موسم بہار میں، رومہ اور وینیس کے سوا تمام اطالیہ وکٹر امانویل کے تحت میں متحد ہو گئی۔

کاوور کی حکمت عملی رومہ اور وینیس کے متعلق۔

دول یورپ میں سے صرف برطانیہ ایسی سلطنت تھی جس کو اطالیہ کی جدید بادشاہی کے قیام سے نہایت خوشی ہوئی اور اسے دل سے پسند کیا۔ ورنہ آسٹریہ نے زیوسک میں صلح کر لینے کے باوجود سارڈینیہ سے سیاسی تعلقات دوبارہ قائم کرنے سے انکار کر دیا اور وکٹر امانویل کے لقب "شاہ اطالیہ" اختیار کرنے پر معارضہ کیا۔ روسی نیپلز کے بوربنوں کا پرانا سرپرست تھا، اُس نے بھی کہا کہ فاصلۂ دراز مانع نہ ہوتا تو وہ اس خاندان کے دشمنوں کے مقابلے میں ضرور مداخلت کرتا۔ پروشیہ میں نیا بادشاہ تخت نشین ہوا تھا، تاہم وہ رشتے جنہوں نے اسے آسٹریہ سے وابستہ کر رکھا تھا، بالکل منقطع نہ ہوئے تھے۔ مگر اس عالمگیر سیاسی ناراضی اور یورپ بھر کے مذہبی فرقوں کی پرجوش خصومت کے باوجود، اس بات کا بہت کم قرینہ تھا کہ اطالوی قوم نے جو کچھ کام کیا ہے وہ کسی بیرونی قوت سے برباد ہو سکیگا۔ اسی لئے وکٹر امانویل کی حکومت کے سامنے یہ عقدہ اتنا حل طلب نہ تھا کہ باہر کے رجعت پسندوں کے بُرے ارادوں کا سدباب کس طرح کیا جائے جتنا یہ مسئلہ کہ رومہ اور وینس کے بارے میں کونسا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ ازگ لیو کی مثل ایسے اہل الرائے بہت کم تھے جن کی رائے تھی کہ رومہ کو مستقل طور پر مملکت اطالیہ سے خارج رکھا جا سکتا ہے۔ اور وینیس کے متعلق تو ایک شخص بھی یہ رائے نہ رکھتا تھا۔ مگر دوسری طرف، ایسا دل چلا صرف گیری بالڈی ہی ہو سکتا تھا جسے امید تھی کہ اپنی فوجوں سے جنہیں وہ خود جمع کرے گا، وہ آسٹریہ اور فرانس سے لڑ کر فتح پا سکتا ہے۔ کاوور اپنے اہل وطن کی نظر میں مجرم ہوتا اگر ایک لمحے کے لئے یہ بات ماننے کا روادار ہو جاتا کہ وہ سپاہ جس نے نیپلز کے بوربنوں کا تختہ اُلٹا ہے، کامیابی کے ساتھ یا بغیر اطالیہ کو گزند پہنچنے، وینیشیہ یا رومہ کے مدافعین کے مقابلے میں اتر سکتی ہے۔ لیکن کاوور اس قسم کا آدمی بھی نہ تھا کہ اس کا دل و دماغ محض مستقبل کے سہارے انتظار میں بیکار پڑے رہنا گوارا کرتا یا دوسروں

کی ناعاقبت اندیشی کی تجویزوں کو برا بھلا کہنے پر ہی اکتفا کر لیتا۔ اس کی ذکاوت ایسی روشن اور اتنی گہری تھی کہ اس کے الفاظ میں بعض اوقات معلوم ہوتا ہے کہ خود عہدِ حاضر کی روح بول رہی ہے۔ اطالیہ کے مستقبل کا خاکہ کھینچنے میں نہایت وسیع اخلاقی اور مذہبی مقاصد کے میدان اس کے پیش نظر تھے اور اس کی ذکاوت نے اپنی آخری قوت جس ملہمانہ تشکیل پر خرچ کی اس کی وسعت و طاقت کا ساری دنیا اندازہ کر سکتی ہے اگرچہ ان کا جو اثر واقعات تاریخی پر پڑنا مقدر ہے، اس کو صرف آیندہ نسلیں ہی جانچ سکیں گی۔ وینس کی یورپ کی نظر میں وہ وقعت نہ تھی جو رومہ کی تھی۔ دوسرے کاوور سمجھتا تھا کہ جس وقت جرمانیہ میں صحیح معنوں میں قومی حکومت قائم ہو گی اور وہ آسٹروی اغراض کی خاطر جو خدمت اس سے زبردستی لی جا رہی ہے، اسے انجام دینے سے انکار کر دے گی تو اس وقت وینس خواہ رسل و رسائل خواہ تلوار کے زور سے، اطالیہ کے پاس منتقل ہو جائے گا۔ جرمانیہ کی قومیت کی اصلی نمایندہ پروشیہ تھی اور اپنے قومی ورثے کا وہ حصہ دوبارہ حاصل کرنے میں جو ہنوز ہیپس برگ کے پنجے میں دبا ہوا تھا، کاوور کی نظر پروشیہ پر پڑتی تھی کہ یہی ریاست اطالیہ کی قدرتی حلیف ہو گی۔ مگر رومہ کی حالت وینس سے جداگانہ تھی۔ یہی نہیں کہ اس کی مدافعت کے لئے غیر ملکی سپاہ موجود تھی، بلکہ وہ ایک ایسی قوت کا مرکز بھی تھا جس کا تسلط لوگوں کے قلوب پر فقط کسی جنگی ہار جیت یا سیاسی انقلاب کا نتیجہ نہ تھا۔ اسی لئے گو یہ ممکن تھا کہ اتفاقات فرانس کی رومہ پر گرفت کو از خود ڈھیلا کر دیں۔ لیکن کاوور اطالیہ میں رومہ کے ضم کرنے کو محض اتفاقات کے آسرے چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس کے تصور میں ایک وقت آنے والا تھا جب کہ کیتھولک دنیا خود اعتراف کر لے گی کہ کلیسا اپنے فرائض کو بہترین طریق پر اسی وقت انجام دے سکتا ہے کہ وہ دنیاوی اقتدار سے مطلقاً بے تعلق ہو۔ اور جب یہ صورت واقع ہو تو رومہ کو مملکت اطالیہ میں اپنی قدرتی جگہ مل جائے گی یعنی وہ اس کا دار الحکومت ہو جائے گا۔ اور تب، کلیسا اطالیہ کی قومی بادشاہی کا بدظن دشمن ہونے کی بجائے، معزز ترین دوست بن جائے گا۔ خود کاوور کے مذہبی عقائد غالباً اتنے سیدھے سادے نہ تھے جیسے کہ

باب ۱۸

وہ لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔ بہر حال عقائد کو چھوڑ کر اس نے صرف مذہبی آئین سے سروکار رکھا اور اُنھی کے لحاظ سے وہ کمال وثوق کے ساتھ کلیسا کو تہذیبِ اخلاق اور عالی خیالی کا آلہ سمجھتا تھا۔ کلیسا کی آزادی اسے اس درجہ عزیز تھی کہ پیڈمونٹ کی خانقاہیں بند کی گئیں تو اِن کی زمینوں کی فروخت کے روپے کا انتظام سرکار کے حوالے کرنے سے کاوور نے انکار کر دیا اور اس کی بجائے اس کا علیحدہ سرمایہ جمع کر کے اسے خود کلیسا کے حوالے کر دیا تاکہ پادری حکومت کے تنخواہ دار ملازم نہ بن جائیں۔ اسے انسانی آزادی کے اصول پر اعتماد تھا اور چونکہ اس کی دانست میں مذہب انسانوں کی سب سے بڑی تعداد کا مجموعہ تھا لہٰذا وہ سمجھتا تھا کہ یہاں بھی سرکاری ضوابط سے اس کا بچے رہنا اور مذہب کی آزادی، بالآخر انسان کے بہترین فوائد کا موجب ہوگی۔ اس کا خیال تھا کہ پاپا کے دنیاوی اقتدار کے

آزاد مملکت کا آزاد کلیسا

جاتے رہنے سے خود کلیسا کی تشکیل میں زیادہ حرّیت اور جدید تمدّن کے اثر کو قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت آجائے گی۔

کلیسا کی اصلاحات میں بھی اس کا منشا یہ تھا کہ جس طرح ہو سکے ادنیٰ درجے کے پادریوں کی حالت بہتر اور ان کی آزادی میں ترقی ہو۔ اسے امّید تھی کہ ان کی مادّی اور اخلاقی ترقی کا ہر قدم اُنھیں دل سے زیادہ وطن پرست بنا دے گا۔ اور گو یہ امّید صرف جزوی طور پر بر آئی، تاہم کاوور نے اس مطمحِ نظر کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا کہ قومی کلیسا ایک طرف تو روما میں پاپا کی سیادت کو تسلیم کرے اور دوسری طرف صدقِ دل سے اور بلا مضائقہ حکومت اطالیہ کی دوستی کو قبول کرے۔[1]

اطالوی قومیت اور کیتھولک مذہب کے اخلاقی اغراض و مفاد میں اشتراک پیدا کرنے کے یہی اصول تھے جن کو پیشِ نظر رکھ کے کاوور نے اطالیہ کی مجلسِ مُلکی میں اپنے آخری مشورے پیش کیے۔ اس مقامِ موعود تک قوم کی رہنمائی کرنا خود اس کی تقدیر میں نہ تھا۔ گذشتہ تین سال تک وہ جیسی سخت مشقت اُٹھاتا رہا، اور کچھ وہ طیش و تشویش جو گیری بالڈی کے حملوں سے پیدا ہوئی، ان سب نے

[1] ادوکا دوران پارلی منٹو، صفحہ ۶۳۰ وغیرہ وغیرہ۔

مل کر کاوور کو بیمار ڈال دیا اور رہنے سہنے میں اسکی بے پروائی کی عادتوں اور طبیبوں کے اناڑی پن

کاوور کی موت - ۶ جون ۱۸۶۱ء

سے یہی بیماری مہلک ہوگئی - مرتے دم بھی گرد و پیش کے لوگوں سے اُس نے وہی الفاظ کہے جن میں اطالیہ کی مجلس میں اپنی حکمت عملی کا خلاصہ بیان کیا تھا کہ "آزاد ملک کا آزاد کلیسا!"[1] دوسرے کیتھولک ملکوں میں اس قسم کے حقوق جن میں دینی اور دنیاوی اقتدار باہم ٹکراتے تھے، جیسے اساقفہ کا تقرر، مدارس کا انتظام، ان لوگوں کے حقوقِ وراثت جن کی شادی بلا مذہبی مراسم کو ادا کئے ہو گئی ہو وغیرہ وغیرہ کو پاپائی حکومت

کلیسا کی آزادی آزاد ملک میں

کے ساتھ خاص خاص معاہدے کر کے طے کیا گیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اطالیہ میں جہاں پوری قوم ایک اعتبار سے کیتھولک تھی، کاوور کی رائے یہ تھی کہ ولایاتِ متحدہ (امریکہ) کی طرح بلا دقت اور اطمینان کے ساتھ کلیسا کو اجازت دی جاسکتی ہے کہ اپنے معاملات کا خود انتظام کرے - حالانکہ اُن ولایات میں کیتھولک فرقہ منجملہ بہت سے مذہبی فرقوں کے صرف ایک مذہبی جماعت ہے۔ کاوور کی پُر امید طبیعت، حوصلہ مندانہ اور فیاضانہ رواداری کا ایسا قابل تعجب ثبوت کبھی نہ ملا تھا جیسا کہ اصول آزادی کی اس غیر متزلزل حمایت کے وقت دیکھنے میں آیا جب کہ معاملہ ایسے لوگوں سے پڑا تھا جو اُس وقت مملکت اطالیہ سے صلح و آشتی کرنے سے بھی انکار کر رہے تھے - اس بات کا فیصلہ کہ آیا کاوور کا منصوبہ محض خیالی اور ناقابلِ عمل تھا، آنے والا زمانہ کرے گا - ابھی تک (یعنی تالیف کتاب کے زمانے تک)، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلیسائے روما میں غلبہ انہی لوگوں کو حاصل ہے جو انتہا درجے کے زمانہ ناشناس ہیں اور ضد سے اڑے ہوئے ہیں کہ مذہب اور عقل کو ایک دوسرے کا سخت دشمن بنائے رہیں - مذہبی پیشواؤں کے جرگے اور گروہ بندی میں آزادی کی تحریک پھیلنے کی بجائے جسکی کاوور کو توقع تھی، استبداد کو تازہ ترقی پاپائی کے منزہ عن الخطا ہونے کے مسئلے سے ہاتھ آگئی ہے - وہ اسبابِ تحلیل جنھوں نے گذشتہ تیس برس میں پروٹسٹنٹ ممالک پر نمایاں کامیابی سے عمل کیا ہے، کیتھولک عقائد میں ذرا بھی تغیر نہیں ڈال سکے - علم و اجتہاد

[1] امیر کاوور کو ہوش آگیا - اُس نے اپنا ہاتھ دبا لیا اور کہا "Frate, frate, libera chiesa in libro stato" یہی اسکے آخری الفاظ تھے" کاوور کی وفات کا بیان - اس کی بھتیجی کاؤنٹس الفائری کی قلم سے - (لا ریویس - "کاوور" صفحہ ۱۹۱۴) -

باب ۲۲

کی دنیا میں ہر جدید کامیابی، ابھی تک قصرِ پاپائی میں دوسرے درجے پر، موجب تردید و تفسیق ہی سمجھی جاتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اہلِ حزم و احتیاط یہ نتیجہ نکالنے میں جلدی نہ کریں گے کہ اس قسم کی تمام اُمیدیں جیسی کاوور کو تھیں، محض بے سود و فضول تھیں۔ ایک پُشت کے لوگ پوری طرح تخم پاشی کے عمل کو کبھی نہیں دیکھ سکتے اور وہ فصل تو ظاہر ہے کہ نظر سے بالکل اوجھل ہوتی ہے جو آیندہ نوعِ انسانی کو مالا مال کرنے والی ہے۔ پھر یہ کہ تمام وسیع تر مقاصد سے قطع نظر کر لی جائے تو بھی کاوور کی آزادیٔ کلیسا کی حکمتِ عملی کو عین مناسب سمجھنے کی بہت سی وجوہ اس ایک واقعے میں موجود ہیں کہ اطالیہ اپنا اتحاد قائم کرنے کے بعد تیس سال تک خانہ جنگی سے بری رہی۔ کاوور غلط قانون سازی کی مثال میں ہمیشہ اس آئین کا حوالہ دیا کرتا تھا جو فرانس کی قومی مجلس نے سنہ ۱۷۹۰ء میں اہلِ کلیسا پر عائد کیا تھا۔ اور حقیقت میں اگر اس کی اور اسکے جانشینوں کی حکمتِ عملی زیادہ عاقبت اندیشی پر مبنی نہ ہوتی، اور اگر حکومت اطالیہ نے پاپا کے دنیوی اقتدار کا خاتمہ کرنیکے بعد، دیہات کے پادریوں اور اُن کے مقتدیوں سے لڑائی مول لی ہوتی تو خاندان سیوائے ایک دوسری اور شدید تر جنگ کے بغیر ان صوبوں پر مشکل سے تسلط قائم رکھ سکتا تھا جنھیں گیری بالڈی نے مملکت اطالیہ میں شامل کرایا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اُس خیالی اطالیہ میں جس کا سماں نہ صرف مازینی بلکہ اُس عہد کے بعض قابل ترین انگریزوں کے تصوّر میں پھرتا تھا، جس میں اطالیہ ابدی عظمت کی سرزمین اور تائیدِ الٰہی سے بہرہ مند ہو کر تمام قوموں کے دماغی اور اخلاقی رہنما کی حیثیت سے قدم بہ قدم بڑھتا اور قوی تر ہوتا جاتا۔ اور عہد حاضر کی کسی قدر بھدّی اور مبتذل سی حقیقی اطالیہ میں بہت ہی کم مماثلت پائی جاتی ہے۔ افلاس، بیجا محاصل کی گراں باری، نیز اُن جسمانی اور اخلاقی عادتوں نے جو صدیوں کی بُری حکومت کا نتیجہ ہیں، اہل کر اُن تمام اسباب کو غیر معمولی طور پر فاسد بنا دیا ہے جن سے اطالیہ کی قومی معاشرت تعمیر کرنی مقصود ہے۔ لیکن اگر سخت سے سخت دشواریوں کے باوجود ہر مشکل مرحلہ طے ہو گیا اور تمام نقائص اور خامیوں کے باوصف ابھی تک اطالیہ کا مستقبل اُمید افزا ہے تو اُس تقدیر کی یاوری کا ایک باعث کلیسائی حکمتِ عملی کی وہی لمیک ہے جو اتحاد اطالیہ کے بانیوں میں سب سے بڑا مدبّر بنا گیا تھا اور جس نے اطالیہ کی طرف سے پورے قومی ترکے کا دعوٰی تو کیا مگر اسی کے ساتھ یہ بھی طے کر دیا تھا کہ رومہ کے معتقدات پر بلاوجہ کوئی حملہ نہ کیا جائے۔

باب پنجم

جرمانیہ، ۱۸۵۸ء کے بعد۔ پروشیہ میں زمانۂ اتالیقی۔ فوج کی تنظیم۔ شاہ ولیم اول۔ بادشاہ اور مجلس کا مناقشہ۔ بسمارک۔ نزاع جاری رہتی ہے۔ آسٹریہ، ۱۸۵۹ء سے۔ سند شاہی مجریہ ماہ اکتوبر۔ ہنگری کا مقابلہ۔ "دریشرات" روس، الگزنڈر ثانی کے عہد میں۔ زرعی غلاموں (سرفون) کی رستگاری۔ پولینڈ ۱۸۶۳ء کی بغاوت۔ زرعی قوانین، پولینڈ میں۔ شلیس وک ہولسٹین۔ فریڈرک ہفتم کی وفات۔ بسمارک کے منصوبے۔ شلیس وگ کے معرکے۔ مشاورۂ لندن۔ معاہدۂ وی اینا۔ انگلستان اور نپولین ثالث۔ پروشیہ اور آسٹریہ۔ اقرار نامہ گاسٹین۔ اطالیہ۔ پروشیہ اور اطالیہ کا اتحاد۔ بزم شوریٰ کی تجاویز ناکام رہتی ہیں۔ محاربۂ آسٹریہ و پروشیہ۔ نپولین ثالث۔ کونگ گراٹز۔ کستوتزا۔ نپولین کی ثالثی۔ عہدنامۂ پراگ۔ جنوبی جرمانیہ۔ فرانس کو معاوضہ دینے کی تجویزیں آسٹریہ اور ہنگری۔ ڈیاک۔ آسٹریہ ہنگری میں ثنوی نظام حکومت۔

جرمانیہ، ۱۸۵۸ء سے

جن واقعات نے اطالیہ میں آسٹریہ کا زور توڑا، انھیں ظہور میں آئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ جرمن قوم کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ ایک نئے سیاسی دور میں داخل ہوگئے ہیں۔ شاہ فریڈرک ولیم سے جس قدر امیدیں تھیں ۱۸۴۸ء کے بعد سے ان سب میں ناکامی ہوئی تھی لیکن اب خود یہ بادشاہ اختلال دماغ کی وجہ سے مجبور رہوا کہ ۱۸۵۸ء کی خزاں سے، سرکاری معاملات سے

باب ۱۵

پروشیہ میں نائب سلطنت کی حکومت ۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء

دستکش ہو جائے۔ اس کا بھائی ولیم ولی عہد سلطنت اور سال بھر سے اس کی نیابت کرتا رہا تھا۔ وہ اب قائم مقام بادشاہ (نائب السلطنت) مقرر ہوا۔ جن دنوں فریڈرک ولیم کی شہرت نیک کے کچھ اثر آثار باقی رہ گئے تھے، اس وقت تک شہزادہ ولی عہد لوگوں میں نامقبول تھا۔ لیکن گزشتہ چند سال کے واقعات نے اسے بہتر رنگ میں پیش کیا۔ اگرچہ اصولاً وہ بادشاہوں کے خداداد حق کا پختہ معتقد اور پروشیہ میں طاقتور شخصی بادشاہی کا حامی تھا، تاہم آئینی حکومت کے جو مبتذل سے عناصر ملک میں موجود تھے، وہ آمادہ تھا کہ انھیں بحال رہنے دے بلکہ کسی حد تک ان کا احترام مرعی رکھے۔ پھر، اس میں اپنے بھائی سے زیادہ مردانگی تھی اور اپنی قوم کی استعداد کی نسبت حسن ظن بھی زیادہ رکھتا تھا۔ مان ٹیوفل کے زمانے کی جاسوسی، چاپلوسی اور حد سے بڑھی ہوئی حکومت پرستی اسے ناپسندی اور سب سے زیادہ ممالک خارجہ کے معاملات میں اس وزیر کی بزدلی کو حقارت سے دیکھتا تھا۔ بے شبہ اس کا دل جرمن ہونے کی بجائے محض پروشوی تھا اور جن تقدیری واقعات نے اسے متحدہ جرمانیہ کا پہلا شہنشاہ بنایا، انھیں اس نے نہ پیدا کیا نہ اُن کی آرزو کی تھی۔ بایں ہمہ اس کا دل چاہتا تھا کہ پروشیہ کو جرمانیہ اور یورپ دونوں میں اس مرتبے کی نسبت بزرگ تر مرتبہ ملنا چاہیے جو اس کے بھائی کے عہد میں اسے حاصل رہا۔ اور یہ خیال اس کے ذہن نشین تھا کہ میرے سامنے کرنے کا کام ہی یہ ہے کہ ملک کو اس بلند درجے پر پہنچا دیا جائے جس پر پہنچنے کا حق ہے۔ اتالیقی سے قبل ایک سال تک شہزادہ ولی عہد بادشاہ کی نیابت کرتا رہا لیکن اس وقت بادشاہ کی کاروبار سے دست برداری محض عارضی سمجھی جاتی تھی لہذا مان ٹیوفل کی وزارت سے پیہم اختلافات کے باوجود ولی عہد نے اتنا اختیار برتنا مناسب نہ سمجھا کہ اپنے بھائی (بادشاہ) کے مشیروں کو عہدے سے علیحدہ کر دیتا۔ البتہ منصب اتالیقی پر قانوناً فائز ہونے کے بعد اُس نے پہلا کام یہی کیا کہ ان مردود وزرا کو الگ کر دیا۔ خاندان ہوہن زولرن سگ مارنجن کا شہزادہ انٹونی صدر اعظم مقرر ہوا اور سرکاری عہدے ایسے لوگوں کو دئے گئے جو معتدل آزاد خیال مشہور تھے۔ اتالیق نے صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ میری نیت

یہ نہیں ہے کہ خالص آزاد خیال گروہ کے ہاتھ میں زمام حکومت دے دی جائے تاہم اس کے جدید تقررات سے اہلِ ملک بہت مطمئن ہوئے۔ ۱۸۴۹ء کی مصائب اور ناکامیوں نے لوگوں کو قناعت پر مائل کر دیا تھا کہ چند سال پہلے جس قدر مطالبہ کرتے تھے، اب اس سے کہیں کم تر پر رضامند ہو گئے۔ آزاد خیالوں میں جو گروہ زیادہ سخت تھے ان کے اکثر سرگروہوں نے نئی حکومت کو پریشان کرنے کی بجائے، خود مجلس ملکی سے باہر ہی رہنے کو ترجیح دی۔ اور ۱۸۵۹ء کے انتخابات میں قوم کے ایسے قائم مقاموں کی جماعت برلن بھیجی گئی جو اتالیق سلطنت اور اس کے وزیروں کے ساتھ مل کر کام کرنے پر پوری طرح آمادہ تھے، گو ان حکام کا منشا، یہ تھا کہ ترقی کے میدان میں بہت پھونک پھونک کر قدم بڑھایا جائے۔

ادھر تو حکمت پروشیہ کے رنگ میں یہ تغیر واقع ہوا، اور ادھر اس کے بعد ہی وہ واقعات پیش آئے جن کا نتیجہ اطالیہ کی آزادی ہوا، پس ان اسباب نے تمام ممالک جرمانیہ کی رائے عامہ پر بڑا اثر ڈالا۔ جو امیدیں ۱۸۴۹ء میں مٹ گئی تھیں، ان میں دوبارہ جان پڑ گئی۔ سلطنت آسٹریہ میں جنگی استبداد کا خاتمہ ہو جانے سے، ایسا معلوم ہوا کہ رجعت پسندی کی گھٹائیں ہر جگہ چھٹ کر غائب ہو رہی ہیں۔ ایک مرتبہ پھر یہ ممکن ہو گیا کہ ممالک جرمانیہ کے اتحاد اور ایسی مشترک آزادی کا تصور قائم کیا جائے جس میں ساری جرمن قوم بہرہ مند ہو سکے۔ جس طرح ۱۸۰۸ء میں نپولین کے خلاف اہل ہسپانیہ کے خروج نے بلوشر اور اس کے ہموطنوں کے دل میں یہ جوش بھر دیا تھا کہ بیرونی غاصب کے مقابلے میں ایک سچی قومی جدوجہد کریں، اسی طرح ۱۸۵۹ء میں کاوور کے کارناموں نے گویا جرمنوں کو ٹوک کر بلایا کہ ہمت ہے تو میدان میں آئیں اور ثابت کر دیں کہ سیاسی قابلیت اور وطن پرستی کے جذبے میں، وہ باشندگانِ اطالیہ سے کسی طرح کم نہیں ہیں فرینک فرٹ کی مجلس قومی میں جو لوگ بیش پیش تھے وہ پھر ایک دوسرے سے ملاقی ہوئے اور قوم سے مخاطبت کرنے لگے۔ بعض چھوٹی ریاستوں کی مجالس وضع قوانین میں ممالک جرمانیہ کی ایک مرکزی حکومت قائم کرنے کی حمایت میں، قرار دادیں پیش ہوئیں گزشتہ دس سال کے اندر آئینی حقوق میں رخنہ اندازی ایک معمولی بات ہو گئی تھی، اُن

اتحاد جرمانیہ کا احیا

باب (۵) کارروائیوں پر اب صدائے اعتراض بلند ہوئی قومی جلسے اور مظاہرے کئے جانے لگے۔ اور اس انجمن کی دیکھا دیکھی جس نے پیڈمونٹ اور وسطی اور جنوبی اطالیہ میں اتحاد کا راستہ تیار کیا تھا، یہاں بھی باضابطہ ایک قومی انجمن بنادی گئی۔ لیکن واضح رہے کہ پروشیہ کی سیادت کے حامیوں کا اب ایسا غلبہ نہ تھا جیسا ۱۸۴۸ء میں تھا۔ آسٹریہ اور نپولین ثالث میں جنگ چھڑی تو جرمانیہ کی جنوبی ریاستوں نے آسٹریہ کی بڑی طرفداری کا ثبوت دیا اور اطالوی جنگ میں پروشیہ کی غیر جانب داری کو جرمن قوم سے غداری کا فعل سمجھا تھا۔ ان ریاستوں میں برلن کو نگاہ عقیدت سے دیکھنے والے بہت کم ہو گئے۔ البتہ شمال کی چھوٹی ریاستوں، خاص کر ہیس کاسل میں جہاں کے امیر اور اس کی رعایا میں پھر کشاکش شروع ہو گئی تھی، پروشیہ کے لئے فرماں روا سے بڑی بڑی توقعات پیدا ہو گئی تھیں اور اس کی حکومت کے ہر فعل کو نہایت اشتیاق کے ساتھ دیکھا جا رہا تھا۔

اتالیق پروشیہ اور فوج

شہزادہ ولیم نائب السلطنت، اپنے مشاغل اور عادات کے اعتبار سے سپاہی آدمی تھا۔ ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوا اور آرگیس سُورا وب کی لڑائی میں موجود تھا جہاں نپولین اعظم کا ۱۸۱۴ء میں آخری مرتبہ اتحادیوں کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ آئندہ چالیس سال میں پروشیہ کے فوجی معاملات کے متعلق جس قدر ماہرین کی جماعتیں تحقیق و تجویز کے واسطے مقرر ہوئیں، وہ ان سب میں کام کرتا رہا تھا۔ اپنے ملک کی فوجی حالت، اس کے اسقام اور استعداد کی اس سے زیادہ کوئی شخص واقفیت نہ رکھتا تھا۔ ۱۸۵۰ء میں دربار برلن نے جس ذلت کے ساتھ اولموٹز میں آسٹریہ کی اطاعت قبول کی اور جرمن سیادت کے تمام دعاوی سے دست برداری کی، اس کا واحد سبب نہیں، تو سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ پروشوی فوج کی حالت ناقص تھی۔ شاہ فریڈرک ولیم نے ملک کو جس طرح ذلیل و خوار کر کے صلح مول لی، اس کے مقابلے میں شہزادہ ولیم تو یہی چاہتا تھا کہ جنگ کا جوکھوں مول لیا جائے خواہ اس کا نتیجہ کتنا ہی تباہ کن کیوں نہ ہو۔ لیکن مانٹیوفل نے اپنے فرماں روا کو پورا یقین دلا دیا تھا کہ آسٹریہ سے فوج کو لڑانے کا انجام سوائے بربادی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال، اس وقت جو حکمت عملی

اختیار کی گئی، اسی فوجی کمزوری کے عذر پر اس کی توجیہ ہو سکتی تھی، پس ولی عہد نے تہیہ کر لیا تھا کہ میرے عہد حکومت میں پروشیہ اس عذر کی بنا پر کوئی سیاسی نقصان اٹھانے نہ پائیگا۔ تنظیم جدید کا کام تو حقیقت میں فریڈرک ولیم رابع ہی کے زمانے سے شروع ہو گیا تھا اور تین سال کی فوجی خدمت کے قانون پر، جو ہر بھرتی ہونے والے باشندے پر عاید ہوتی تھی، عمل کیا جانے لگا تھا۔ لیکن پھر امن کی طویل مدت میں رفتہ رفتہ یہ تین سال گھٹ کر دو سال رہ گئے تھے۔ اس تدبیر سے فوج باقاعدہ کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ بھی ہوا مگر سالانہ بھرتی میں کوئی بیشی نہیں کی گئی اور نہ فوج ردیف (لینڈ وہیر) کی تنظیم میں اصلاح کی کوشش ہوئی۔ چنانچہ محاربۂ اطالیہ کے سلسلے میں جب ۱۸۵۹ء میں فوجی اجتماع کا حکم دیا گیا تو معلوم ہوا کہ فوج ردیف کے دستے قریب قریب ناکارہ ہیں۔ اس فوج میں زیادہ تر ادھیڑ عمر کے شادی شدہ لوگ تھے اور وہ اتنے عرصے تک دوسرے کاروبار کرتے رہے تھے کہ فوجی کاموں کو مستعدی سے دوبارہ انجام دینے کے قابل نہ رہے تھے۔ دوسرے میدان میں طلبی سے اُن کے بال بچے ذرائع معاش سے محروم رہ گئے اور ان سب کا بار سرکاری خزانے پر پڑا۔ پروشوی فوج کے اصلاح کرنے والوں کی رائے ہیں نوجوان لوگوں سے جتنی خدمت لی جانی چاہیے اتنی نہ لیجاتی تھی اور ادھیڑوں پر بساط سے زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا تھا۔ بنظر براین، شہزادہ ولیم کی تجویز یہ تھی کہ اول

فوجی اصلاحات کی تجاویز

تو عام جبری خدمت کے قانون پر پوری سختی کے ساتھ عمل درآمد ہو اور جب اس طرح سالانہ بھرتی چالیس ہزار سے بڑھ کر ساٹھ ہزار آدمی کی ہو جائے تو فوج محفوظ میں کام لینے کی مدت بڑھا کر دُگنی یعنی چار سال کر دی جائے۔ جس میں ہر نوجوان سپاہی کو تین سال کی خدمت کے بعد داخل کیا جاتا تھا۔ اس طرح رعایا کے زمانۂ جوانی کے سات سال پوری طرح قبضے میں آگئے تو حکومت کو فوج ردیف کی شمولیت کے بغیر چار لاکھ سپاہیوں کی کارکن فوج حاصل ہو جائے گی اور عملاً وہ ان لوگوں سے کام لینے کی محتاج نہ رہے گی جو سن کہولت تک پہنچ گئے ہوں۔ بجز اس کے کہ کوئی خاص ضرورت آپڑے۔ ان اصلاحات پر عمل کرنے میں، بھرتی میں اضافۂ تعداد اور فوج باقاعدہ سے پورے تین سال

باب(۵) خدمت لینے کے معاملے میں تو حکومت اپنے اختیار سے کام کر سکتی تھی لیکن فوج محفوظ کی مدت کار کی توسیع اور جدید نظام کے مصارف کی بیشی کے واسطے مجلس مبعوثین کی منظوری لینی ضروری تھی۔

پرشوی پارلیمنٹ اور فوج از ۱۸۵۹ء تا ۱۸۶۱ء

جدید اصلاحات جن عام اصول پر مبنی تھیں، اہلِ ملک اور مجلس کے دونوں شعبے تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اضافۂ مصارف کے متعلق آزاد خیال سرگروہوں کی رائے تھی کہ اگر ابتدائی خدمت و قواعد آموزی کی مدت دو سال رکھی جائے جو ایک عرصے تک کافی سمجھی جاتی رہی ہے تو خرچ میں اضافہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی لیکن شہزادہ اتالیق کی قطعی رائے تھی کہ پرشوی جوان کے لئے تین سال کی فوجی تعلیم و تربیت ناگزیر ہے۔ لہذا اس میں کسی قسم کی کمی کرنے پر وہ رضامند نہ ہوا۔ ۱۸۵۹ء کے فوجی اجتماع سے اسے موقع ملا کہ بعض جدید پلٹنوں کا اضافہ کر لے اور گو فوج ردیف کو بہت جلد گھروں کو واپس بھیج دیا گیا لیکن یہ نئے دستے روک لئے گئے اور شہری سپاہیوں کی بجائے سال نو کے جبری بھرتی کئے ہوئے جوان لے لئے گئے دار المبعوثین میں اضافہ شدہ سپاہ کے مصارف بابت ۱۸۶۰ء کی منظوری یہ سمجھکر ایک سال کے لئے دی گئی کہ یہ عارضی انتظام ہے۔ لیکن شہزادہ اتالیق نے جو ماہ جنوری ۱۸۶۱ء میں اپنے بھائی کی وفات پر بادشاہ پروشیہ ہو گیا تھا، نئی پلٹنوں کو مستقل فوجی دستے بنا لیا اور ان کے لئے علحدہ نام اور جھنڈے مقرر کر دیے

بادشاہ ولیم کی تخت نشینی ۱۸۶۱ جنوری۔

۱۸۶۱ء کا سال گزر گیا اور حکومت اور مبعوثین میں یہ اختلافی مسئلہ طے ہونے کی صورت نہ نکلی۔ ادھر دربار پروشیہ کا احتیاط اور تذبذب کا طرز عمل جو ابھی تک جرمانیہ کے معاملات میں اس نے اختیار کر رکھا تھا، لوگوں کی امید کے سراسر خلاف تھا جن کے دلوں میں اطالیہ کی نئی بادشاہی کی اتنی جلد شیرازہ بندی ہوتے دیکھکر اور جوش پیدا ہوا حکومت پروشیہ نے اس وقت تک اس جدید اطالوی بادشاہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن اہل پروشیہ خود اپنی حکومت سے بہت غیر مطمئن اور ناخوش ہو گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ دربار برلن قوم کے اصلی مقصد میں شریک ہونے سے ہنوز جھجکتا ہے۔ تخت نشینی کے وقت نئے فرمانروا

پر جو بھروسہ لوگوں کو ہو گیا تھا، وہ زائل ہو رہا تھا اور ۱۸۶۱ء کی گرمیوں میں جب مجلس مبعوثین کی مدت ختم ہوئی تو نئے انتخابات میں نہ صرف اقدام پسندوں (پروگریسٹس) کی تعداد کثیر منتخب ہوئی بلکہ اُن لوگوں کا غلبہ رہا جو صلح و آشتی سے کام کرنے پر ذرا بھی مائل نہ تھے اور جنھیں اپنے پورے آئینی حقوق پر اڑ لینے میں ذرا جھجک نہ تھی۔

نئی مجلس کا ۱۸۶۱ء کے آغاز میں انعقاد ہوا۔ رائے عامہ کے دباؤ سے حکومت اب جرمن معاملات میں زیادہ زوردار طرزِ عمل اختیار کرتی چلی تھی، اور فرینکفرٹ کی بحال شدہ مجلس ریاست ہائے متحدہ کے علی الرغم پروشیہ کے آزادانہ دعوے

۱۸۶۲ء کی پہلی مجلس مبعوثین

سیادت کو دوبارہ ثابت کرنے لگی تھی۔ لیکن صرف بیرونی معاملات میں زیادہ مستعدی دکھانے سے شعبۂ ادنیٰ کے ساتھ حکومت کا تصادم نہ ٹل سکتا تھا۔ فوجی تجاویز، شعبۂ ادنیٰ نے تو بلا تامل منظور کر لیں لیکن جب وہ دار المبعوثین میں پیش ہوئیں تو انھیں غور و رائے کے لئے ایک ایسی ذیلی مجلس کے حوالے کیا گیا جو اُن کی مخالف تھی ساتھ ہی غلبۂ آرا سے ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں زور دیا گیا تھا کہ قوم کے قائم مقاموں کو مصارف و مداخل کے موازنے کی نگرانی میں جس قدر دخل اب تک رہا ہے اس سے زیادہ ملنا چاہیئے۔ اس

انفساخ مجلس مئی ۱۸۶۲ء

رائے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے مجلس کو برطرف کر دیا اور وزیر فوج جنرل رون اور دو سب سے قدامت پسند وزیروں کے سوا باقی سب وزیر مستعفی ہو گئے۔ شہزادہ ہوہن لوہی جو شعبۂ اعلیٰ کا میر مجلس تھا صدر اعظم مقرر ہوا۔ اب بادشاہ اور حقوق مجلسی کے حامیوں میں علانیہ جنگ چھڑ گئی خود نئے وزیر اس کشمکش کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے تھے کہ "بادشاہ یا مجلس" اور جدید انتخابات کے موقع پر حکومت نے اپنا پورا زور خرچ کیا لیکن بے سود ہوا۔

۱۸۶۲ء کی دوسری مجلس

نئی مجلس میں سب سے بڑی اور غالب تعداد اقدام پسند گروہ کی منتخب ہوئی۔ ظاہر ہوتا تھا کہ ملک کی آواز بادشاہ اور اُس کے مشیروں کی اختیار کردہ حکمت عملی کو قطعی طور پر غلط کہہ رہی ہے۔ موازنہ کی ذیلی مجلس میں طویل اور بے نتیجہ غور و بحث کے بعد، فوجی تجاویز پر شعبۂ ادنیٰ میں ۱۱ ستمبر کو مباحثہ شروع ہوا۔ سرکاری مسودے کی ساری اہم دفعات تقریباً متفقہ رائے سے مسترد

باب (۵)

کر دی گئیں۔ جنرل رون نے کوشش کی تھی کہ دو سالہ خدمت کے اصول کو بعض شرائط کے ساتھ جزئی طور پر قبول کر کے فریق مخالف کو رضامند کر لے مگر اس سے فریقین کی مخالفت میں اور بھی شدت آگئی۔ ہوہن لوہی مستعفی ہوگیا اور بادشاہ نے اس جھگڑے کی وزارت کا صدرہ اپنے سب سے سچے اور پکے دوست ہرفان بسمارک کو بنایا جس کے دل میں مجلسی اکثریتوں کی سخت حقارت اور بے وقعتی بھری تھی۔[1]

بسمارک وزیر اعظم مقرر ہوتا ہے۔ستمبر ۱۸۶۲ء

کاوور کی طرح پروشیہ کا نیا وزیر بھی دیہاتی شرفا کے طبقے کا آدمی تھا اور کاوور کی طرح وہ بھی حقیقی طور پر سب سے پہلے ۱۸۴۸ء کی پر انقلاب تحریک کے زمانے میں سیاسیات کے میدان میں داخل ہوا تھا۔ یعنی گو اس وقت سے قبل بھی وہ بعض چھوٹے چھوٹے سرکاری عہدوں پر فائز رہا تھا لیکن پہلی مرتبہ بادشاہ اور قوم کی توجہ اس کی طرف اُسی وقت منعطف ہوئی جبکہ وہ رکن کی حیثیت سے مجلس اضلاع متحدہ میں آیا جو اپریل ۱۸۴۸ء میں برلن میں منعقد ہوئی جب اس مجلس نے فریڈرک ولیم رابع کے پروشیہ میں آئینی حکومت جاری کرنے کے وعدے کا شکریہ ادا کیا اور صرف دو شخصوں نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، تو ان میں ایک بسمارک تھا۔ تینتیس ۳۳ برس کی عمر تھی مگر اسی وقت وہ انتہا درجے کا بادشاہ پرست اور قدیم قطاع پروشیہ کے اُن نا ملائم اور سرکش "یُونکر"، یا دہقانی شرفا کا نمونہ تھا جن کی نظر میں اسٹائن سے لے کر بعد کے مُصلحین تک کی تمام اصلاحات قابلِ نفرت اور چھاؤنی اور اصطبل کے سوا اور سب خیالات نا مانوس و اجنبی تھے۔ ۱۸۴۸ء کے موسم بہار میں بادشاہ نے عوام کو جو حقوق عطا کئے، اس پر اور لوگ بھی نالاں تھے، لیکن ان جذبات کو صاف صاف ظاہر کر دینے کی جرأت بسمارک ہی نے کی۔ لہٰذا جب رجعت کا دور آیا تو اکثر اشخاص جن میں شاہ فریڈرک ولیم بھی شامل تھا، خواہ مخواہ ایسے شخص کی طرف متوجہ ہو گئے جو آئین طلبی کے انتہائی جوش و خروش کے وقت بھی ان تمام تحریکات کو دیوانوں کا خواب سمجھتا تھا اور مملکت پروشیہ کے حق میں صرف شخصی بادشاہی

بسمارک

---

[1] Berichte uber..... وغیرہ ۴

کو ضروری جان کر اُس کا سچا وفادار رہا تھا۔ برلن وار فرٹ کی مجالس میں بسمارک برابر ممتاز حصہ لیتا رہا۔ بایں ہمہ ۱۸۵۱ء سے قبل وہ حکام کے اندرونی حلقے میں داخل نہ ہوا تھا۔ البتہ ۱۸۵۱ء میں فرنیک فرٹ کی مجلس ریاست ہائے متحدہ دوبارہ قائم ہوئی تو وہ پروشیہ کا قائم مقام بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے اتحاد مقدس کے زمانے کی تعلیم پائی تھی اور قدامت پسندی اور بادشاہ پرستی کی وجہ سے بھی ابتدائی زمانے میں وہ نظام بادشاہی کا ملجا و ماوی آسٹریہ کو سمجھتا تھا اور جمہوری اور بادہوائی خیالات کے سیلاب کے مقابلے میں جس سے اندیشہ تھا کہ ساری جرمانیہ کو لے ڈوبے گا اسی سلطنت کو ایک تاریخی بند جانتا تھا۔ ۱۸۵۰ء میں اول موٹز میں پروشیہ نے آسٹریہ کے آگے سر اطاعت جھکایا تو اُسے بھی بسمارک نے ضرورتِ وقتی کی بنا پر جائز تصور کیا تھا لیکن پھر بتدریج یہ خیال اس کے ذہن میں جمتا گیا اور فرنیک فرٹ میں جو کچھ اس نے مشاہدہ کیا تھا اس سے بھی اسی خیال کی تائید و تصدیق ہوئی کہ شوارزن برگ کے عہد اقتدار میں آسٹریہ اس پر قانع نہیں رہنا چاہتی ہے کہ ۱۸۴۸ء کے ماقبل زمانے کی طرح سیادت جرمانیہ میں پروشیہ کی شریک وحصہ دار رہے بلکہ اب یہ سلطنت ممالک جرمانیہ پر بلا روک ٹوک خود حکومت کرنے کی نیت رکھتی ہے۔ آسٹریہ نے جس فرسودہ نظام کو فرنیک فرٹ میں دوبارہ زندہ کیا، اس کے قائم مقاموں سے، نیز بالا دست حکومت کے کارکنوں سے میل جول کا موقع ملا تو تھوڑے ہی دن میں بسمارک کو ایک گروہ کی کم ظرفی اور دوسرے طبقے (یعنی عمال آسٹریہ) کی خود دماغی سے نفرت ہو گئی۔ اُس نے صاف کہہ دیا کہ متحدہ ریاستوں کا یہ نظام محض چھوٹی ریاستوں میں آسٹریہ کے دست درازی کرنے اور پروشیہ کو ذلیل کرنے کا ایک حیلہ ہے دربار وی آنا اور اسی کے ساتھ فرنیک فرٹ کی مجلس متحدہ اس کو پروشیہ کی آزادی اور عظمت کے دشمن نظر آنے لگے۔ جنگ کریمیہ کے زمانے میں مغربی سلطنتوں کے ساتھ اتحاد کرنے کا وہ شدید مخالف تھا جس کی وجہ صاف فرانس سے بدظنی اور روس کا، جو اس کے ملک کا سب سے زیادہ مستقل اور قدرتی حلیف تھا، پاس دوستی ہی نہ تھا بلکہ یہ اذعان بھی، کہ پروشیہ کو دربار وی آنا سے بالکل آزاد و خود مختار ہو کر اپنی حکمت عملی خود طے کرنی چاہئے۔ بادشاہِ آسٹریہ فرانس و انگلستان سے اتحاد کرنے پر مائل ہو جاتا تھا اور یہی بات

باب (۵)

بسمارک کے نزدیک، پروشیہ کے سینٹ پیٹرزبرگ کی دوستی میں ثابت قدم رہنے کی معقول وجہ تھی[1]۔ شاہ فریڈرک ولیم اور مانٹوفل نے غیر جانب داری اختیار کی تو اس کا اصلی سبب یہ نہ تھا کہ وہ کوئی خاص اور واضح سیاسی رائے رکھتے تھے بلکہ وہ تو در حقیقت محنت مشقت کے کام ہی سے جان چراتے تھے۔ لیکن اس طرز عمل کی بسمارک نے جن وجوہ سے حمایت کی گو ان میں پروشیہ کو سب کچھ اور یورپ کو بالکل ہی ہیچ ٹھہرایا گیا تھا، بایں ہمہ وہ، پروشیہ کی اغراض کے نہایت صحیح اور باریک ادراکات پر مبنی تھیں اور یہ اغراض، پروشیہ کے ہمسائوں کے ساتھ موجودہ اور آیندہ تعلقات سے وابستہ تھیں۔ فریڈرک ولیم کی بادشاہی ختم ہوی تو بسمارک کو جو شہزادہ ولیم کی نظر میں نہایت اعتبار پا گیا تھا، سفیر بنا کے سینٹ پیٹرزبرگ بھیجا گیا۔ پھر چند روز نپولین ثالث کے دربار میں بھی اس نے اپنے وطن کی قائم مقامی کی اور پیرس ہی سے ۱۸۶۲ء کی خزاں میں برلن طلب کیا گیا کہ حکومت کا صدر بنایا جائے۔ عام انتظامی قابلیت سے کہیں زیادہ مہارت اسے سیاسی رسل و رسائل میں تھی۔ لہذا مجلس وزرا کی صدارت کے ساتھ وزارت خارجہ کا کام بھی اس نے اپنے ذمے لیا۔

مملکت پروشیہ کی زمام حکومت اب تین شخصوں کے ہاتھ میں تھی جو مل کر کام کرنے کی، اور اپنے اکھڑ، فوجی طریقے سے اُن منصوبوں کو عمل میں لانے کی نہایت عمدہ قابلیت رکھتے تھے جن کا نتیجہ خاندان ہوہن زولرن کے ماتحت تمام ممالک جرمانیہ کا شیرازہ بند ہو جانا، لکھا تھا۔ یہ تینوں، یعنی بادشاہ بسمارک اور جنرل رُوَن اس مقصد میں بالکل متحد تھے کہ فوج کے ذریعے سے پروشیہ کو چیرہ دست بنایا جائے۔ وزیر کی تدبیریں ہر کامیابی کے بعد وسیع تر ہوتی گئیں۔ ان میں حصول مقصد کے جو ذرائع اختیار کئے جاتے تھے ان میں ایک خاص قسم کی دلیری بھی ضروری ہوتی تھی۔ مگر بادشاہ کے سامنے انھیں ایسی چالاکی سے پیش کیا جاتا تھا کہ اسے بعض بالکل نئے راستے اختیار کرنے میں ذرا بھی تامل

بسمارک اور دار المبوثین ۱۸۶۲ء

[1] Poschinger وغیرہ

نہ باقی رہے۔ ملک کے مبعوثین اور اخبارات بسمارک کے مخالف تھے اور ان کے مقابلے میں رُونؔ اور اس کے کاریگروں کو وزیر کے لئے وہ سامان مہیا کرنا تھا جو کاوُور کو بیرونی سلطنتوں کی مدد اور اہل وطن کے جوش و خروش سے میسر آیا تھا چنانچہ ان سب مخالفتوں کے باوجود انھوں نے پروشیہ کے واسطے اس بلا کا ہتیار تیار کر دیا کہ دشمنوں کے حق میں اسے مہلک بنا لنے کے لئے کسی غیر معمولی قوت اور قابلیت کی بھی ضرورت نہ تھی وزیر اعظم کا اپنے اصلی اور انتہائی مقاصد کو اس طرح کھول کر بیان کرنا کہ فوجی تنظیم کے معاملے میں مجلس مبعوثین اس کی ہم نوا ہو جائے۔ بہت دشوار تھا کیونکہ ایسا کرنے سے خود بادشاہ کے گھبرا جانے اور فی الفور آسٹریہ سے قطع تعلق ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ بے شبہ بعض مرتبہ اس نے ڈھٹائی کے درجے تک صاف گوئی سے کام لیا مگر یہ الفاظ محض دھمکی اور دریدہ دہنی معلوم ہوتے تھے اور کسی نے یہ نہ سمجھا کہ ان سے ایک سوچی سمجھی اور حقیقی حکمت عملی کی تصریح مقصود ہے۔ مجلس کی شروع ہی کی نشستوں میں سے ایک موقع پر اُس نے کہا کہ "پروشیہ کا فرض ہے کہ اپنی قوتیں مجتمع رکھے۔ اُس کی حدود کسی صحیح و قوی ملک کی سی نہیں ہیں۔ بڑے بڑے مسائل عصر تقریروں اور غلبۂ آرا سے طے نہیں ہوا کرتے بلکہ ان کا فیصلہ خون اور تلوار سے ہوتا ہے"۔ ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۰ء کے تجربوں کے بعد کسی صاحب نظر کا جو بالکل مایوس نہ ہو گیا ہو، اس نتیجے پر پہنچنا بیجا نہ تھا کہ آسٹریہ کے بزور شمشیر مغلوب ہوئے بغیر جرمانیہ میں کسی قابل برداشت نظام حکومت کا قائم ہونا ممکن نہیں اور پروشیہ کو اپنے واجبی حقوق ملنے کا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ یہی یقین بسمارک کے خیالات کی کلید تھا مگر اس کے اسباب اور اپنے مقصد کو وہ پروشیہ کے قائم مقاموں کے ذہن نشین نہ کر سکا۔ لوگ اسے محض پرانی وضع کا بدخواہ مستبد سمجھتے رہے۔ اس کی ذاتی خصوصیات، بد دماغی، طعن گوئی اور دریدہ دہنی کی عادت سے لوگ اور بھی بگڑتے اور بھڑکتے تھے۔ اسی طرح رُونؔ بھی ایک قومی مجلس کے ماحول سے کچھ مناسبت نہ رکھتا تھا۔ پس ہر مرتبہ جب یہ وزیر اہل مجلس سے دوبدو ہوئے، باہمی مخاصمت میں زیادتی اور مصالحت دشوار تر ہو گئی۔ پھر جس وقت دارالمبعوثین نے فوج کی جدید تنظیم کے مصارف کی دفعہ سرکاری موازنے سے خارج کر دی، اور شعبۂ اعلیٰ نے اس دفعہ کو

باب (۵) پھر داخل کر کے سرکاری تجاویز کو بجنسہ منظور کر دیا تو پروشیہ میں سرے سے نیابتی حکومت کا اصول ہی معرض خطر میں نظر آنے لگا کیونکہ آئین کے ضوابط کی رو سے مجلس اعلیٰ کو محاصل کے متعلق صرف اتنا اختیار حاصل تھا کہ جو موازنہ مجلس تحت سے اس کے پاس بھیجا جائے خواہ اسے قبول کر لے خواہ مسترد۔ کسی ترمیم و اضافے کا اسے حق نہ تھا۔ بایں ہمہ بسمارک نے یہ نئی بات نکالی کہ جب مجلس کے شعبوں میں اختلاف رائے ہو تو اس کے واسطے آئین میں کوئی قاعدہ نہیں مقرر کیا گیا ہے لہٰذا ایسی صورت میں بادشاہ کو مثل سابق اپنی شخصی رائے سے کام کرنے کا حق رہیگا۔ دونوں شعبوں میں کسی قسم کی گفتگو یا مصالحت بھی اس کے نزدیک ضروری نہ تھی۔ وہ حکم منوانے اور بغیر موازنے کے محاصل عائد کر لینے پر تلا ہوا تھا اور بادشاہ سے اجازت لے لی تھی کہ مجلس اعلیٰ کی رائے حاصل کرتے ہی اجلاس کو ختم کر دے۔ یہ حکم مجلس مبعوثین تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ اس کے میر مجلس نے اپنے ارکان کو جمع کیا اور انھوں نے مجلس اعلیٰ کی کارروائی کو بالاتفاق ناجائز اور کالعدم قرار دیا۔ انہی ہنگاموں میں جو ایک طرف بادشاہ، وزرا اور مجلس اعلیٰ اور دوسری طرف مجلس ادنیٰ کی کشمکش سے پیدا ہوئے ۱۸۶۲ء کا اجلاس ختم ہوا[1] تو

شاہ ولیم

مبعوثین اپنے اپنے حلقوں میں واپس آئے تو جوش منافرت سے بھرے ہوئے تھے اور عوام نے بھی ان کی تائید و حمایت کے کھلے ہوئے ثبوت دئے۔ نہایت التجا کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں معروضے بھیجے گئے مگر اسے اپنے وزیر پر جو اعتماد تھا، اس میں خفیف سی کمی بھی نہ آئی اور نہ اس کے اس پختہ ارادے میں کوئی فرق آسکا کہ فوجی اصلاح کی تجاویز پر آخر تک عمل کیا جائے۔ پروشیہ کی فوجی تنظیم کے معاملہ میں مبعوثین کی مداخلت ہی اسے سب سے زیادہ گراں گزرتی تھی۔ اس لئے صاف کہہ دیا کہ میرے

---

[1] Hahn: "Furst Bismar," I., 66 ۔ یہ کتاب مختلف تحریروں تقریروں اور خطوں کا مجموعہ ہے جس میں نہ صرف بسمارک کی تحریریں اور تقریریں شامل ہیں بلکہ ہر اہم مسئلے کے متعلق جن میں بسمارک کا تعلق تھا، انھیں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور جرمنوں کے نقطۂ نظر سے یہ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۸۵ء تک کے زمانے کے ماخذوں کا غالباً سب سے باوقعت مجموعہ ہے؛

حریف چاہتے ہی یہ ہیں کہ شاہی فوج کی بجائے مجلسی فوج تیار کر دیں۔ اس کی بالکل سچی رائے یہ ہوگئی کہ ۱۸۴۸ء کے ہنگامے عنقریب دوبارہ بپا ہونے والے ہیں۔ ایک باوقعت انجمن کے سرخیل سے اس نے کہا کہ "تم بادشاہ اور قومی مبعوثوں کے تصادم کا رنج کرتے ہو۔ کیا مجھے یہ رنج نہیں ہے؟ ایک رات بھی ایسی نہیں گزرتی جس میں آرام سے سویا ہوں" بادشاہ کی اس تشویش و ملال میں پروشیہ کے تمام ہوا خواہ جرمانیہ بھر میں اس سے ہمدردی رکھتے تھے۔ پروشیہ کے دشمنوں کو یہ دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ طبقۂ وسطیٰ کے آزاد خیالوں سے کشمکش کے وقت، بسمارک اشتراکی سرگروہوں اور ان کے اخباروں سے میل کرنے میں بھی نہیں جھجکتا۔ بہر حال ۱۸۶۳ء

کشمکش کا تسلسل ۱۸۶۳ء میں

کے آغاز میں جب مجلس دوبارہ منعقد ہوئی تو یہ کشمکش پہلے سے بھی زیادہ حرارت سے جاری رہی۔ مجلس ادنیٰ نے بہ غلبۂ آرا بادشاہ کے نام ایک عرضداشت مرتب کی۔ جس میں اہل پروشیہ کی اپنے بادشاہ سے اظہار وفاداری کے ساتھ، وزیروں کو آئین کی خلاف ورزی کا مجرم گردانا تھا اور ان کی برطرفی کا مطالبہ کیا گیا تھا مگر بادشاہ نے اُس وفد سے جو عرضداشت پیش کرنے والا تھا، ملاقات کرنے ہی سے انکار کر دیا اور جس تحریر میں یہ جواب لکھکر بھیجا اسی میں مجلس کی غلطیوں اور حد سے بڑھ چلنے پر خوب چشم نمائی کی۔ اب فوجی تجاویز پھر پیش ہوئیں، مگر بے سود۔ کیونکہ مجلس نے فوج کے معمولی مصارف سالانہ تو منظور کئے لیکن تنظیم جدید کے اخراجات کو پھر کاٹ دیا، اور کہہ دیا کہ یہ خرچ اٹھایا تو وزرا ذاتی طور پر اس کے جوابدہ ہوں گے۔ اب مجلس وزرا کے کسی ممتاز رُکن کا دار المبعوثین میں آنا گویا توتو میں میں اور سخت سست کہنے کا اشارہ ہوگیا۔ دونوں طرف سے مباحثے کے شریفانہ آداب کا لحاظ اٹھا دیا گیا۔ میر مجلس نے بسمارک رُون کی سخت زبانیوں کی کوئی حد مقرر کرنی چاہی اور جب اس کے اختیارات کو نہ مانا گیا تو اجلاس برخاست کر دیا۔ اس پر وزیروں نے اعلان کیا کہ ہم آیندہ ایسی مجلس ہی میں نہ آئیں گے جہاں ہمیں تقریر کی آزادی بھی نہیں دی جاتی۔ اس طرح سارا کاروبار رُک کر رہ گیا۔ اہل مجلس نے پھر بادشاہ سے فریاد کی اور اصرار کیا کہ جبتک موجودہ وزرا عہدوں پر رہینگے، بادشاہ اور اہل ملک میں مصالحت نہ ہو سکے گی تب

باب (۵)

بادشاہ کو بھی پورا غصہ آگیا اور اس نے مجلس کو الزام دیا کہ وہ تمام اختیارات خود دبا لینے کے درپے ہے اور وزیروں کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اِن غاصبانہ ارادوں کو چلنے نہیں دیتے نیز صاف کہہ دیا کہ مجھے اہل پروشیہ کی وفاداری پر اتنا بھروسہ ہے کہ مبعوثین کی ان دھمکیوں سے میں ذرا خوف زدہ نہیں ہو سکتا۔ اس جواب کے ساتھ مجلس معطل کر دی گئی۔ (۲۶ مئی) مجلس کی برطرفی بیکار سے بھی بدتر ہوتی کیونکہ رائے عامہ کی جو کیفیت تھی اس کی وجہ سے نئے انتخاب کی صورت میں فریق اختلاف کا سارے ملک میں کامیاب ہونا۔ قریب قریب یقینی تھا۔ مجلس کی تھوڑی دیر کے لئے زباں بندی کر لینے کے بعد، بسمارک کو اپنی جگہ پر جمے رہ کر، مطلق العنان قوت سے

اخباروں کے خلاف قوانین

اخباروں کی روک تھام کرنا اور باقی رہ گیا۔ آئین میں اجازت تھی کہ مجلس کی عدم موجودگی کے زمانے میں بادشاہ بوقت ضرورت ایسے احکام نافذ کر سکتا ہے جو قانون کی مثل واجب التعمیل ہوں۔

پس مجلس کو بند ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک فرمان شاہی شائع ہوا جس میں حکام کو اختیار دیا گیا تھا کہ بغیر عدالت میں مقدمہ چلائے، صرف دو دفعہ کی تنبیہ کے بعد جس اخبار کو چاہیں بند کر سکتے ہیں۔ پروشیہ میں خالص استبداد کے یہ طریقے دوبارہ جاری کر لئے ہے، لوگوں میں بڑا شور مچا اور ہر طرف سے لعن طعن کی بوچھار ہوئی۔ لیکن کوئی دھمکی اور کوئی التجا بادشاہ یا وزیر کو اپنے طرز عمل سے باز نہ رکھ سکی۔ اخباروں کی پوری طرح زباں بندی کر دی گئی۔ لیکن اب پروشیہ کے مستقبل سے ہر جگہ ایسی بے اعتباری اور ناامیدی ہوئی اور تمام حلقوں میں جن تک آزاد خیالی کے اثرات سرایت کر گئے تھے وزیر سے اتنی شدید عداوت پیدا ہو گئی کہ خود شہزادہ ولی عہد کو ایسے سخت طرز عمل کے خلاف فریاد کرنی پڑی جس سے خود اس کے آئندہ بادشاہی مصالح میں خلل آنے کا اندیشہ تھا۔ مگر اس کے کہنے سننے کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا اور اس نے جب علانیہ حکومت کی کارروائی سے اپنی ناخوشی ظاہر کی تو بادشاہ و وزیر کی نظر میں یہ ایسی خطا تھی کہ اسے انھوں نے کبھی معاف نہ کیا۔

برلین میں معاملات کو یہ رنگ اختیار کرتے دیکھ کر پروشیہ کے تمام ہی خواہوں

آسٹریہ ۱۸۵۹ء کے بعد سے

کو اس لئے اور بھی زیادہ رنج و تاسف ہوا کہ ٹھیک اسی زمانے

میں قرائن کہہ رہے تھے کہ خود سلطنت آسٹریہ کے مغربی حصوں میں آئینی حکومت کامیابی کے ساتھ قائم ہو جائے گی ۱۸۴۸ء کی ہلچل نے آسٹریہ میں مرکزی حکومت کو اہل فوج کے قبضے میں پہنچا دیا تھا اور وہ دس برس تک بالکل مطلق العنانی سے حکمرانی کرتے رہے۔ مگر اس مدت کے اخیر میں معاملات کی نوبت یہ پہنچی کہ ایک ہی معرکہ آرائی میں جس میں ایک بڑی لڑائی ہوئی، آسٹریہ اس طرح بے دم ہو کے رہ گئی کہ نہ ہاتھ ہلا سکتی تھی نہ پاؤں۔ حالانکہ اس وقت بھی بڑا بھاری لشکر اور جنگی قلعوں کا غیر منقطع سلسلہ اس کے قبضے میں تھا۔ آسٹریہ کی زبوں حالی کا ثبوت سول فرینو کی شکست یا لمبارڈی کا ہاتھ سے نکل جانا نہ تھا بلکہ یہ واقعہ کہ جس وقت عہد نامہ زیورک کو اٹھا کے پھینک دیا گیا اور نپولین ثالث کے ولافرانکا کے عہد و پیمان کے صریحاً خلاف، اطالیہ، وکٹر امانوئیل کے ماتحت متحد ہو گئی، تو اس وقت سلطنت آسٹریہ یہ سب کچھ دیکھتی رہی اور کچھ نہ کر سکی۔ اس کے دوبارہ تلوار کھینچنے یا پاپا کی دنیاوی حکومت یا اپنے ٹسکنی اور موڈنا کے باج گزار رئیسوں کی حمایت میں ایک دفعہ بھی بندوق چلانے میں، خود سلطنت آسٹریہ کے فنا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ملک میں کچھ دم ہی باقی نہ تھا۔ ہر وقت یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ کہیں ہنگری میں بغاوت نہ برپا ہو جائے جہاں سے ہزاروں سپاہی اطالیہ کے لشکر میں پہنچ کر آسٹریہ کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ اس حالت میں ناگزیر تھا کہ باہر والوں سے جس طرح ممکن ہو صلح و امن قائم رکھا جائے۔ خود گھر کے اندر بھی وہ ہمہ گیر مرکزی استبداد اب زیادہ عرصے نہ چل سکتا تھا خواہ اس کی جگہ کیسا ہی نظام حکومت اختیار کرنا پڑے۔ اس موقع پر یہ قدرتی بات تھی کہ بادشاہ آسٹریہ اول اول ان حقوق کی وسعت کا جو رعایا کو دینے تھے، پوری طرح اندازہ نہ کر سکے۔ اس لئے قصد کر لیا کہ ۱۸۶۰ء میں شوارزن برگ نے صوبہ دار مجالس بنانے کا جو وعدہ کیا تھا، اسے ایفا کرے اور وی آنا میں ساری سلطنت کی ایک بزم شوریٰ "ریش رات"، بنائی جائے جس کا ایک حصہ مجالس صوبہ کے وکلا پر مشتمل ہو اور یہ بزم شوریٰ مداخل و مصارف کے معاملات میں گو عملی اقتدار نہ رکھتی ہو لیکن حکومت کو مشورہ دیتی رہے۔ مگر خزانے کی ضروریات ایسی فوری پیش آ گئی تھیں کہ صوبوں میں مجالس بننے کا انتظار بھی بادشاہ کو گراں ہوا اور اس لئے بلا تاخیر مرکزی بزم شوریٰ کی

باب ۱۵ تاسیس اور اس کے ارکان کو نامزد کرنا شروع کر دیا (مارچ ۱۸۶۰ء) کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ہنگری کے جو ارکان نامزد کیے گئے ہیں وہ اسوقت تک کبھی وی آنا آنے پر رضامند نہ ہونگے جب تک کہ ہنگری کی آزادی کے متعلق کچھ اور ضمانت نہ فراہم کر دی جائے۔ پس بادشاہ نے اقرار کیا کہ ہنگری کے قدیم پنچائتوں کو، جنھوں نے ۱۸۴۸ء سے قبل وہاں کی تاریخ میں بہت کچھ حصہ لیا تھا، دوبارہ قائم کر دیا جائے گا اور ہنگری کی مجلس ملکی کو بحال کرنے کی بھی کارروائی کی جائے گی۔ اس وعدے کے ساتھ ایک فرمان شاہی کی جو پروٹسٹنٹوں کے حق میں مفید تھا، تنسیخ عمل میں آئی جس سے مصالحت کا راستہ کھل گیا اور ہنگری کے نامزد شدہ ارکان بزم شوریٰ میں شریک ہو گئے گو اس وقت بھی انھوں نے یہ اعتراض قائم رکھا کہ موجودہ انتظام صرف اس شرط پر قبول کیا گیا ہے کہ وہ ان کے ملک کی پوری آزادی بحال کیے جانے کا پیش خیمہ ہوگا۔ بزم شوریٰ ۱۸۶۰ء کی گرمیوں تک اجلاس کرتی رہی۔ اس کے فرائض مالیات سے متعلق تھے۔ لیکن آسٹریہ میں مالی توازن، لوگوں کے اعتماد اور سیاسی استحکام کے بغیر قائم نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس بزم شوریٰ کی آخری نشستوں میں نہایت وسیع آئینی مسائل پر بھی گفتگو چھڑ گئی۔ کثرت تعداد غیر جرمن ارکان کی تھی اور ہر چند سابقہ استبداد کو برا کہنے میں سب گروہ متفق تھے، مگر مختلف جماعتوں نے اپنے اپنے اصول سیاسی کا اظہار کیا تو اس میں ان کی باہمی مخالفت آشکارا ہو گئی جو آیندہ سے سلطنت آسٹریہ کے جرمن آزاد خیالوں اور مختلف وطن پرست فرقوں یا آزادی ولایات کے حامیوں میں باقی نہ رہنے والی تھی۔ مگیاروں نے اپنے شدید ترین دشمنوں کے ہمنوا ہو کر صاف کہہ دیا کہ خاندان ہیپس برگ کے ماتحت مختلف ولایات ممالک کو پھر آزادی ملنی چاہیے کہ وہ جیسے چاہیں قوانین بنائیں اور نظم و نسق رکھیں۔ اور ہر ولایت اپنی اپنی تاریخی خصوصیات محفوظ و سلامت رکھے۔ جرمن ارکان کی قلیل تعداد حجت کرتی تھی کہ نہیں، خود بادشاہ اپنی رعایا کو اس قسم کے آئین عطا کرے جو حکومت خود اختیاری کے حق پر مبنی اور اتحاد سلطنت کے ضامن ہوں اور اس کی مرکزی قوت کو قائم رکھیں۔ آئینی طرز حکومت اور مقامی آزادی کے معاملے میں خواہ اس کی کوئی صورت ہو، سب فریقوں کا

ہنگری

مرکزیت پسند اور آزادی ولایات کے حامی

باب ۵

اتفاق تھا۔ لیکن مگیار اور ان کے مویدین تو قومی خود مختاری سے کم پر کسی طرح رضامند نہ تھے اور جرمن ارکان زیادہ سے زیادہ ہر صوبے میں یکساں طرز کی حکومت خود اختیاری دیئے جانے کو قبول کرتے تھے جو تمام سلطنت کے قائم مقاموں کی ایک مرکزی مجلس کے پوری طرح ماتحت ہو اور یہی مرکزی جماعت ساری سلطنت کے واسطے قوانین وضع کرے۔ ان اختلافات میں بادشاہ نے لامحالہ بین بین فیصلہ کیا۔ ۲۰ اکتوبر کو ایک "شاہی سند" شائع ہوی جس میں ہنگری کو اس کا قدیمی آئین بحال کرنے کا، اور دوسری ولایتوں کو وضع قوانین کے وسیع اختیارات دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ سلطنت کے مشترکہ معاملات طے کرنے کی غرض سے ایک بادشاہی بزم شوریٰ قائم کرنے کی تجویز تھی جس کے غیر ہنگری ارکان کو بہ استثنائے ہنگری تمام سلطنت کے واسطے قوانین وضع کرنے کا حق ہو۔

"سند شاہی" مجریہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۰ء

اس قول قرار کے معنی یہ تھے کہ بالآخر مگیاروں نے اپنے بادشاہ پر فتح پائی۔ ساتھ ہی حب وطن کا وہ بے محابا جوش و خروش جو ۱۸۴۹ء کی تباہی کے وقت سے پامال و سرنگوں تھا، شعلۂ آتش کی طرح دوبارہ بھڑک اٹھا۔ اضلاع کی پنچائتیں جمع ہوئیں تو ان میں انہی اشخاص کو عہدے دیئے گئے جو ۱۸۴۹ء میں سزائے قتل کے مستوجب قرار پائے اور جلاوطنی میں زندگی گزار رہے تھے۔ سب عدالتیں جو اس وقت قائم تھیں اڑا دی گئیں، سرکاری محاصل دینے سے انکار کر دیا گیا اور ۱۸۴۸ء کے آئین کے دوبارہ نافذ ہو جانے کی منادی کی گئی۔ بادشاہ کو بظاہر فکر تھا کہ جس طرح ہو سکے جنگ و آویزش سے بچے اور ہنگری اور دوسری ولایات میں لوگوں کو اپنے مواعید اصلاح کی صداقت کا یقین دلا دے کیونکہ اکتوبر کی سند شاہی کے بعد ہی صوبوں کی جدید تنظیم کے جو قواعد و ضوابط شائع ہوئے، ان سے لوگوں کو بادشاہ کے خلوص کی طرف سے کچھ شبہ پیدا ہو گیا تھا اب اس نے اپنے ہنگری کے مشیروں کے ایما سے، وزیر اعظم کو علیحدہ کر کے شمیرلینگ کو پھر مقرر کیا جو ۱۸۴۸ء میں فرینک فرٹ کی قومی حکومت کا وزیر اعظم رہا تھا۔ شمیرلینگ نے اپنے پیش رو کے مرتبہ قواعد و ضوابط میں اہم تبدیلیوں کا بلا تامل وعدہ کر لیا لیکن ہنگری

ہنگری، مرکزی بزم شوریٰ سے انحراف کرتی ہے

باب (۵) سے معاملہ کرنے میں وہ ذرا بھی آشتی پذیر ثابت نہ ہوا جیسا کہ ہنگری کے اہل الرائے سمجھے تھے۔ ادھر ہنگری کو اگرچہ آئینی طرز حکومت مل گئی مگر ہر بات جس میں سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح ان کا بھی تعلق ہو، اس میں انھیں مرکزی بزم شوریٰ کے ماتحت رہنے کا خطرہ تھا، لہذا اس سے اُنھوں نے انحراف کیا۔ ادھر بادشاہ اور شمیرلینگ جس مرکزی جماعت کی تجویز سے کسی طرح دست بردار نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ۲۶ فروری ۱۸۶۱ء کے ایک فرمان شاہی سے جہاں صوبوں کے نظام حکومت میں ترمیم و اصلاح کے وعدوں کو پورا کر دیا گیا، وہیں اکتوبر کی بادشاہی سند کی عام تجاویز کی تصدیق و توثیق بھی کی گئی اور صاف طور پر جتا دیا گیا کہ جو آئین اس وقت قائم کیا جا رہا ہے، اس کی بادشاہ پر حملے سے محافظت کریگا۔

ہنگری کی آویزش بادشاہ سے ۱۸۶۱ء

آئندہ اپریل میں سلطنت آسٹریہ کے تمام صوبوں کی مجلسوں کا اور پسٹ میں مملکت ہنگری کی مجلس مبعوثین کا انعقاد ہوا۔ ان مجلسوں کا پہلا فریضہ یہ تھا کہ وہ بادشاہی بزم شوریٰ کے واسطے قائم مقام منتخب کریں جو وی آنا میں مجتمع ہونے والے تھے۔ مگر ہنگری اور کروشیہ دونوں ایسے قائم مقام منتخب کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور دونوں نے دعوی کیا کہ ہمیں اپنے قوانین بنانے میں کامل خود مختاری دی جائے اور اس قسم کی کسی مرکزی حکومت کو، جیسی کہ قائم کرنی تجویز ہوئی تھی، تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے ہنگری کی مجلس کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی کارروائی کے انجام کو سوچ لے۔ لیکن مگیاروں کا قومی جوش پوری طرح برانگیختہ ہو چکا تھا اور ضلعے ضلعے کی پنچایت نے بادشاہ کو جو عرضداشت بھیجی اس میں ایک نے بڑھکر شدت و تند خوئی دکھائی۔ پسٹ کی مجلس ملکی نے اُن آئینی پیچیدگیوں کو پھر تازہ کیا جو فرڈی ننڈ کی تخت سے دست برداری کے متعلق پہلے پیش آئی تھیں۔ اور اعلان کیا کہ ہم فرانسس جوزف کی تخت نشینی ہی کے متعلق اس وقت گفتگو کرینگے جب کہ ہنگری میں علٰحدہ مجلس وزارت قائم کر دی جائے اور کروشیہ اور ٹرین سل وانیہ کے علاقے بدستور سابق نیلز میں ضم کر دئے جائیں۔ شمیرلینگ نے اس کے جواب میں کہا کہ بغاوت کرنے کی وجہ سے ہنگری کے آئینی حقوق سلب ہو گئے اور بادشاہ نے یہ دلیل تسلیم کر کے، اصرار کیا کہ ساری

باب (۵) سلطنت کی مرکزی بزم شوریٰ ضرور قائم کی جائے گی اور فروری کے فرمان میں جو اعلان کئے گئے تھے، اُن میں ترمیم تنسیخ کرنے سے انکار کر دیا اس پر مجلس ہنگری نے زور شور سے ایک طول طویل عرضداشت بادشاہ کو لکھی اور ان تمام قوانین کو ناجائز قرار دیا جو ہنگری کی رائے کے بغیر بنائے گئے تھے اور صاف کہہ دیا کہ فرانسس جوزف نے تخت بادشاہی اور اہل ملک میں مصالحت کو ناممکن بنا دیا ہے۔ تب مجلس ہنگری کو فسخ کر دیا گیا اور قومی جد و جہد کا بیڑا ضلعے کی پنچایتوں نے اٹھایا۔ یہ بھی اپنی نوبت پر جبراً توڑ دی گئیں، اُن کے عہدہ دار برخاست ہوئے اور سارے ملک میں فوجی حکومت قائم کر دی گئی اگرچہ بادشاہ نے اس بات کے صراحتاً اعلان کر دئے کہ فوجی یہ حکومت صرف اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ ملک کے جائز آئین حاضرہ پر امن امان کے ساتھ عملدرآمد ہونے لگے گا اس عرصے میں مرکزی جماعت نائبین کے فرائض و حقوق کی توسیع اور اس کے اعضا کی تعداد میں بیشی ہونے سے وہ پوری مجلس ملک بن گئی اور دی آنا

ریش رات کا اجلاس ہئی ۱۸۶۱ء تا دسمبر ۱۸۶۲ء

میں اس کا اجلاس ہوا۔ ہنگری کے قائم مقاموں کی غیر حاضری نے اس کی حقیقی نوعیت میں ضرور فرق ڈال دیا اور کچھ عرصے تک حکومت، مجلس کے دائرۂ اثر کو وہ لیتا کے اس طرف کی ولایات تک محدود رکھنے پر مائل رہی لیکن جب یقین ہوگیا کہ ہنگری کے ساتھ صلح و اتفاق غیر ممکن ہے تو بادشاہ نے اس حقیقت کو اہل مجلس سے بیان کر دیا اور ہدایت کی کہ وہ اپنے فرائض پوری سلطنت کے ترجمان کی حیثیت سے انجام دیں اور ان لوگوں کی عدم موجودگی کی پروا نہ کریں جو اپنے حقوق سے خود کام لینا نہیں چاہتے غرض پوری سلطنت کا موازنۂ آمد و خرچ مجلس میں پیش کیا گیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت آسٹریہ کے مصارف تنقیح و تنقید کے لئے قوم کے سامنے آئے۔ مجلس کا یہ اجلاس بعض وقفوں سمیت مئی ۱۸۶۱ء سے دسمبر ۱۸۶۲ء تک ہوتا رہا۔ وضع قوانین کا تو اُس نے کچھ قابل ذکر کام نہیں کیا لیکن مجموعی طور پر اس کے تعلقات حکومت کے ساتھ بہت اچھے رہے اور اتنی مدت تک اُس کے مصروف عمل رہنے، اور اس سارے زمانے میں کسی عام ہنگامے یا فساد کے برپا نہ ہونے سے

ف ۵ Samnulung وغیرہ وغیرہ

باب (۵)

سلطنت آسٹریہ کی بگڑی ہوی ساکھ بہت کچھ پھر قائم ہوگئی اور اسی سے اہل جرمانیہ کی نظر میں اس کو خاص توقیر حاصل ہوگئی۔ مجلس کا اجلاس ختم ہوا تو ہر صوبے کی مجلس اپنے اپنے صدر مقام پر منعقد ہوی اور ۱۸۶۱ء کی پوری فصل بہار میں، آسٹریہ کی مختلف قوموں کی باہمی چشمک سے اکثر صدر مقامات میں بڑی گرماگرمی پیدا ہوگئی۔ اگلی گرمیوں میں ریش رات کا جلسہ پھر وی آنا میں منعقد ہوا۔ ہر چند ہنگری ایسی حالت میں رہی جو بغاوت سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی، تاہم آسٹریہ کا مجلسی نظام قوت پکڑتا گیا بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ اس انحراف سے خود ہنگری کو نقصان اور نیابتی طریق حکومت کو الٹا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ کیونکہ رومانیوں اور ٹرین سلوانیہ کے جرمن باشندوں کو مگیاروں سے علحدہ ہونے کا موقع ملا تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس دوسرے اجلاس میں انھوں نے اپنے مبعوث وی آنا بھیجے۔ اس طرح عین اس زمانے میں جب کہ برلن میں حکومت اور اہل ملک کے درمیان عداوت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی اور وزیر کے نام سے بیزاری بڑھ رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ آسٹریہ اپنی قدیم وضع کو ترک کرکے سرعت کے ساتھ آئینی طرز کی حکومتوں میں قابل عزت مقام حاصل کر رہی ہے؛

ریش رات کا دوسرا اجلاس۔ ۱۸۶۳ء

مجلس برلن کی ترقی طلب اکثریت منجملہ اور الزاموں کے بسمارک کو ایک الزام یہ دیتی تھی کہ اس نے پروشیہ کو جرمانیہ اور یورپ دونوں جگہ سب سے بے تعلق بنادیا ہے یہ بات کہ اُسنے اہل جرمانیہ کو اپنی حکومت سے ناراض کرلیا بے شبہ صحیح تھی۔ لیکن یہ اعتراض کہ اُس نے پروشیہ کو سارے یورپ سے الگ کر دیا، درست نہ تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس نے سرکار برلن اور سینٹ پیٹرزبرگ میں ایسا ارتباط قائم کردیا کہ اتالیقی کے وقت سے اب تک موجود نہ تھا۔ اور پروشیہ کی طرف سے زار کے دل میں ایسا حسن ظن اور اعتماد پیدا کر دیا جو آنے والے یادگار سنین میں کسی جنگی اتحاد سے کچھ کم مفید ثابت نہ ہوا۔ واضح ہو کہ جنگ کریمیہ کے بعد سے معلوم ہوتا تھا کہ روس میں نہایت وسیع تبدیلیوں کا دور شروع ہو گیا ہے۔ نکولاس کے آخر زمانے میں ملک کو جیسی شدید مصیبتیں پیش آئیں انسے اہل روس گے اس تنگ دائرے میں جہاں فکر و رائے کا

روس، عہد الکزنڈر ثانی میں

باب ۵

کوئی وجود باقی تھا، وہاں کے غیر متبدل اور ناکارہ نظام استبداد اور گذشتہ تیس برس کی روح فرسا غلامی سے سخت نفرت پیدا ہوگئی۔ بادشاہ سے لیکر ادنیٰ طبقے تک سب تعلیم یافتہ اشخاص سمجھ گئے تھے کہ نہ صرف نظام حکومت بلکہ روسی معاشرت کے سارے نظام کو الٹنا ضروری ہے۔ خیالات میں زور شور سے ہیجان ہو رہا تھا جو عہد انقلاب کی خبر دیا کرتا ہے۔ لیکن یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ نیا نظام کیا ہوگا اور کن ذرائع سے روس میں نئی روح سرایت کرے گی۔ سلطنت میں لائق اہل تدبر کی کمی تھی اور ان سے بھی زیادہ کمی ہوشیار اور کارکن سرکاری ملازموں کی تھی جو دوسرے درجے کی خدمات کو انجام دے سکیں۔ پھر بادشاہ الکزنڈر ثانی گو رعایا کا خیر طلب اور نیک نفس تھا، لیکن معمولی آدمیوں سے بھی بڑھ کر متلون اور غیر مستقل مزاج تھا۔ اس میں نظم و نسق کی بذات خود کوئی قابلیت نہ تھی اور کمزور اتنا تھا کہ جن وزیروں کی حکمت عملی پسند کر لیتا تھا وہ بھی اس کی نگاہ سے اوجھل ہو جانے سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایک ہی سفر یا ملاقات میں، وہ کسی حریف سیاست داں کے بہلائے پھسلائے میں نہ آجائے۔ یورپ کے کسی ملک میں ایسی بدنظمی، متضاد عمل اور حکومت کے منشا اور تدابیر میں وحدت کا فقدان نہ تھا جیسا کہ روس میں، جہاں کہنے کو ساری حکومت شخص واحد کی رائے پر منحصر تھی۔ دراصل اتنی بڑی سلطنت کے مرکز پر جو مختلف اور متباین اثرات پڑتے تھے۔ ان سے دب کر اور پریشان ہوکر، بظاہر الکزنڈر کو مصلحت یہی نظر آتی تھی کہ بعض اوقات وہ حکومت کے ایک ہی شعبے میں بالکل متضاد طرز عمل کے حامیوں کو جمع کر دیتا اور اپنے مشیروں کے ایک گروہ کی تدابیر کو قبول کر لینے کے بعد، ان کے عمل میں لانے کی خدمت دوسرے اور بالکل مخالف گروہ کے سپرد کر دیتا تھا تاکہ ہر دو گروہ میں توازن قائم رہے۔ بایں ہمہ جیسا کہ ہر کمزور آدمی کا قاعدہ ہے، وہ اس بات سے بہت ڈرتا تھا کہ کوئی اس پر کمزوری یا تلون کا الزام لگائے اور نیم مکمل یا متروک مقاصد کے گرد و غبار میں چند کام ایسے بھی تھے جن کے کرنے پر وہ استقلال سے قائم رہا۔ ان میں سب سے بڑا، اور اس کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ زرعی غلاموں Serfs کی آزادی تھی۔

باب ۱۵

زرعی غلاموں کی آزادی
مارچ ۱۸۶۱ء

قرینہ کہتا ہے کہ ان غلاموں کے نکولاس کے زمانے میں آزادی نہ پانے کا سبب ۱۸۴۸ء کی بغاوت و انقلاب تھا۔ آنکہ یہ بادشاہ مدت سے اس اصلاح کی ضرورت کا احساس رکھتا تھا اور ۱۸۴۷ء میں اُس نے ماہرین کی ایک جماعت بھی مقرر کر دی تھی کہ وہ اس کی بہترین عملی تدابیر دریافت کرے۔ لیکن ۱۸۴۸ء کی ہل چل اور پھر ہنگری اور کریمیا کی لڑائیوں نے نکولاس کے باقی ماندہ عہد حکومت میں اس تجویز کو پس پشت ڈال رکھا۔ تاہم، اگر اہل روس کا عام اعتقاد واقعیت پر مبنی مانا جائے، تو دراصل مرنے والے زار ہی نے اپنے جانشینوں کو حکم دیدیا تھا کہ سلطنت بھر میں زرعی غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔ مگر یہ مسئلہ اس قدر وسیع و دشوار تھا کہ الکزنڈر میں اس سے عہدہ برآ ہونے کی بہت کم قابلیت تھی۔ پھر بھی، ۱۸۵۹ء میں اس نے، ماہرین کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ اس مسئلے کی کامل تحقیق و تفتیش کر کے زرعی آزادی کی تجاویز پیش ہوں۔ ماہرین دو سال سے زیادہ عرق ریزی کرتے رہے۔ ان کے مباحثوں میں بہت گرما گرمی بلکہ بعض اوقات شدت آجاتی تھی۔ یہ تو سب جانتے تھے کہ زرعی غلاموں کا قریب یا بعید زمانے میں ضرور خاتمہ ہوگا لیکن ماہرین میں اختلاف رائے، زمین کو مزارعین کی ملکیت میں دینے اور دیہاتی بستی کی تنظیم کے متعلق تھا۔ ممالک یورپ کی تاریخ میں مزارعین کو آزادی دینے کی بے شمار نظیریں موجود تھیں اور بے حساب جزوی اختلافات کے اعتبار سے اس کی تین صورتیں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز تھیں۔ ایک تو یہ کہ ماریا تھریسا نے زرعی غلاموں کو رستگاری دی تو یہ شرط کر لی کہ وہ اپنے مالکوں کی مقررہ مقدار میں مزدوری کرتے رہیںگے اور اس کے معاوضے میں جو اراضی اُن کے قبضے میں ہوں، ان کا لگان، دوامی رہے گا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ پروشیہ کے ارباب اصلاح نے مزدوری کی سب شرطیں اڑا کر اراضی کو مالکان زمین اور مزارعین میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور تیسری یہ کہ نپولین نے ریاست وارسا کے زرعی غلاموں کو آزادی دی تو انھیں تمام سابقہ پابندیوں سے آزاد کر دیا اور زیر کاشت اراضی کے متعلق سب آیندہ قرار دادیں خود اُن کے اور مالکانِ اراضی کے باہمی تصفیے پر چھوڑ دیں۔ اسی مثال کی الکزنڈر اول

باب(۵)

نے روس کی ولایات بالٹک میں بھی پیروی کی تھی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں سے مزارع کے حق میں سب سے بدتر نتائج اس آخری اور آزادانہ تصفیے ہی کی صورت میں پیدا ہوئے۔ پس، گو بہت سے روسی زمینداروں اور جماعت ماہرین میں اُن کے قائم مقاموں نے، تقسیم اراضی کی مخالفت کی اور کہا کہ دیہاتی رعایا کو زمینداروں کے مقابلے میں مالک اراضی بنا دینا زراعت پیشہ طبقے میں انقلاب اور صریح ظلم ہوگا، مگر اعلیٰ عہدہ داروں اور خود زمینداروں میں سے بعض اشخاص ایسے تھے جو استقلال اور کامیابی کے ساتھ مزارعین کی آزادانہ ملکیت کے واسطے لڑے۔ معلوم ہوتا ہے، اس کارِ عظیم میں سب سے زیادہ حصہ وزیر داخلہ لانسکوی کے مددگار نکولاس میلوٹین نے لیا۔ یہی میلوٹین وہ شخص ہے جس نے سینٹ پیٹرزبرگ کے واسطے دو منشور بلدیہ" تیار کیا اور جس کی نسبت زار کو سوئے ظن تھا کہ وہ بےچین طبیعت کا بہت سخت مزاج اصلاح طلب ہے۔ یہ بات روز بروز غیر یقینی ہوتی جاتی تھی کہ وزارت داخلہ کی رائے چلے گی یا زمیندار اُمرا بازی لے جائیں گے۔ لیکن بالآخر، قصر شاہی کی ہدایت سے جماعت ماہرین نے نہ صرف تقسیم اراضی کا اصول تسلیم کرلیا بلکہ مزارعین کو دیہاتی حکومت خود اختیاری کا آئین دینا بھی مان لیا۔ یہ اُمور کہ دینا کا کتنا رقبہ مزارعین کے قبضے میں دیا جائے اور وہ مالک دیہہ کو کیا لگان ادا کریں، ابتداءً باہمی تراضی طرفین پر چھوڑ دیا گیا تھا لیکن جہاں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا وہاں سرکار نے ثالثوں کے ذریعے ان کا تصفیہ خود کیا۔ اور یہ ثالث امرا کی مقامی پنچایتوں میں منتخب کئے جاتے تھے۔ لگان طے ہو جانے کے بعد حکومت اہل دیہہ کو پیشگی رقم ایک مشت دیتی تھی کہ بعد میں انچاس سالانہ اقساط کی شکل میں ادا کرتے رہیں۔ زار نے اس یوکاس (= فرمان) پر، جس نے ڈھائی کروڑ زرعی غلاموں کو آزاد مزارعین بنا دیا اور جو عہد حاضرہ کے وضع قوانین میں سب سے بڑا کارنامہ ہے، ۳ مارچ کو دستخط ہو گئے اور آئندہ چند ہفتوں کے اندر سلطنت رُوس کے ہر گرجا میں اس کو پڑھ کر سنا دیا گیا۔ لیکن رُوس کے نظام حکومت کی اعجوبیت کا تماشا دیکھئے کہ جس مہینے یہ فرمان شاہی شائع ہوا ہے، اسی میں اِس حکم کے بانی مبانی، لانسکوی اور میلوٹین، دونوں اپنے عہدے سے علیحدہ کر دئے گئے۔ زار کو وہم ہو گیا کہ یہ

باب۵ عہدہ دار جنھوں نے جدید قانون بنایا ہے، نفاذ کے وقت اس کے نگران اور مقتدر حاکم نہ رہنے پائیں۔ اصل میں قانون کے آخری مراحل تک زار نے ان کی تائید تو کی مگر اس میں اُسے بہت سی اپنے دل کی بدگمانیوں سے اور اہل دربار، حکام اور صوبہ والوں کے قوی مخالف اثرات سے جد و جہد کرنی پڑی۔ فرمانِ آزادی کی تکمیل کے ساتھ بادشاہ کی تاب مقاومت بھی ختم ہوگئی اور اس فرمان کے عملی نفاذ کا کام اُس نے ان کے حوالے کر دیا جو نئے قانون کے مخالف تھے۔ غرض اس میں ذرا شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر زار بانیانِ اصلاح کی حمایت میں ثابت قدم رہتا اور انھیں اپنے منصوبوں اور اذعان کے مطابق اس کام کو تکمیل تک پہنچا لینے دیتا تو بعض خرابیاں جو اہل روس کو حقوق آزادی دینے کے نیک کام میں باقی رہ گئیں، رہنے نہ پاتیں؎

روس کے تعلیم یافتہ طبقے کو یقین تھا کہ زرعی غلاموں کی آزادی ملک کی تنظیمی اصلاحات عظیمہ کے سلسلے کی صرف پہلی کڑی ہے جن کے ذریعے ہمارا ملک بھی سیاسی اور تمدنی حیثیت سے اپنے مغربی ہمسایوں کے قریب قریب ہم سطح ہو جائیگا۔ لیکن یہ امیدیں پوری نہ ہوئیں۔ روس کے عدالتی نظام کی تجدید و تہذیب میں تو ضرور قابلِ قدر کام ہوا، مگر دوسری اصلاحات کی جیسی توقع تھی، وہ بہت کم عمل میں آئیں۔ ادھر ۱۸۶۳ء کے آغاز میں پولینڈ کی ایک بغاوت نے حکومت کی توجہ اور سرگرمی کو اور سب طرف سے ہٹا لیا اور اہل روس میں حب وطن اور قومی جذبات کا وہ طوفان برپا ہوا کہ مغربی تہذیب کی تمناؤں کی طرح، ملکی اصلاحات کا شوق بھی افسردہ ہو کے رہ گیا۔ پولینڈ کے قومی سرگروہوں کے دل میں اطالیہ کے استقلالِ آزادی کو دیکھ کر ایک مرتبہ پھر آزادیٔ وطن کے بدانجام ولولے پیدا ہو گئے کیونکہ اسی زمانے میں یعنی الکزنڈر کی بادشاہی کے ابتدائی سنین میں تبدیلی کی توقع اور عام طور پر ملک کی حالت مذبذب ہو رہی تھی۔ ۱۸۶۱ء کے شروع ہی سے وارسا پے در پے ہنگاموں کا مرکز بن گیا تھا۔ زار خاص خاص حدود کے اندر آشتی کی حکمت عملی کی طرف مائل رہا اور گو وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ پولینڈ کی علحدہ فوج اور مجلس وضع قوانین، جس سے یہ ملک ۱۸۱۵ء سے ۱۸۳۰ء تک بہرہ مند رہا، دوبارہ

پولینڈ ۱۸۶۱ء و ۱۸۶۲ء

باب (۵)

بحال نہ کی جائے، تاہم وہ آمادہ تھا کہ اندرونی انتظامات میں پولینڈ کو بہت کافی آزادی اور وہاں کی حکومت میں بڑے بڑے عہدے اہل ملک ہی کو دیئے جائیں نیز مجموعی طور پر الحاق کی گرفت کو جو ۱۸۳۱ء کی بغاوت کے بعد سے نکولاس نے سخت کر دی تھی، کسی قدر آسان کر دیا جائے۔ مگر زار کی مراعات سے جن کے ساتھ ساتھ سخت و شدید قوانین بھی نافذ کئے گئے، پولینڈ کے محبانِ وطن کے دعاوی کی ذرا تشفی نہ ہوسکتی تھی۔ ۱۸۶۰ء کی گرمیوں میں الکزنڈر نے اپنے بھائی کونسٹنٹین ٹائن کو والی بنا کر وارسا بھیجا، پولینڈ کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی نظم و نسق کی باگ ایک پول، ویلوپولسکی کے سپرد کی، پولینڈ کے سب اضلاع میں روسی عاملوں کی بجائے وہیں کے باشندوں کو مقرر کیا، اور بلاد و اضلاع کو اپنی مقامی مجلسیں منتخب کرنے کا بھی حق دیا، مگر یہ سب باتیں بے سود ثابت ہوئیں۔ قومی خودمختاری کے مقابلے میں جس کا پولینڈ کے سرگروہ مطالبہ کرتے تھے یہ حقوق ہیچ نظر آئے، اور واقع میں، ہیچ تھے، صورتِ حال روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ امیر کبیر کونسٹنٹین ٹائن کے وارسا میں داخل ہونے کے وقت اس کی جان پر حملہ کیا گیا اور یہ ان مسلسل افعال میں سے صرف ایک فعل تھا، جن سے پولینڈ کی اغراض کو نقصان اور اُن کو تقویت پہنچی جو سینٹ پیٹرزبرگ میں پہلے سے زار کی مصالحانہ کوششوں کو غلط قرار دے رہے تھے۔

آخر روسی حکومت نے وہ کارروائی کی جس نے بغاوت کا قدم تیز کر دیا۔ ۱۸۶۲ء کی فصل خریف میں حکم دیا گیا تھا کہ ہر دو سو نفوس میں سے ایک شخص فوج میں بھرتی کیا جائے۔ اب پائے تخت سے ہدایت کی گئی کہ پولینڈ میں بھرتی کے وقت دیہاتی آبادی کو تو مستثنیٰ کر دیا جائے اور شہروں میں ہر شخص جس کا تعلق سیاسی ہنگاموں سے ظاہر ہو، پکڑ کر فوج میں داخل کر لیا جائے، پورے سیاسی گروہ کے گروہ کی نسبت اس

فوج کی بھرتی اور بغاوت
۱۴؍ جنوری ۱۸۶۳ء

۱۸۶۳ء ظالمانہ فیصلے پر، جہاں تک حکام کی دسترس ہو سکی، ۱۴؍ جنوری کی رات کو عمل ہوا لیکن قبل اس کے کہ بادشاہی خنکاریوں کے غول لوگوں کے گھروں کو گھیریں، اس بات کی افواہ شائع ہو گئی اور چند گھنٹے پہلے اور ۱۴؍ کی رات کو ہزاروں آدمی وارسا اور دوسرے شہروں سے بھاگ کر جنگلوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ وہیں انھوں نے اپنی جنگی جماعتیں

باب ۵ مرتب کیں اور آئندہ چند ہی روز میں ہر جگہ جہاں روسی سپاہیوں کی تعداد تھوڑی یا غفلت میں تھی، قزاقانہ جنگ چھڑ گئی [1]

پولینڈ اور روس

پولینڈ میں قومی جذبات جن طبقوں میں موجزن تھے وہ وہاں کے اشراف یا نام نہاد امرا شہری آبادی، اور مذہبی علماء کے گروہ تھے۔ ان "امرا" کی تعداد ہزاروں لاکھوں کی تھی لیکن مزارعین کہنے کو غلام تو نہ تھے مگر بالکل پامال و زبوں حال تھے اور انھیں قومی معاملات کی طرف کچھ توجہ نہ تھی۔ ان مزارعین کی مدد نہیں تو غیر جانب داری پر حکومت روس خاصی طرح بھروسہ کر سکتی تھی۔ مگر شہروں میں اسے چھٹتے ہی ایک مخفی حکومت کا سامنا کرنا پڑا جس کے احکام نامعلوم ہاتھوں کے ذریعے گشت لگاتے اور جن لوگوں کو وہ قوم فروش یا غدار سمجھ کر سزائے موت کا مستوجب قرار دیتی اُنکے خلاف ان فیصلوں کی بلا رحم و رعایت تعمیل ہو جاتی تھی۔ اس قومی حکومت کی کارروائیاں ایسی غیر معمولی طور پر صیغۂ راز میں رہتی تھیں کہ جب انہی کی وجہ سے زار نے میلوٹین کو تحقیقات کے لئے پولینڈ بھیجا تو وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ مخفی حکومت ضرور سینٹ پیٹرزبرگ کے صدر حکام تک میں اپنے شریک و معین رکھتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ بغاوت چھوٹنے کے بعد بھی روس میں پولینڈ کی تمناؤں کے بعض حامی موجود تھے۔ البتہ جب بغاوت مملکت پولینڈ کی حدود سے آگے بڑھی یعنی وہاں کے باغی امرا نے اسے لتھوآنیہ اور پوڈولیہ تک میں پہنچایا تو اس وقت ساری روسی قوم اس جد و جہد میں ایسے جوش اور انتقامی جذبے کے ساتھ شریک ہو گئی کہ گویا یہ قوم کی مرگ و حیات کا معاملہ ہے۔ پولینڈ کے قوم پرستوں کی اسے مہلک بدنصیبی سمجھئے کہ عہد عظمت و اقبال میں ان کی قومیت کا دائرہ بے حد وسیع رہا اور پولینڈ کے باہر ایسے ملکوں کو بھی وہ اپنے وطن میں داخل کرنے کا دعویٰ کرتے رہے جہاں بڑے زمینداروں کے سوا پولینڈ کی سابقہ حکومت کی کوئی یادگار باقی نہ تھی اور عام باشندے خالص روسی نہ تھے تو نسل و زبان کے اعتبار سے روسیوں میں بالکل مخلوط ہو چکے تھے اور مذہباً بھی کلیسائے یونانی کے متبع تھے جس پر کیتھولک پولینڈ ہمیشہ جور و جبر ہی کرتا رہا۔ نوّے سال سے

---

[1] Raezynski وغیرہ۔

لتھوآنیہ اور سرحدی ولایات زار کی سلطنت میں ضم ہو چکے تھے اور پول زمینداروں کے سواد حقیقت میں پوری طرح روسی بن گئے تھے۔ پس جس وقت ان ولایات کے پول امیروں نے بھی یہ مطالبہ کیا کہ پولینڈ کی سنہ ۱۷۷۲ء کی قدیم حدود بحال کی جائیں اور اسی بنا پر وارسا کی باغی حکومت سے ملکہ زار کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو بادشاہ سے لے کر ادنیٰ کسان تک، ساری روسی قوم کو یہ معلوم ہوا کہ اس لڑائی سے خود ہمارے ملک کی سلامتی وابستہ ہے۔ ساتھ ہی پولینڈ کی قومیت کا، کم سے کم چند نسل تک، خاتمہ یقینی ہو گیا۔ مغربی سلطنتوں نے معاہدۂ ڈی آنا کے ماتحت، پولینڈ کے آئینی حقوق کی طرفداری میں تحریری مداخلت کی اور آسٹریہ نے بھی ایک حد تک تائید کی لیکن اس سے ایک بے نتیجہ جدوجہد میں صرف طوالت پیدا ہو گئی اور روسی مدبر شہزادہ گورٹ شاکوف اپنے ملک میں بے حد مقبول ہوا کہ بغاوت کے ابتدائی اور خطرناک مرحلے میں تو بہت اخلاق سے دول یورپ کے مشوروں پر خاص توجہ کرتا رہا اور بعد میں ان کی مداخلت کو اس نے استقلال سے بلا استثنا رد کر دیا۔ سنہ ۱۸۶۴ء کی فصل ربیع تک باغی پامال یا فنا کر دیئے گئے۔ لیتھوآنیہ کے صوبہ دار جنرل موراولیف نے اپنے صوبے کے فتنہ جو امرا کی سرکوبی کرنے میں ذرا رحم و رعایت نہ کی اور جب تک روس کے دشمنوں کا استیصال نہ ہو گیا، لوگوں کی جان و مال کسی کا لحاظ نہ کیا۔ چنانچہ وارسا کی بجائے لتھوآنیہ ہی کے صدر مقام ولنا میں روسی جبر کے خوفناک کرشمے سب سے زیادہ نظر آئے۔ یہ تو ممکن ہے کہ موراویف کے ہاتھ سے جو لوگ مارے گئے اُن کی تعداد اتنی زیادہ نہ ہو جس قدر کہ عام طور پر گمان کیا جاتا ہے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زر و مال کی ضبطی اور جرمانوں کے پیرائے میں اُس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ اُس طبقے کے اکثر افراد کو، جس کا بغاوت میں سب سے زیادہ تعلق پایا گیا، بالکل تباہ و برباد کر دے۔

زرعی قوانین پولینڈ میں

خود پولینڈ میں زار نے کچھ تامل و تذبذب کے بعد آخر قطعی ارادہ کر لیا کہ کسان کو اس زمین کا جس پر وہ محنت مشقت کرتا ہے مالک بنا کر ساری مملکت کے ایک ایک گھر میں روس کے سچے خیرخواہ مہیا کر لے۔ باغیوں کی حکومت نے آغاز بغاوت کے وقت

باب (۵) اس قسم کے قوانین جاری کرنے کا وعدہ کر کے کسانوں کو موہ لینا چاہا تھا لیکن اس کی التجا پر کسانوں نے اعتنا نہ کی۔ ۱۸۶۳ء کی خریف میں زار نے میلوٹین کو سفر سے جو اُسے حکماً اختیار کرنا پڑا تھا، واپس طلب کیا اور حکم دیا کہ پولینڈ کے معاملات کا خود وہاں جا کر معاینہ کرے اور وہاں کے آئندہ نظم و نسق کی ضروری تدابیر کے متعلق اپنی تحریری رائے پیش کرے۔ میلوٹین کو بعض ایسے اشخاص کی مدد بھی مل گئی جنھوں نے روس کے زرعی غلاموں کو حقِ آزادی دلانے میں اس کے ساتھ بڑے خلوص سے محنت و عرق ریزی کی تھی اور چند ہی ہفتے کے اندر وہ ان قوانین کا مسودہ مرتب کر کے سینٹ پیٹرزبرگ آیا، جن سے امید تھی کہ پولینڈ کے معاملات کا نقشہ بدل جائے گا۔ ایک طرف تو اس نے رائے دی کہ وہ تمام سیاسی آئین بالکل منسوخ کر دئیے جائیں جنھوں نے اب تک پولینڈ کو سلطنت کے دوسرے ممالک سے علیحدہ کر رکھا ہے اور پولینڈ کی سابقہ خود مختاری کا کوئی اثر آثار باقی نہ رہنے دیا جائے۔ اور دوسری طرف سفارش کی کہ مزارعین کو اپنی مقبوضہ اراضی کا بالکل خود مختار مالک بنا دیا جائے کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جس پر سلطنت روس آیندہ بھروسہ کر سکتی ہے شہزادہ گورٹ شاکوف کو اس وقت تک مغربی یورپ کی رائے کا کسی حد تک پاس و لحاظ اور شاید پولینڈ کے طبقۂ اعلیٰ سے کسی قدر ہمدردی تھی کہ وہ ایسے بیباکانہ طرزِ عمل کا مزاحم ہوا لیکن زار نے میلوٹین کا مشورہ مان لیا اور اسے اپنی زرعی تجاویز کو عمل میں لانے کی پوری آزادی دے دی۔

پولینڈ کے نئے زرعی قوانین ۱۸۶۴ء

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں مالکانِ زمین اور مزارعین میں تقسیم اراضی کا کام خود میلوٹین کے عمّال نے انجام دیا اور اس کی صورت ممالکِ روس میں جو طریقے اختیار کئے گئے، اُن سے بالکل مختلف تھی۔ یعنی حکومت کی ساری قوت، امرا کے خلاف اور مزارعین کے موافق صرف کی گئی۔ اگرچہ پولینڈ میں آبادی روس کی نسبت زیادہ گنجان تھی، تاہم یہاں مزارعین کو بالا وسط جاگیری زمین ملی۔ اور مالکانِ زمین کو جو معاوضہ دیا گیا اول تو وہ تمسکات کی صورت میں تھا جن کی قیمت، معاوضہ رقم سے تو اسی وقت آدھی رہ گئی، دوسرے یہ روپیہ صرف مزارعین کے لگان سے بالاقساط وصول نہیں کیا گیا جیسا کہ رُوس میں ہوا تھا بلکہ ایک عام محصولِ اراضی بڑھا کر

وصول کیا گیا جس میں مزارعین اور مالکانِ زمین سبھی آ گئے۔ گویا خود مالکانِ زمین کو اپنے مطلوبہ معاوضے کی رقم کا ایک جزو ادا کرنا پڑا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ امور تنازعہ فیہا کا فیصلہ روس کی طرح امرا کی پنچایتوں کے انتخاب کئے ہوئے ثالثوں کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ سرکاری عمال کے تفویض ہوا۔ پھر یہ کہ روس کی مثل، یہ تقسیم اراضی آخری اور حتمی نہ تھی بلکہ جنگل اور چراگاہوں میں جو امرا کی ملکیت تھیں، مزارعین کو "مشاملات" کے غیر معین حقوق دے دیئے گئے۔ ان حقوق کو جان کر معین نہیں کیا تھا تاکہ بڑے اور چھوٹے زمینداروں میں ہمیشہ جھگڑے کا موقع رہے اور چھوٹے زمیندار حکومت روس کو اپنے مفاد کا محافظ اور خیر خواہ سمجھ کر، برابر اس کا سہارا تکتے رہیں۔ چنانچہ ایک روسی مدبر کا قول تھا کہ "ہم پولینڈ پر، اس کے حقوقِ شاملات کے ذریعے قابض ہیں"[1]

معلوم ہوتا ہے میلوٹین اس تمام قومیت اور مساوات پسندی کے جوش خروش کے باوجود طبیعت کا کمزور اور بیماری سے چڑچڑے مزاج کا آدمی تھا۔ تھوڑے ہی دن بعد مرض فالج نے اُسے اپاہج کر دیا۔ اور آیندہ چھ سال کے اندر یورپ میں جو تغیرات ہوئے ان میں وہ کوئی حصہ نہ لے سکا۔ روس نے باغیوں پر ۱۸۶۳ء میں فتح پا کر پولینڈ کی قومی تہذیب، مذہب اور زبان کے خلاف جو جہاد شروع کیا، اس میں بھی میلوٹین کا کوئی دخل نہ تھا۔ بے شبہ وہ پولینڈ کے نظم ونسق کو روسی رنگ میں رنگنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن قرینہ غالب یہ ہے کہ وہاں کی معاشرت اور خانگی زندگی کو وہ ہاتھ نہ لگاتا اور جمہور مزارعین کی ارادت مندی پر جنھیں زار کی عنایت سے حقوق مالکانہ حاصل ہوئے تھے، بھروسہ کرتا کہ وہ روسی اقتدار کی تقویت کا باعث ہوں گے لیکن ماسکو اور سینٹ پیٹرزبرگ میں ایسے سیاست داں بھی موجود تھے جن کی دانست میں پولینڈ کے کسانوں کا ذلت و مسکنت سے نکل کر آزادی کی ہوا میں آنا ان کے حب قومی کے خوابیدہ جذبے کو بیدار کرنے کا سبب ہو سکتا تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اگر اس وقت روس کو تین لاکھ دشمنوں کا سامنا تھا تو آئندہ کے واسطے میلوٹین

روس اور پولینڈ کی قومیت

[1] Leory-Beaulieu

باب (۵)

ساٹھ لاکھ دشمن تیار کر رہا تھا۔ مستقبل کے اسی خطرے کا امکان تھا اور نیز یہ اندیشہ کہ جہاں قومیت فنا نہیں ہو جاتی وہاں ملک و مال کا لالچ اُن باطنی جذبات کو مستقل طور پر مغلوب نہیں رکھ سکتا جو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے چلے آتے ہیں گو ان کا شعور و احساس نہ ہو۔ کہ حکومتِ روس ایسی تدابیر کے ذریعے پولینڈ کے امرا کے سیاسی استیصال پر آمادہ ہو گئی جن سے خود پولینڈ کی قومیت پر ضرب لگانی مقصود تھی اگرچہ ایسا کرنے میں خدشہ تھا کہ مزارعین کا طبقہ بھی جو حال ہیں زار کا پوری طرح ہوا خواہ بنا لیا گیا ہے، حکومت روس سے برگشتہ ہو جائیگا۔ چنانچہ اصلاح مزارعین کی فیض رساں اور زندگی بخش حکمت عملی کے قدم بقدم روسیوں نے یہ نفرت انگیز طریقہ اختیار کر لیا کہ اہل پولینڈ کی تعلیم و ترقی کے تمام ذرائع، جن کا تعلق ان کی قومی زبان سے ہو مسدود کر دے اور افکار و جذبات، یا اظہار و بیان کی جملہ قومی خصوصیات کو خاص اہتمام سے دبایا اور فنا کیا جس کا منشا یہ تھا کہ آخر کار پولینڈ والے روسی قومیت میں جذب ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ یہ کام روسیوں کی طاقت سے باہر ثابت نہ ہو کیونکہ وہ لاکھوں نفوس جن کی ساری خوش حالی اور آزادی زار کے طفیل حاصل ہوئی ہے ضروری نہیں کہ حکومت روس کی کسی معمولی بد باطنی سے برافروختہ ہو جائیں۔ تاہم اگر اہل روس کی تبلیغ و مساعی میں ایسی افراط پیدا ہوئی، یا مذہبی اختلاف نے ایسے عناد کا رنگ اختیار کیا کہ کسی بعید زمانے میں پھر آزادیٔ پولینڈ کے لئے جدو جہد کا جذبہ وجود میں آگیا تو اس لڑائی کی نوعیت وہ نہ ہو گی جو سنہ ۱۸۳۱ء یا سنہ ۱۸۶۳ء کی کشمکشوں کی نظر آتی ہے اور اہل روس کو دسچولا کے کنارے پہلی مرتبہ، کسی ایک شہر یا گروہ کو نہیں، بلکہ ایک پوری قوم کو مغلوب کرنا پڑیگا۔

دربار سینٹ پیٹرز برگ کا سنہ ۱۸۶۳ء اور سنہ ۱۸۶۴ء میں پولینڈ کے ایسے نازک معاملات میں اُلجھا ہوا رہنا، پروشیہ اور بسمارک کے حق میں کچھ کم اہمیت نہ رکھتا تھا۔ ایک مقتدر ہمسائے کو شکر گزار بنا لینے کا اور اُس ہمسائے کی پریشانیوں نیز اپنی نسبت حُسنِ ظن، دونوں سے فائدہ اٹھانے کا جو یہ موقع ہاتھ آیا تو بسمارک نے اس سے پورا کام لیا۔ پول قوم کو تو وہ ہمیشہ سے یورپ کی جنس فاسد سمجھتا تھا اور سنہ ۱۸۴۸ء میں جرمنوں

برلن اور سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۶۳ء

نے اُن سے جو ہمدردی دکھائی، وہ اس کی نگاہ میں محض لغو فعل تھا۔ جس وقت ۱۸۶۳ء کی بغاوت پھوٹی تو بسمارک نے اپنے ملک کا طرزِ عمل آسٹریہ اور مغربی سلطنتوں کے بالکل خلاف قرار دیا حتیٰ کہ باغیوں کے ایک سرحد سے دوسری سرحد میں جانے کی صورت میں جنگی کارروائی کی ضرورت پیش آئے تو اس کے واسطے روس کے ساتھ باقاعدہ قول قرار بھی کر لیا[1]۔ بغاوت کے پورے زمانے میں اور مغربی سلطنتوں سے سیاسی مناقشوں میں از اول تا آخر زار کو برلن کے اُس ہٹیلے وزیر کی دوستی پر کامل اطمینان رہا اور جب پولینڈ کی بغاوت کے ختم ہوتے وقت اتفاقات نے پروشیہ کے سامنے ملک گیری کا راستہ وا کیا تو بسمارک کو اپنے طرزِ عمل کا یہ انعام ملا کہ روسی حکومت نے اسے من مانی کارروائی کرنے کی اجازت دیدی۔ یہ موقع اس وقت پیش آیا جبکہ شلیس وگ ہولسٹین کے معاملات نے از سرِ نو پیچیدہ صورت اختیار کی۔ ان ریاستوں میں ۱۸۵۲ء کے عہد و پیمان کے بعد چند ہی سال امن کے گزرے تھے کہ فریڈرک ہفتم شاہِ ڈنمارک نے نومبر ۱۸۶۳ء میں وفات پائی اور پھر یہ قضیہ یورپ کے مسائل میں خواہی نخواہی سب سے نمایاں ہو کر خلفشار کا سبب بن گیا۔ اِدھر، اس وقت حکومت پروشیہ کی باگ ایسے مدبر کے ہاتھ میں تھی جو تلا ہوا تھا کہ ان پیچیدگیوں سے اس کے ملک کو جس قدر انتہائی فائدہ پہنچ سکتا ہے اسے حاصل کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اور اپنے ۱۸۴۸ء کے پیش رو حکام کی نسبت بسمارک کی کہیں زیادہ خوش نصیبی یہ، کہ اسے زارِ روس کی طرف سے کوئی وسواس نہ تھا کہ وہ دربارِ ڈنمارک کا حامی اور سرپرست بنکر مداخلت کریگا۔

شلیس وگ ہولسٹین ۱۸۵۲ء تا ۱۸۶۳ء

واضح رہے کہ معاہدۂ لندن سے جس پر ۸ مئی ۱۸۵۲ء کے دن تمام دولِ عظمیٰ اور حکومت پروشیہ کی طرف سے دستخط ثبت ہوئے، یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ مملکت ڈنمارک کی صیانت و سلامتی میں کوئی فرق نہ آنے پائیگا اور اعلان کر دیا گیا تھا کہ بادشاہِ وقت کے تمام

[1] Hahn وغیرہ۔

باب (۵) زیر تسلط علاقے کا وارث گلوکس برگ کا شہزادہ کرسچین ہوگا اسی کے ساتھ ریاست جرمانیہ کے ہولسٹین پر حق اتحاد کی بھی صراحت تھی کہ اس میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔ بلکہ آسٹریہ اور پروشیہ کے اس معاہدے پر دستخط کرنے سے قبل فریڈرک ہفتم نے اقرار کیا تھا کہ صرف ہولسٹین بلکہ شلیس وگ کے ساتھ بھی خاص خاص اصول عمل مرعی رکھے جائینگے۔ ان ریاستوں میں وارث ہونے کا امیر اوگس ٹن برگ کو بھی دعویٰ تھا کہ خاندان شاہی کی نرینہ اولاد میں وہی تھا۔ شاہ ڈنمارک نے اسے تاوان ادا کیا تو وہ اپنے دعوے سے دست بردار ہوگیا۔ لیکن اس کے بیٹے نے اس دست برداری کی تائید نہیں کی نہ خاندان کے دوسرے افراد کی رضامندی حاصل کی گئی اور نہ جرمانیہ کی متحدہ ریاستیں معاہدۂ لندن کی فریق تھیں۔ بایں ہمہ فریڈرک ہفتم نے دول عظمیٰ کے اعلان پر جو تمام مملکت ڈنمارک کی سلامتی کے متعلق کیا گیا تھا، بھروسہ کرکے شلیس وگ کو، اور کسی حد تک ہولسٹین کو بھی اپنے دوسرے اقطاع میں پوری طرح ضم کرنے کی تدبیریں کیں اور گو صوبوں کی مجالس طبقات بحال رہیں لیکن اکتوبر ۱۸۵۵ء میں ساری مملکت ڈنمارک کے واسطے واحد آئینِ حکومت قائم کردیا گیا۔ لوگوں کو اس طریق جور و دست درازی سے سخت شکایتیں پیدا ہوئیں جوان کے بیان کے موافق حکومت کوپن ہیگن نے ان سرحدی اضلاع کی جرمن قومیت کو مٹانے کے لئے اختیار کیا تھا، اور آخر نومبر ۱۸۵۸ء میں ریاست ہائے متحدہ جرمانیہ نے فوجی مداخلت کی دھمکی دی تو فریڈرک ہفتم، ہولسٹین کو نئے آئین کے دائرۂ اثر سے علیحدہ رکھنے پر رضامند ہوگیا مگر اس کے باوجود یہ قضیہ نہ مٹا کیونکہ شلیس وگ کے باشندے اپنے ساتھ کی ریاست سے جدا کئے گئے اور کچھ اس زمانے میں جنگ اطالیہ کی وجہ سے جوش میں آئے، تو انھوں نے اپنی ریاست کے ڈنمارک میں ضم کئے جانے کے خلاف اور بھی شدت سے اعتراض کیا ادھر حکومت نے ہولسٹین کے متعلق بھی آئین کی خلاف ورزی کا یہ الزام اپنے سر لیا کہ وہاں کی مجلس طبقات کی رضامندی کے بغیر موازنۂ آمد و خرچ طے کردیا۔ اس پر جرمانیہ کی مجلس ریاست ہائے متحدہ نے پھر زبردستی کرنے کی دھمکی دی اور ڈنمارک نے بھی جنگ کی تیاریاں کیں۔ ۱۸۶۱ء میں پروشیہ نے شلیس وگ کی

حمایت اپنے ذمہ لی اور حکومت برطانیہ تک جو پہلے جرمن ولایات کے حقوق کی نسبت ڈنمارک کی سلامتی پر کہیں زیادہ التفات کرتی رہی تھی، اب سفارش کرنے لگی کہ ۱۸۵۵ء کے آئین کو منسوخ کر دیا جائے اور ہولسٹین و شلیسوگ دونوں کے واسطے وضع قوانین اور نظم و نسق کا جداگانہ انتظام کیا جائے۔ مگر اہلِ ڈنمارک، شلیسوگ کو اپنی مملکت کا جو غیر منقسم جزو رکھنے پر اڑے ہوئے تھے۔ اور شاہ فریڈرک کے حکام ہولسٹین کو ڈنمارک خاص سے جداگانہ علاقہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہوئے لیکن مُصر تھے کہ شلیسوگ قطعاً اسی واحد آئین حکومت کے تحت میں رکھا جائے اور ہولسٹین مصارف ملکی میں ایک مقررہ حصہ ادا کرے۔ اسی مضمون کا ایک جریدہ شاہ فریڈرک ہفتم نے ۳۰ مارچ ۱۸۶۳ء کو شائع کیا اور جرمانیہ اور ڈنمارک کے درمیان آئندہ جنگ کا قریبی سبب یہی ہوا۔ مجلس فرینک فرٹ نے

۳۰ مارچ ۱۸۶۳ء کا "شاہی جریدہ"

اعلان کیا کہ اگر یہ جریدہ منسوخ نہ کیا گیا تو مجلس، ریاست ہائے متحدہ کی طرف سے سیاست پر آمادہ ہو گی یعنی شاہِ ڈنمارک کے مقابلے میں بہ حیثیت رئیس ہولسٹین ہونے کے، جنگی مداخلت کرے گی۔ اس اعلان کے باوجود، بیرونی امداد کے بھروسہ پر یا مجلس فرینک فرٹ کو محض کمزور جان کر حکومت ڈنمارک اپنا طرز عمل بدلنے سے انکار کرتی رہی اور ۲۹ ستمبر کو اُس نے کوپن ہیگن کی مجلس وضع قوانین میں یہ قانون پیش کر دیا کہ شلیسوگ کو دیگر اقطاع ملک کے ساتھ جدید آئین کے تحت میں شامل کر لیا جائے۔ اس کارروائی نے نامہ و پیام کو ختم کر دیا اور پہلی اکتوبر کو ریاست ہائے جرمانیہ کی مجلس نے فیصلہ دیدیا کہ اتحاد کی جانب سے تعزیری کارروائی عمل میں لائی جائے، جس کی بہت دن سے وہ دھمکی دے رہی تھی۔[1]

فریڈرک ہفتم کی وفات نومبر ۱۸۶۳ء

معاملہ یہیں تک پہنچا تھا اور مجلس فرینک فرٹ کے فیصلے پر عمل ہونے کی نوبت نہ آئی تھی کہ ۱۵ نومبر کو شاہ فریڈرک ہفتم نے وفات پائی کچھ دیر تو ایسا معلوم ہوا کہ ممکن ہے اس کا جانشین، یعنے گلوکس برگ کا شہزادہ کرسچین، اپنے پیش رو کی حکمت عملی کو چھوڑ کر جرمانیہ سے اُلجھنے سے پہلو تہی کرے۔ لیکن ڈنمارک کے باشندے اور وزرا دینے پر آمادہ نہ تھے۔ جدید آئین، فریڈرک کی وفات سے دو دن پہلے مجلس وضع قوانین،

[1] کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۶۴ء وغیرہ۔

باب (۵) میں منظور ہوا تھا اور ۱۸ ر نومبر کو نئے بادشاہ نے بھی اس کی منظوری دیدی۔ اب جرمنوں کے قومی جذبات شلیس وگ ہولسٹین کے مسئلے پر پھر اسی شدت سے مشتعل ہوئے جیسے ۱۸۴۸ء میں ہوئے تھے۔ عام طور پر مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ ان ریاستوں کا ڈنمارک سے تعلق اب ختم سمجھا جائے اور اوگسٹن برگ والے فریڈرک کو ان کا رئیس بنا دیا جائے جو اوگسٹن برگ کے اس امیر کبیر کا بیٹا تھا جس نے اپنے دعوے وراثت سے دست برداری دی، اور قانوناً ان ریاستوں کا وارث ہوتا تھا۔ لیکن مجلس فرینک فرٹ نے فیصلہ کیا کہ جب تک خود اس کی مداخلت عمل میں نہ آجائے وہ ہولسٹین کے دونوں دعویٰ داروں میں سے کسی کے حق فرماں روائی کو تسلیم نہیں کرے گی۔ احکام دیدئے گئے کہ سیکسنی اور ہنوور کی فوج ریاست میں داخل ہو جائے۔ اور گو پروشیہ اور آسٹریہ نے خفیہ طور پر یہ قرار داد کرلی تھی کہ شلیس وگ ہولسٹین کے مسئلے کا تصفیہ ہم دونوں اپنے آپ کرلیں گے اور مجلس فرینک فرٹ کو اس میں کچھ دخل نہ ہوگا۔ لیکن وقت کے وقت لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر ان سربرآوردہ حکومتوں کو محفوظ طریقہ معلوم ہوا کہ مجلس متحدہ کی کارروائی میں رکاوٹ نہ ڈالیں چنانچہ سیکسنی اور ہنوور کی فوج مجلس کے حکم بردار کی حیثیت سے ۱۸۶۳ء کے آخر میں ہولسٹین کے اندر داخل ہوگئی اور ڈنمارک کی حکومت نے اس کی مزاحمت نہ کی ملکہ اپنی سپاہ کو رود آئیڈر کے پار شلیس وگ کے علاقے میں ہٹا لیا۔

مجلس متحدہ کی مداخلت ہولسٹین میں۔ دسمبر ۱۸۶۳ء

اس وقت سے جرمانیہ کی تاریخ، بسمارک کی گہری اور دلیرانہ سیاسی چالوں اور ارادۂ غالب کی تاریخ ہے۔ قوم کا، بجز میدان جنگ میں بہادری دکھانے کے، خود اپنی قسمتوں کے بنانے بگاڑنے میں کوئی دخل باقی نہیں رہتا۔ ۱۸۶۴ء میں جرمن قوم کی خواہش تو یہ تھی کہ شلیس وگ ہولسٹین کو ان کے علاحدہ رئیس کے ماتحت جرمن اتحاد میں، جیسا کچھ بھی اس وقت موجود تھا، داخل کرلیا جائے۔ مگر بسمارک کا منشا یہ تھا کہ ان ریاستوں کو جس حد تک ممکن ہو براہِ راست پروشیہ میں ضم کر کے، اسی ذریعے سے اتحاد جرمانیہ کے تار و پود کو بکھیر دیا جائے اور آسٹریہ کو ممالک جرمانیہ سے بالکل بے دخل

بسمارک کے منصوبے

باب (۶)

کر دیا جائے شلیس وگ ولسٹین کا پروشیہ سے دوسری ہمسایہ ریاستوں کی نسبت کوئی خاص یا قومی تر تعلق نہ تھا پس اس کا ایک مستقل ریاست بنا کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے اسی غول میں شامل کیا جاتا، جن میں آسٹریہ اپنے آلۂ کار اور باج گزار تلاش کر لیتی تھی، بسمارک کی نظر میں ذرا بھی مفید نہ تھا بلکہ جرمانیہ کے حق میں فی الواقع موجب ضرر تھا۔ غرض جرمن قوم جس راستے چلنا چاہتی تھی، بسمارک نے اس سے بالکل مختلف راستہ اختیار کرنے کی ٹھان لی اور پھر بے مثال استقلال اور رہنر مندی سے اہل ملک اور ریاستوں کی ساری مخالفت جھیل کر قوم کو مجبور کر دیا کہ وہ طوعاً و کرہاً اسی راستے پر چلے جسے خود اس نے پسند کیا تھا۔ مناقشے کا پہلا سبب یہ پیش آیا کہ بسمارک نے شاہ کرسچین نہم کے حقوق فرماں روائی کو مملکت ڈنمارک کی طرح ان دونوں ریاستوں میں بھی لظاہر تسلیم کر لیا۔ معاہدۂ لندن کی رو سے حقیقت میں پروشیہ یہ حق تسلیم کرنے کی پابند ہو چکی تھی۔ البتہ جرمانیہ کی مجلس ریاست ہائے متحدہ معاہدے میں کوئی فریق نہ تھی لہذا لوگوں کی سخت شورش کے دباؤ میں آکر اس نے اور چھوٹی ریاستوں نے یکے بعد دیگرے اوگسٹن برگ کے فریڈرگ کو رئیس شلیس وگ ہولسٹین تسلیم کیا۔ پروشیہ کی مجلس ملکی اور جرمانیہ بھر کے ممالک کی آوازِ عام نے بسمارک پر الزام لگایا کہ اس نے جرمن حقوق کو ڈنمارک کے ہاتھ بیچ دیا، پروشیہ کے دولتِ عظمیٰ ہونے کے مرتبے کے خلاف کام کیا اور قوم کے اندر خانہ جنگی کی طرح ڈالی۔ ہر چند بسمارک نے سمجھایا کہ حکومت برلن پر، جرمن حقوق کو شمہ برابر ہاتھ سے دیئے بغیر، معاہدے کی پابندی واجب تھی کہ درحقیقت اسی معاہدے کی بدولت شلیس وگ کے معاملات میں اس کو دخل دینے کا قانونی حق پیدا ہوا ہے اور یہ کہ غیر ذمہ دار جہلا کے انبوہِ کثیر کی نسبت شاہ پروشیہ یقیناً یہ فیصلہ کرنے کا زیادہ اہل ہے کہ جرمن حقوق کی کارگر تدابیر کیا ہونگی، لیکن کسی نے اس کی نہ سنی اور پروشیہ کی مجلس یا فرینک فرٹ کی متحدہ مجلس میں اس کی دلیلیں ایک شخص کو بھی اس کا ہم خیال نہ بنا سکیں مجلس فرینک فرٹ میں ہر دو سرآوردہ حکومتوں کی جانب سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ شاہ کرسچین سے نومبر ۱۸۶۳ کے آئین کو کالعدم کر دینے کا تقاضا کیا اور وہ نہ مانے تو ہولسٹین کی طرح شلیس وگ پر بھی

باب (۵) قبضہ کر لیا جائے۔ مجلس نے اسے مسترد کر دیا کہ اسے قبول کرنے کے معنی یہ ہونے کہ وہ کرسچین کی فرماں روائی کا حق تسلیم کرتی ہے۔ برلن میں مجلس ادنیٰ نے وہ مصارف نامنظور کر دئیے جو بسمارک نے شلیس وگ ہولسٹین میں فوجی کارروائی کرنے کے لئے مانگے تھے۔ اور باضابطہ طے کر لیا کہ ہر تدبیر سے جو مجلس کی قدرت میں ہے بسمارک کی حکمت عملی کی مزاحمت کی جائے۔ لیکن برلن اور فرینک فرٹ دونوں جگہ کی مجلسوں کی مزاحمت فضول تھی۔ بسمارک نے وہ غضب کی چال چلی کہ آسٹریہ جو چند ہی مہینے پہلے اُس پر دانت پیستی تھی، اس کی ڈنمارک والی حکمت عملی میں دل سے شریک و مددگار ہوگئی۔ دربار ویانا کی بسمارک سے ناراضی کا سبب یہ تھا کہ اُس نے فرینک فرٹ میں روسائے جرمانیہ کو مجتمع کر کے ممالک جرمانیہ کی ازسر نو تنظیم کرنی چاہی تو بسمارک نے ان تجویزوں کو خاک میں ملا دیا اور آسٹریہ کے سفیر برلن سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر آسٹریہ نے اپنا سیاسی مرکز پسٹ میں منتقل نہ کیا اور جرمانیہ میں پروشیہ کو آزادیِ عمل نہ دی تو اگلی لڑائی میں جو آسٹریہ کو پیش آئے گی، پروشیہ اس کے دشمنوں کے ساتھ ہوگی[1]۔ بایں ہمہ شلیس وگ ہولسٹین والوں اور اوگسٹن برگ کے مدعی ریاست کی حمایت میں، جرمانیہ کی چھوٹی ریاستوں میں قومی اور جوش انگیز نوعیت کی شورش برپا ہوئی تو بسمارک کو موقع ملا کہ آسٹریہ کی حکومت کے سامنے اس کو ایک انقلابی شورش کی صورت میں پیش کرے اور بڑی عیاری سے ۱۸۴۸ء کے واقعات کی یاد دلا کے شہنشاہ کے مشیروں کو اتنا مرعوب کر دے کہ وہ براہ راست حکمت برلن سے متفق ہو جائیں جو شخصی بادشاہی کی وکیل تھی۔ تاکہ یہ قضیہ جس کی نسبت قرائن

آسٹریہ اور پروشیہ کا اتفاق

[1] ماخوذ از مراسلۂ رِش برگ مورخہ ۲۸ فروری ۱۸۶۳ء (منقول از ہائن جلد اول۔ صفحہ ۸۴) اور بظاہر اس نے ٹھیک وہی الفاظ لکھے ہیں جو بسمارک نے اس سے کہے تھے۔ لیکن خود بسمارک کے بیان (الیضاً ۸۰، ۷) سے لب و لہجہ معتدل ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کہ جرمانیہ میں پروشیہ کے شریک سیادت ہونے کے مسلمہ حقوق میں آسٹریہ کو دست اندازی نہ کرنی چاہیے۔

پیدا ہو گئے تھے کہ انقلابی طریقے اور انقلابی قوتیں اسکو طے کریں گی، شخصی انتظام حکومت کے حامیوں کے ہاتھوں طے ہو جائے۔ غرض آسٹریہ کے وزیر عظیمۂ خارجہ کَونٹ ریشبرگ نے بسمارک کے داؤں میں آکر وہ حکمت عملی اختیار کی کہ بسمارک کے ڈنمارک کی منصوبوں پر جو بتری کیا جا رہا تھا، آسٹریہ اس میں شریک ہو گئی، چھوٹی ریاستوں کو اس سے جو حسن ظن تھا اور جس کی بدولت وہ پروشیہ کو قابو میں رکھ سکتی تھی، وہ بھی غارت ہوا اور اس دول یورپ کی عام جنگ میں پھنسنے کا جوکھوں بھی اس نے مول لیا اور باوجود ان سب باتوں کے مشترکہ مہم کا سارا فائدہ اس کے حریف (پروشیہ) نے اٹھایا اور اس جدوجہد کا ایک حیلہ بھی نکل آیا جس کی بدولت آسٹریہ کو آخرکار جرمانیہ اور اطالیہ میں جو کچھ اس کے پاس رہ گیا تھا، سب سے ہاتھ دھو لینے پڑے۔ لیکن ان مصائب کا، جن میں کَونٹ ریشبرگ تباہی انگیز اور واپس نہ ہونے والا قدم ڈال رہا تھا، شروع میں کوئی گمان تک اسے نہ تھا۔ تمام اہل جرمانیہ کی منشاء اور خود اپنی رعایا کے مطالبات کے علی الرغم جو حکمت عملی انھوں نے اختیار کی تھی، اس میں بہ احوال ظاہر آسٹریہ اور پروشیہ کی حکومتیں دل سے ایک دوسرے کی یار و مددگار تھیں۔ فرینک فرٹ کی مجلس اتحاد کا منشاء کہ ہیٹن سے مطالبہ کرنے یا شلیس وگ پر قبضہ کرنے کی تجویز کو نہ ماننا بے سود بات تھی۔ آسٹریہ اور پروشیہ نے جنگ کی دھمکی کے ساتھ آئین نومبر کو منسوخ کرنے کا آخری مطالبہ کوپن ہیگن میں پیش کر دیا۔ اور حکومت ڈنمارک نے اس کو نامنظور کیا تو ان کی فوجیں شلیس وگ میں داخل ہو گئیں۔ اور یہ داخلہ متحدہ ریاست ہائے جرمانیہ کے حکم بردار دل کی حیثیت سے نہ تھا بلکہ صرف دو آزاد و حلیف سلطنتوں کے حکم سے یکم فروری ۱۸۶۴ء

آسٹریہ اور پروشیہ کی فوجیں شلیس وگ میں، فروری ۱۸۶۴ء

اس لشکر کثیر کے مقابلے میں جس نے اب ان پر حملہ کیا، اہل ڈنمارک کا لڑنا محض بے نتیجہ دلیری تھی۔ ان کا پہلا خط دفاع ڈین ورک پر تھا اور یہ حصار شہر شلیس وگ سے سمندر کی طرف، شرقاً غرباً پھیلا ہوا تھا۔ اس مورچے کے مشرقی سرے پر شہزادہ فریڈرک چارلس کی قیادت میں سپاہ پروشیہ کے دائیں بازو نے

شلیس وگ کے معرکے۔ فروری تا اپریل ۱۸۶۴ء

باب (۵)

حملہ کیا اور پسپا ہوا۔ لیکن عساکر آسٹریہ نے وہ وسطی مورچے چھین لیے کہ مدافعین کی صفیں اُن کی زد میں آجاتی تھیں پس ڈنمارک والے اپنے مستحکم قلعے ڈوپل پر ہٹ آئے جہاں سے اس آبنائے کی نگہبانی ہوتی تھی جو ملک کو جزیرۂ السن سے جدا کرتی ہے۔ یہاں چند ہفتے تک انھوں نے پروشیہ والوں کو روکے رکھا۔ لیکن اس عرصے میں اہل آسٹریہ شمال کی طرف بڑھتے بڑھتے جٹ لینڈ میں داخل ہو گئے۔ آخر ۱۸ اپریل کو کئی گھنٹے کی سخت گولہ باری کے بعد ڈوپل کے مورچے یورش کر کے لے لئے گئے اور مدافعین کو آبنائے اُتر کے السن میں پسپا ہونا پڑا۔ پروشوی حملہ آور اس تنگ قطعۂ آب کو عبور کر کے دشمن کا تعاقب نہ کر سکے لہذا اپنے اتحادیوں سے جٹ لینڈ میں جا ملے اور لوم فیورڈ تک ڈنمارک کی ساری مملکت پر قابض ہو گئے۔ جنگ ختم ہونے سے قبل، غیر جانبدار سلطنتوں نے باہمی گفتگو سے تصفیہ کرنے کی بھی کوشش کی ۲۰ اپریل کو لندن میں مجلس مشاورۃ منعقد ہوی اور تین ہفتے کے نامہ وپیام کے بعد فریقین ہنگامی صلح کر لینے پر رضامند ہو گئے۔ چونکہ ریاستہاے متحدہ کی فوجیں، گو انھوں نے لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا، ہولسٹین پر قابض تھیں، لہذا مجلس کی جماعت عاملہ کو بھی مشاورۃ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس نے اپنی طرف سے سیکسنی کے وزیر اعظم کاؤنٹ بیوسٹ کو، جو آیندہ بہت کچھ ناموری پانے والا تھا، وکیل مقرر کیا۔ لیکن پروشیہ اور آسٹریہ کی سیاسی موافقت کی وجہ سے، درحقیقت جرمانیہ کی چھوٹی ریاستوں کی رائے کا کوئی خاص دخل نہ ہو سکتا تھا اور ممالک یورپ کے ارباب بست وکشاد کی باعظمت محفل میں کاؤنٹ بیوسٹ کی یہ ابتدائی شرکت، بجز اُس اثر کے جو خود اُس کے مستقبل پر پڑا، اور کوئی نتیجہ نہ پیدا کر سکی[1]۔

اہل مشاورۃ کے سامنے پہلی تجویز وہ تھی جو پروشیہ کے ایلچی برنس ٹورف نے پیش کی۔ اس کا منشا یہ تھا کہ شلیس وگ ہولسٹین کو کامل آزادی دیدی جائے

اور یہ مسئلہ کہ نئی ریاست کا فرمان روا شاہ کرسچین ہو یا اور کوئی امیر، آیندہ تصفیے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اس کا جواب	مشاورۃ لندن اپریل ۱۸۶۴ء

[1] بی اور ایف سرکاری کاغذات ۱۸۶۳ء وغیرہ۔

باب (۵)

ڈنمارک کے وکیلوں نے یہ دیا کہ اگران ریاستوں کی حکومت شخصی طور پر بادشاہ ڈنمارک سے مخصوص کر دی جائے تو بھی ہم ان کی کامل آزادی کو قبول نہیں کرینگے۔ یہ انکار سن کر پروشیہ اور آسٹریہ نے اپنے مطالبات میں اور بھی اضافہ کیا اور صاف کہہ دیا کہ ۱۸۵۲ء کے معاہدۂ لندن سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں، جنگ نے اُن کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب شلیس وگ ہولسٹین کو ڈنمارک سے بالکل جدا کر کے واحد ریاست کی صورت میں اوگسٹین برگ کو فریڈرک کے حوالے کیا جائے جو اہل جرمانیہ کی نظر میں وراثت کا سب سے قوی دعوی رکھتا ہے۔ لارڈ رسل نے یہ بات تو نہ مانی کہ ڈنمارک کے کسی فعل یا غلط روی کی وجہ سے آسٹریہ اور پروشیہ کو آزادی مل گئی کہ وہ اس عہد وپیمان کی پروا نہ کریں جو معاہدہ لندن کے ذریعے انھوں نے دوسری سلطنتوں سے کئے تھے۔ تاہم اسے اعتراف تھا کہ شلیس وگ اور ہولسٹین کے ڈنمارک کے قبضے میں رہے چلے جانے سے کوئی قابل اطمینان نتیجہ برآمد ہونے کی امید نہیں لہذا اس کی دانست میں مناسب تھا کہ شاہ کرسچین، ہولسٹین سے اور شلیس وگ کے جنوبی ٹکڑے سے قطعاً دست بردار ہو کر باقی اضلاع پر کامل تسلط قائم رکھے۔ اور اس کی تجویز تھی کہ سرحد ڈنمارک رود شلئے ای کو قرار دیا جائے۔ اس تقسیم کو اصولاً ڈنمارک اور جرمانیہ کی دونوں حکومتوں نے قبول بھی کر لیا لیکن سرحد کے مسئلے پر وہ باہم رضامند نہ ہو سکے۔ برنس تورف نے شروع میں ساری شلیس وگ مانگی تھی مگر اب اپنے مطالبے کو کم کر کے اُس خط سرحد کو قبول کرنے پر آمادہ تھا جو فلینس برگ کے مغرب سے کھینچا جائے کہ کم سے کم نصف صوبہ ڈنمارک کے قبضے میں رہے جس کے اندر ڈوپل کا عمدہ جنگی مقام بھی آجاتا تھا۔ یہ شرطیں جو ڈنمارک کے سامنے پیش کی گئیں، کچھ بُری نہ تھیں کیونکہ ہولسٹین کو قبضے میں رکھنے کی تو نہ اسے توقع تھی اور نہ شاید آرزو ہو سکتی تھی۔ رہا شلیس وگ کا وہ علاقہ جو مذکورہ بالا فیصلے کی رُو سے اُسے چھوڑنا پڑتا، تو اس میں بھی دو چار ہی تعلقے ایسے ہونگے جو صحیح معنی میں جرمن علاقہ نہ ہوں۔ بایں ہمہ کوپن ہیگن کی حکومت مجلس شاورۃ میں انگلستان وروس کو اپنا حامی و مددگار دیکھکر دھوکے میں آگئی حالانکہ یہ تائید صرف زبانی جمع خرچ تھا۔ اور اُس نے قریۂ شلیس وگ کے آگے شمال کا کوئی قطعہ بھی

باب ۱۵

دینے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ لارڈ رسل نے بہ درجۂ مجبوری یہ تجویز کی کہ سرحد کا فیصلہ ثالثی کے ذریعے کیا جائے، تو پھر بھی حکومت ڈنمارک اپنے انکار پر اڑی رہی اور چند میل کی قطعۂ زمین کی خاطر دوبارہ اس جنگ کی آگ میں کود پڑی کہ جس کا نتیجہ یا تو یہ ہوتا کہ سارے یورپ میں دُور دُور تک لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھتے اور یا ڈنمارک کی تباہی یقینی تھی۔ چنانچہ جس امداد کی انھیں توقع تھی وہ میسر نہ ہوئی

جنگ کا دوبارہ جاری ہونا۔ ۲۶ر جون

جزیرۂ آلسن میں جرمنوں نے حملہ کر کے انھیں سخت شکست دی اور جرمن جھنڈا ان کے ملک کے شمالی سرے تک پہنچ گیا تو انھیں چار و ناچار دشمن کی پیش کردہ شرطیں قبول کرنی پڑیں۔

پہلی اگست کو مبادیات پر دستخط ہو گئے تو لڑائی رُکی اور ۳۰ر اکتوبر ۱۸۶۴ء کو

معاہدۂ وی آنا ۳۰ اکتوبر ۱۸۶۴ء

معاہدۂ وی آنا کی رُو سے شاہ کرسچین نے شلیس وگ و ہولسٹین کے پورے علاقے کا حق بادشاہی مشترکہ طور پر آسٹریہ اور پروشیہ کے بادشاہوں کے حوالے کر دیا اور عہد کیا کہ ان ریاستوں کے واسطے وہ جو کچھ انتظام کرینگے، اسے تسلیم کر لیگا۔

اس تمام کشمکش کے دوران میں حکومت برطانیہ کا طرزِ عمل نہایت لغو رہا کہ کبھی تو وہ جرمنوں کو دھمکیاں دیتی اور کبھی ڈنمارک سے اس قسم کی باتیں کہتی جن سے

حکومت برطانیہ اور نپولین ثالث

خاصی طرح یہ معنی لئے جا سکتے تھے کہ وہ اہلِ ڈنمارک کو جنگی مدد دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ انگریز وزیروں کی غلطیوں کا کسی حد تک سبب برطانیہ اور نپولین ثالث کے باہمی تعلقات کو سمجھنا چاہیئے کہ اب تک لندن و پیرس دونوں جگہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ جنگ کریمیہ کے حلیف، یورپ کے معاملات میں ابھی تک بعض مشترک اغراض رکھتے ہیں۔ ۱۸۶۳ء میں پولینڈ کی طرفدار بن کر روس سے بازپُرس کرنے میں بھی برطانیہ اور فرانس کی حکومتیں دوش بدوش رہیں، لیکن نپولین ثالث کی ہر ظاہری کارروائی کے پس پردہ کوئی نہ کوئی مبہم یا نیم مرتب ارادہ اپنے خاندان شاہی کی غرض نکالنے یا فرانس کی حدود بڑھانے کا ضرور ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر انگلستان کو سینٹ پیٹرزبرگ میں دول کے سیاسی اتحاد کی خاطر جنگی کارروائی کرنی پڑتی تو وہ ایسی لڑائی میں

باب ۵

الجھ جاتا جس کے سبب سے مقدم مقاصد پولینڈ سے بالکل غیر متعلق ہوتے سنہ ۱۸۶۳ء کے اواخر میں نپولین نے تجویز کی تھی کہ دول یورپ کا ایک اجتماع کیا جائے جو نہ صرف پولینڈ کے معاملات بلکہ یورپ کے دوسرے مسائل کا بھی جو ابھی تک غیر منفصل پڑے تھے، تصفیہ کرے۔ اس تجویز کو برطانوی حکومت نے ماننے سے یک لخت انکار کر دیا اور جب ڈنمارک کی جنگ کے دوران میں لارڈ پامرسٹن مائل ہوا کہ اگر فرانس بھی شریک ہو تو جنگی کارروائی کی جائے تو غالباً نپولین کو اس میں لطف آیا کہ انگلستان نے جو گذشتہ سال اس کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا، اب اس کا بدلہ لینے کا موقع ملا۔ مزید برآں اسے پروشیہ سے امیدیں تھیں کہ خواہ بلجیم میں خواہ رہائن کی طرف، وہ فرانس کی حدود میں توسیع ہونے دیگی۔ غرض لندن کی سلسلہ جنبانی کے جواب میں نپولین نے لکھ بھیجا کہ اہل شلیس وگ ہولسٹن کا مدعا قومیت کے اصول کی تعبیر ہے جسے فرانس دوست رکھتا ہے اور فرانس جن لڑائیوں میں شریک ہو سکتا ہے اُن میں جرمانیہ کے ساتھ لڑنا اُسے سب سے کم پسند ہے؛ اس کے معنی یہ تھے کہ اگر انگلستان، ڈنمارک کی خاطر جنگ کرتا تو اسے میدان میں تنہا داخل ہونا پڑتا۔ اور گو کچھ عرصے کے بعد، جب جنگ ختم ہوئی اور فاتحین مال غنیمت تقسیم کرنے والے تھے، اُس وقت فرانس و برطانیہ کے بیڑے ظاہر میں ملکہ شلیس ورگ کے قریب نقل و حرکت کرنے لگے، لیکن اتحاد کی اس نمائش سے کوئی بھی دھوکے میں نہ آیا، پھر بھلا وہ مستقل مزاج اور باخبر شخص تو کیا دھوکے میں آتا جو برلن میں معاملات کی باگ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ قوت اور صرف قوت سے بسمارک

---

۱ بسمارک کی یادداشت مورخہ ۲۹ جولائی سنہ ۱۸۷۰ء (منقولۂ ہان جلد اول صفحہ ۵۰۶) میں نپولین کے بلجیم کے متعلق ارادوں کا ذکر موجود ہے۔ نپولین کے یہ ارادے اس وقت سے تھے جب کہ خود بسمارک سنہ ۱۸۶۴ء میں پیرس کا سفیر تھا اور اس بیان سے نپولین کی سنہ ۱۸۶۴ء کی حکمت عملی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ پروشیہ کے ساتھ تجارتی معاہدے اور بسمارک سے ذاتی تعلقات نے بھی نپولین کے ارادوں کو تقویت پہنچائی۔ (دیکھو بسمارک کی تقریر اس مسئلے پر مورخہ ۱۲ فروری سنہ ۱۸۸۹ء۔ ہان جلد سوم صفحہ ۵۹۹ء)

باب ۵ دب سکتا تھا۔ یہاں پامرسٹن گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا البتہ لارڈ رسل کو اس نے اجازت دیدی کہ غیظ و غضب کے وہ الفاظ مُنہ سے کہتا رہے جو بیس سال پہلے پامرسٹن کی زبان سے نکلے تھے لیکن ڈنمارک والوں کے سوا، ساری دنیا جانتی تھی کہ کیلیاں اور پنجے ٹوٹ چکے ہیں اور اب شیر برطانیہ کی بیرونی حکمت عملی میں گیدڑ بھبکیوں اور منہ چڑالنے کے سوا کچھ باقی نہیں رہا ہے۔

شروع میں بسمارک کا یہ قصد نہ تھا کہ شلیس وگ ہولسٹن کا فی الواقع پروشیہ سے الحاق کر لے۔ وہ ان ریاستوں کو برائے نام اوگسٹن برگ کے فریڈرک کے حوالے کرنا کافی سمجھتا، بشرطیکہ یہ شہزادہ ان ریاستوں کے تمام برّی اور بحری ذرائع حکومتِ برلن کی تحویل میں دیدے اور اِن ریاستوں کے متعلق وہ شرطیں قبول کرلے جنھیں بسمارک ممالک جرمانیہ کو پروشیہ کی سیادت میں لالنے کے واسطے ناگزیر سمجھتا تھا۔ کیل کی بندرگاہ کو تاڑجانا کہ یہ آیندہ جرمن بیڑے کا قدرتی صدر مقام ہوسکتی ہے۔ کوئی خاص دقتِ نظر کی بات نہ تھی۔ دو سمندروں کے درمیان ایک تنگ خشکی کا قطعہ، خواہ مخواہ سجھاتا تھا کہ ایک نہر کھود کے بالٹک اور بحر شمالی کو ملادیا جائے اور اس قسم کا کام پوری جرمانیہ یا اس کی سربرآوردہ ریاست ہی کے انجام دینے کے لائق ہوسکتا تھا۔ مزید برآں شلیس وگ ہولسٹین، سرحد پر واقع ہونے کی وجہ سے خاص طور پر بیرونی حملوں کی زد میں تھے لہذا ضروری تھا کہ ان کے جنگی مقامات، دفاع کی غرض سے محافظ قوت کے ہاتھ میں ہوں۔ رہی یہ بات کہ پروشیہ نے محض اس خاطر کہ آسٹریہ سے جنگی اتحاد کیا ہو کہ شلیس وگ ہولسٹین کے باشندے اپنے علاقے کی خود حکومت کریں، تو یہ بسمارک کی نظر میں بہت ہی بیہودہ مفروضہ ہوتا۔ اس نے ان ریاستوں کی حمایت کا بیڑا وہاں کے لوگوں کے فائدے کے واسطے نہیں بلکہ جرمانیہ کے فائدے کی خاطر اُٹھایا تھا اور جرمانیہ سے اس کے نزدیک وہ جرمانیہ مراد تھی جس کا مرکز برلن میں اور حکومت خاندان ہوہن زولرن کے ہاتھ میں ہو۔ پس اگر اوگسٹن برگ کا امیرزادہ اِن شرطوں پر حکومت قبول کرنیکے لئے تیار نہ تھا تو اسکو حکومت دینے کی کچھ ضرورت نہ تھی اور اِن ریاستوں کا پروشیہ میں داخل کرلیا جانا لازم تھا۔ ظاہر ہے کہ بسمارک خوب جانتا تھا کہ اِن ریاستو

شلیس وگ ہولسٹین کے متعلق بسمارک کے ارادے

کا بالواسطہ یا بلاواسطہ پروشیہ کے قبضے میں آجانا، آسٹریہ کو بغیر خود کوئی معاوضہ لئے گوارا نہ ہوگا۔ مگر اس سے اپنے طرزِ عمل میں تردّد پیدا ہونے کی بجائے، اُسے شروع سے گویا حیلہ مل گیا کہ سلیشن وگ ہولسٹین کے جھگڑے کی آڑ میں آسٹریہ سے وہ لڑائی نکالے جو آسٹریہ کو جرمانیہ سے خارج کرنے والی تھی۔

ڈنمارک سے معاہدۂ صلح مشکل مکمل ہوا تھا کہ پروشیہ کی فرمائش سے جس کی آسٹریہ نے بادلِ ناخواستہ تائید کی تھی، سیکسنی اور ہنوور کی فوجوں کی جو ریاستہائے جرمانیہ کی حکم بردار بن کر ہولسٹین میں آئی تھیں، چار و ناچار اس ریاست کو خالی کرنا پڑا۔ اور وہاں ایک آسٹروی اور ایک پروشوی ناظر (کمشنر) کے تحت میں ہنگامی حکومت قائم کردی گئی۔ امیرزادہ اوگسٹن برگ سے چند مہینے پہلے بسمارک نے برلن میں ملاقات کی اور یہ رائے قائم کی تھی کہ اس کا طرزِ عمل پروشیہ کے ساتھ غالباً قابلِ اطمینان نہ ہوگا لیکن ساری جرمانیہ اس امیرزادے کے دعوے کی حامی تھی اور مشاورۂ لندن میں خود پروشیہ کے ایلچی نے ان دعاوی کی تائید کی تھی۔ لہٰذا اس کے خلاف کارروائی کرنے میں بسمارک کو ضرورت پڑی کہ اپنے فعل کو باضابطہ قانونی پیرایہ دینے کی غرض سے پروشیہ کے سرکاری قانون دانوں سے یہ فیصلہ حاصل کرے کہ اہلِ جرمانیہ کی عام رائے کے خلاف شلیس وگ ہولسٹین کا جائز وارث شاہ کرسچین ہنم ہے اور امیرزادہ اوگسٹن برگ ان ریاستوں پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا۔ پھر چونکہ کرسچین کے حقوق صلح نامہ وی آنا کی رُو سے آسٹریہ اور پروشیہ کے بادشاہوں کو مشترکہ طور پر منتقل کردیئے گئے تھے، لہٰذا یہ طے کرنا کہ ان ریاستوں کا رئیس کون شخص ہو اور اس کی کیا شرطیں قرار دی جائیں، ان بادشاہوں کے اختیار میں ہے۔ ۲۲ فروری ۱۸۶۵ء کو بسمارک نے وی آنا میں وہ شرطیں بیان کیں جن کے ماتحت وہ آمادہ تھا کہ شلیس وگ ہولسٹین کی حکومت دونوں جرمن بادشاہوں کی طرف سے فریڈرک امیرزادہ اوگسٹن برگ کے تفویض کردی جائے۔ اُس نے خزانہ، ریل اور ڈاک کے انتظامات کے علاوہ مطالبہ کیا کہ پروشیہ کا قانون، جس میں جبری جنگی خدمت بھی داخل تھی، ان ریاستوں میں نافذ کردیا جائے۔ ان کی فوجیں شاہ پروشیہ کی وفاداری کا حلف اٹھائیں

پروشیہ اور آسٹریہ کے تعلقات دسمبر ۱۸۶۴ء تا اگست ۱۸۶۵ء

باب (۵)

اور وہاں کے خاص خاص جنگی مقامات پر پروشیہ کی سپاہ متعین کردی جائے۔ ان شرائط سے شلیس وگ ہولسٹین کا علاقہ نام کے سوائے عملاً مملکت پروشیہ کا ایک جز بن جاتا لہذا نہ صرف امیر زادہ فریڈرک بلکہ دربار وی آنا نے بھی انھیں مسترد کردیا اور خود شلیس وگ ہولسٹین کے باشندوں نے قریب قریب بالاتفاق ان شرائط کی مخالفت کی۔ پھر آسٹریہ اور مجلس ریاستہائے متحدہ دونوں ان ریاستوں کے باشندوں کے مؤید ہوگئے جواب پروشیہ کے تسلط سے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور جب پروشوی ناظر نے شلیس وگ ہولسٹین کے بعض باشندوں کو جو فریڈرک اوگسٹین برگ کی حمایت میں پیش پیش تھے، خارج البلد کیا تو اس کے ساتھی آسٹروی ناظر نے اعتراض شائع کیا اور اس فعل کو سراسر خلاف قانون اور ظلم قرار دیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ خود آسٹریہ اور پروشیہ میں لڑائی چھڑا چاہتی ہے لیکن اس موقع پر بسمارک اتنا تیز بڑھا تھا کہ اُسکا آقا دشاہ پروشیہ، اسکے ساتھ نہ آسکا۔ دوسرے یورپ کی دوسری طاقتوں کا بھی خیال تھا جنکی وجہ سے مصلحت یہی نظر آئی کہ آسٹریہ سے قطع تعلق چند ماہ کیلئے ملتوی کردیا جائے چنانچہ گاسٹین میں ایک عارضی قرار داد کرلی گئی کہ جب تک مستقل تصفیہ نہ ہو ان ریاستوں کو اُن کے جدید مالکوں میں تقسیم کردیا جائے۔ یعنی ہولسٹین کا نظم ونسق آسٹریہ کرے اور شلیس وگ، پروشیہ کے تفویض کردی جائے۔ رہا جنوب کا چھوٹا سا ضلع لوئن برگ، تو اس کی کامل حکومت کا حق ولیم شاہ پروشیہ کو دیدیا جائے اس طرح ان حریف سلطنتوں کے قائم مقاموں میں جو ان شلیس وگ ہولسٹین کے اندر اُن کے مشترکہ مستقر میں ہونے والی تھی، اس کی نوبت نہ آنے پائی۔ چند مہینے اور امن و صلح سے گزر سکے اور بسمارک نے اپنے فرماں روا کو خونی اور آہنی حکمت عملی کا سبق پڑھانے کی ضروری مہلت حاصل کرلی نیز موقع مل گیا کہ جرمانیہ کے باہر آسٹریہ کے دشمنوں سے معاملہ کرنے۔

گاسٹین کی قرار داد
۱۴ راگست ۱۸۶۹ء

پروشیہ کی قدرتی حلیف اطالیہ تھی۔ لیکن نپولین ثالث کی منظوری کے بغیر اطالیہ کو کسی تازہ جنگ میں الجھانا دشوار ہوتا۔ پس آسٹریہ کے خلاف، اطالیہ اور پروشیہ کو متحد کرنے کی غرض سے بسمارک کو بادشاہ فرانس کی کم سے کم نیم رضا

باب ۱۵

لبمارک۔ بیارتز میں ستمبر ۱۸۶۵ء

خصوصیت کا اطمینان کر لینا ضروری ہوا۔ ستمبر ۱۸۶۵ء میں اس لئے بیارتز میں نپولین سے ملاقات کی اور بامراد واپس آیا۔ اس ملاقات اور داد وستد کی جو بیارتز میں طے ہوئی اگر صحیح کیفیت قلمبند کرلی جاتی تو ممالکِ یورپ میں آئندہ پانچ سال کے بہت سے واقعات کا راز منکشف ہو جاتا۔ لیکن پلومبیئر کی ملاقات کی طرح یہاں بھی فرانسیسی بادشاہ نے جو کچھ کیا بغیر وزیروں کی امداد ومشورہ سے کیا اور جو کچھ مانگا وہ بغیر کسی گواہ کے مانگا۔ اس بات سے کہ لبمارک نے نپولین ثالث کو فی الواقع بلجیم یا پروشیہ کا کوئی حصہ دینے کا اقرار کیا، لبمارک انکار کرتا تھا اور یہ فی نفسہ قیاس بھی نہیں ہے۔ تاہم بعض مفاہمتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی نسبت آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت صرف ایک فریق نے انھیں سمجھ لیا تھا کہ طے ہو گئیں۔ محض مروت کے بھی غلط معنی لئے جاسکتے ہیں اور اگر لبمارک ہر دوستانہ ملاقات میں ایسی ہی بیباکانہ صاف گوئی کا مجرم ہوتا جیسی اُس نے حکومت آسٹریہ کے ساتھ کی تھی کہ بے تکلف کہہ دیا تھا کہ اسے اپنا مرکزِ عمل وی آنا سے ہٹا کر بڈاپسٹ میں منتقل کر لینا چاہئے، تو لوگ اس سے ملنے سے بھاگتے۔ اتنی بات تو بالکل یقینی ہے کہ ان دنوں نپولین شمال مشرق میں فرانس کی حدود کو وسیع کرنے کی اُدھیڑ بُن میں لگا ہوا تھا۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں معلوم ہوتا کہ لبمارک کی دانست میں اس قسم کے ردّ و بدل کے متعلق باہمی گفتگو کی گنجائش تھی۔ رہی یہ بات کہ نپولین نے بغیر کسی واضح اور تحریری قرارداد کے، جو کچھ کیا یہ سمجھ کر کیا کہ لبمارک بھی اس کا معاوضہ دینے سے انکار نہ کرے گا، تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرانسیسی فرماں روا اپنے دل میں جن آرزوؤں کو پکایا کرتا تھا، انھیں پورا کرنے کی تدبیروں میں جیسی مہارت درکار ہے، وہ اس میں نہ تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وینس پر اطالیہ کا قبضہ ہو جائے لیکن اسی کے ساتھ غالباً اس وقت وہ یہ سمجھتا تھا کہ آسٹریہ کی قوت اطالیہ اور پروشیہ دونوں کے مقابلے میں کچھ کم نہیں ہے لہذا اسے توقع تھی کہ اگر ان میں برابر کی تلی ہوئی جنگ ہو تو ممالک اطالیہ کی شیرازہ بندی بھی نہ ہو جائے گی بلکہ فرانس کو غیر جانبداری یا بیچ بچاؤ کرا دینے کے صلے میں کہ رائن کے مغرب کا کچھ جرمن علاقہ بھی مل جائے گا اور ظاہر ہے کہ نپولین کے کسی خیالی پلاؤ کو وہ ہم بہم کرنا

مانٹ(ت)

یا اسے سیاسی عقل سکھانا کونٹ بسمارک کے فرائض میں داخل نہ تھا۔ عجب نہیں کہ وہ بیارتز سے یہ سوچتا ہوا واپس آیا ہو کہ نپولین کے جرمانیہ میں دست درازی کرنے کی جن امیدوں پر وہ بظاہر احسنت و مرحبا اور در اصل مضحکہ کرکے آیا ہے، ان کا یقینی نتیجہ عنقریب یا کچھ مدت کے بعد ناکامی لکھا ہے۔ لیکن سر دست تو اس نے اپنا کام بنا لیا ایک خطرناک رکاوٹ دور ہو گئی اور اب اگر اطالیہ، آسٹریہ کے خلاف جنگ میں اتحاد کرنا پسند کرے تو بسمارک کا راستہ صاف تھا۔

اطالیہ سنہ ۱۸۶۲ء تا سنہ ۱۸۶۵ء

کاوور کی وفات کے بعد سے حکومت اطالیہ کا قومی مقاصد، یعنی روما اور وینس حاصل کر لینے کے معاملہ میں کوئی قدم آگے نہ بڑھا تھا۔ تاخیر سے بیقرار ہو کر گیری بالڈی نے سنہ ۱۸۶۲ء میں دوبارہ صقلیہ میں لنگر ڈالا اور اپنے متبعین کو دعوت دی کہ اس کے ساتھ روما پر چڑھائی کریں۔ لیکن وکٹر امانوئل اس اولوالعزمی کو غلط ٹھہرانے میں پہلی رائے پر مستقل رہا اور گیری بالڈی سمندر اتر کر اطالیہ خاص میں داخل ہوا تو اسپرومونٹ میں اسے بادشاہی سپاہ اپنے مقابل صف آرا ملی۔ دونوں طرف سے کچھ گولیاں بھی چلیں اور گیری بالڈی زخم کھا کر گرا۔ اس کے ساتھ خاصا شاہی خاندان کے قیدیوں جیسا برتاؤ کیا گیا اور زخم اچھا ہو گیا تو اسے قید سے بھی رہائی مل گئی۔ بایں ہمہ اسی بلند ہمتی، اور رتازی کی بے موقع رائے زنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کے قصر شاہی میں پاپا کے خیر خواہوں کو تقویت پہنچ گئی اور خود رتازی جو ان دنوں برسر اقتدار تھا، وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف ہوا۔ اسکے جانشین من گھیٹی نے ضروری سمجھا کہ روما کے مسئلے کے متعلق نپولین سے کوئی مفاہمت ہو جائے۔ روما میں فرانسیسی سپاہ کا موجود ہونا قومی جذبات کو شاق تھا اور اسی کی وجہ سے پاپائی سرکار اور حکومت اطالیہ میں مصالحت ناممکن ہو گئی تھی۔ غیروں کی اسی قلعہ گیر فوج کو روما سے ہٹانے کی خاطر من گھیٹی ایسی قرارداد بھی کر لینے پر آمادہ ہو گیا۔ جو قریب قریب قبضۂ روما کے دعویٰ سے دست بردار ہونے کے مرادف نظر آتی تھی۔ یعنی ستمبر سنہ ۱۸۶۴ء کے معاہدے میں حکومتِ اطالیہ نے ذمہ لے لیا کہ وہ پاپا کے علاقے پر حملہ نہ کریگی۔ اور ہر بیرونی حملے کو بزور شمشیر رد کرے گی۔ اس کے عوض

میں نپولین نے اقرار کیا کہ جس نسبت سے پاپا کی فوج مرتب ہوتی جائے گی، وہ بتدریج اپنی سپاہ کو رومہ سے واپس بلالیگا اور دو سال میں اس شہر کا کامل تخلیہ کرادے گا۔ مگر معاہدے کی ایک دفعہ جس کی نسبت ارادہ تھا کہ مخفی رکھی جائے یہ تھی کہ اطالیہ کا پائے تخت بدل دیا جائے گا۔ اور اس شرط کا مدعا یہ تھا کہ یہ فخر فلورنس کو حاصل ہو جو تمام اہلِ اطالیہ کے نزدیک پائے تخت کے ٹیورن سے منتقل کرنے کی صورت میں رومہ اور صرف رومہ کو ملنا چاہئے تھا۔ یہ دفعہ ٹیورن کے ہنگاموں کے بعد شائع ہوئی تو اس کا فوری نتیجہ منگھیٹی کی مجلس وزرا کی معزولی ہوا اور جنرل مارمورا نے اس کی جگہ لی جس کے زمانے میں پروشیہ سے گفتگوئے اتحاد شروع ہوئی اور مدت تک تذبذب و تردد کے بعد آخر ۱۸۶۶ء میں اتحاد اور اہل آسٹریہ کا اطالیہ سے کامل اخراج عمل میں آیا[1]

لا مارمورا

معلوم ہوتا ہے بسمارک اپنی وزارت کے شروع ہی سے مشتاق تھا کہ مشترک دشمن کے خلاف اطالیہ اور پروشیہ کے جتھا بنانے کا موقع ہاتھ آئے لیکن اس کے منصوبوں کی تکمیل آہستہ آہستہ اور دیر میں ہوئی۔ ۱۸۶۵ء کے موسم بہار میں جب شلیس وگ ہولشٹین میں معاملہ بہت نازک ہوتا جاتا تھا، پروشیہ کے سفیر متعینۂ فلورنس نے پہلی مرتبہ باضابطہ سلسلہ جنبانی کی۔ لا مارمورا نے جواب دیا کہ کوئی صاف اور واضح تجویز پیش کی گئی تو حکومت اطالیہ یقیناً اس امر پر پوری توجہ کرے گی لیکن محض آسٹریہ کو ڈرا کر کام نکالنے کی غرض سے پروشیہ، اطالیہ کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہے تو اسے جائز نہ رکھا جائے گا۔ وزیر اطالیہ کی یہ احتیاط بالکل قدرتی اور لازمی تھی اور جب چند ہی مہینے کے بعد معاہدۂ گاشتین سے آسٹریہ اور پروشیہ کے دوستانہ تعلقات بحال ہو گئے تو ثابت ہوا کہ اس کا تامل بالکل بجا تھا۔ اب لا مارمورا کا یہ سمجھنا بھی بالکل واجبی تھا کہ دربار برلن کے ساتھ کسی وعدے کی پابندی اس پر عاید نہیں ہے نظر بر ایں اس نے ایک دوسری حکمت عملی یہ اختیار کی کہ اپنا سفیر وی آنا بھیجکر یہ معلوم کرنا چاہا کہ اگر اطالیہ رقم خطیر ادا کرے اور آسٹریہ کے سرکاری قرضے

[1] بی اور ایف سرکاری کاغذات بابت ۱۸۶۴-۶۵ء صفحہ ۶۰ ہہ ۴

باب ۵

کا ایک حصہ بھی اپنے ذمے لے لے تو کیا شہنشاہ مصالحانہ طریق پر وینیس کو اطالیہ کے حوالے کر دیگا؟ یہ معاملہ اگر ہو جاتا تو غالباً ممالک یورپ کی تاریخ کا رخ ہی بدل جاتا۔ لیکن شہنشاہ نے اپنے مقبوضات کے کسی جزو کی لین دین گوارا نہ کی اور اس کے انکار نے اطالیہ کو خواہ مخواہ آسٹریہ کے دشمن قوی کے دروازے پر پہنچا دیا۔ اسی اثنا میں شلیس وگ ہولسٹین کے متعلق از سر نو نزاع برپا ہوئی بسمارک نے فلورنس میں جو کوشش ۱۸۶۶ء کے ربیع میں کی تھی، اسے پھر تازہ کیا اور اسی تحریک پر جنرل گوودن برلن بھیجا گیا کہ پروشیہ کے صدر اعظم سے اتحاد کی جنگی اور ملکی شرطوں پر گفتگو کرے لیکن بلا تاخیر عملی کارروائی کی تجویز پیش کرنے کی بجائے، بسمارک نے گوودن سے بیان کیا کہ محض شلیس وگ ہولسٹین کا مسئلہ یورپ کی نظر میں لڑائی کو جائز ثابت کرنے کے لئے کافی نہ ہوگا اس غرض سے کسی زیادہ وزنی معاملے کو اٹھانا چاہئے جیسا کہ ریاست ہائے جرمانیہ کی اصلاح کا مسئلہ ہے۔ خردہ بین اطالیہ والوں کو پھر ایک مرتبہ یہی یقین ہوگیا کہ بسمارک کو آسٹریہ سے لڑائی کا شوق مصنوعی ہے اور وہ ہم سے محض اس لئے دوستی کے درپے ہو رہا ہے کہ دربار روی آنا پر دباؤ ڈال کر اسے اس بات پر طوعاً و کرہاً رضامند کر لے کہ ڈنمارک کی ریاستیں پروشیہ میں داخل کرا لی جائیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ پروشیہ کا شاطر کسی فوری عمل کا عہد و پیمان کرنے سے پہلو بچانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ بسمارک ابھی تک صلح جوئی کے ان اثرات سے مصروف کشمکش تھا جو شاہ پروشیہ کو گھیرے ہوئے تھے اور اسے پورا یقین نہ تھا کہ اس کا آقا جنگ کی حکمت عملی میں فی الواقع اس کا ساتھ دیگا یا نہیں؟ اسی خیال سے وہ اس فکر میں تھا کہ اطالیہ کے ساتھ مل کر میدان جنگ میں نکلنے کا فیصلہ آیندہ پر اٹھا رکھا جائے جب کہ کوئی ایسا حیلہ میسر آسکے جیسا کہ تمام ممالک جرمانیہ کی قومی مجلس کا انعقاد، کہ اگر شاہ پروشیہ یہاں تک بڑھ آتا تو پھر پیچھے نہ ہٹتا اور آسٹریہ مجلس قومی کی مخالفت کرتی، لڑائی پر بھی آمادہ ہو سکتا تھا، لیکن بظاہر اہل اطالیہ بسمارک کے تذبذب کا اصلی راز نہ پا سکے اور ایسے غیر منفصل عہد و پیمان پر رضامند نہ ہوئے بلکہ ایک معین مدت

گوودن برلن میں
مارچ ۱۸۶۶ء

باب ۵۱

کے اندر عملی کارروائی پر مُصر رہے ہ آخر میں خود آسٹریہ نے ایسی کارروائیاں کیں کہ ولیم (شاہ پروشیہ) کو ان سے لگاڑ لینے میں جو تامل تھا وہ بہت کچھ دُور ہو گیا۔ اور بسمارک آمادہ ہو گیا کہ تین مہینے کی مدت مقرر کر دی جائے جس کے بعد اطالیہ کو اختیار رہے گا کہ پروشیہ کے ہمراہ جنگ میں کوئی حصہ نہ لے۔ اپریل کی ۸ تاریخ کو ایک دفاعی اور اقدامی عہد نامے پر دستخط ہو گئے[1]۔ طے پایا کہ اگر تین ماہ کے اندر شاہ پروشیہ جرمانیہ کی متحدہ ریاستوں کے نظام حکومت کی اصلاح کے واسطے تلوار کھینچے تو جنگ چھڑتے ہی اطالیہ بھی آسٹریہ کے خلاف اعلان جنگ کر دے۔ دونوں ملک اپنی پوری قوت سے لڑائی لڑیں اور دونوں کے اتفاق رائے کے بغیر صلح نہ کی جائے لیکن آسٹریہ، وینشیہ کو اطالیہ کے اور اسی کے مساوی آبادی کا علاقہ پروشیہ کے حوالے کرنے پر رضامند ہو جائے تو پھر بالاتفاق صلح کر لینے سے انکار نہ کیا جائے ہ

عہد نامۂ ہشتم اپریل ۱۸۶۶ء

اب گاسٹین کی قرارداد کو آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔ آسٹریہ کے ساتھ مفاہمت کا، جسے شاہ ولیم ضروری سمجھتا تھا، تجربہ کر لیا گیا اور ناکام رہا یا جیسا کہ ایک مرتبہ راست گوئی کے زور میں بسمارک نے کہا تھا وہ اس اعتبار سے بالکل کامیاب ہوا کہ اس نے شاہ پروشیہ کے لیت و لعل کی اصلاح کی اور دربار آسٹریہ کے خلاف بادشاہ کے پارۂ حرارت کو مناسب درجے تک پہنچا دیا۔ جن اشخاص کی بدولت یہ حسب مُراد نتیجہ برآمد ہوا، وہ امیرزادہ اگسٹین برگ باشندگانِ ہوسٹین اور جرمانیہ بھر کے آزاد خیال گروہ تھے۔ گاسٹین کی قرارداد کی رُو سے انقطاع شلیس وگ پہلے ہی پروشیہ کے حوالے کر دئیے گئے تھے۔

بسمارک اور آسٹریہ، اگست ۱۸۶۵ء تا اپریل ۱۸۶۶

---

[1] لا مارمورا، صفحہ ۱۰۹ وغیرہ۔ عہد نامے کے پہلے مسودے میں اطالیہ سے چاہا گیا تھا کہ وہ آسٹریہ کے ساتھ اُن جرمن ریاستوں سے بھی جو آسٹریہ کی شریک ہوں، لڑائی چھیڑ دے لیکن شاہ ولیم کو اس وقت بھی یہ بات گراں گزری کہ اپنے آبائی وطن پر اہل اطالیہ سے فوج کشی کرائے لہٰذا اُس نے یہ الفاظ قلم زن کر دئیے ہ

باب ۵

لہذا یہاں جنرل مان ٹیوفل نے جواسی نام کے ۱۸۵۱ء کے وزیر کا بیٹا تھا بے تکلف رائے عامہ کا ہر قسم کا اظہار ہی روک دیا اور دھمکی دی کہ اگر امیرزادہ اوگسٹین برگ میری حدود میں آیا تو قید کر دیا جائے گا۔ لیکن ہولسٹین میں آسٹروی حکام نے ترغیب نہ دی تو اجازت ضرور دیدی کہ وہاں کے لوگ اس مدعی ریاست کے طرف دار بن کر شور مچائیں اور ۲۳۔ جنوری کو التوناؔ میں ایک جم غفیر کو بھی جمع ہونے دیا جس میں اوگسٹین برگ کے نام پر "زندہ باد" کے نعرے بلند ہوئے اور شلیس وگ ہولسٹین کی مجلس طبقات کے انعقاد کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ واقعہ اس بات کے لئے کافی تھا کہ بسمارک حکومت آسٹریہ کو انقلاب انگیزوں سے ساز کرنے کا مجرم قرار دے۔ اس نے حکومت وی آنا سے جواب بھی طلب کیا تھا مگر شہنشاہ نے اپنے افعال کی جواب دہی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں اور ۱۶۔ مارچ کو حکومت آسٹریہ نے اعلان کیا کہ ہمیں شلیس وگ ہولسٹین کا معاملہ فرینک فرٹ کی مجلس متحدہ میں پیش کرنا چاہیے۔ یہ گاشٹین کی قرارداد کی کھلی ہوئی خلاف ورزی تھی اور یوں بھی، ۱۸۶۴ء میں ڈنمارک سے جنگ چھیڑتے وقت آپس میں یہ قرار پا چکا تھا کہ شلیس وگ ہولسٹین کا مسئلہ دونوں حلیف خود طے کر لیں گے اور جرمن ریاستوں کو اس میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اب جو آسٹریہ نے نقض عہد کیا تو شاہ ولیم کو نہایت رنج ہوا۔ شہنشاہ آسٹریہ کی بدعہدی کا ذکر کرتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ اور ہر چند گرد و پیش میں ابھی تک صلح جوئی کے اثرات کام کر رہے تھے، تاہم اب وہ زیادہ خوشی سے اپنے وزیر کی جنگی حکمت عملی کا مؤید بنتا گیا۔ ادھر آسٹریہ اور پروشیہ کی وجہ مخاصمت ڈنمارک کی ریاستوں کے انتظام کی بجائے وسیع ہو کر جرمانیہ کے بین الممالک نظام کی تجدید کا قضیہ بن گئی۔ بسمارک نے چھوٹی ریاستوں کو ایک یادداشت میں صاف لکھ بھیجا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ جرمانیہ کی جدید اور زیادہ کارگر تنظیم کی جائے۔ اور دریافت کیا کہ اگر پروشیہ پر آسٹریہ حملہ کرے یا لڑنے پر مجبور کرے تو پروشیہ اپنے حلیفوں کی امداد پر کس حد تک بھروسہ کر سکتی ہے؟ متحدہ ریاستوں کے نظام میں اصلاح کا یہ مسئلہ چھیڑنے کے بعد ہی، اطالیہ کے ساتھ معاہدے کا وہ مسودہ بسمارک اور اطالوی سفیر نے مکمل کیا، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور اسے

حکومت اطالیہ کی تصدیق کے لئے فلورنس روانہ کر دیا گیا۔

آسٹریہ، وینس کو حوالے کرنا چاہتی ہے۔ ۵ مئی

اب بسمارک کو اس تین مہینے کی مہلت سے جو از روئے معاہدہ مقرر ہوئی تھی، بہتر سے بہتر کام لینا تھا۔ حکومت اطالیہ نے جس روز معاہدہ منظور کیا اس کے دوسرے ہی دن مجلس فرینک فرٹ میں پروشیہ کے وکیل نے یہ تجویز میز پر رکھ دی کہ جرمانیہ کے تمام باشندوں کو رائے کا حق دے کر مبعوثین کا انتخاب عمل میں آئے اور ممالک جرمانیہ کی طرف نیابتی مجلس کا انعقاد کیا جائے۔ ایسے وزیر کی جانب سے جس نے اپنے ملک (پروشیہ) میں نیابتی حکومت کو بچوں کا کھیل بنا دیا تھا، ایسی تجویز کا پیش ہونا مشکل سے اس قابل تھا کہ اسے مجوز کے اصلی منشاء پر محمول کیا جائے۔ بویریہ نے (جو ثانوی درجے کی ریاستوں میں سب سے اعلیٰ تھی)، یہ جواب دیا کہ ہمیں متحدہ نظام کی اصلاح پر غور و بحث کرنا منظور ہے لیکن اس عرصے میں دونوں سربرآوردہ طاقتیں عہد کریں کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گی۔ آسٹریہ نے اس کی استدعا فوراً قبول کر لی اور اس طرح بسمارک کو مجبور کر دیا کہ وہ بھی اسی قسم کا اطمینان دلائے۔ فوجوں سے ہتھیار کھلوا دئے جانے کے بھی باہمی قول قرار ہوئے لیکن آسٹریہ نے وینس میں اطالیہ کے مقابلے کے واسطے فوجوں کے اجتماع کو موقوف کرنے سے انکار کر دیا جس سے بسمارک کو موقع ملا کہ حریف پر فریب دہی کا الزام لگائے اور دونوں طرف پھر جنگی تیاریاں ہونے لگیں۔ لا مارمورا نے پروشیہ سے معاہدے کی تکمیل کرنے سے قبل نپولین سے مشورہ لیا تھا اور نپولین نے اس کا حال دربار وی آنا کو بتا دیا تھا جس سے شہنشاہ آسٹریہ خطرے سے خبردار ہو گیا اور اب اُس نے ارادہ کر لیا کہ اطالیہ کو غیر جانب دار رکھنا ممکن ہو تو وینس کا علاقہ قربان کر دیا جائے۔ چنانچہ ۵ مئی کو اطالیہ کے سفیر، کاؤنٹ نگارا متعینہ پیرس کو نپولین نے اطلاع دی کہ آسٹریہ وینیشیہ کو میری وساطت سے وکٹر امانوئیل کے حوالے کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ اس کے عوض، اسے سلیشیہ میں پروشیہ کا علاقہ لینے میں فرانس و اطالیہ مزاحم نہ ہوں۔ اس طرح بغیر کسی جنگ کے فقط خاموش بیٹھے رہنے کے صلے میں اطالیہ کے سامنے وہ سب کچھ پیش کیا جا رہا تھا جو وہ جنگ کے بعد حاصل کرنا

باب (۵) چاہتی تھی اور جنگ بھی ایسی جس کی نسبت قرینہ تھا کہ نہایت خونریز ہو گی اور ممکن تھا کہ اس کا نتیجہ خود اطالیہ کے حق میں تباہی ہو۔ مارمورا سخت خلفشار میں مبتلا ہو گیا۔ اُسے پروشوی فوج کی قابلیت کا تو اتنا صحیح اندازہ تھا کہ یورپ بھر میں اور کسی سیاست داں یا سپہ سالار کو نہ ہو گا، لیکن حکومت پروشیہ کے ارادوں کی طرف سے بڑی بدگمانی تھی اور گذشتہ مہینے میں معاہدۂ اتحاد پر دستخط کرتے وقت بھی اسے نیم یقین تھا کہ بسمارک صرف اس عہد نامے کا رُعب جما کر بغیر لڑے بھڑے پروشیہ کا کام نکال لیگا اور پھر اطالیہ کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیگا کہ آسٹریہ سے جس طرح ممکن ہو خود قضیہ چکالے اب بھی اگر اطالیہ کی بے غرضی نہ ہوتی تو وہ بہت خوشی سے آسٹریہ کی تجویز قبول کر لیتا مگر اسے صداقت کا اس قدر پاس ضرور تھا کہ اس لالچ میں نہ آیا اور پیرس کے توسط سے مجوزہ معاملہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے اطالیہ کی جنگی تیاریاں جاری رکھیں اگرچہ دل ہی دل میں اسے یہ امید رہی کہ شاید یورپ کے اہل تدبیر کے نامۂ وپیام ایسی صورت نکال لیں کہ بغیر جنگ کے اس کے وطن کی مراد پوری ہو جائے۔

غیر جانب دار سلطنتیں اب دول یورپ کی ایک مجلس مشاورۃ منعقد کرنے کی سلسلہ جنبانی کر رہی تھیں۔ ان کے مقاصد مختلف تھے۔ نپولین کی دانست میں

مجلس مشاورۃ کی تجاویز

تو اب وقت آ گیا تھا کہ ۱۸۱۵ء کے معاہدے حتمی طور پر یورپ کی متفقہ رائے سے منسوخ ہوں۔ اور شاہ پروشیہ ولایات رہائن اس کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو تو وہ تیار تھا کہ تین لاکھ فوج سے پروشیہ کی امداد کرے۔ قصر تونی لری سے کچھ کم یا زیادہ اقطاع فرانس کے نام منتقل کرنے کے بسمارک سے براہ راست یا بالواسطہ مطالبے کئے جا رہے تھے۔ مگر اُدھر سے نہ انکار تھا نہ اقرار۔ بسمارک بات کو ٹالے جاتا تھا۔ کبھی وہ اپنے آقا شاہ پروشیہ کی ضد کا ذکر کرتا۔ کبھی سوال کرتا کہ کیا سوئی زرلینڈ اور بلجیم کے بعض حصے، جرمن علاقوں کی نسبت فرانس میں زیادہ آسانی سے ضم نہ ہو جائینگے؟ آخر میں اس نے شہنشاہ فرانس کے فرستادوں کو یہ اطمینان دلا کے ٹال دیا کہ میں خود پیرس جا کر بادشاہ سے ملاقات کروں گا اور اسی وقت ان سب باتوں کا، سہولت سے تصفیہ ہو جائیگا

۲۸ مئی کو فرانس، انگلستان اور روس تینوں کی طرف سے ایک مشاورے میں شرکت

باب ۵

کی دعوت بھیجی گئی جس کے مقاصد یہ بیان کئے گئے۔ شلیس وگ ہولسٹین کے معاملات اور آسٹریہ اور اطالیہ کی تنازع کا تصفیہ نیز متحدہ ریاستہائے جرمانیہ کے نظام کی اصلاح (جس حد تک اس کا سارے یورپ سے تعلق ہے) پروشیہ اور اطالیہ نے دعوت قبول کر لی لیکن آسٹریہ نے اس شرط پر شریک ہونا منظور کیا کہ مجلس مشاورۃ میں کسی ایسے منصوبے کو نہ چھیڑا جائے جس سے مدعو شدہ ممالک میں سے کسی کے علاقے یا اقتدار میں اضافہ ہوتا ہو۔ اس شرط کو ایسے پیچ سے تحریر کیا گیا تھا کہ اگر ہر ایک سلطنت کو دست درازی میں برابر کا حصہ ملے تو اس شرط کے کچھ منافی نہ ہوتا۔ مثلاً ممکن تھا کہ وینس کو اطالیہ کے اور شلیس وگ ہولسٹین کو پروشیہ کے حوالے کر دیا جائے لیکن اس صورت میں یا تو حکومت اطالیہ کو پاپائی ولایات کو واگذاشت کرنا پڑتا تاکہ اس کے علاقے میں کوئی جدید اضافہ نہ ہونے پائے اور یا دوسری صورت یہ باقی رہتی کہ مملکت اطالیہ میں جیتنی کے معاوضے میں آسٹریہ کو شلیسیہ میں مساوی علاقے پر دعوی کرنے کا حق پیدا ہو جاتا۔ اس قسم کی حد بندیوں سے دول یورپ کی امن قائم رکھنے کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکتی تھیں اور اسی بنا پر سب نے تسلیم کر لیا کہ ان شرطوں کا مطلب یہ ہے کہ آسٹریہ کو مشاورۃ میں شریک ہونے سے انکار ہے۔ ادھر غیر جانب دار سلطنتوں کو مذکورۂ بالا جواب بھیجنے کے ساتھ ہی آسٹریہ نے ریاست ہائے متحدہ کی مجلس سے استدعا کی کہ وہ شلیس وگ ہولسٹین کا بند و بست اپنے ہاتھ میں لے۔ نیز ہولسٹین میں مجلس طبقات سے انعقاد کا حکم دیا۔ اس پر بسمارک نے اعلان کیا کہ قرار داد گاسٹین کا خاتمہ ہو گیا اور جنرل مان ٹیوفل کو ہدایت کی کہ فوج لے کے ہولسٹین میں داخل ہو جائے۔ ہولسٹین کے آسٹروی سردار نے اعلان کیا کہ وہ محض حریف کی کثرت فوج سے مجبور ہو گیا ہے اور التونا ہو کر ہنوور میں ہٹ آیا آسٹریہ نے فوراً مجلس فرنیک فرٹ میں مطالبہ کیا اور وہاں یہ منظور ہوا کہ ریاستہائے متحدہ کی تمام فوج مجتمع کی جائے۔ پروشیہ کے قائم مقام نے ظاہر کیا کہ مجلس متحدہ نے نظام حاضرہ ہی کا خاتمہ کر دیا، لہذا جرمانیہ کی تنظیم جدید کا جو خاکہ اس کی حکومت نے تیار کیا تھا، وہ اہل مجلس کے حوالے کر کے وہ فرنیک فرٹ سے رخصت ہو گیا۔ ۱۲ر جون کو آسٹریہ اور پروشیہ

باب (۵)

کے سفارتی تعلقات منقطع ہو گئے اور ۱۵ تاریخ کو کونٹ بسمارک نے ہنوور سیکسنی اور ہیس کاسل کے رئیسوں کو لکھ بھیجا کہ وہ اسی دن سے اپنی جنگی تیاریاں موقوف کر دیں اور پروشیہ کی اصلاحی تجاویز کو قبول کر لیں۔ جواب میں انکار رہا تو بلا تاخیر پروشوی افواج اِن علاقوں میں گھس گئیں اور جنگ شروع ہو گئی۔ ویمرا مک لن برگ اور شمال کی دوسری چھوٹی ریاستوں نے پروشیہ کا ساتھ دیا اور باقی تمام جرمانیہ، آسٹریہ کی شریک ہو گئیں :-

بسمارک کی مراد بر آئی۔ وزیر ہونے کے وقت سے جس مقصد کے حصول کی کوشش میں وہ منہمک تھا، وہ حاصل ہو گیا۔ اور اگر پروشی سپاہ کی قوت

اہل جرمانیہ کی رائے

کے متعلق اس کا اندازہ غلط نہ تھا، تو بالآخر وہ موقع آ گیا کہ آسٹریہ کو بزور شمشیر ریاستہائے جرمانیہ سے خارج کر دیا جائے لیکن یہ مقصد جن تدابیر سے حاصل ہوا تھا، انھوں نے خاص پروشیہ کے فوجی حلقوں کے سوا اور قریب تمام اہل جرمانیہ کی رائے کو اس کا مخالف بنا دیا تھا۔ آخر میں اُس نے تمام جرمانیہ کی مجلس وضع قوانین قائم کرنے کا جو مطالبہ کیا، اسے لوگ محض مسخر اپن سمجھتے تھے۔ اس کی حکمت عملی کا اصلی منشا اب تک شاہان ہوہن زولرن کی خاندانی اغراض سے وابستہ رہا تھا، لہٰذا جرمن قوم کی اس آپس کی خونریزی کا اصلی مدعا سوائے اس کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ ڈنمارک کی ریاستوں اور کسی اچھے سے علاقے کو مملکت پروشیہ میں داخل کر لیا جائے۔ رائے عامہ کو ظاہر کرنے کے جتنے وسائل تھے، سب سے مخالفت اور تبری کی آواز بلند ہوئی۔ خود پروشیہ میں ایسی مثالیں کم تھیں کہ کسی گروہ نے از خود حکومت کی اعانت کا اقدام کیا ہو۔ برلن کی مجلس وضع قوانین آخر تک اپنے زبردست اور چھائے ہوئے وزیر سے کشاکش کرتی رہی۔ خود اس کے ایوان کے اندر تقریر کرنے کی بنا پر اسکے ارکان سے قانونی مواخذے کئے گئے اور آخر کار مجلس کو معطل کر دیا گیا کہ خطرے کے زمانے میں اس کی سرکشی بادشاہ کے کام میں فتور نہ ڈال سکے۔ بایں ہمہ محض مجلس کا ناپید ہو جانا اس انتہائی بیزاری پر پردہ نہ ڈال سکتا تھا جو وزیر اعظم اور اس کے طرز عمل سے پھیلی تھی۔ بہت سے لوگوں کی نظر میں، جرمانیہ میں بھائی کو بھائی

سے لڑا دینے والا سب سے بڑا مجرم تھا۔ اور ۷، مئی کو ایک آشفتہ سر نوجوان نے برلن کے بازاروں میں بسمارک کو جان سے مارنے کی کوشش کی۔ مگر حملہ آور کے ہتھیار کی کمزوری اور خود اپنے قوی بازو کی بدولت وزیر اعظم کی جان بچ گئی۔ البتہ اس کے ہر وقت خطرے میں ہونے کی وجہ سے شاہ ولیم، بسمارک سے بھی زیادہ متاثر ہوا۔ وہ اپنی سادہ دلی سے بسمارک کے بچ نکلنے کو بھی غیبی حفاظت و امداد سمجھا۔ اس کے شبہات دب گئے اور اس یقین کی توثیق ہو گئی کہ اس نازک موقع پر حکومت پروشیہ منشائے الٰہی پورا کرنے کا آلہ ہے؟ باب (۵)

نپولین ثالث

آغاز جنگ سے چند روز قبل شہنشاہ نپولین نے معاملات یورپ کے متعلق اپنے خیالات شائع کئے۔ چھڑنے والی لڑائی کو اس نے تین اسباب پر محمول کیا۔ یعنی مملکت پروشیہ کی ناقص جغرافی حدود۔ ممالک جرمانیہ کے متحدہ نظام کے بہتر ہونے کی خواہش۔ اور اہل اطالیہ میں قومی آزادی حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس۔ یہ مقاصد اس کی دانست میں اس طرح پورے ہو سکتے تھے کہ شمالی جرمانیہ کی ملکی تقسیم کو بدل کر مملکت پروشیہ کو توسیع و استحکام بخشا جائے۔ چھوٹی جرمن ریاستوں کے اتحاد کا زیادہ کارگر نظام بنایا جائے۔ اور آخر میں یہ کہ وینیشیہ کا اطالیہ سے الحاق کر دیا جائے لیکن آسٹریہ کا مرتبہ ممالک جرمانیہ میں علیٰ حالہ قائم رہے۔ اگر کسی ایک بڑی طاقت ہی کے تنہا فائدے کے لئے یورپ کا نقشہ بدل گیا، تو اس صورت میں فرانس بھی اپنی سرحد کی توسیع چاہیگا کیونکہ یورپ میں توازن دول اور مملکت اطالیہ کے قائم رہنے سے اس کی اغراض وابستہ ہیں۔ اور چونکہ یہ بات باہمی تصفیئے سے مسلم ہو چکی تھی لہذا فرانس کو تلوار میان سے نکالنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی حکومت فیصلہ کر چکی تھی کہ باخبری اور بے غرضی کی حکمت عملی پر قائم رہے۔ اصل یہ ہے کہ واقعات پر نپولین کو کوئی قابو باقی نہ رہا تھا اور نہ اس وقت سے ولایات رہائن کے ہاتھ آنے کا کوئی امکان رہا جب سے کہ اس نے حکومت اطالیہ کو فرانس کو جتھے میں شریک کرنے کی شرط لکھوائے بغیر، پروشیہ سے اتحاد کر لینے کی اجازت دے دی۔ اپنی ساختہ پرداختہ مملکت یعنی اطالیہ کے خلاف آسٹریہ سے تو وہ رشتۂ اتحاد جوڑ نہ سکتا تھا اور دوسری طرف پروشیہ سے دباؤ ڈال کر کچھ اینٹھ لینے کی بھی ایسی

باب (۵)

صورت میں کوئی سبیل نہ رہی جب کہ پروشیہ کو ایک ایسے حلیف کی امداد پر کامل بھروسہ تھا جو دو لاکھ سپاہی میدانِ جنگ میں لا سکتا تھا۔ غرض نپولین کی سیاسی تدبیر اس حد تک تو کامیاب رہی کہ پروشیہ لڑائی میں فتح پائے یا شکست، ولایت وینیشیہ کے اطالیہ کو ملنے کا یقین ہوگیا۔ لیکن جہاں تک فرانس کا تعلق ہے، اس ملک کے بادشاہ نے گویا خود ہاتھ پاؤں بندھوا دئے۔ ایک فریق کی طرفداری تو وہ کر نہ سکتا تھا اور دوسرے فریق کو اس کی کوئی احتیاج نہ تھی غیر جانب داری اختیاری چیز نہ رہی بلکہ لازمی ہوگئی اور تاوقتیکہ جنگی واقعات ہی یورپ میں کوئی نئی صورت حال نہ پیدا کر دیں فرانس کو سوائے اس کے چارۂ کار نہ تھا کہ اپنی جگہ بیٹھا گھورتا رہے اگرچہ اس بے غرضی پر اسے داد ملنے کی بھی کوئی امید مشکل سے ہو سکتی تھی[۱]۔

ادھر، بسمارک کو رہائن کی طرف سے حملہ نہ ہو سکنے کا اطمینان ہوا تو پھر تمام پروشوی فوج کو جنوب کی طرف آسٹریہ پر حجھونک دینا ممکن ہوگیا بجز ایک مختصر جمعیت کے، جو ہنوور اور ہیس کاسل کا زور توڑنے کے لئے ضروری تھی۔ ایک پروشوی قائد کی جلد بازی سے، جو ساتھ والوں کا انتظار کئے بغیر حملہ آور ہوگیا، اہل ہنوور کو ۲۷ جون کی جنگ لانگن سلزا میں فتح حاصل ہوی لیکن چند ہی گھنٹے کے بعد اور پروشوی دستے آپہنچے اور دوسرے ہی دن ہنووری فوج ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہوی۔ شاہِ ہنوور بھاگ کر آسٹریہ چلا آیا لیکن امیر ہیس کاسل اتنا خوش نصیب نہ تھا۔ وہ اسیر جنگ بنا کر حراست میں

ہنوور اور ہیس کاسل کی فتح

[۱] مجموعۂ تقاریر نپولین ثالث صفحہ ۵۶ ۱۴ مئی کو اطالیہ کے سفیر متعینۂ پیرس نے اطلاع دی کہ نپولین کی مجلس مشاورۃ کے مقاصد کے متعلق خیالات یہ ہیں: وینیشیہ، اطالیہ کو۔ سلیشیہ آسٹریہ کو، ڈنمارک کی ریاستیں اور شمالی جرمانیہ کے اور اضلاع پروشیہ کو دیدئے جائیں۔ رہائن پر فرانس کی سیادت میں چند چھوٹی چھوٹی جرمن ریاستیں قائم کی جائیں۔ جن جرمن رئیسوں کو محروم کیا جائے انھیں رومانیہ میں معاوضہ دیا جائے (لامارمورا: صفحہ ۲۲۸) گویا نپولین کسی قدر ترمیم کے ساتھ جمہوریہ فرانس اور عہد نپولین بونا پارٹ کے زمانے کی پرانی حکمت عملی پر چل رہا تھا کہ جرمانیہ میں پروشیہ اور آسٹریہ کا ایک دوسرے کے مقابل توازن رہے اور

لے لیا گیا۔ اس طرح شمالی جرمانیہ چند ہی روز میں قابو میں آگئی اور اس علاقے سے آسٹریہ کی طرفداری میں کسی فوجی اقدام کا خدشہ باقی نہ رہا سیکسنی میں بڑھنے والے پروشویوں کو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ ڈرسڈن پر بلا مزاحمت قبضہ ہو گیا! البتہ سیکسنی کی فوج عین وقت پر جنوب کی طرف چل پڑی اور بوہیمیہ میں اہل آسٹریہ سے جا ملی؛ اب پروشیہ کی سپاہ کے ڈھائی لاکھ جوان سیکسنی اور سلیشیہ کی سرحد پر جمع ہوئے اور پیرنا سے لینڈشٹ تک کے خط پر پھیل گئے۔ یہ تین لشکروں میں منقسم تھے: پہلا لشکر، وسط میں بادشاہ کے ایک بھتیجے شہزادہ فریڈرک چارلس کے ماتحت تھا دوسرے یا سلیشی لشکر کی قیادت شہزادہ ولی عہد کو دی گئی تھی۔ اور مغربی سرے کے لشکر کو جو دو لشکر البب'' موسوم تھا سپہ سالار ہر وارٹ فان بٹن فیلڈ کے تحت میں بھیجا گیا تھا۔ ان کے مقابلے میں اہل آسٹریہ کی تعداد بھی مساوی تھی اور ان کا سرعسکر بینی ڈک، وہ سپہ سالار تھا جس نے ہنگری اور اطالیہ کی معرکہ آرائیوں میں بڑی ناموری پائی تھی۔ شروع میں یہ قیاس کیا گیا تھا کہ غالباً بینی ڈک جسکی فوجیں اول موٹز کے گرد پڑی تھیں، جنوبی سلیشیہ پر پیش قدمی کریگا۔ اسی خیال سے پروشوی فوجوں کو مشرق میں بہت دور تک پھیلا دیا گیا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد ظاہر ہوا کہ آسٹریہ والے اقدام نہیں کر سکتے اور بینی ڈک مغرب کی طرف بوہیمیہ میں چلا آیا۔ اب پروشوی خط کو بھی چھوٹا کر کے حکم دیا گیا کہ تینوں لشکر بوہیمیہ میں در آئیں اور ہر طرف سے قصبۂ گٹشین کی طرف بڑھیں۔ مجلس حربی کا صدر سپہ سالار مولٹکے برلن میں تھا اور اسی کے تاروں پر یہ سب نقل و حرکت ہو رہی تھی۔ تینوں لشکروں کی یہ مشترکہ پیش قدمی حیرت انگیز درستی اور عین احکام کے مطابق عمل میں آئی۔ پھر ۲۶ سے ۲۹ جون تک چند شدید لڑائیوں میں آسٹروی اپنے مرکز کی طرف پسپا کر دئے گئے اور حملہ آوروں کی تینوں فوجوں میں نہایت قابل اطمینان رسل و رسائل کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ ۳۰ر تاریخ کو شاہ پروشیہ سپہ سالار مولٹکے اور بسمارک کے ساتھ برلن سے روانہ ہوا اور ۲ر جولائی کو گٹشین

بوہیمیہ کے معرکے۔ ۲۶ جون تا ۳ جولائی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ثانوی درجے کی ریاستوں کا جتھا فرانس کی سیادت میں لے لیا جائے۔

باب (۵) کے جنگی مستقر پر پہنچ گیا بینی ڈک کا منصوبہ یہ تھا کہ تھوڑی سی جمعیت سے سلیشی لشکر کو روک کر سارا دباؤ مغرب کی جانب شہزادہ فریڈرک چارلس پر ڈال دے اور اس سے قبل کہ مدد پہنچے، اس کے لشکر کا تہس نہس کر ڈالے لیکن شہزادہ ولی عہد کی مستعدی، پروشوی سپہ سالار کی برتری، پروشوی سپاہیوں کی اعلیٰ تربیت اور اس ہتیار نے جس سے وہ مسلح تھے، اس منصوبے کو چلنے نہ دیا۔ کیونکہ گو ڈنمارک کے معرکوں میں اہل آسٹریہ دنبالہ دار بندوق کی کارگری دیکھ چکے تھے، بایں ہمہ انھوں نے اسی قسم کا ہتیار خود استعمال کرنا ضروری نہیں سمجھا ابھی کسی بڑے معرکے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ بینی ڈک کو اندازہ ہو گیا کہ لڑائی ہاتھ سے جاتی رہی۔ پہلی جولائی کو اُس نے شہنشاہ کو خط لکھ کر صلاح دی کہ صلح کرلی جائے ورنہ تباہی یقینی ہے۔ پھر اس نے کونگ گراٹز سے چند میل

جنگ کونگ گراٹز ۳ر جولائی

مغرب میں ایک بلند زمین پر فوج کو مجتمع کر کے وسیع زمین پیمانے پر دفاعی جنگ کرنے کی تیاریاں کیں۔ گذشتہ ہفتے کے نقصانات کے باوجود ابھی تک وہ دو لاکھ سپاہی لڑا سکتا تھا۔ اُدھر تینوں پروشوی لشکر اب اس قدر قریب تھے کہ ملکر حملہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ ۲ر جولائی کی رات کو بادشاہ نے تینوں سپہ سالاروں کو صبح ہوتے ہی بینی ڈک پر، چڑھائی کرنے کا حکم بھیج دیا۔ اور تیسری تاریخ کی صبح کو سب سے پہلا لشکر جو موضع ساڈووا سے گزر کر میدان میں آیا، وہ شہزادہ فریڈرک چارلس کا لشکر تھا گھنٹوں تک اسی لشکر کے دستے آسٹریہ والوں کی مجتمعہ قوت کے مقابلے میں، کمزور رہونے کے باوجود لڑتے رہے۔ دوپہر ہو گئی اور اب مدافعین نے حملہ آوروں کو دبانا شروع کیا۔ فریڈرک چارلس پسپائی کی تیاریاں کر رہا تھا کہ شہزادہ ولی عہد کے قریب آپہنچنے کی اطلاع ملی جس کا دیر سے انتظار تھا۔ اسی سلیشی لشکر کے آسٹروی میمنے پر جا پڑنے سے، جس کے ساتھ ہی میدان کے دوسرے سرے پر ہرورارٹ نمودار ہوا، لڑائی کا بہت جلد فیصلہ ہو گیا۔ آسٹروی سپاہ سالار نہایت مشکل سے غنیم کو وہ موقع لینے سے روک سکا جو اس کی پسپائی کا راستہ ہی منقطع کر دیتے۔ پھر وہ البِ کو اتر کے مشرق کی طرف ہٹ گیا اور ۱۸ ہزار زخمی اور مقتول اور ۲۴ ہزار

قیدیوں کا اُسے نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی فوج ہی برباد و خراب ہو گئی اور اہل پروشیہ کے آسٹریہ میں داخل ہونے کے دسویں دن ہی جنگ ہی ختم ہو گئی فی الحقیقت کونگ گراٹز کی ہزیمت ایسی سخت تھی کہ اطالیہ میں عساکر آسٹریہ کی کامیابیاں اس کی تلافی نہ کرسکیں۔ وہاں، لا مارمورا نے صدارت عظمیٰ کا عہدہ چھوڑ کے سپہ سالاری کی ذمہ داری لی اور ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کو لیئے ہوئے رود منچو کے پار اترا لیکن کمتر تعداد کی فوج نے اسے کستوزا کے ناساز گار میدان میں شکست دی اور اوگلیو کی جانب پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ اسی کامیابی کی خوشی نے، جس کے بعد آسٹریہ کو ساحل ریسٹریا پر لیسا کے قریب بحری فتح بھی حاصل ہوئی، شہنشاہ کے لئے اُن نقصانات کو برداشت کرنا قدرے سہل کر دیا جنھیں گوارا کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ جنگ کونگ گراٹز کے بعد ہی اس نے نپولین ثالث سے صلح کرانے کی درخواست کی اور وینشیہ کو بحق اطالیہ، نپولین کے حوالے کر دیا۔ نپولین فوراً فریقین کی خیر اندیشی پر آمادہ ہو گیا اور ہنگامی صلح کی صلاح دی۔ شاہ پروشیہ نے نپولین کی ثالثی کو قبول کر لیا اور آمادگی ظاہر کی کہ جس وقت دربار وی آنا ابتدائی صلح کو مان لیگا، لڑائی روک دیجائیگی۔ اس عرصے میں کہ چاروں سلطنتوں میں یہ نامہ و پیام ہو رہے تھے عساکر پروشیہ آگے بڑھے گئے حتیٰ کہ ان کی اگلی چوکیاں شہر وی آنا کے سامنے تک پہنچ گئیں۔ اُس وقت اگر سپہ سالار مولٹکے کے نقشے کے مطابق قائدین اطالیہ ایک جیش اڈریاٹک کے سرے پر اتار کر شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے جس کی ضرب سلطنت آسٹریہ کے قلب پر پڑتی تو عجب نہ تھا کہ فاتحین کونگ گراٹز، نپولین کی ثالثی کا لحاظ کئے بغیر جو شرطیں چاہتے آسٹریہ سے منوا لیتے۔ وینشیہ کے ساتھ اطالوی ٹائرول کا علاقہ بھی وکٹر امانوئل کے ممالک میں شامل کرا دیا جاتا اور تمام جرمن ممالک کا خاندان ہوہن زولرن کے ماتحت اتحاد بھی شاید مکمل ہو جاتا لیکن ایک طرف تو ہنگری پر ابھی تک کوئی آنچ تک نہ آئی تھی اور دوسری طرف اطالوی فوج کو اس کے قائدین کے نفاق و شقاق نے بیکار و معطل کر رکھا تھا۔ پس برلن کے

جنگ کستوزا ۲۴ جون

نپولین کی ثالثی ۵ جولائی

باب

بادشاہ

مدبّر اعظم کو مصلحت یہی نظر آئی کہ لڑائی کو طول دئے بغیر جو کچھ فائدہ حاصل ہو سکے اس پر قناعت کرے اور ایسا کام نہ کرے جس میں اندیشہ ہو کہ نپولین غنیم کی صفوں میں جا ملے گا۔ شروع میں اُس نے یہ شرائط صلح پیش کیں کہ پروشیہ کو سیکسنی، ہنوور، ہیس کاسل اور شمالی جرمانیہ کے دوسرے اقطاع کے الحاق کی اجازت دیجائے اور ولایات آسٹریہ کے سوا تمام جرمن ممالک کی پروشیہ کے زیر سیادت شیرازہ بندی کر دی جائے۔ نپولین کو ان شرطوں کا موید بنانے کی غرض سے بسمارک نے کنایۃً یہ بھی لکھا کہ فرانس، پروشیہ کی رضامندی سے بلجیم کا الحاق کر سکتا ہے۔ بایں ہمہ، نپولین نے یہ منظور نہ کیا کہ پروشیہ کا اقتدار ساری جرمانیہ پر پھیل جائے اور جواب میں خود بعض تجویزیں مرتب کیں مگر انھیں بسمارک نے قبول نہ کیا۔ آخر یہ طے پایا کہ پروشیہ کو ہنوور، نساؤ، ہیس کاسل اور اس مفتوحہ علاقے کے الحاق سے نہ روکا جائے جو ولایاتِ رائن اور مملکت پروشیہ کے درمیان واقع ہے۔ آسٹریہ کا جرمن معاملات سے بالکل تعلق نہ رہے اور مَیْن کے شمال کے اقطاع و ولایات مع سیکسنی پروشیہ کے زیر سیادت ایک متحدہ نظام میں مربوط کر دئے جائیں اور اِس دریا کے جنوب کی ریاستوں کا یہ حق محفوظ رہے کہ وہ شمال کے نظام متحد سے کسی قسم کا قومی رشتۂ اتحاد قائم کریں۔ آسٹریہ کو کسی غیر اطالوی علاقے کا نقصان نہ اٹھانا پڑا اور وہ سیکسنی کی ہستی قائم رکھنے میں بھی کامیاب ہوئی بحالیکہ حکومت پروشیہ ۱۸۱۵ء کی طرح اب بھی اس ریاست کو اپنے مُلک میں ضم کر لینے کی نہایت خواہشمند تھی۔ نپولین اس خیال میں تھا کہ پروشیہ کے متحدہ نظام کے مَیْن کے شمال میں محدود اور جنوبی ریاستوں کی آزادی محفوظ ہو جانے سے، مَیْن نے جرمانیہ کے دو ٹکڑے کر دئے اور ایک اتحادِ ولایاتِ جنوبی کی بنیاد رکھ دی، جو اپنی حفاظت کے لئے فرانس کا دست نگر رہیگا؛ دوسری طرف، بسمارک نے ہنوور اور اس کے قریب کے اقطاع کے الحاق سے مملکت پروشیہ کی رعایا میں چالیس لاکھ نفوس کا اضافہ اور مُسلسل علاقہ حاصل کر لیا۔ آسٹریہ کو ریاستہائے جرمانیہ سے خارج کر دیا۔ مَیْن کے شمال میں تمام جرمن ریاستوں کو شیرازہ بند کر لینے کی اجازت حاصل کر لی اور کم سے کم اس بات کا موقع باقی رکھا کہ آئندہ اس

شیرازہ بندی کے دائرے میں جنوبی ریاستیں بھی شامل کر لی جائیں؛ غرض انہی شرطوں کو اور شلیس وگ ہولسٹین میں پروشیہ کی پادشاہی تسلیم کئے جانے کو مبادیات صلح میں داخل کر گئے نکولس برگ میں ۲۶۔ جولائی ۱۸۶۶ء کو فریقین کے دستخط ہوگئے اور انہی کی بنیاد پر باضابطہ صلح نامہ مرتب ہوا جس کی تکمیل ۲۳۔ اگست کو پراگ میں ہوئی۔ نپولین کے ایما سے ایک مصنوعی دفعہ بڑھا دی گئی تھی کہ اگر شلیس وگ ہولسٹین کے باشندوں کی آزادانہ رائے اس بات کو ظاہر کرے کہ یہ ریاستیں ڈنمارک میں ضم ہونی چاہئیں تو اس صورت میں انھیں شاہ ڈنمارک کے حوالے کر دیا جائے گا۔

مبادیات نامہ نکولس برگ ۲۶ جولائی

معاہدہ پراگ ۲۳ اگست

بویریہ اور آسٹریہ کے جنوب مغربی حلیفوں کے جنگ میں حصہ لینے سے تو کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا۔ لیکن یہ ریاستیں کونگ گراٹز کی لڑائی کے بعد بھی چند ہفتے تک مسلح رہیں اور ان کے معاملے میں متارکہ نکولس برگ کی قرارداد ۲۰/ اگست تک عمل میں نہ آئی تھی مگر اس تاریخ سے قبل ہی جرمن سپہ سالار رفاکنس ٹین اور بان ٹیوفل نے چھوٹی چھوٹی لڑائیوں اور اینچ پینچ کی نقل و حرکت سے ان کی فوجوں کو پراگندہ اور قوت مزاحمت کا خاتمہ کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے شہر فرینک فرٹ سے تو بسمارک کو کوئی ذاتی عناد تھا۔

جنوب کی جرمن ریاستیں

بہر حال، فاتح سپاہ نے چند روز تک یہاں والوں کے ساتھ خلاف معمول اور خلاف مصلحت کمال ورشتی کا برتاؤ کیا ورنہ اور کسی اعتبار سے پروشوی حکومت کا سلوک مفتوحہ ریاستوں سے ایسا نہ تھا کہ آیندہ اتحاد و دوستی میں رکاوٹ ڈالتا۔ ان جنوبی ریاستوں کی طرف سے برلن میں گفتگو شروع ہوئی، تو بیڈن کے سوا اور سب نے شہنشاہ نپولین سے مدد کی التجا کی لیکن ٹھیک اسی وقت جب کہ یہ درخواست کی گئی اور اُدھر سے قبول ہوئی، خود نپولین امارت بویریہ اور رہائن کے مغرب میں ہیس کے اضلاع حوالے کئے جانے کا بسمارک سے تقاضہ کر رہا تھا۔ لہذا شاہ بویریہ اور دوسری جنوبی حکومتوں کے وزیروں کو اپنی آغوش میں کھینچ لانے کے لئے

۱ ہاہن... وغیرہ وغیرہ؛

باب ۱۵

اتنا کافی تھا کہ بسمارک ان کے فرانسیسی سرپرست کے منصوبوں سے انھیں باخبر کر دے۔ اور پروشیہ کی آغوش اگرچہ حاکمانہ شان رکھتی تھی۔ لیکن غیر دوستانہ نہ تھی پھر جس وقت یہ معلوم ہوا کہ نپولین اور بن ہیم اور کیسرز لاٹرن کی بیع وشرا کر رہا ہے، تو اُن دماغوں کو بھی جن میں اب تک کوئی تخیل رسائی نہ پاسکا تھا، وطن آبائی کے اتحاد کی عظمت وشان کی ایک تجلی نظر آنے لگی نہ صرف پروشیہ کو تاوان جنگ دینے اور سرحدی مواضع کی تحویل کے چھوٹے چھوٹے مسئلے بہت جلد طے ہو گئے بلکہ خفیہ معاہدے کر کرکے تمام جنوبی ریاستوں نے شاہ پروشیہ سے اقدامی اور دفاعی اتحاد قائم کیا اور زمانۂ جنگ میں اپنی ساری فوج اس کی تحویل اور قیادت میں دینے کا قول قرار کر لیا۔ گویا نپولین کی شاطری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس نے شروع میں اپنی مداخلت سے بسمارک کے جن منصوبوں کو بگاڑا تھا، آخر میں شاید کچھ زیادہ ہی انھیں کامیاب بنا دیا۔ کیونکہ اس کی کارروائی سے جرمانیہ کی جنوبی حکومتیں، مجبور یا مغلوب ہو کر نہیں بلکہ خود اپنی غرض کے لئے پروشیہ کی حلیف بن گئیں[1]۔ فرانس میں حکومت بادشاہی کے دشمن کہتے تھے اور اس میں مشکل سے کوئی مبالغہ ہو گا، کہ ہر غلطی جو کھائی ممکن تھی نپولین ثالث نے ایک سال، یعنی ۱۸۶۶ء کی مدت میں کھائی۔ اب صرف ایک جرم، بلکہ دیوانگی کی حرکت ایسی باقی رہ گئی تھی، کہ شہنشاہ کے معترض طعنے دے دے کے اس کا ارتکاب کرائیں اور نپولین اور ملک فرانس کی اس طاقت سے ٹکر دلوا دیں جس کی شیرازہ بندی کو یہ بادشاہ نہ روک سکا تھا؛

جنوب کی جرمن ریاستوں کے پروشیہ سے خفیہ معاہدے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کونگ گراٹز کی لڑائی سے پیشتر، شہنشاہ فرانس نے حصول بلجیم کے متعلق حکومت پروشیہ سے جو کچھ تجویزیں کیں، وہ صرف خفیہ قاصدوں کے ذریعے سے کیں اور ان کا کوئی علم فرانس کے سفیر بینے دیٹی کو یا تو ہوا ہی نہیں اور ہوا تو محض دوسروں کی زبانی ہوا۔ بسمارک کے قول کے مطابق تو یہ سلسلہ جنبانی بہت

فرانس کو معاوضہ ملنے کی تجویزیں

[1] ہاہن جلد اول۔ ۵۰۱، ۵۰۵ تک

پہلے یعنی ۱۸۶۲ء ہی میں شروع ہوگئی تھی جب کہ وہ خود پیرس میں پروشیہ کا سفیر تھا، اور اسی وقت سے زبانی یا خانگی خطوط کے ذریعے سے یہ تجویزیں اس سے کی جارہی تھیں۔ ڈنمارک کی جنگ میں نپولین کے الگ تھلگ رہنے کا راز یہی خفیہ نامہ وپیام تھے۔ پھر جس وقت آسٹریہ سے پروشیہ کی جنگ سر پر تلی ہوی نظر آئی تو نپولین کے خفیہ کارندوں اور رشتہ داروں کے ذریعے اس لین دین کی تجویزوں پر از سر نو نامہ وپیام ہونے لگے۔ بینے دیتی اپنے آقا کی اس راز کی داد وستد سے بالکل بے خبر رکھا گیا اور ایک حد تک یہی وجہ تھی کہ جب خود بینے دیتی کو حکومت فرانس کے مطالبات پیش کرنے کی خدمت سپرد ہوی تو ۱۸۶۶ء کی معرکہ آرائی کے بعد کے نامہ وپیام کے متعلق اس سفیر کے بیانات اور امیر کبیر بسمارک کے بیان میں ایسا غیر معمولی تفاوت واقع ہوا۔ جون میں، جب کہ بظاہر فرانسیسی سفیر ہنوز بے خبر تھا کہ پس پردہ کیا ہورہا ہے اس نے فرانس کے وزیروں کو اطلاع دی کہ بسمارک کو فرانس کے غیر جانب دار رکھنے کا بہت خیال ہے اور اسی لئے وہ کنایۃً کہہ رہا ہے کہ اگر آیندہ جنگ میں پروشیہ کو کوئی بڑی کامیابی حاصل ہو، تو فرانس کو بھی اس کی بے طرفی کا معاوضہ دیا جاسکتا ہے۔ اس اطلاع میں یہ ضرور تحریر تھا کہ کاؤنٹ بسمارک نے بیان کیا کہ کوبلنز اور بون سمیت ولایات رہائن کو فرانس کے حوالے کرنے کی نسبت تو میں سرکاری کاروبار سے ہی دستکش ہونے کو ترجیح دوں گا، البتہ مجھے امید ہے کہ آگے چل کر بادشاہ (شاہ پروشیہ) سے بالائی موزل کے پروشوی ضلع ٹریوز کے انتقال کی منظوری مل جائی ممکن ہے اور یہ ضلع لوکزیمبرگ یا بلجیم اور سوئزرلینڈ کے بعض حصّوں سے ملا لیا جائے تو فرانس کی حدود میں بہت خاصہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ سفیر نے اسی اطلاع میں بطور رائے زنی کے یہ بھی بڑھا دیا تھا کہ ساری مملکت میں صرف بسمارک ایسا شخص ہے جو پروشیہ کے کسی جزو قلیل کو منتقل کرنے پر مائل بھی ہوگیا ہے ورنہ اگر فرانسیسی حکومت نے ذرا بھی رہائن کی طرف اپنی سرحدیں بڑھانے کا ارادہ کیا، تو فرانس کے خلاف شدید اور عالمگیر نفرت کی آگ مشتعل ہوجائے گی۔ تحریر کے آخر میں اس نے لکھا کہ امیر کبیر بسمارک کی تجویزیں سُن کریں نے بحث کو قطعی طور پر ختم

باب۵

کر دیا تاکہ وزیر اعظم پروشیہ کہیں اس خیال میں نہ رہے کہ بلجیم یا سوئی زرلینڈ کے اضلاع پر قبضہ کرنے کی کوئی تجویز بھی ایسی ہو سکتی ہے جس کو پیرس میں فی الواقع غور و بحث کے لائق سمجھا جائے۔" (جون ۴ — ۸)

بینے دیتی نے یہ آخری الفاظ غالباً بالکل سچے دل سے تحریر کئے تھے۔ چند ہفتے بعد مبادیاتِ نکولس برگ طے ہو چکے تو اسے حکم دیا گیا کہ لوبریہ کی پیلے ٹی نیٹ (امارت)، نیز رہائن کے مغرب میں ہیس ڈرامس ٹیڈ کا علاقہ منیز سمیت اور

اقطاع رہائن کا مطالبہ ۲۵ر جولائی۔ ۶ر اگست ۱۸۶۶ء

سار کے کنارے پروشیہ کی وہ پٹی طلب کرے جو ۱۸۱۴ء میں فرانس کو ملی لیکن ۱۸۱۵ء میں پھر اس سے لے لی گئی تھی امیر کبیر بسمارک کے بیان کے مطابق، جس میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے، بینے دیتی نے یہ مطالبہ اتمام حجت کے طریق پر پیش کیا اور علانیہ جنگ کی دھمکیاں دیں جس کے جواب میں بسمارک نے بھی اتنی ہی درشتی اور سخت زبانی سے کام لیا۔ بہر حال، یہ مطالبہ بغیر کسی شرط و رعایت کے مسترد کر دیا گیا اور بینے دیتی نے خود پیرس کا سفر کیا کہ پروشوی مستقر پر جو کچھ معاملہ گزرا تھا اسے تفصیلاً بیان کرے۔ اس کی تقریر نے شہنشاہ پر ایسا اثر ڈالا کہ اقطاع رہائن کی تحویل کے مطالبات سے فوراً ہاتھ اٹھا لیا گیا اور وزیر امور خارجہ دروئن دلوئی جو انھیں بزور شمشیر منوانے پر آمادہ تھا، استعفیٰ دینے پر مجبور ہوا۔

بینے دیتی برلن واپس آیا اور وہاں بلجیم کے متعلق وہ گفتگو شروع ہوئی جس میں

بلجیم کے متعلق تجاویز ۱۶ تا ۳۰ر اگست

حصہ لینے والوں کے زبانی بیان، بلکہ خود اس وقت کی لکھی ہوئی تحریروں میں بہت سی باتیں عجیب اور ناقابل شرح نظر آتی ہیں۔ بینے دیتی کے قول کے بموجب کاؤنٹ بسمارک جرمن اتحاد کو مین کے جنوب میں وسیع کرنے کا دل سے خواستگار تھا اور اس غرض کے لئے کم سے کم ایک بڑی طاقت سے کامل اتحاد قائم کرنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر فرانس پر پڑتی تھی اور وہ فرانس کی دوستی حاصل کرنے کے درپے تھا اور اس کے معاوضے میں قبضۂ بلجیم میں سہولت بہم پہنچانے کا وعدہ کرتا تھا۔ لیکن، بینے دیتی کی روایت کے مطابق، یہ معاملہ اس لئے طے

باب ۵ نہ ہو سکا کہ شہنشاہ نپولین چاہتا تھا کہ جنوبی جرمانیہ کے قلعوں میں، انہی ریاستوں کی فوج متعین رہے جن کے دو قلعے تھے۔ دوسرے اسی زمانے میں جنرل مانٹیوفل کو، جو برلن سے خاص سفارت پر سینٹ پیٹرز برگ بھیجا گیا تھا، روس سے ایسا مکمل اتحاد کر لینے میں کامیابی ہو گئی کہ فرانس کے ساتھ کسی عہد و پیمان کی ضرورت نہ رہی۔[1] اس کے برخلاف، امیر کبیر بسمارک کا بیان یہ ہے کہ اس موقع پر جو کچھ تجویزیں ہوئیں وہ کلیتاً فرانسیسی سفیر نے کی تھیں اور یہ محض انہی تجاویز کا اعادہ تھا جو گذشتہ چار سال سے نپولین پیش کر رہا تھا اور پھر تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنے خفیہ کارندوں کی معرفت ۱۸۷۰ء کی جنگ کے عین آغاز تک، ان کی تجدید کرتا رہا تھا۔ بسمارک کہتا تھا کہ میں جو ان تجاویز کے ساتھ آڑے پلے کرتا رہا اس کا سبب یہ تھا کہ صاف انکار کی صورت میں ممکن تھا کہ فرانس و پروشیہ کے درمیان جنگ چھڑ جائے اور یہ ایسی مصیبت تھی کہ میں آخر تک اسے ٹالنے کے درپے رہا۔ بہر نوع بینے دیتی کے نامہ و پیام کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور موسم خزاں میں دونوں مدبر برلن کے باہر گئے تو یہ گفتگو منقطع ہو گئی۔[2]

۱۸۶۶ء کی جنگ غیر معمولی تیزی سے ختم ہوئی لیکن اس کے نتائج مستقل اور

---

[1] بینے دیتی، صفحہ ۱۹۱ وغیرہ وغیرہ۔ گوودن کے مراسلات سے اس خیال کی بڑی تائید ہوتی ہے کہ فرانس کے حصول بلجیم کے منصوبوں میں بسمارک محض خاموش مخاطب نہ تھا۔ اس بات کا تو زیادہ قرینہ نہیں پایا جاتا کہ یہ منصوبہ خود اس نے پیش کیا ہو لیکن مجھے اتنا بالکل یقینی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی تائید ضرور کرتا رہا۔ ورنہ مختلف فرانسیسی اور اطالوی تحریرات کو جن کا ایک دوسرے سے تعلق نہیں، اول سے آخر تک جعلی ماننا پڑے گا۔[2] ۱۸۷۰ء کی جنگ کے شروع میں بسمارک نے اس عہد نامے کا مسودہ شائع کیا تھا جو ۱۸۶۶ء میں فرانس و پروشیہ کے اتحاد کے لئے زیر بحث آیا اور جس میں فرانس کے استحصال بلجیم کی شرط مندرج تھی۔ اور یہ مسودہ بینے دیتی کی قلم سے فرانسیسی سفارت خانے کے کاغذ پر تحریر تھا۔ بینے دیتی نے اس کے جواب میں بیان کیا کہ میں نے یہ مسودہ خود بسمارک کے لکھوانے سے لکھا اور یہ بات کسی طرح قرین قیاس

باب (۵)

پروشیہ اور شمالی جرمانیہ جنگ کے بعد

عظیم الشان تھے۔ اہل وینس کو اب گذشتہ جمہوریت کی یاد نہ ستاتی تھی اور نہ خاندانِ سیوائے کی حبِ وطن میں شک وشبہ موجب تردد تھا۔ اب تو وہ وکٹر امانوئیل کے خیر مقدم کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ادھر بسمارک کونگ گراٹز کے میدان جنگ سے واپس آیا تو اس کے اور فوج کے کارناموں سے جو ملک میں جوش وخروش کا طوفان سا برپا ہوا اس کی رَو میں بسمارک سے لوگوں کی پہلی بیزاری غائب ہو گئی تھی۔ ایک عہد جدید کا آغاز ہو رہا تھا۔ گذشتہ عداوتیں فرسودہ ہو چکی تھیں اور اہلِ پروشیہ اور اُن کے اربابِ حکومت کے سامنے، بادشاہ اور مجلس کی بے نتیجہ کشمکش جاری رکھنے کی بجائے، کہیں بہتر و معزز کام موجود تھے۔ دورِ گذشتہ سے انقطاع کا سب سے علانیہ جس شخص نے اظہار کیا وہ خود بسمارک تھا۔ اور یہ بات پروشیہ کی قدیم قدامت پسند جماعت کو، جو صدر اعظم کو اپنا آدمی سمجھتی تھی، سب سے زیادہ ناگوار گزری تاہم شمالی ریاستہائے جرمانیہ کا متحدہ آئین مرتب کرتے وقت، بسمارک اسی اصول پر ثابت قدم رہا جس کو اُس نے جنگ سے قبل فرنیک فرٹ میں پیش کیا تھا کہ جرمن قوم کی نیابت ایسی مجلس کرے جس کے مبعوثین کو اہلِ ملک نے بلا واسطہ رائے سے منتخب کیا ہو۔ ہنوور، ہیس کاسل اور ڈنمارک کی ریاستوں کا پروشیہ سے الحاق کرتے وقت وہ سمجھ گیا کہ اگر شاہ پروشیہ کی حکومت نے جاگیرداروں اور فوجیوں کے سوا اور کسی کو دوست نہ بنایا تو نئی رعایا کا پروشیہ کے ساتھ دل سے متحد ہونا غیر ممکن ہے۔ پھر اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ حکومت کا بغیر مجلس کی منظوری کے محاصل وصول کرنا خلافِ قانون فعل تھا، اور اسی بنا پر مجلس سے عفو عام کا فتویٰ طلب کیا۔ برلن کی مجلس مبعوثین سمجھ گئی اور خوش ہوئی کہ یہ مصالحت کا پیام ہے اور اس نے جو کچھ ہوا تھا، اسے دل سے معاف کر دیا بلکہ جن اشخاص کی بادشاہ

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ نہ ہوتی اگر یہ معلوم نہ ہوتا کہ ۱۸۶۶ء میں پروشیہ اور اطالیہ کے معاہدے کا مسودہ بھی اسی طرح بسمارک نے املا کرایا اور فی الواقع اطالیہ کے سفیر بارل نے اپنی قلم سے اسے تحریر کیا تھا۔

سے سفارش کی کہ انھیں خدمات وطن کے معاوضہ میں انعام ملنا چاہیے، باب (۵)
ان میں از خود بسمارک کے نام کا اضافہ کر دیا مجلس میں کثرتِ تعداد "ترقی طلب" گروہ کی تھی لیکن اب مختلف گروہوں کے ملنے سے ایک نیا فریق "قومی آزاد خیال" کے نام سے مرتب ہوا جو ملکی معاملات میں تو ترقی طلب گروہ کا ہمنوا تھا لیکن کُل جرمانیہ اور بیرونی ممالک کے معاملے میں صدر اعظم کی حکمت عملی کا مؤیّد ہو گیا۔ ہنوور وغیرہ ضم کردہ علاقوں کے بہت سے قابل افراد پہلے اپنی اپنی حکومتوں کے فریق اختلاف کے سرگروہ تھے، اب انھیں کام کرنے اور سیاسی قابلیت کے جوہر دکھانے کا وسیع تر میدان مل گیا۔ بسمارک کے ساتھیوں میں سے کئی وزیروں کو جو مجلس سے معرکہ آرائی کے زمانے میں عہدے پر فائز تھے، علیحدہ ہونے کی اجازت دی گئی اور ان کی جگہ ایسے لوگ مقرر ہوئے جو قومی آزاد خیالوں کے فی الجملہ ہم آہنگ تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پروشیہ کی توسیع اور ممالکِ جرمانیہ کی سیادت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ خود فرماں رواے پروشیہ ایک شخصی اور عسکری حکومت کا آلۂ کار رہنے کی بجائے، معلوم ہوتا تھا کہ ترقی کر کے صحیح معنی میں ایک بڑی قوم کا نائب بن گیا۔

ہنگری اور آسٹریہ ۱۸۶۵ء

کونگ گراٹز کی جنگ سے آسٹریہ کو ایک فائدہ یہ ہوا کہ بادشاہ اور اہل ہنگری کے مابین جو مخاصمت چلی آتی تھی وہ طے ہو گئی۔ فروری ۱۸۶۱ء کا آئین ابتدا میں چند سال تک تو امید افزا طریق پر کام دیتا رہا لیکن آخر میں مگیاروں کے اڑے رہنے سے کہ ہم ساری سلطنت کی ایک مجلس تسلیم نہیں کرتے، بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ رئیخسراٹ (مجلس شوریٰ) کے اندر ہی ہنگری کی مثال نے تخریبی عنصر کا کام کیا۔ پول اور چک مبعوث مجلس کا ساتھ چھوڑ بیٹھے۔ وزیر اعظم شمیرلینگ کا اثر و اقتدار جاتا رہا اور ۱۸۶۵ء کی گرمیوں میں اسے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔ چند ہی روز کے بعد ایک فرمان شاہی نے آئین کو معطل کر دیا شمیرلینگ کا جانشین کاؤنٹ بل کریڈی ہوا تھا اور اس نے مگیاری سرگروہوں سے مصالحانہ

باب (۵)

قرار داد کی کوشش کی۔ ہنگری کی مجلسِ اضلاع دوبارہ مرتب ہوی اور ختمِ سال سے قبل بادشاہ نے بنفسِ نفیس اس کا افتتاح کیا۔ یعنی فرانسس جوزف نے اعلان کیا کہ ہم اپنے پہلے حکم کو کہ بغاوت کی وجہ سے اہلِ ہنگری کے قدیم حقوق سلب ہو گئے، منسوخ کرتے ہیں۔ اور اس کے جواب میں استدعا کی کہ مجلس بھی ۱۸۴۸ء کے قوانین کو ابھی تک نافذ نہ سمجھے۔ اس کی حجت یہ تھی کہ قانونی طور پر یہ قوانین جائز تھے یا نا جائز، اب ان پر بجنسہٖ عمل کرنا غیر ممکن ہے۔ سلطنت کے دو برابر کے حصوں میں، مشترکہ معاملات کے طے کرنے کی غرض سے خواہ مخواہ ایک مشترکہ حکومت ہونی چاہئے۔ اب یہ مجلسِ اضلاع کا کام ہے کہ اس مسئلہ پر بادشاہ سے کوئی مناسب قرار داد کرے اور ٹرین سِل وانیہ اور کروایشیہ کے ہنگری سے تعلقات کی قابلِ اطمینان صورت نکالے۔ فرانسیس جوزف وعدہ کرتا تھا کہ اِن مسائل کے متفقہ طور پر طے ہوتے ہی وہ مگیاروں سے مصالحت کی تکمیل کے لئے، ہنگری آکر اپنی تخت نشینی کی رسم پوری کردے گا۔

ڈیاک

بادشاہ کے اِن کلمات کی مخاطب وہ مجلسِ مبعوثین تھی، جس میں اعتدال پسندوں کی اکثریت تھی اور ان کا سرگروہ فرانسس ڈیاک تھا۔ ۱۸۴۷ء کے انتخاب کے وقت ہنگری کے آزاد خیالوں کا نظامِ عمل اسی ڈیاک نے مرتب کیا تھا اور معلوم ہوتا ہے اپنی غیر معمولی سیاسی قابلیت اور طبیعت کی بے ریا جرأت و دلیری کی بدولت اسی زمانے میں لوگوں کی اس پر نظر پڑتی تھی کہ اہلِ وطن کے سامنے آئندہ جو کام ہے اس میں سب سے بڑا نہیں تو بڑا حصہ ضرور ڈیاک کا ہوگا لیکن انقلاب انگیزوں کے سخت اور شدید طریقے اس کے مزاج سے موافقت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ بتھیانی کی وزارت میں کچھ عرصے کام کرنے کے بعد، آسٹریہ سے جنگ چھڑی تو وہ سیاسی معاملات سے دست کش ہو گیا اور کوسوت کے دورِ حکومت اور ۱۸۴۹ء کی جد و جہد کے زمانے میں گوشہ نشین رہا۔ وہ خاندانِ ہیپس برگ کا وفادار اور مستقبل کے امکانات کا صائب الرائے حکم تھا،

باب (۵) لہٰذا جب کوسوت نے بادشاہ کو معزول اور ہنگری کی خود مختاری کا اعلان کیا تو ڈیاک اس کارروائی سے بالکل الگ رہا۔ اس کی حُبِ وطنی اور بے لوثی کے متعلق کبھی خفیف ترین شبہ کی گنجائش بھی پیدا نہ ہوئی لیکن ایک واضح اور مخالف عقیدۂ سیاسی نے اسے ان سرگروہوں سے الگ کر دیا تھا جن کی بلند ہمتی کا نتیجہ وہی تباہی ہوا، جو ڈیاک کو پہلے سے نظر آگیا تھا۔ اور اس طرح ہنگری کے پاس ایک صاحب تدبیر شخص ایسا باقی رہ گیا کہ جب مصالحت کا وقت آئے تو وہ اپنے ماضی سے رجوع کئے اور بادشاہ کی شرمندگی کا سبب ہوئے بغیر آسٹریہ اور ہنگری میں ثالثی اور صلح صفائی کی خدمت انجام دے سکے۔ ڈیاک ان مطالبات میں جنھیں وہ اپنے ملک کا قرار واقعی حق سمجھتا تھا، کمی کرنے کے لئے ذرا بھی تیار نہ تھا۔ ہنگری کی مجلسِ اضلاع نے ۱۸۶۱ء میں تمام سلطنت کی واحد مجلس کا آئین ماننے سے انکار کیا تو ان اہلِ مخالفت کا رہنما ڈیاک ہی تھا۔ اور وہ تلا ہوا تھا کہ چاہے جو کچھ ہو جائے، ہنگری کی وضع قوانین کی آزادی میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ چنانچہ اس آزادی سے ہاتھ اُٹھانے کی بجائے اُس نے ۱۸۶۱ء کے نامہ و پیام کا انقطاع اور مُلک پر جنگی تسلط ہونا گوارا کیا۔ لیکن اب جبکہ سولہ برس کی کشاکش سے تنگ آ کر خود فرانسیس جوزف نے ہنگری کو صلح و دوستی کی دعوت دی تو ڈیاک سے بڑھ کر کوئی شخص اس بات کا خواہاں نہ تھا کہ بادشاہ اور اہلِ مُلک میں مصالحت کرا دی جائے اور خود

ہنگری کی ذیلی مجلس کی تجاویز۔ ۲۵ رجون ۱۸۶۶ء

مجلس اضلاع میں بادشاہی تجاویز سے جو مخالفت پیدا ہوئی اسے تا امکان رفع دفع کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی کی کوشش سے ایک ذیلی مجلس مقرر ہوئی کہ باہمی قرار داد کی ضروری شرائط طے کرے۔ ۲۵ رجون ۱۸۶۶ء کو اس جماعت نے اپنی رائے پیش کی۔ جس میں سلطنت کے دوسرے حصے کے ساتھ مشترکہ اور واحد مجلس مبعوثین بنائے جانے کی تو مخالفت تھی لیکن جنگ، خزانہ اور امور خارجہ میں مشترکہ وزارت کو تسلیم کر لیا گیا تھا اور سفارش کی گئی تھی کہ ان مشترکہ وزارتوں کے ضروری مصارف کا مجلس ہنگری اور مغربی ریشرات کے وفود تصفیہ کر لیا کریں تجویز

باب(۵)

تھی کہ یہ وفد اپنا اپنا اجلاس ایک دوسرے سے علیحدہ رکھیں اور بذریعۂ خط وکتابت مبادلۂ خیالات کرتے رہیں۔ البتہ جس صورت میں باتراضی طرفین سے سے کوئی فیصلہ نہ ہوسکے تو وہ ملکر اجلاس کریں اور اس میں رائے کی کامل اکثریت سے فیصلہ ہوا کرے۔

ہنگری کی مجلس اضلاع میں بادشاہ فرانسس جوزف کی تجاویز پر طول طویل بحث ہوئی اور تشویش رہی کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہو۔ ذیلی مجلس نے مذکورۂ بالا رائے پیش بھی کی تو اس وقت جب کہ پروشیہ سے جنگ چھڑا چاہتی تھی۔ مجلس کو ملتوی کر دیا گیا تھا لیکن کونگ گراٹز کی جنگ کے بعد ہی ہنگری کے عمائدین وی آنا بلائے گئے اور ذیلی مجلس کی تجاویز کے مطابق گفتگو شروع ہوئی

کونگ گراٹز کے بعد اہل ہنگری سے گفتگو۔

کہ جلد سے جلد کوئی تصفیہ ہوسکے۔ واقع میں دربار وی آنا کی نظر میں یہ کچھ کم اہم بات نہ تھی کہ جس وقت ہنگری کے جلا وطن ٹولیاں بنا بنا کے سیلشیہ اور وینس دونوں طرف سے سلطنت پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے، ڈیاک اور اس دولت شاہانِ ہیپس برگ کے بیرونی دشمنوں سے کسی قسم کی خط وکتابت کرنے سے باز رہے۔ ہنگری کا قریب قریب کامل آزادی حاصل کر لینا اب یقینی ہوگیا تھا پسٹ میں خود مختار مجلس مبعوثین اور وزارت کے قیام کا سوال ہی باقی نہ رہا تھا بلکہ بحث تھی تو اس میں کہ ہر بادشاہی صوبے میں اسی طرح جداگانہ مجلس اور وزارت کیوں نہ قائم کر دی جائے کہ فرماں روائے آسٹریہ واحد یا ریاستین کا بادشاہ ہونے کی بجائے محض متحدہ ولایات کے مجموعے کا صدر رہو وی آنا کا وزیر اعظم کیونٹ بل کریڈی، اسی قسم کے بین الممالک

جمعیت اور شنویت

آئین کا حامی تھا لیکن انہی دنوں مجلس وزارت میں اسے ایک نئے حریف سے سابقہ پڑا جو دوسری قسم کی حکمت عملی کا وکیل تھا۔ پروشیہ سے صلح ہونے کے بعد شہنشاہ جوزف نے امور خارجہ کی وزارت پر کیونٹ بیوسٹ کو مامور کیا جو اب تک سیکسنی کا وزیر اعظم اور ستاورہ لندن منعقدہ ۱۸۶۴ء میں ریاست ہائے جرمانیہ کا سفیر رہ چکا تھا

باب ۱۵

وہ ہنگری کی خود مختاری کو تسلیم کرنے پر آمادہ تھا لیکن سلطنت کے این روئے لیتا ممالک کی واحد وزارت کی حمایت کرتا تھا۔ اس کی تجویز کا منشا یہ تھا کہ مغربی ولایات میں جرمن عنصر بالادست رہے اور گو یہ بات چیک اور اسلاوی باشندوں کو سخت شاق گزری لیکن بادشاہ نے اسے قبول کر لیا۔ تب بل کریڈی مستعفی ہو گیا اور بیوسٹ کو صدر اعظم بنا کے ہنگری سے مصالحت کی تکمیل کا کام اُس کے تفویض ہوا (فروری ۱۸۶۷ء) اُدھر ڈیاک نے ابتک رسمی گفتگو کی خدمت اندراسی کے حوالے کر رکھی تھی اور وہ ۱۸۴۸ء کے اُن نوجوان محبّانِ وطن میں تھا جنھیں سزائے موت کا مستوجب قرار دیا گیا تھا اور اُس نے دس سال جلاوطنی میں کاٹے تھے۔

بیوسٹ کا تصفیہ

مگر اب ڈیاک خود وی آنا آیا اور جو کچھ اُلجھنیں باقی رہ گئی تھیں، اُنھیں چند ہی روز میں صاف کر دیا۔ بادشاہ نے احسان مند ہو کر ہنگری کی وزارت مرتب کرنے کا کام اسے دینا چاہا لیکن ڈیاک نے ہر قسم کا عہدہ، اعزاز اور انعام اکرام لینے سے معذوری ظاہر کی اور اندراسی جس کی صورت بنا کر فی الواقع سولی پر چڑھائی گئی تھی، صدر حکومت مقرر ہوا۔ مجلس اضلاع ۱۸۶۶ء کے ختم سے چند ہی روز قبل دوبارہ مجتمع ہوئی تھی، اُس نے قومی مجلس کا تپاک سے خیر مقدم کیا۔ ۱۸۴۸ء کے قوانین میں جو ترمیمیں وی آنا میں طے پائی تھیں اور انہی میں تین محکموں کی مشترکہ وزارت اور وفود کے ذریعے مشترکہ معاملات طے کرنے کی قرارداد بھی تھی، ان سب کو غلبۂ آرا سے منظور کیا گیا۔[1] فرڈی نینڈ کی سلطنت سے دست برداری کو اہل ہنگری ۱۸۴۹ء کی جنگ و جدال کے زمانے میں تسلیم ہی نہ کرتے تھے، اب اسے جائز مان لیا گیا اور ۸ جون ۱۸۶۷ء کو فرانسس جوزف کی بادشاہ ہنگری کی حیثیت سے

[1] ہنگری کے پاس اپنی فوج محفوظ کے لیے محکمۂ دفاعِ مُلک کے نام سے ایک وزارت موجود رہی اور اسی طرح اپنے جداگانہ آمد و خرچ کا وزیر خزانہ بھی الگ رہا۔ گویا تین مشترکہ وزارتوں میں سے صرف امور خارجہ کا محکمہ ایسا تھا جو صحیح معنوں میں پوری سلطنت کی طرف سے اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔

باب (۵)

پست میں تخت نشینی دھوم دھام کے ساتھ منائی گئی وہ زرنقد جو ہنگری کے بادشاہ کو تخت نشینی کے وقت پیش کیا جاتا تھا، اسے فرانسس جوزف نے قابل

فرانسس جوزف کی تاجپوشی ۸ر جون ۱۸۶۷ء

ستائش جوش میں آکے اُن خاندانوں میں تقسیم کرا دیا جن کے مرد ۱۸۴۹ء میں خود اُسی سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے۔ عام و عالمگیر معافی کی منادی کر دی گئی اور تمام جلا وطنوں کو، بجز اس کے کہ وہ جدید آئین کو تسلیم کریں، بلا کسی شرط کے واپس آنے کی اجازت ملی۔ صرف کوسوتؔ ایسا شخص تھا جس نے اب بھی اپنے وطن آنے سے انکار کیا کہ جب تک ہیپس برگ خاندان کی حکومت ہے میں ہنگری نہ آؤں گا، اور از رہ فخر انہی خیالات و آرا پر جما رہا جو مدّت سے قصۂ ماضی ہو چکے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مگیاروں کی کامیابی میں کوئی کسر نہیں رہی۔ ہنگری کے وکیلوں نے ہوسٹ اور مغربی ولایات کے قائم مقاموں کو کچھ اس طرح دبا لیا کہ نہ صرف سلطنت کے بالی بار میں ہنگری بہت ہی قلیل حصّہ لے کر بچ گئی بلکہ مملکت ہنگری کے اسلافی اور روماتی باشندوں کے معاملے میں بھی

ہنگری ۱۸۶۷ء کے بعد سے۔

جو بہت اہم مسئلہ تھا، اس قسم کی شرائط عائد نہیں کی گئیں جن سے چیرہ دست مگیاروں کے مقابلے میں ان محکوم قوموں کی پوری حفاظت ہو سکتی۔ اس میں تو کوئی شبہ نہ تھا کہ جب کبھی بادشاہ اور مگیار قوم کی مصالحت ہو گی تو کروشیہ اور ٹرین سل وانیہ کو لازمی طور پر دوبارہ ہنگری میں شامل کرنا پڑے گا۔ اور گو اس موقع پر اہل کروشیہ کے متعلق بعض شرطیں ضرور کر لی گئیں نیز بعض مقامی حقوق کی حفاظت کا ہنگری والوں کو ذمہ لینا پڑا، لیکن مجموعی طور پر دیکھئے تو ہنگری کے غیر مگیاری باشندوں کو حکمراں قوم کے اختیار میں چھوڑ دیا گیا اور اس طرح بسمارکؔ کا وہ مطالبہ کہ ممالک آسٹریہ کا مرجع وی آنا سے پست میں منتقل ہونا چاہیئے، حقیقت میں پورا ہو گیا۔ سلطنت کے مغربی نصف میں، جہاں ابھی تک ایک ہی مجلس، نیابت کی خدمت انجام دیتی رہی، آیندہ سنین میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرکزی حکومت کی نظم و اجتماع کی قوت برابر

سلب ہو رہی ہے۔ چنانچہ آسٹریہ والوں کی سیاسی زندگی طرح طرح کی پریشان کن پیچیدگیوں کا مجموعہ بن کے رہ گئی۔ مگر اس کے برخلاف، ہنگری کے مگیار حکام نہایت استقلال سے مختلف قوموں کو جو ان کے زیرِ حکومت تھیں واحد قوم بنالنے کے کام میں مصروف تھے۔ اُن کو قدرت نے اور قدیم عادات نے وہ سب اوصاف بخشتے تھے جو ایک حکمراں قوم کے، اپنے سے تعداد میں زیادہ لیکن غلبہ جوئی میں کم، قوم پر حکومت کرنے کے واسطے ضروری ہیں اور اس قسم کی اقوام غالب میں جو عیوب ہوتے ہیں، وہ بھی ان مگیاروں میں موجود تھے، پس اب ان نیک و بد آمیختہ خصائص کے ساتھ، وہ مستعدی سے ان امتیازات کو تا امکان مٹانے کے درپے ہوئے جن کی بدولت اہلِ ہنگری ایک قوم نہیں، بلکہ فی الواقع کئی قوموں کا مجموعہ ہیں۔ اپنے ملک کے اسلافی اور رومانی باشندوں کو مگیار حکام نے آہنی شکنجے میں کس لیا لیکن اس تدبیر سے وہ ان کو اپنا گرویدہ نہ بنا سکے۔ اصل میں، ۱۸۴۹ء کی روسی مداخلت کے وقت اہلِ سرویہ اور کروشیہ اور رومانی باشندوں نے مگیاروں کی آزادی پامال کرنے میں جو حصہ لیا تھا، وہ مگیاروں کو فراموش نہ ہوا اور غلبہ پانے کے بعد، انہی واقعات کی یاد کی بدولت ہنگری کے اندر اور باہر ان قوموں کے جائز حقوق کی طرف سے مگیاروں کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ ترکوں کی قابلِ نفرت اور فرسودہ سلطنت کے حامی ہوگئے۔ بایں ہمہ قومی امتیاز ایک دن میں مٹنے والی شئے نہیں ہے۔ مگیاری حکومت نے دولت، تمدن اور فوجی قوت میں روز افزوں ترقی تو کی مگر وہ اُس بے اطمینانی سے نجات نہیں پا سکی ہے جو عین ہمسائے میں اُن آزاد قوموں کی موجودگی سے پیدا ہوتی ہے جن کے ہم نسل گروہوں کی زبان اور قومیت کو مگیار حکام ہنگری میں نسیاً منسیاً کر دینے کے درپے ہیں ؎

باب ششم

نپولین ثالث ۔ مہم مکسیکو۔ فرانسیسیوں کی پسپائی اور میکسی می لیان کا مارا جانا۔ لکسمبرگ کا مسئلہ۔ فرانس میں پروشیہ سے برہمی۔ آسٹریہ۔ اطالیہ۔ من تانا۔ جرمانیہ ۱۸۶۶ء کے بعد۔ تخت ہسپانیہ کے لئے ہوہن زولرن خاندان کے شہزادے لیوپولڈ کی امیدواری۔ فرانسیسی بیان۔ بین دتی اور شاہ ولیم۔ لیوپولڈ کی مراجعت اور ضمانت طلبی۔ اِئمس کا تار۔ جنگ۔ فرانس کے متوقع حلیف۔ آسٹریہ۔ اطالیہ۔ پروشیہ کے منصوبے۔ فرانسیسی سپاہ۔ فرانس کمتری کے اسباب۔ ویزن برگ۔ دورتھ۔ اس پی کرن۔ بورنی۔ مارلاتور۔ گریولوت۔ سیدان۔ پیرس میں جمہوریت کا اعلان۔ فاروبے اور بسمارک۔ محاصرۂ پیرس۔ گان بیتا کا ورود تور میں۔ لوآر کی فوج۔ سقوط میٹز۔ اورلیان کی لڑائی۔ شامپینی کے محصورین کی تاخت۔ اضلاع شمال، لوآر اور مشرق کی فوجیں۔ بورباکی تباہی۔ پیرس کی قبولِ اطاعت اور ہنگامی صلح۔ مبادیات صلح۔ جرمانیہ۔ سلطنت جرمانیہ کی تاسیس۔ بلدیۂ پیرس دوسرا محاصرہ۔ جنگ کے اثرات روس و اطالیہ پر۔ روما۔

نپولین ثالث کے عہد حکومت کے پہلے دسویں سال کے آخر میں اس کی ناموری شاید انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ روس اور آسٹریہ پر اس نے فتح حاصل کی جس سے فرانس کے جنگی فخر کا دماغ آسمان پر پہنچا۔ تجارتی خوش حالی کا فروغ گویا حکومت کی، (جو محکم بھی تھی اور بیدار مغز بھی) برکتوں کا بدیہی ثبوت پیش کرتا تھا۔ پیرس کی از سرِ نو تعمیر نے اس نسل کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں، جو ۱۸۵۰ء سے قبل لندن اور دوسرے صدر مقامات

نپولین ثالث

(باب ۵) کے گندے اور گھٹیا کوچہ و بازار دیکھنے کی عادی تھی، اور صرف چمک دمک اور فراخی دیکھکر اس بات کا مشکل سے اندازہ کر سکتی تھی کہ ان عمارات میں فی الوقع کوئی حسن ہے یا نہیں ہے۔ فن ملک داری میں نپولین کے سُقم، اس کا تلون اور منصوبوں کی بے ربطی، بات کی تہ تک پہنچنے میں اس کا قصور فہم اور انتظامی معاملات میں اس کی ذاتی رائے کا صفر ہونا، اگر تھا تو بہت کم لوگوں کو معلوم تھا اور یہ عیوب عالم آشکارا ہونے نہ پائے تھے۔ اُس نے بعض بڑے بڑے کام انجام دئے لیکن کسی معاملے میں وہ نمایاں طور پر ناکام نہیں رہا۔ اگر اس کی حکومت سنہ ۱۸۶۳ء سے پہلے ختم ہوجاتی تو غالباً عوام کے ذہن میں وہ اپنا بڑا نام چھوڑ جاتا۔ مگر سنہ مذکورہ کے بعد سے اس کی تقدیر نامساعدت کرنے لگی۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں پولینڈ کی طرف سے اس کی مداخلت کو دربار روس نے جس طرح رد کیا، دوسرے ہی سال ڈنمارک کی جنگ میں اپنی ضد یا غلط اندازی کی وجہ سے وہ جس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا، اس سے ظاہر ہوگیا کہ وہ لوگ غلطی پر تھے جن کا خیال تھا کہ شہنشاہ فرانس یورپ کے معاملات میں ہمیشہ دول کو قابو میں رکھنے کی قوت سے کام لیتا رہیگا۔ پھر جرمانیہ کی شیرازہ بندی کے پہلے مرحلے میں جو واقعات رونما ہوئے، ان میں اس کی حکمت عملی پے در پے غلطیوں کا مجموعہ تھی۔ ادھر یورپی منصوبوں کے بگڑنے کے ساتھ ساتھ اس کی وہ مہم بھی اسی زمانے میں شدید نقصان اور ذلت کے ساتھ ختم ہوئی جو اُس نے بحر اوقیانوس کے پار بھیجی تھی اور جس سے اس کے اسباب حرب و ضرب میں ایسے وقت میں بڑی کمی اور کمزوری آگئی جب کہ تمام قوت کا اجتماع ہی یورپ کے معاملات پر کوئی کارگر اثر ڈال سکتا تھا۔

صاحب حکومت ہونے کی حیثیت سے نپولین کی دو شخصیتیں اور دماغ کے دو رنگ تھے جن میں باہم کوئی اچھی مناسبت اور پیوستگی نہ تھی۔ ایک طرف تو وہ بڑی بڑی انسانی قوتوں پر سوچ بچار کرنے والا، زمانے کے رُخ کو اگر بہت گہرا نہیں تو فراست سے مطالعہ کرنے والا، قید

باب (۲۱)

مہم میکسیکو کا منصوبہ

وجلا وطنی میں سالہا سال تک غور و خوض کا عادی، اور سارے یورپ کا وہ فرزند تھا، جسے جرمانیہ، اطالیہ اور انگلستان، ہر ملک نوبت بہ نوبت اپنے وطن سے بھی زیادہ عزیز و قریب نظر آیا کرتا تھا۔ اور دوسری طرف وہ ایک صاحب تخت و تاج قسمت آزما تھا جس کے نام اور منصب کا تقاضہ تھا کہ وہ فرانس کے لئے کوئی ایسی شئ حاصل کرے جو پہلے اس کے قبضے میں نہ تھی، اور دوسرے ہر ملک کے فروغ کو اپنے عروج اور تفوّق کے راستے میں رکاوٹ سمجھے۔ نپولین نے بالکل ٹھیک اندازہ کیا تھا کہ مستقبل قریب میں سب سے بڑی قوت یورپ میں اصولِ قومیت کو حاصل رہے گی۔ اطالیہ اور جرمانیہ میں وہ قومیں اس کے سامنے تھیں جن کا اندرونی نفاق وشقاق ہی انھیں فرانس کا طاقتور حریف بننے سے روک سکتا تھا، بایں ہمہ اُس نے ایک قوم کو تو متحد ہونے میں مدد دی اور خاص خاص حدود کے اندر دوسری قوم کے استحکام اور شیرازہ بندی کو بھی تقویت پہنچانے کے خلاف نہ تھا۔ کیونکہ یہ بات یقیناً وہ خوب سمجھتا ہوگا کہ نیس وسیوآئے بلکہ ولایات رہائن کے ہاتھ آجانے سے بھی فرانس کی وہ کمی پوری نہیں ہوسکتی جو سرحد سے متصل دو بڑی سلطنتوں کے قیام سے لاحق ہوگی۔ مگر وہ اتحاد و اجتماع کے اصول کو فرانس کے فائدے کی خاطر ایک درجہ اور آگے بڑھانے کی فکر میں تھا یعنی اس کی خواہش تھی کہ تمام لاطینی ممالک کا سیاسی نہیں، تو ایک اخلاقی اتحاد قائم ہو جائے اور اس میں پرانی دنیا کے ممالک کی طرح سمندر پار کی آبادیاں بھی، خود اس کے زیر سیادت ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو جائیں۔ یہی منصوبہ تھا کہ ۱۸۶۲ء میں میکسیکو کی مالی بدعنوانیوں کو اس نے فوج کشی کا حیلہ بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں کی جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر ہیپس برگ شہزادے میکس می لیان کو اپنے باج گزار کی حیثیت سے وہاں کا فرماں روا بنایا جائے۔ ابتدا میں انگلستان اور ہسپانیہ بھی فرانس کے ساتھ ہوگئے تھے کہ میکسیکو کے یورپی قرض خواہوں کا روپیہ جبراً وصول کیا جائے لیکن جونہی نپولین

باب ۶

نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا، اسی وقت ان سلطنتوں نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور شہنشاہ اپنے منصوبے پورے کرنے کے لئے تنہا رہ گیا، تو میکسیکو میں فرانسیسی اقتدار قائم کرنے کا خیال نپولین کو اس سلسلے میں پیدا ہوا کہ ان دنوں ولایاتِ متحدۂ امریکہ کی جنوبی ولایتوں نے صدر حکومت سے انحراف کیا تھا اور نپولین کی کوشش یہ تھی کہ بن پڑے تو یورپ کی بڑی طاقتوں کو بیچ میں ڈال کر ان جنوبی ولایتوں کا ایک خود مختار جتھا علیحدہ قائم کر دیا جائے۔ اس کی میکسیکو والی مہم بھی اسی وقت تک کامیاب ہوتی نظر آئی جب تک کہ ولایات متحدہ اس خانہ جنگی میں پھنسی رہیں۔ چنانچہ میک سی می لیان تختِ میکسیکو پر بٹھا دیا گیا اور جمہوری سرگروہ جورز ہٹتے ہٹتے ملک کے شمالی کونے میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ لیکن جنوبی جتھے کی ہزیمت اور ۱۸۶۵ء میں ولایات متحدہ میں امن امان کے بحال ہوتے ہی صورت حالات بالکل بدل گئی۔ حکومت واشنگٹن نے جورز کے سوائے کسی دوسرے کو فرماں روا سمجھنے سے انکار کر دیا اور نہایت اخلاق کے پیرائے میں نپولین کو اطلاع دی کہ اُسے اپنی فوج طلب کر لینی چاہیئے نپولین بروئے معاہدہ پابند ہو چکا تھا کہ میک سی می لیان کی حفاظت کیلئے میکسیکو میں پچیس ہزار فوج متعین رکھے گا۔ بایں ہمہ اُسے ولایات متحدہ کی فرمائش کو مسترد کرتے نہ بن پڑی۔ ۱۸۶۶ء کے اوائل میں اس نے میک سی می لیان کو موقع کی مجبوریاں بتا کے مطلع کیا کہ فرانسیسی فوج عنقریب ہٹا لی جائے گی، حالانکہ اسی فوج نے میک سی می لیان کو بادشاہ بنایا اور اسی کے بل بوتے پر وہ وہاں ٹکا رہ سکتا تھا۔ برگشتہ بخت شہزادے نے اپنی بیوی بنت شاہ بلجیم کو بھی یورپ بھیجا کہ اس بدعہدی سے نپولین کو باز رکھنے کی کوشش کرے لیکن اس کی تگ و دو رائگاں گئی اور اسے بجا طور پر اپنے شوہر کے برے انجام کا ایسا خوف و غم ہوا کہ حواسوں میں فتور آ گیا۔ نپولین زیادہ سے زیادہ جس امر کی جرأت کر سکا وہ یہ تھا کہ اپنی فوج کے واپس بلانے کو ۱۸۶۷ء کے موسم بہار تک ملتوی کر دیا۔ اس نے

میکسی می لیان کی مہم

باب (ت)

نپولین فوج کو مجبوراً واپس بلاتا ہے ۱۸۶۶ء

میکسی می لیان کو بہت سمجھایا کہ تاج و تخت سے خود دست بردار ہو جائے ورنہ پھر یہ وقت بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ لیکن اس شہزادے نے اپنے مشیروں سے قطع تعلق کرنا پسند نہ کیا جو اب تک جمے رہنے کی التجا کئے جاتے تھے۔ ادھر، حامیانِ جوریز نے شمال و جنوب دونوں طرف سے پایۂ تخت پر بڑھنا شروع کیا اور جب فرانسیسی دستے ساحل کی جانب واپس ہٹے تو سارے ملک پر اُن کا قبضہ ہو گیا۔ فرانس کے آخری دستے نے مارچ ۱۸۶۷ء میں میکسیکو کو چھوڑ دیا اور

میکسی می لیان کا زوال اور قتل

۱۵ مئی کو میکسی می لیان جو اس وقت بھی کوئے ریٹرو میں پھنسا ہوا تھا، حامیانِ جمہوریت کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اپنے اقتدار کے زمانے میں اس نے حکم دیا تھا کہ جوریز کے طرفداروں کے ساتھ سپاہیوں کا سا نہیں بلکہ قزاقوں کا سا سلوک کیا جائے اور وہ پکڑے جائیں تو جنگی عدالت ان کی سماعت کر کے چوبیس گھنٹے کے اندر انھیں مروا دے۔ یہی سختی اب خود اس کے ساتھ عمل میں آئی اور موت کا حکم سنا کر اسے ۱۹ جون کو کوئے ریٹرو میں گولی سے اُڑا دیا گیا۔

نپولین ثالث کی سمندر پار اپنے اور اپنے خاندان کے اقتدار قائم کرنے کی کوشش کا اس طرح خاتمہ ہوا۔ میکسی می لیان کا حشر سن کر اہلِ یورپ

نپولین کی ناموری میں فتور آتا ہے۔

کو بہت صدمہ گزرا، اور اس شخص کے نام نیک پر بھی بہت گہرا داغ لگا جس نے اس شہزادے کو لالچ دے کے اس دھوکے کے تخت پر بٹھایا تھا، اور حفاظت کا ذمہ لینے کے باوجود، ایک قوی طاقت کے کہنے پر اسے تباہ ہونے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ گو فرانس کی شہنشاہی کے ظاہری طمطراق میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن اسی وقت سے وہ شخصی اور ذاتی وقار ہوا ہو گیا جس سے ایک وقت میں نپولین اس قدر افراط سے بہرہ مند و سرفراز تھا۔ یورپ اور خود اپنے وطن والوں کی نگاہ میں اب وہ سراپا دانش و تدبر نہ رہا جس

کے دماغ کو آیندہ واقعات کا گنجینۂ راز مانا جاتا تھا بلکہ اس کی حیثیت ایسے قمار باز کی سی نظر آنے لگی جس کی قسمت کا پانسہ کوئی دن میں پلٹنے والا ہو یا اُس غاصب کی سی، جو اپنے تاج اور اپنی اولاد کے مستقبل کے خوف سے لرزہ براندام ہو۔ وہ قبل از وقت بوڑھا ہونے لگا اور یہ کمزوری اور ایک آزار وہ مرض اب اس کی ذاتی محنت و جفاکشی کی قوّت سلب کر رہے تھے۔ اسے فکر ہوئی کہ زمامِ استبداد کو کسی قدر ڈھیلا چھوڑ دے جس سے وہ فرانس کو قابو میں کئے ہوئے تھا اور رائے عامہ کو جو اب اس کے خلاف آواز بلند کر رہی تھی رضامند کرے۔ اور گو حالتِ سکون میں اس کی عقل بتاتی تھی کہ ممالک غیر کے اقطاع کا فرانس میں شامل ہو جانا کچھ بہت سودمند نہ ہوگا اور گمانِ غالب یہ ہے کہ اسے سب سے زیادہ پسند یہی تھا کہ باقی ماندہ عہدِ حکومت پُرامن بیکاری میں گزار دیا جائے، بایں ہمہ مکسیکو کی ناکامی میں کوئی شبہ باقی نہ رہا تو اسے ضروری معلوم ہوا کہ فرانس کے جذباتِ فخر کو جو صدمہ پہنچا تھا اس کی تلافی کی یورپ میں کوئی شکل نکالے۔ اُس نے شاہ ہالینڈ سے لکسمبرگ کی تحویل کے لئے خط و کتابت شروع کی اور اس کی منظوری بھی حاصل کر چکا تھا کہ شمالی جرمانیہ کے اخباروں کو داد و ستد کی سُن گُن مل گئی اور پھر یہ معاملہ سیاسی شاطروں کے ہاتھ سے نکل کر حریف قوموں کا قضیہ بن گیا۔

مسئلۂ لکسمبرگ۔ فروری تا مئی ۱۸۶۷ء

لکسمبرگ ایک خود مختار ریاست، لیکن شاہ ہالینڈ کے زیرِ حکومت تھا اور ۱۸۶۶ء تک اتحاد جرمانیہ میں شامل رہا۔ پھر یہ کہ گو بسمارک نے اس علاقے کو اپنی حزبِ شمالی میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی، تاہم ۱۸۱۵ء کے معاہدوں کی رُو سے پروشیہ کا یہ حق بحال رہا کہ شہر لکسمبرگ کے بالا حصار میں پروشوی سپاہ متعین رہے اور فی الواقع فوج کا قلعہ پر قبضہ بھی تھا۔ فرانس کے نام ریاست کا مجوزہ انتقال سن کر برلن کی مجلسِ ریاست ہائے متحدہ میں حمایتِ وطن کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لکسمبرگ کی آبادی کلیتہً جرمن نہ تھی اور شمالی جرمانیہ کے جدید اتحاد میں داخل ہونے سے یہاں کے لوگوں نے سخت ناراضمندی

باب (۶) کا اظہار بھی کیا تھا لیکن زمانہ گزشتہ میں اس ریاست کا جرمانیہ سے تعلق اتنے قریب کی بات تھی کہ اُن مردان سیاسی کا نپولین کی تجویز پر مشتعل ہوجانا قابل حیرت نہ تھا، جنھیں سان گمان بھی نہ تھا کہ پچھلے ہی سال خود بسمارک نے اس الحاق کی گرمجوشی سے سفارش کی تھی اور آخر وقت تک شہنشاہ فرانس کے منصوبے کا محرم راز رہا تھا۔ ادھر یہ وزیر اپنے ہم وطنوں کی بنیابیوں میں تو حصہ دار نہ تھا لیکن اس نے بیان کیا کہ لکسمبرگ کے متعلق میرا طرزعمل لازمی طور پر مجلس متحدہ کے منشا کے زیر اثر رہے گا اور تھوڑے ہی دن بعد حکام پیرس کے ذہن نشین کرا دیا کہ اس ریاست کا فرانس کے ساتھ الحاق محال ہے۔ فرانس کو ہوش میں لانے کی غرض سے اُس نے پروشیہ کی جنوبی ریاستوں کے ساتھ وہ معاہدے بھی شائع کرا دیے جو ۱۸۶۶ء کی جنگ کے خاتمے پر مرتب ہوئے اور ابھی تک راز میں تھے۔ اس پر دوسری سلطنتوں نے نیک صلاح دینی چاہی۔ کاؤنٹ بیوسٹ نے آسٹریہ کی طرف سے تجویز کی کہ لکسمبرگ کو بلجیم سے ملا دیا جائے اور وہ اس کے بدلے میں ایک چھوٹا سا ضلع فرانس کو دے دے۔ اس فیصلے کو برلن میں بھی قبول کر لیا جاتا اور پروشیہ کی فتوحات سے فرانس میں جو جھنجھلاہٹ پیدا ہوئی تھی، وہ بھی فی الجملہ دُور ہو جاتی اور ممکن تھا کہ اس سے ۱۸۷۰ء کی جنگ ٹل جائے، مگر شاہ بلجیم نے اپنے ملک کا کوئی جزو قلیل بھی دینے سے انکار کر دیا اور مذکورہ بالا تجویز دھری رہ گئی۔ تب نپولین نے ملک گیری کی تمنا سے تحاشی کی اور صرف یہ چاہا کہ لکسمبرگ سے پروشوی فوج ہٹالی جائے۔ لیکن سب کو علم تھا کہ اس مطالبے کو وہ بزور شمشیر منوانے پر تلا ہوا ہے۔ روسی حکومت نے تجویز کی کہ یہ قضیہ لندن میں دول کی مشاورت سے طے کیا جائے۔ اسے فرانس اور پروشیہ نے بعض شرائط کے ساتھ قبول کر لیا اور ۷ رمئی کو مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ اس کی بحث چار دن

لہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان معاہدوں کا جرمانیہ میں فرانس کے کارندوں نے سراغ لگالیا تھا۔ دیکھو روتھان: "ل افیئر دے دو لکسوم بورگ" صفحہ ۴۷۔

میں تمام ہوگئی اور گیارہ تاریخ کو اس کے نتائج عہد نامۂ لندن کی صورت میں سب سلطنتوں نے تسلیم کر لئے۔ اِس معاہدے کی رُو سے ریاست لکسمبرگ کو غیر جانبدار علاقہ اور تمام دول کو اس کی حفاظت کا ضامن قرار دیا گیا۔ پروشیہ نے اپنی فوج ہٹائی اور شاہ ہالینڈ نے جس کی حکومت ریاست پر برقرار رہی ذمہ لیا کہ لکسمبرگ کے فوجی مورچے مسمار کرا کے اسے غیر مصافی شہر رکھا جائے گا۔ؔ

فرانس میں ایسے اہلُ الرّائے بھی تھے جنھیں پروشیہ کی دست درازی یا شمالی جرمانیہ کے اتحاد سے فقط ظاہراسی، بے اعتنائی تھی، یا اسے حقیقت میں مناسب سمجھتے تھے، مگر ان کی تعداد بہت کم تھی۔ اور انہی چند افراد میں نپولین بھی شامل تھا کہ جب ولایات رہائن کے ہاتھ آنے کی تدبیر نہ چلی تو

فرانس میں پروشیہ سے مخالفت کا اضطرار

ایک لمبی چوڑی سرکاری تحریر میں یہ ثابت کرنے بیٹھا کہ ۱۸۱۵ء کے قائم کردہ جرمن جتھے کا ٹوٹنا اور اس رشتے کا منقطع ہونا جس نے آسٹریا اور پروشیہ کو اسی جرمن اتحاد میں وابستہ کر رکھا تھا، فرانس کی حق میں اتنا مضر نہیں جس قدر سودمند ہے۔ وہ زور دیتا تھا کہ فرانس کی مخالفت میں وسط یورپ کے ممالک کو متحد کرنے کی غرض سے جو نظام، ایام نحس میں تیار کیا گیا تھا اسے ۱۸۶۶ء کے واقعات نے پارہ پارہ کر دیا اور دولِ یورپ کو باہمی اتحاد کی آزادی حاصل ہوگئی جس کا مطلب یہ ہے مذکورۂ بالا واقعات نے جنوبی جرمانیہ کی ریاستوں کے لئے امکان پیدا کر دیا کہ وہ فرانس سے وابستہ ہو جائیں؛ لیکن شہنشاہ فرانس اگر فی الواقع اس مغالطے میں تھا، تو ان ریاستوں اور پروشیہ کے مابین معاہدات کی خبر سُن کر اور پھر ۱۸۶۷ء میں ان کے شائع ہو جانے سے اس کی موہوم امیدیں بُری طرح باطل ہوگئیں۔ دوسرے سچ یہ ہے کہ جو اشخاص فرانس کی

ؔ ہالیٹن وغیرہ وغیرہ؛

باب (۶)

آزاد سیاسی رائے کے ترجمان کہے جاتے تھے ان کا طرزِ عمل پہلے سے طے شدہ تھا اور ان کے لئے ان معاہدوں کے انکشاف کی بھی ضرورت نہ تھی۔ مانا کہ بعض وزیر ابھی تک مجبور تھے کہ اچھی اچھی امیدیں قائم کرنے میں شہنشاہ کی نقل کئے جائیں، نیز فریقِ اختلاف میں بعض روشن خیال ایسے تھے جنکی دانست میں اہلِ فرانس کو طوعاً یا کرہاً جرمنوں کی قومی شیرازہ بندی ہوتے دیکھ کر صبر کرنا چاہیئے تھا لیکن عام اور غیر سرکاری اربابِ سیاست کی خواہ وہ کسی فریق سے تعلق رکھتے ہوں یہ رائے نہ تھی بلکہ وہ بلا تامل اس ہنگامۂ مخالفت میں شریک ہو گئے تھے کہ پروشیہ کی حکومت دست درازی کر رہی ہے اور پیرس کے حکام ایسے کمزور ہیں کہ پروشیہ کی چیرہ دستی روکنے کی کوئی تدبیر نہ کرسکے یا یہ کہ، اُلٹی اسے مدد دیتے رہے۔ شہنشاہ کا سب سے سخت نکتہ چیں اور بسمارک کے کئے کام پر سب سے پرجوش تبرّا بھیجنے والا خود تھیر تھا جس نے اپنی انشا پردازی سے نپولین کے نام کو مشہور و مقبول بنانے میں سب سے بڑھ کر حصّہ لیا اور اہلِ فرانس کو اپنی نسبت یہ سمجھنے کا عادی بنایا تھا کہ وادیٔ رہائن میں قومی عظمت کے مالک ہیں تو ہم ہیں؛ غرض یہ ایسے اسباب تھے کہ واجبی طور پر حکومتِ پروشیہ کو یہ باور ہو گیا کہ آج یا کل فرانس کا اس پر حملہ کرنا یقینی بات ہے اور اس لئے اپنی فوجی تنظیم کو سرعت سے مکمل کرنا شروع کیا جس کی بدولت جرمانیہ کو، طاقت و ساز و سامان کے اعتبار سے وہ قوت ملنے والی تھی جو کبھی سننے میں بھی نہ آئی تھی۔

اس بات کی کوئی شہادت نہیں نظر آتی کہ نپولین ثالث اس وقت تک کہ پروشیہ، معاہدۂ پراگ کی شرائط کی پوری پابندی کرے، اس پر حملہ کرنے کا خواہشمند تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے معاہدۂ پراگ کی رُو سے جرمانیہ کی جنوبی ریاستیں آزاد رکھی گئی تھیں۔ بایں ہمہ واقعات کی رَو تمام ممالک جرمانیہ

فرانس اور پروشیہ ۱۸۶۷ء کے بعد

اتحاد و یکجہتی کی طرف دھکیل رہی تھی۔ معاہدے نے دریائے مین کو حزبِ شمالی کی سرحد قرار دیا گیا تھا مگر اسی کے ساتھ جنوبی ریاستوں کو مجاز کر دیا گیا تھا

کہ وہ شمال سے کسی قسم کا ملکی تعلق قائم کر سکتی ہیں۔ پس شہنشاہ فرانس کو عرصۂ دراز تک امن قائم رہنے کی قوی امید ہو سکتی تھی تو صرف اس صورت میں جبکہ وہ ارادہ کر چکا ہو کہ جرمانیہ کے تمام ملکوں کے بتدریج باہم ملجانے کو گوارا کرے گا اور شمالی اور جنوبی جرمانیہ کے ایک ہوجانے کو، پردیسی ادمی کی نگاہ میں دو جداگانہ ملک تھے، جائز رکھے گا۔ مستقبل کا ایک صحیح اندازہ کرنے اور اسے قبول کر لینے سے، یا یوں کہئے کہ علانیہ پروشیہ کا یہ حق تسلیم کر لینے سے کہ وہ تمام جرمانیہ کی شیرازہ بندی کرلے، پروشیہ کے وہ سب خوف و خطر تو زائل ہو جاتے جنھوں نے اس کی نیند اڑا رکھی تھی ۔ لیکن یہ فعل حقیقت میں، خواہ کیسا ہی دانشمندانہ اور عظیم الشان ہو، ظاہر میں ایسی کمزوری اور نفس کشی ہوتی کہ حریف قوم کا کوئی سردار اسے گوارا نہ کرسکتا تھا۔ نپولین نے یہ راستہ اختیار نہ کیا۔ اور دوسری طرف معاہدۂ پراگ کے پابند رہنے کی صورت میں، پروشیہ پر حملہ کرنا بھی نہ چاہا اور فوری کارروائی یا زبردستی کے ارادے سے کسی معاون و حلیف کی بھی تلاش نہ کی۔ دراصل اس بادشاہ کا ۱۸۶۶ء سے ۱۸۷۰ء تک کے زمانے کا سیاسی طرز عمل ابھی لوگوں کو اچھی طرح معلوم نہیں ہے ۔ تاہم ایسا قیاس ہوتا ہے کہ اس کی ساری کوشش یہ رہی کہ اگر پروشیہ، معاہدۂ پراگ کی اُن حدود سے تجاوز کرے جو خود وہ یا پیرس کی رائے عامّہ اس معاہدے کی تعبیر کر کے، پروشیہ پر عائد کرتی تھی، تو اس وقت کوئی کارروائی کرنے کی غرض سے دوسری طاقتوں سے اتحاد یا شرکت کا عہد و پیمان کیا جائے۔

وہ حکومتیں جن سے کسی حد تک امداد و اعانت کی توقع ہو سکتی تھی، آسٹریہ اور اطالیہ کی حکومتیں تھیں۔ کاؤنٹ بیوسٹ جو اُن دنوں سلطنت آسٹریہ

آسٹریہ سے رسل و رسائل ۱۸۶۸-۶۹ء

کا چانسلر تھا، پروشیہ سے شدید عداوت رکھتا تھا۔ وہ بے قابو اور تُن چلا سیاست داں تھا اور ریاست سیکسنی کی حقیر سیاسیات سے اُس کا یکبارگی اس قدر ترقی کرجانا ہی ایک سبب ہوگیا اور وہ بڑے بڑے معاملات کو انجام دینے میں ایسی

باب (۹) بیدا کی اور کسی قدر بیہودہ بے پروائی سے کام لینے لگا۔ اسے جرمانیہ میں آسٹریہ کا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی فکر تھی اور مغرب میں روسی اقتدار کی توسیع کا سدّباب کرنے کی غرض سے یہاں تک آمادہ تھا کہ پولوں کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ ہیپس برگ بادشاہ کے زیر حکومت، گلیشیہ میں اپنی قومی مُراد بر لانے کی کوشش کریں۔ بیوسٹ کی نظر میں فرانس، آسٹریہ کا سب سے بڑھ کر قدرتی حلیف تھا۔ لیکن دقّت یہ آن کر پڑی کہ ہنگری کی جدید حکومت نے جس کی ساخت پرداخت میں خود بیوسٹ کا ہاتھ شریک رہا تھا، اسے اپنی حکمت عملی اختیار کرنے میں سخت مشکلات پیدا کر دیں ہنگری کا صدر اعظم، اندراسی روس کی عداوت میں تو بیوسٹ کا ہم آہنگ تھا مگر جرمانیہ کے بارے میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرے ہم وطنوں کو آسٹریہ کے جرمن ممالک سے دوبارہ تعلق قائم کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا بلکہ حقیقت میں ہم بغیر اس تعلق ہی کے اچھے ہیں۔ بدیں وجوہ فرانس و آسٹریہ کے بادشاہوں کو جو کچھ قرار داد منظور رہی وہ، خطوط سے طے ہوتی رہی۔ یہ سلسلۂ مکاتبت ۱۸۶۸ء و ۱۸۶۹ء میں جاری رہا اور اس کا نتیجہ یہ یہ نکلا کہ نپولین نے وعدہ کیا کہ اگر پروشیہ، آسٹریہ پر حملہ کرے تو وہ آسٹریہ کی مدد کرے گا اور ادھر شہنشاہ فرانسس جوزف نے قول دیا کہ اگر فرانس پر پروشیہ اور روس ملکر حملہ کریں تو اس صورت میں وہ فرانس کے ساتھ ہوگا۔ باقاعدہ عہد نامہ نہیں لکھا گیا لیکن دونوں بادشاہوں نے ایک دوسرے کو اطمینان دلایا کہ وہ ایک سی حکمت عملی اختیار کریں گے اور ایک دوسرے کے اغراض و مفاد کو بالکل اپنا سمجھیں گے۔ اس مفاہمت میں اور زیادہ پختگی کی غرض سے فروری ۱۸۷۰ء میں شہزادہ البرخٹ پیرس آیا اور ادھر سے ایک فرانسیسی جنرل دی آنا بھیجا گیا کہ پروشیہ سے لڑائی کی صورت میں جنگ کا نقشہ مرتب کرے۔ توقع تھی کہ ایسی جنگ میں جس میں یہ دونوں طاقتیں شریک ہوں، اطالیہ بھی ساتھ ہو جائیگا۔[1]

[1] سوریل: ہستوار دِپلوماتیک۔ جلد اول، ص ۳۸؛ لیکن دیکھو وہ مباحثہ جو بیوسٹ اور

اطالیہ ۱۸۶۶ء کے بعد

واضح رہے کہ ۱۸۶۶ء کے اطالیہ اور پروشیہ کے اتحاد کا نتیجہ ان ملکوں میں اچھے تعلقات پیدا کرنے کی بجائے معاندت ہوا تھا۔ لا مارمورا کے روابط برلن کے ساتھ اول سے آخر تک ناسازگار رہے۔ معاہدۂ اتحاد کے وقت وہ مشتبہ تھا۔ اسے خوشی ہوتی اگر وینیشیہ دول یورپ کی باہمی مشاورۃ سے بغیر لڑے بھڑے اطالیہ کے ہاتھ آ جاتی۔ پھر جب وقت جنگ چھڑ گئی تو اس نے حکومت پروشیہ کی تحریر و پر کوئی اعتنا نہ کی بلکہ بُرا مانا کہ گویا اسے سبق دیا جا رہا ہے کہ لڑائی میں کیا کیا جائے۔ دوسری طرف اہلِ پروشیہ اطالیہ والوں کو الزام دیتے تھے کہ نپولین اور شہنشاہ آسٹریہ میں وینس کی از خود تحویل کے متعلق قرار داد ہوئی تھی تو اسی کے مطابق اہلِ اطالیہ نے کستوزا کی جنگ کے بعد عمداً اپنی فوج کو آگے بڑھنے سے روک لیا اور آسٹریوں کو موقع دے دیا کہ وہ اطالوی محاذ سے اپنی فوج ہٹا کر شمال میں منتقل کریں جس سے پروشیہ کی کامیابی مشتبہ یا کم درجے کی رہ جائے۔ دوسرے اطالوی اور پروشوی عساکر میں اس باہمی رفاقت اور مواخات کا نام و نشان بھی نہ تھا جو میدانِ جنگ میں ہونی چاہئے۔ ذاتی طور پر وکٹر امانوئیل دل سے بادشاہِ فرانس کا حامی تھا اور جب ستمبر ۱۸۶۴ء کی قرار داد کے بموجب ۱۸۶۶ء کے اواخر میں فرانسیسی فوج شہر رومہ سے ہٹا لی گئی تو قرینہ غالب یہ تھا کہ فرانس و اطالیہ میں عنقریب قوی رابطۂ اتحاد قائم ہو جائے گا۔ لیکن آئندہ سال گیری بالڈی کے متبعین کی ان کوششوں نے، کہ پاپائی حکومت کا استیصال کر دیا جائے جس کا اب کوئی بیرونی یار مددگار نہ رہا تھا۔ نپولین اور اہلِ اطالیہ کے درمیان سخت نزاع پیدا کر دی۔ نپولین، فرانس کے مذہبی فرقے کے جذبات کو نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے اطالوی مجلس وزرا کے نام اپنے مراسلات میں اس نے تہدیدی لہجہ اختیار کیا اور ۱۸۶۷ء کی خریف میں پیروانِ گیری بالڈی نے فی الواقع

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ گریموں کے درمیان اخبار لاتان میں چھپتا رہا۔ (۱۱ تا ۱۶ جنوری ۱۸۷۳ء)

باب (۶)

رومی اقطاع پر حملہ کر دیا تو اس نے جنرل فیلی کے ماتحت ایک فرانسیسی فوجی جمعیت روانہ کی کہ پاپا کی حمایت میں کام کرے ۳-نومبر کو منتانا کے مقام پر مقابلہ ہوا جس میں گیری بالڈی کے متبعین پاپائی سپاہ پر تو غالب آئے مگر جنرل فیلی نے اُن کو مار کر بھگا دیا۔ کیویتا ویکیا میں دوبارہ فرانسیسی دستہ متعین ہو گیا اور اطالیہ کی حکمت عملی کے بارے میں پیرس میں جو بحث چھڑی اس کے دوران میں وزیر اعظم موسیو روہے نے بکمال جوش و خروش کے ساتھ زور دیا کہ چاہے کچھ ہی ہو جائے، اطالیہ کا قبضہ رومہ پر نہ ہونا چاہیے۔ اس نے چلا کے کہا "حاشا! فرانس اپنی عزت و شان پر ایسا بٹہ لگنا، کبھی گوارا نہیں کرے گا"۔۱؎

منتانا ۔ ۳ ۔ نومبر ۱۸۶۷ء

منتانا کا معاملہ، گستاخی اور بے دردی کے وہ الفاظ جن میں جنرل فیلی نے اپنی کامیابی کی اطلاع شایع کی، رومی علاقے پر فرانسیسی فوج کا دوبارہ قبضہ اور پھر فرانس کی مجلس مبعوثین میں موسیو روہے کا اعلان یہ سب ایسے اسباب تھے کہ ان سے عام طور پر اطالیہ میں سخت ناراضی پھیلی اور سر دست فرانس کے ساتھ اتحاد کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔

نپولین اور اطالیہ منتانا کے بعد۔

درحقیقت اطالیہ کے معاملے میں نپولین بہت بے موقع پھنس گیا تھا کہ اگر وہ رومہ سے بے تعلق ہو جاتا تو فرانس میں جس قدر لوگ کلیسا سے تعلق رکھنے والے تھے وہ سب اس سے اور اس کے ورثہ سے برگشتہ ہو جاتے کیونکہ اس کی ۱۸۶۰ء والی حکمت عملی نے اسے ان کی نظروں میں پہلے ہی ناقابل اعتماد ٹھیرا دیا تھا۔ اور ادھر جب تک اہل اطالیہ کی عالمگیر قومی آرزو کے راستے میں سنگ راہ بنا ہوا تھا اس وقت تک اطالیہ سے دوستی کی امید فضول تھی۔ مصالحت کی کوئی صورت نکالنے کی غرض سے اس نے مسئلۂ رومہ کے واسطے دول کی مجلس مشاورت منعقد کرنی چاہی تھی لیکن اس کی سب سے بڑھکر مخالفت کاؤنٹ بسمارک نے کی جس کا فائدہ

۱؎ دو تھان: لَ فرانس آن ۱۸۶۷ء ۔ دوم ۲۱۶ وغیرہ۔ منتانا کے تعلق دو کلمے تاریخی ہو گئے ہیں: ایک تو اعظم روہے کا "زِنہار" اور دوسرے جنرل فیلی کا یہ فقرہ کہ "شاسپو (بندوقوں) نے تو اعجاز کر دیا!"

اسی میں تھا کہ یہ وجہ مخاصمت موجود رہے۔ اور انگلستان یا روس نے بھی پاپا کے حمایتی کی مشکلات رفع کرنے میں کوئی خاص میلان ظاہر نہیں کیا۔ پھر نپولین ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں وکٹر امانوئل سے خط کتابت کرتا رہا کہ آئندہ وفاعی اتحاد ہی کے راستہ نکل آئے لیکن امانوئل نہ صرف رسمی طور پر بلکہ حقیقت میں بھی آئینی بادشاہ تھا اور اگر خود چاہتا تو بھی غالباً اطالیہ کو کسی ایسے عہد کا پابند نہ بنا سکتا تھا جو اس کے وزرا اور مجلس مبعوثین کے خلافِ منشا ہو۔ غرض نپولین پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ اگر فرانس و اطالیہ میں کوئی اتحاد ہو تو پہلے پاپائی علاقوں کا تخلیہ لازم ہے۔ یہ بات ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ حکومت اطالیہ ستمبر کی قرارداد کے مطابق دوبارہ صرف فرانسیسی سپاہ کے تخلئے کو کافی سمجھتی تھی یا اس نے عہدنامے کی قیمت میں خود رومہ پر اپنا قبضہ چاہا۔ بہرحال، سردست نپولین کیونکہ تیار کیا ہے اپنی فوج ہٹانے پر آمادہ نہ تھا لہٰذا وہ صرف کسی آئندہ وقت میں جب کہ موجودہ مشکلات دور ہو جائیں، اطالیہ سے ساز کرنے کی تدبیر سوچ سکتا تھا۔ اس حال میں حکومت وی آنا ان دونوں طاقتوں کے جو ۱۸۵۹ء میں اس سے مل کر لڑ چکی تھیں، بیچ میں پڑی۔ کونٹ بوسٹ کا کسی ایسے معاملے میں ہاتھ اطالیہ اور آسٹریہ۔ نہ تھا کہ اپنے پیش رو وزرا کی طرح اسے وکٹر امانوئل کی حکومت کی طرف دوستی کا اقدام کرنے میں ہچکچاہٹ ہوتی۔ چنانچہ اس نے فلورنس سے نامہ و پیام شروع کئے اور ان کا یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت ہائے آسٹریہ و اطالیہ میں یہ قرارداد ہو گئی کہ فرانس اور پروشیہ کے درمیان جنگ ہوئی تو ہم ایک دوسرے کے ممالک کے ضامن ہوں گے یہ ضمانت نامہ شہنشاہ نپولین کی رضامندی سے ہوا اور اطالیہ اور فرانس میں عہد وفاق و اتحاد کا پیش خیمہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم اس کی نوعیت محض وفاعی تھی اور اس کے معنی یہ تھے کہ آگے چل کر فرانس سے کوئی اتحاد کیا جائے تو اس میں یہ دونوں سلطنتیں ساتھ ہوں[1]

[1] سوریل، اول، ۴۰۔ ہاہن، اول، ۲۰،؛ ننستانا کے بعد ہی، ۱۷۔ نومبر ۱۸۶۷ء کو ماذنی نے بسمارک اور پروشیہ کے سفیر متعینہ فلورنس، کاؤنٹ یوس ڈوم کے نام خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ نپولین نے پروشیہ پر حملہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور وکٹر امانوئل سے معاہدہ اتحاد کی تجویز کی ہے جس نے رومہ کے عوض میں، اس تجویز کو قبول کر لیا ہے۔ خطوں میں ماذنی نے آمادگی ظاہر کی تھی کہ انقلاب انگیز تدابیر سے

باب ۶

القصہ ۱۸۶۶ء کے شروع تک شہنشاہ نپولین کو بجز آسٹریہ کے اس وعدے کے کہ اگر فرانس پر پروشیہ اور روس نے مل کر حملہ کیا تو وہ فرانس کی اعانت کرے گی یا فرانس کے اغراض و مفاد کو بالکل اپنا سمجھے گی، پروشیہ کی جنگ میں اور کسی طرف سے مدد ملنے پر قطعی بھروسہ نہ ہو سکتا تھا۔ بے شبہ رومہ کی سرپرستی سے ہاتھ اُٹھا لینے سے نپولین کو اچھا خاصا موقع تھا کہ اس مبہم اور پیچ در پیچ قرارداد کو آسٹریہ اور اطالیہ دونوں کے ساتھ ایک باضابطہ دفاعی اتحاد بنا دے لیکن خاص اسی سلطنت کے مقابلے میں جس کے علاوہ اور کوئی سلطنت پیشِ نظر نہ ہو سکتی تھی، ایسا جتھا تیار کرنا اور پھر اس سے کام لینا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ ارادہ صاف اور پختہ نہ ہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے سے استقلال کے ساتھ احتراز نہ کیا جائے۔ سو نپولین کی طرف سے ایسے مدبرانہ طرزِ عمل کا اندیشہ کرنے کی پروشیہ کو بہت کم وجہ ہو سکتی تھی۔ قضیہ رومہ کا تصفیہ یا دوسرے لفظوں میں فرانسی فوج کا رومی علاقے سے ہٹا لیا جانا، ایسے قوی محرک کو چاہتا تھا کہ خود نپولین کی زوال پذیر قوت دماغی وارادی تو اسے مہیا کر نہ سکتی تھی۔ یہی وہ تباہ کُن عقدہ تھا جس نے اتحاد و مواخات قائم کرنے کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ بایں ہمہ فرانس کے اس طرح الگ تھلگ رہ جانے کا اعتراف و احساس ادھورا ہی رہا اور جوش سے بے قابو اور شیخی خورے من چلوں کی فوج کی فوج بیتاب تھی کہ وہ وقت کب آتا ہے جب کہ وہ پروشیہ کی ظفرمندیوں کا جن میں اُس نے فرانس کو کوئی حصہ نہ لینے دیا تھا، اُسے مزا چکھائیں گے۔

فرانس کا تنہا رہ جانا۔

اُدھر، اس عرصے میں بسمارک جنوبی جرمن ریاستوں سے تعلقات دوستی کے سب سے ضروری جزو کی تکمیل کر رہا تھا، یعنی ان سے اتحاد کے عہد و پیمان میں اُس نے یہ بھی قرارداد طے کر لیں کہ ان جنوبی ریاستوں میں پروشیہ کی فوجی تنظیم اختیار کر لی جائے گی۔ تمام ممالکِ جرمانیہ کے واسطے کروڑگیری کی ایک مجلسِ وکلا قائم کر دی گئی جس کی نسبت اُمید تھی

جرمانیہ ۱۸۶۶ء تا ۱۸۶۸ء۔

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ (۸۷) اس منصوبے کو درہم برہم کر دیا جائے اور روپیہ اور اسلحہ مانگے تھے۔ بسمارک نے احتیاط سے کام لیا تاہم اس تحریر سے بالکل بے اعتنائی کی۔ دیکھو "ریولی تی کا سگرتیا اتالیانا" صفحہ ۳۳۹۔

کہ ٹین کے شمال و جنوب کے دونوں حصّوں کو ملانے والی قومی مجلس کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔
لیکن اس فوجی اور تجارتی یکسانی کے باوجود اِن سب ملکوں کو متحد کرنے کی کارروائی نہ
اتنی تیز ہوئی نہ اتنی آسان جس قدر کہ شمالی جرمانیہ کے محبانِ وطن کی آرزو ہوگی۔ اہلِ پروشیہ
کے مزاج میں اس قدر درشتی اور خود رائی موجود تھی کہ جنوب کے کم تربیت یافتہ بلاد کو
اُن سے وحشت ہوتی تھی۔ بویریہ میں مذہبی قدامت پسندوں کا زور تھا اور چھوٹی ریاستوں
میں آزادی سے آزاد خیال اہل الرّائے بھی پروشیہ کے سابقہ استبداد کے طور طریق
اور حکّام کی سخت گیری سے بیزاری کے باعث برلن کے ساتھ زیادہ گہرے اتحاد
کے مخالف تھے۔ چنانچہ وہ میلان جو "اختصاص پسندی" کے نام سے مشہور ہے،
بویریہ اور ورٹم برگ کے باشندوں کے ایسے طبقات میں یکساں مقبول تھا، جو اکثر اعتبارات
سے ایک دوسرے کی ضد تھے۔ مزید برآں ۱۸۶۶ء کے واقعاتِ جنگ کی یاد اور
آسٹریہ کا قدیم پاس و لحاظ ایک دن میں محو ہونے والی شے نہ تھے۔ بسمارک نے
بھی شیرازہ بندی کے کام پر ضرورت سے زیادہ زور نہیں دیا۔ اس کی قومی حکمتِ عملی
کی تکمیل میں جلد بازی کرنے سے جو موانع پیش آ سکتے تھے، وہ ان کی قوت کا مشاہدہ
اور اندازہ کرتا رہا۔ ممکن ہے اسے اس بات کے آثار بھی نظر آئے ہوں کہ مذہبی
اختلافات اور دوسرے اثرات کے باعث خود وہ فوجی اتحاد معرضِ خطر میں ہے جو
وہ پہلے قائم کر چکا تھا اور ممکن ہے کہ اتحادِ قومی کی سب سے مجرّب دوا، یعنی فرانس کے ساتھ
جنگ سے کام لینے کو بھی وہ بُرا نہ جانتا ہو کیونکہ اس جنگ کے آیندہ کسی نہ کسی وقت
واقع ہونے کو تو وہ مدّت سے ناگزیر و شدنی سمجھتا تھا۔
۱۸۶۸ء کے جاڑوں سے ہسپانیہ کا تخت خالی پڑا تھا اور اس کا
باعث وہ بغاوت تھی جس میں جنرل پرم بہت پیش پیش رہا۔ مگر بوربن خاندان
کی ملکہ ازابلا کا جانشین ڈھونڈنا سہل نہ تھا اور جب کئی امیدواروں
کے منصوبے بیکار گئے تو اوائل ۱۸۶۹ء میں پرم اور اس کے
رفیقوں کو خیال آیا کہ کیا عجب ہے ہوہن زولرن سگ مارنجن
خاندان کا شہزادہ لیوپولڈ مناسب امیدوار ثابت ہو۔ جس کا بڑا
بھائی والیِ رومانیہ بنایا گیا تھا اور باپ، شہزادہ انٹونی ۱۸۵۹ء

تختِ ہسپانیہ کے لئے
خاندانِ ہوہن زولرن
کے شہزادے لیوپولڈ
کی امیدواری۔

باب ۶

میں پروشیہ کا وزیر اعظم رہا تھا۔ واضح رہے کہ خاندان "ہوہن زولرن سِگ مارنجن" پروشیہ کے حکمران گھرانے سے اِس قدر دُور کا رشتہ رکھتا تھا کہ خاندانی نام کی مشارکت کے سوا، قرابت کی اور کوئی یادگار بھی باقی نہ تھی۔ بلکہ خون کے تعلق سے شہزادہ لیوپولڈ کا حقیقتاً، موریے اور بیوہارنے کے فرانسیسی خاندانوں سے زیادہ قریبی رشتہ تھا۔ تاہم خاندان سِگ مارنجن اپنے تعلقات اور معاشی اغراض کے لحاظ سے خاص پروشوی تھا۔ کنبے کا بزرگ، انٹونی پروشیہ کے نظم ونسق کا خود اعلیٰ عہدہ دار رہا اور کہا جاتا ہے کہ اس عہدے کے واسطے اپنی جگہ بسمارک کے تقرر کی تجویز بھی سب سے پہلے اسی نے کی تھی۔ ایک ہوہن زولرن کی امیدواری کو فرانس میں اس نظر سے دیکھا جاتا کہ یہ پروشیہ کو سیاسی طور پر ہسپانیہ سے مربوط کرنے کی کوشش ہے، کچھ بیجا نہ تھا۔ چنانچہ شروع شروع میں حکومت برلن کو اس بارے میں اتنی احتیاط رہی کہ بینے دیتی کے استفسار پر ۱۸۶۹ء کے موسم بہار میں سرکاری معتمد نے بسمارک کی طرف سے اپنی عزت کی قسم کھا کے بیان کیا کہ مذکورہ بالا امیدواری کا ہم سے کبھی تذکرہ تک نہیں کیا گیا ہے۔ برلن میں اول سے آخر تک رسمی طور پر اِس بارے میں حکام کا طرز عمل یہی رہا کہ گویا اس کا حکومت برلن سے کوئی واسطہ نہیں اور شاہ ولیم کو ذاتی طور پہ دلچسپی ہے بھی تو اس لئے کہ وہ شہزادہ لیوپولڈ کے خاندان کا بزرگ ہے بینے دیتی کے استفسارات کے بعد سال بھر تک ایسا ظاہر ہوتا رہا کہ وہ تجویز بالکل ترک کر دی گئی ہے۔ لیکن ۱۸۷۰ء کی بہار میں اس کی پھر تجدید ہوئی اور ۳۔جولائی کو پیرس میں یہ خبر شائع کی گئی کہ اگر ہسپانیہ کی

لیوپولڈ تاج ہسپانیہ کو قبول کرتا ہے۔ ۳۔جولائی ۱۸۷۰ء

مجلس عائد، انتخاب کی توثیق کر دے تو شہزادہ لیوپولڈ تاج ہسپانیہ قبول کرنے پر تیار ہے۔

اس خبر کا معلوم کرنا تھا کہ فرانسیسی اخباروں میں پروشیہ کے خلاف ناراضی کا طوفان برپا ہو گیا۔ حکومت کے خاص اخباروں نے رائے عامّہ کو مشتعل کرنے میں سب سے زیادہ حصّہ لیا۔ ۶۔جولائی کو وزیر خارجہ ڈیوک گرامون نے مجلس مبعوثین میں صاف جتا دیا کہ چارلس پنجم کے تخت پر کسی بیرونی سلطنت کا اپنے شہزادوں کو متمکن کرنے

حکومت فرانس کا اعلان ۶۔جولائی

کا اقدام، فرانس کی اغراض وخودداری کو صدمہ پہنچانے کے مرادف ہے اور فی الواقع ایسا عمل میں آیا تو حکومت فرانس بلا تامل اور بغیر لغزش کے اپنا فرض پورا کرے گی۔ یہ بیان خود شہنشاہ کے

زیر صدارت وزیروں کی بزم شوریٰ میں تیار کیا گیا تھا اور اس کے الفاظ کی درشتی اور بے لحاظی سے صاف ظاہر تھا کہ حکومت فرانس نے پروشیہ کو ذلیل کرنے یا بزور شمشیر بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ دول خارجہ کے سیاست داں گذشتہ ایام میں یہ چاہتے رہے تھے کہ ایک معقول وجہ شکایت کو رفع کرنے میں مدد دیں لیکن خاص شہنشاہ کی جانب سے پروشیہ کو اس طرح علانیہ ٹوکا گیا تو انھیں اسی وقت نظر آ گیا کہ اب صلح و آشتی کے ساتھ تصفیہ ہونے کا امکان کم ہے۔ جنگ ٹلنے کی صرف ایک صورت یہ نظر آتی تھی کہ شہزادہ لیوپولڈ از خود پیش کردہ بادشاہی سے دست بردار ہو جائے۔ لہذا جو لوگ فرانسیسی وزیر خارجہ کے ہم خیال نہ تھے، بلکہ سخت فکر مند تھے کہ امن قائم رہے، انھوں نے بیڑا اٹھایا کہ کسی طرح یہ دست برداری حاصل کی جائے۔

شہنشاہ نپولین کے مزاج میں جن اشخاص کو بہت درخور حاصل تھا، انھوں نے اس نازک وقت میں جو کچھ حصہ لیا اس کا حال ابھی تک جتنا معلوم ہوا، وہ بہت ادھورا ہے۔

اولی ویئر کی وزارت

تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ڈیوک گرامون شروع سے آخر تک، تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اور احمقانہ جوش کے ساتھ لڑائی چھیڑ دینے پر زور دیتا رہا۔ اس وقت جو وزیر کام کر رہے تھے وہ چند ہی ماہ پیشتر، جنوری ۱۸۷۰ء میں اپنے عہدوں پر مقرر ہوئے تھے اور اس وزارت کے مرتب کرنے سے پہلے بادشاہ نے آئین سلطنت میں آزاد خیالی کے رنگ کی بعض ترمیمیں بھی کی تھیں، اور اقرار کیا تھا کہ وہ حکومت کی ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی بجائے اُن مشیروں کے حوالے کر دے گا جن پر مجلس مبعوثین کو اعتماد ہو۔ چنانچہ سابق فریق اختلاف کے ایک سرگروہ اولی ویئر نے مجلس وزرا کی صدارت قبول کر لی تھی۔ اس کے ساتھی وزیر بھی زیادہ تر وہ لوگ تھے جنھیں سرکاری کاروبار کا تجربہ نہ تھا اور جو امیر گرے مون اور وزیر جنگ لبئوف، جیسے ہم نشینوں کی بے مہار شہنشاہی پسندی کے مقابلے میں استوار و مستقل رہنے کی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ البتہ خود اولی ویئر، فرانس کے ان معدودے چند اہل الرائے میں تھا جو سمجھتے تھے کہ ہمارے ہم وطنوں کو جرمانیہ کا اتحاد ہوتے دیکھ کر طوعاً و کرہاً صبر کرنا چاہیئے۔ جو مسئلہ اب پیدا ہوا، اس کے لیے پروشیہ سے لڑنے کا وہ قطعی مخالف تھا، لیکن اسے اندیشہ ہوا کہ آزاد خیال وزراء نے

باب ۲

حبِّ وطن کی بیجا افراط میں ساتھ نہ دیا تو رائے عامہ انھیں عہدے سے اُکھاڑ پھینکے گی، اور اسی خوف سے وہ اس حکمت عملی کی ذمہ داری لینے پر آمادہ ہو گیا جسے وہ دل میں ناپسند کرتا تھا۔ اس طرح گرامون کے بے قابو ہاتھ کو کام کرنے کی پوری آزادی مل گئی بینے دیتی کو لکھ بھیجا گیا کہ وہ شاہ پروشیہ سے ایمس میں جاکر ملاقات کرے جہاں ان دنوں ولیم کشتی رانی کی غرض سے آیا ہوا تھا، اور اس کو بتادے کہ اگر لڑائی ٹالنی منظور ہے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ شاہ پروشیہ ہوہن زولرن شہزادے سے حکماً قبول بادشاہی کے فعل کو منسوخ و مسترد کرا دے گرامون نے یہ لکھ دیا تھا کہ "ہمیں بہت عجلت ہے کہ اگر جواب قابل اطمینان نہ ہو تو ہمیں پہلے سے کام شروع کرنیکا موقع مل جائے اور ہفتے سے فوج نقل و حرکت کرنے لگے کہ ایک پندرھواڑے کے اندر میدان جنگ میں پہنچ جائے۔ خبردار ایسے جواب پر اکتفا نہ کرنا جس میں صرف شہزادہ ہوہن زولرن کو اس کی تقدیر کے حوالے کر دیا جائے۔ اور بادشاہ محض اس کے مستقبل سے بے تعلقی کا اقرار کرے" ۱؎

بینے دیتی اور شاہ ولیم ایمس میں ۹۔ تا ۱۴۔ جولائی۔

بینے دتی کی بادشاہ سے پہلی ملاقات ۹۔ جولائی کو ہوی۔ اُس نے ہوہن زولرن شہزادے کی نامزدگی سے پیرس میں لوگوں کو جو رنج و ملال ہوا، اُس کا ذکر کیا۔ فرانس و پروشیہ میں دوستانہ تعلقات قائم رہنے سے دونوں ملکوں کو جس قدر فوائد تھے، انھیں بیان کیا اور گو پوری احتیاط کی کہ اس کی گفتگو سے رنج و ناگواری نہ پیدا ہو لیکن حکومت پیرس کے مطالبات کو وضاحت سے پیش کر دیا۔ بادشاہ کو بینے دیتی جو کچھ کہنے والا تھا، اس کا ملخص پہلے سے معلوم ہو چکا تھا۔ شہزادہ لیوپولڈ کا فعل فرانس میں جسطرح بڑھا چڑھا کر سنگین مقدمہ بنا یا گیا، اس سے ولیم کو غالباً حیرت اور ملال ہوا تھا۔ وہ یہ بھی ارادہ کر چکا تھا کہ پیرس کے تحکم کو ہرگز نہ مانے گا اور نہ لیوپولڈ کو حکم دے گا کہ اپنی امیدواری سے دست بردار ہو جائے۔ بایں ہمہ معلوم ہوتا ہے وہ پہلے ہی وہ کارروائی کر چکا تھا جس سے قوی امید تھی کہ قیام امن میں رخنہ پڑنے

۱؎ بینے دیتی: "امیشون" صفحہ ۳۱۹ - وغیرہ۔

کی نوبت نہ آئے گی۔ سفیر فرانس سے ایک گفتگو کے خاتمے پر اُس نے جہاں خاندان ہوہن زولرن کے سردار ہونے کی حیثیت سے اپنی کامل خود مختاری جتائی، وہاں اُسے یہ بھی اطلاع دی کہ میں لیوپولڈ اور اُس کے باپ سے اس بارے میں خط کتابت کر رہا ہوں اور سگ مارنجن کے پاس سے بہت جلد جواب آنے کی توقع ہے بینے دیتی نے اندازہ کیا، جو بالکل صحیح تھا کہ گو بادشاہ کو گرامون کے مطالبات ماننے سے قطعی انکار ہے، تاہم وہ اس دشواری کو مصالحانہ طریق سے دُور کرنے کی دوسری تدابیر نکالنے کا خواہش مند ہے۔ چنانچہ اپنی ملاقات کی جو اطلاع اُس نے پیرس بھیجی وہ فی الواقع اعتدال و معقولیت سے کام کرنے کی وکالت تھی، لیکن گرامون ایسی صلاحیں ماننے پر بہت کم آمادہ تھا۔ اُس نے دوسرے ہی دن بینے دیتی کو خط لکھا کہ "میں تمھیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ رائے عامہ نعل در آتش ہے اور ہمیں پیچھے چھوڑ جائے گی۔ ہمیں کام شروع کر دینا چاہیے۔ صرف تمھارے مراسلے کا انتظار ہے کہ تین لاکھ آدمی جو طلب نامے کے منتظر ہیں، اُنھیں جمع ہونے کا حکم دیا جائے۔ خط یا تار جو کچھ بھیجو، کوئی قطعی بات ہونی چاہیے۔ اگر بادشاہ شہزادہ ہوہن زولرن کو دست برداری کا مشورہ نہ دے گا تو پھر، اس کے معنی فوری جنگ کے ہیں اور چند ہی روز میں ہم رہائن پر ہوں گے۔"

بایں ہمہ، بینے دیتی کی صلاح کا نپولین اور اُس کے وزیروں پر اثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ شہنشاہ کی رائے ساعت بہ ساعت بدلتی تھی اور اس وقت وہ حامیان امن کی طرف جھکا ہوا تھا۔ چنانچہ گیارہ تاریخ کو جنگی تیاریاں جو شروع کی جا چکی تھیں، رُکی رہیں۔ ۱۲- تاریخ کو بے غرض حکومتوں کی سعی اور غالباً خود شاہ پروشیہ کے مشورے نے حسب دلخواہ اثر کیا اور اہل میڈرڈ کو شہزادہ انطونی کا تار پہنچ گیا کہ اس کا فرزند امیدواری سے دست بردار ہوتا ہے۔ چند ہی گھنٹے کے بعد اولی ویئر نے یہ اطلاع پیرس کی مجلس مبعوثین کو سنا دی اور حامیانِ امن میں اور اس میں باہم مبارک سلامت ہوئی کہ اولی ویئر کے نزدیک اب یہ معاملہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ لیکن یہ مصالحانہ تصفیہ حامیانِ جنگ اور پرانی وضع کے بوناپارٹی فریق کو ذرا نہ بھایا جنھیں ایک آئینی وزارت

لیوپولڈ کی دست برداری
۱۲- جولائی۔

باب (۶)

امیدواری کی تجدید نہ ہونے کی ذمہ داری کا مطالبہ۔

کی ایسی نمایاں سیاسی کامیابی خار گزری۔ انھوں نے اسی وقت کہنا شروع کیا کہ شہزادہ لیوپولڈ کی دست برداری محض ضمنی بات ہے، اصلی سوال تو یہ ہے کہ پروشیہ سے اس امر کی کیا ضمانت لی گئی کہ آیندہ امیدواری کی تجدید نہ ہوگی۔ خود گرامون نے پروشوی سفیر بیرن ورتھر سے ملاقات کے دوران میں تحریک کی کہ شاہ ولیم کی طرف سے ایک خط اس مضمون کا شہنشاہ (نپولین) کے نام بھیجا جائے کہ شہزادہ لیوپولڈ کو امیدواری کی اجازت دینے میں میرا منشا فرانسیسیوں کو ناراض کرنا نہ تھا۔ اور نیز یہ کہ اس شہزادے کی دست برداری میں میں اس کا ہم رائے ہوں اور چاہتا ہوں کہ دونوں حکومتوں کے درمیان کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

بینے دیتی اور شاہ ولیم ۱۳۔ جولائی

بیرن ورتھر کے مراسلے سے جس میں یہ تجویز درج تھی، معلوم ہوتا ہے شاہ ولیم کو سخت ملال پہنچا۔ یہ مراسلہ اسے ۱۳۔ تاریخ کی دوپہر کو ملا، اور کچھ دیر پہلے اسی صبح کو ہواخوری کے میدان میں بینے دیتی نے اس سے ملاقات کی تھی تو بادشاہ نے وعدہ کیا تھا کہ سگت مارنجن کا خط جو اس وقت تک راستے میں تھا، وصول ہوتے ہی وہ فرانسیسی سفیر کو بلا بھیجے گا بینے دیتی خط کے مضمون سے اہل پیرس کو مطلع کر دے۔ خط تو آیا لیکن اس کے آنے سے پہلے ورتھر کا مراسلہ پیرس سے آگیا تھا۔ بادشاہ نے حسب وعدہ بینے دیتی کو بلانے کی بجائے اپنے ایک مصاحب کو یہ پیام دے کر اس سفیر کے پاس بھیجا کہ لیوپولڈ کی تحریر جس میں دست برداری کی تصدیق لکھی ہے وصول ہوگئی اور اب اس قضیے میں کوئی بات باقی نہیں رہی۔ بینے دیتی نے شاہی مصاحب کو مطلع کیا کہ میں اپنی موصولہ ہدایات کی بنا پر مجبور ہوں کہ بادشاہ سے اس بات کا ذمہ لینے کی استدعا کروں کہ امیدواری کی آیندہ تجدید نہ ہوگی۔ مصاحب نے جیسا کہا گیا تھا، وہی بادشاہ سے کہدیا اور جواب میں یہ پیام بینے دیتی کے پاس لایا کہ بادشاہ ہوہن زولرن شہزادے کی دست برداری کو دل سے پسند کرتا ہے لیکن اس کے سوا اور کچھ وہ نہیں کرسکتا۔ بینے دیتی نے بادشاہ سے باریابی کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں مزید گفتگو سے انکار کرنے پر مجبور ہوں اور مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ گو بادشاہ نے اسطرح آیندہ کچھ کہنے سننے سے انکار کردیا تاہم دونوں طرف پورے

اخلاق سے کام لیا گیا اور دوسرے دن صبح کو جب بادشاہ اور سفیر دونوں ایمس سے روانہ ہوئے تو ریل کے اسٹیشن پر وہ حسب معمول آداب و سلام کرکے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

یہ تو اب بالکل یقینی تھا کہ جس قسم کی ضمانت فرانسیسی حکومت طلب کرنے پر تلی ہوئی ہے وہ فرماں روائے پروشیہ سے نہیں مل سکتی تاہم شہزادہ لیوپولڈ کی امیدواری کا معاملہ بالکل دب جانے سے امکان تھا کہ شاید پیرس میں ارباب اعتدال بازی لے جائیں اور حکومت فرانس ایسی بات پر اعلان جنگ کرنے سے باز رہے جو تمام دوسری سلطنتوں کی متفقہ رائے میں محض ناحق کہی جا رہی تھی۔ مگر کونٹ بسمارک نے قصد کر لیا تھا کہ فرانسیسیوں کو جھگڑے سے اس طرح آسانی کے ساتھ بچ کر نہ جانے دے۔ اسے ایسے حریف سے سابقہ تھا جو اپنی نادانی سے خود ایک زبردستی کی جنگ کے کنارے تک آ گیا تھا۔ پس اسے واپس ہو جانے میں سہولت بہم پہنچانے کی بجائے بسمارک کی حکمت عملی یہ تھی کہ لگا کے اور آگے بڑھا لائے۔ شاہ ولیم اور بینے دتی کے آخری پیام کو چند ہی گھنٹے گزرے ہوں گے کہ سرکاری طور پر برلن میں ایک تار شائع کیا گیا جس میں ان واقعات کو اس قدر مجمل بیان کیا گیا تھا کہ جس سے خیال پیدا ہوتا تھا کہ فی الواقع فرانسیسی سفیر کی کوئی اہانت کی گئی۔ یعنی یہ کہ بادشاہ نے اس سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور ایک مصاحب کے ذریعے کہلا بھیجا کہ اب ہمیں اور کچھ کہنا سننا نہیں ہے۔ یہ تار ممالک یورپ کی بہت سی سرکاروں میں پروشیہ کے قائم مقاموں کے نام اور ممالک جرمانیہ کے ہر صدر مقام میں پروشوی وکیلوں کو بھیج دیا گیا۔ ساتھ ہی طرح طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں کہ بینے دتی ایمس میں ہوا خوری کے میدان میں بادشاہ سے ملنے کے لئے دڑانہ چلا آیا اور یہ کہ بادشاہ نے بہت سے لوگوں کے مجمع میں سفیر کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ان روایتوں کی حکومت پروشیہ نے کوئی تردید بھی شائع نہ کی۔ ایمس تار کی جسے [illegible] منسوب کیا جاتا تھا، اشاعت کی خبر پیرس میں ۱۴ کو معلوم ہوئی۔ اسی دن [illegible] جلسہ [illegible] منعقد ہو چکا تھا جس میں پہلے جلسے میں حامیان امن کی تعداد غالب تھی۔ یہ خبر [illegible] کو [illegible] نئی خبر تھی اور فرانسیسی سفیر [illegible]

ایمس کے تار کی اشاعت ۱۳۔ جولائی۔

باب (۶)

کی ہتک عزت کے افسانے پھیلے اور پیرس میں شورش کا رنگ زیادہ گہرا ہوا، تو مجلس وزراء نے فیصلہ کیا کہ فوج محفوظ کو طلب کیا جائے۔ تاہم شہنشاہ اس وقت تک صلح وامن کو ترجیح دیتا تھا۔ لیکن اس دوسرے اور تیسرے اجلاس کے درمیان جو وقفہ تھا، یعنی چھ سے گیارہ بجے رات تک کی چند ساعتوں میں، نپولین آخر کار حامیانِ جنگ کے ابرام وتہدید سے مغلوب ہوگیا۔ شہنشاہ بیگم جنونِ تعصب سے بیتاب تھی کہ ایک بڑی پروٹسٹنٹ سلطنت کا استیصال کردیا جائے اور جنگی ناموری حاصل کرنے کی اسے دُھن لگی ہوئی تھی کہ اسی ذریعے سے اُس کے بیٹے کی وراثتِ تخت کا پورا اطمینان ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جنگ کی پرجوش حمایت میں اسے فتح نصیب ہوگئی، جس پر آیندہ، کمال حسرت وتاسف کے ساتھ ہاتھ ملنا اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ مجلس کا تیسرا شوریٰ آدھی رات سے کچھ ہی قبل ہوا اور غلبۂ آراسے، جنگ چھیڑنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

پیرس میں جنگ شروع کرنے کا فیصلہ ۱۴۔ جولائی۔

جرمانیہ میں یہ فیصلہ تو متوقع تھا، تاہم اس بات کا نہ صرف جرمانیہ بلکہ تمام ممالکِ یورپ میں بڑا اثر ہوا کہ جس وقت اشتہارِ جنگ فرانس کی مجلسِ مبعوثین میں، جنگی ساز وسامان کی منظوری مانگنے کی صورت میں، پیش ہوا تو ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی جو اس جنگ کو مجرمانہ اور نامنصفانہ قرار دیتی۔ ایم تھیر اور دوسرے قومی وکلاء نے مخالفت میں کوئی حجت پیش کی بھی تو وہ یہ کہ حکومت نے جنگ کے لئے بُرا مقصد تلاش کیا اور نامناسب موقع پر اسے چھیڑا۔ یہ سچ ہے کہ اس معاملے میں اب تک شبہ ہے کہ مجلس میں فی الواقع اکثریتِ جنگ کی خواہاں تھی لیکن اس کے ایوان کے اندر سودیوانوں کا شور وغوغا اور باہر اخبار نویسوں اور رفتہ پردازوں کا ہذیان، ان لوگوں کے فہم ورائے کو معطل کرنے کے لئے کافی ہوا جو اس جنون میں خود مبتلا نہ تھے۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر اخبار نویس اور آگ بھڑکانے والے عام رائے کے صحیح اظہار کے حق میں وہی کام کرتے ہیں جو ہسپانوی احتساب نے دینِ مسیحی کے ساتھ کیا تھا۔ غرض مجلس میں مصارفِ جنگ کی منظوری کے خلاف دس رائیں آئیں۔ اور یورپ کے دوسرے ممالک میں ان اطلاعات سے یہ محسوس ہوا کہ اس جرم اور دیوانگی کا ارتکاب پوری قوم فرانس کررہی ہے۔ حالانکہ اولی ویڑ اور اس کے بہت سے ساتھی آخر تک جنگ کو

ناپسند کرتے تھے اور وہ رضامند ہوئے تو محض اس خیال سے کہ اگر وہ شریک نہیں ہوتے تو بھی مُلک رجعت پسند وزرا کے ماتحت آتشِ جنگ میں کود پڑے گا اور ایسے وزیر فرانس کے حق میں ہم سے بھی بدتر ثابت ہوں گے۔ پھر، اُنھیں یہ انکشاف ہوا بھی تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا کہ وہ قومی جوش جسے وہ سمجھتے تھے کہ کسی طرح فرو نہیں ہو سکتا، حقیقت میں محض ایک غوغائی تعدادِ قلیل کا ہنگامہ تھا۔ چنانچہ خود ان کے عمّال نے اُنھیں اطلاع دی کہ فرانس کے ستّاسی اضلاع میں سے صرف سولہ ایسے ہیں جن میں جنگ قبول ہے ورنہ باقی اکثر میں لوگوں نے اسے تذبذب یا تاسّف کے ساتھ قبول کیا ہے[1]۔

نپولین کی حکومت کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ حزبِ جرمانیۂ شمالی کتنی کثیر التعداد فوج کو میدان میں لاسکتی ہے۔ شمالی جرمانیہ کی جنگی تنظیم کی ترقی کی مفصل خبریں بھیجنے والا اپنے ارباب حلّ و عقد کو بھیجتا رہا تھا۔ اُس نے اُنھیں خبردار کر دیا تھا کہ بیرونی حملہ آوروں کے مقابلے میں جنوب کی جرمن ریاستیں بھی بالکل یقینی طور پر اہلِ شمال کی شریک و رفیق ہو جائیں گی۔ اُس نے نہایت صحت اور کمالِ فراست کے ساتھ برلن و سینٹ پیٹرزبرگ کے باہمی تعلق کا بھی حال بیان کر دیا تھا کہ ایک اعتبار سے تو یہ تعلق اتنا قوی ہے کہ پروشیہ کو روس کی خیر اندیشی بلکہ بعض صورتوں میں فوجی امداد ملنے کا بھی بھروسہ ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اس میں اتنی لچک ہے کہ پروشیہ کسی روسی مہم میں، جس سے انگلستان و آسٹریہ کی دشمنی مول لینے کا اندیشہ ہو، شریک ہونے پر مجبور نہیں۔ خود فرانس کے محکمۂ جنگ کا اپنی فوج کے بارے میں اندازہ یہ تھا کہ آغازِ جنگ میں وہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی لاکھ فوج فراہم کر سکتے ہیں جس میں تین ہفتے کے آخر میں پچاس ہزار کے قریب سپاہیوں کا اور اضافہ ہو جائے گا۔ بحالیکہ پروشیہ والے جنوبی جرمانیہ کی مدد کو محسوب نہ کریں، اور تین جیش آسٹریہ اور ڈنمارک کی سرحد پر چھوڑ دیں، تو بھی تین لاکھ تیس ہزار جوان سے لڑائی شروع کر سکتے تھے۔ اس طرح بہ اعتبارِ فوجی تعداد کے فرانسیسی، خود اپنے محکمۂ جنگ کے حساب کی رُو سے شروع ہی میں حریف سے کمزور تھے۔ لیکن وزیرِ جنگ لبئوف

فریقین کی افواج ابتدائے جنگ کے وقت۔

[1] سوریل، "ہستوار دپ لوماتیک" جلد اوّل، ۱۹۔

باب (۶)

نے فرض کر لیا تھا کہ وزارت خارجہ، اتحاد کی بحث و تمحیص کر چکی ہے اور پروشیہ کی فوج کا معقول حصہ دوسری طرف رکے رہنے سے مغربی سرحد پر لا کر نہیں لڑایا جا سکے گا۔ فی الحقیقت نپولین نے جب سے جنگ ملی دیکھی آسٹریہ اور اطالیہ کے ساتھ معاملہ کرنے میں مستعدی سے کام لے رہا تھا۔

دوسری سلطنتوں سے اتحاد کی توقعات۔

ادھر کونٹ بیوسٹ نے اگرچہ صاف صاف کہہ دیا تھا کہ آسٹریہ کسی لڑائی میں جو فرانس اپنی خوشی سے لڑے، پیروی کرنے کی پابند نہیں ہے۔ تاہم اسے تشویش تھی کہ کہیں فرانس اور پروشیہ اپنے اختلافات دُور کرنے میں آسٹریہ کو نقصان نہ پہنچا دیں۔ دوسرے، نپولین کی فتحمندی سے، جس میں اس کی بھی شرکت ہو وہ بخوبی یہ امید کر سکتا تھا کہ ۱۸۶۶ء میں جو کچھ ہوا تھا، وہ کالعدم ہو جائے گا اور جرمانیہ میں پھر آسٹریہ کا اقتدار جم سکے گا۔ نظر بریں مصالح، ۱۸۔ جولائی ۱۸۷۰ء کو وی آنا کی ایک بزم شوریٰ میں یہ طے کیا گیا کہ بالفعل اگر روس، پروشیہ کی طرف سے جنگ میں شریک نہ ہو تو آسٹریہ غیر جانب دار رہے۔ لیکن اگر تھوڑی ہی مدت کے اندر نپولین کی فوج جنوبی جرمانیہ میں در آئے تو اس صورت میں یہ غیر جانب داری محض اتحاد کا پیش خیمہ ہوگی۔ آسٹریہ کے سفیر پیرس کو کونٹ بیوسٹ نے ایک نجی کے مراسلے میں یہ بات جتادی تھی کہ آسٹریہ کی فوری شرکت، روس کو شاہ ولیم کی طرف سے میدان میں کھینچ بلائے گی۔ پس اس نے لکھا کہ "ہمارا موجودہ مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اُس وقت تک کہ موسم سرما پوری طرح سر پر آجائے، روس کو جنگ سے علیحدہ رکھا جائے۔ لیکن ہماری غیر جانب داری محض آگے چل کر اپنا اصلی منصوبہ پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے کیونکہ سوائے اس تدبیر کے ہم اپنی تیاریاں اس طرح مکمل نہیں کر سکتے کہ پروشیہ یا روس کی طرف سے ہم پر قبل از وقت حملے کا خطرہ نہ رہے۔" اُس نے یہ بھی اضافہ کر دیا تھا کہ آسٹریہ نے اطالیہ سے پہلے ہی نامہ و پیام شروع کر دئے ہیں تاکہ ہماری دونوں حکومتیں بزور شمشیر جنگ کا خاتمہ کرا سکیں۔ اور اسی ضمن میں نپولین سے تاکیدی سفارش کی تھی کہ وہ رومہ کو حکومت اطالیہ کے قبضے میں دے دے۔[1]

آسٹریہ کی تیاریاں۔

[1] ہاہن، دوم ۶۹ وغیرہ۔

باب (۶)

فرانس، آسٹریہ اور اطالیہ۔

اب اتحادِ ثلاثہ کے لئے پیرس، فلورنس اور وی آنا میں شدومد سے خط کتابت ہونے لگی۔ اس رسل و رسائل کے دوران میں جو کچھ ہوا، اس کی روایتیں، اِن میں حصہ لینے والوں نے، ایک دوسرے سے مختلف بیان کی ہیں۔ شہزادہ نپولین کے قول کے مطابق، وکٹر امانویل نے روما کی تحویل کا مطالبہ کیا، اور شہنشاہ فرانس نے اسے نامنظور کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحاد کی تجویز ناکام رہی۔ ڈیوک گرامون کی روایت یہ ہے کہ اطالیہ نے ستمبر کے معاہدے کے دوبارہ نفاذ کے سوا اور کچھ طلب نہیں کیا تھا۔ اور شہنشاہ نے یہ فرمائش مان لی اور اسی قرار داد کے مطابق فرانسیسی چھاؤنیاں پاپائی اقطاع سے ۵ اگست کو اٹھائی گئیں۔ اگر گرامون کا بیان صحیح ہے تو جولائی کے نصف آخر میں بھی، جب کہ لڑائی فی الواقع چھڑ گئی تھی، تینوں سلطنتوں کے درمیان برابر خط، تار اور قول قرار کا سلسلہ جاری رہا اور آسٹریہ اور اطالیہ نے جو معذوری کے اسباب ظاہر کئے، وہ بہت جلد دور کر دئے گئے تا آنکہ نپولین کو بالکل اطمینان ہو گیا کہ گو اِن سلطنتوں کی جنگی تیاری میں چند ہفتے درکار ہوں گے، لیکن ابتدائے جنگ میں فرانس کا پلہ غالب رہا تو یہ دونوں یقیناً شریک جنگ ہو جائیں گی یہ طے پایا کہ شروع میں آسٹریہ اور اطالیہ ہتھیار بند غیر جانب داروں کی حیثیت اختیار کریں اور پھر ستمبر میں متفقہ پروشیہ کو آخری پیام بھیجدیں کہ وہ معاہدۂ پراگ پر ٹھیک ٹھیک عمل کرے۔ اور جب پروشیہ شرائط معاہدہ کو اُن معنی میں بجالانے سے قاصر رہے جو اِن سلطنتوں نے قرار دئے تھے، تو یہ دونوں بلا تامل اعلانِ جنگ کر دیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ ستمبر تک ان کی فوجیں میدان میں پہنچ جائیں۔ اس صورت میں یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ روس پروشیہ کی اعانت کرے گا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حریف کی معرکہ آرائی میں کاؤنٹ بیوسٹ کو اپنے شمالی دشمن سے چنداں خوف نہ تھا۔ غرض، گرامون کے بیان کے مطابق، اطالیہ اور آسٹریہ نے تو آپس میں عہدنامے کا مسودہ بھی منظور کر لیا تھا اور اس کی آخری ترمیمیں شہنشاہ نپولین اور ایک اطالوی ایلچی کاؤنٹ وی مرکاتی نے میٹز میں گفتگو کر کے، طے کر دی تھیں۔ وی مرکاتی، ۴ اگست کو ترمیم شدہ مسودہ لے کر

باب ۱۶

فلورنس پہنچ گیا اور توقع تھی کہ اگلے دن اس پر فریقین کے دستخط ہو جائیں گے۔ لیکن جب وہ دن آیا تو سلطنتِ فرانس کی فوجوں کے پرخچے اڑ چکے تھے ۱؎

فرانس سے جنگ کی تیاریوں میں برلن کے فوجی عمّال بہت دن سے مصروف تھے۔ ۱۸۶۸ء کے جاڑوں میں جنرل مولٹکے نے ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں تمام جرمن افواج کو مجتمع کرنے کی تجاویز درج تھیں، اور ہر فوج کی ترتیب اور مقامات بتائے گئے تھے جہاں وہ جنگ چھڑتے ہی پہنچ جائیں۔ اسی یادداشت کے مطابق ہر جیش کے اپنی اپنی چھاؤنی سے سرحد تک پہنچانے کے انتظام اس تفصیل سے طے کر لئے گئے تھے کہ جب ۱۶۔ جولائی کو شاہ ولیم نے اجتماع کا حکم دیا تو ریلوں کے اوقات اور کوچ کے احکام میں تاریخ روانگی درج کرنے کے سوا اور کوئی بات باقی نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ پہلے سے اتنی تفصیل صرف اجتماع اور شروع میں فوجوں کے خاص خاص مقام تک پہنچ جانے کے متعلق ہی سوچی جا سکتی تھی جنگ کے واقعات اور آیندہ نقل و حرکت کا قبل از وقت کوئی نظام اوقات مقرر نہ ہو سکتا تھا۔ البتہ اجمالاً پیشِ نظر مقاصد اور طریقِ جنگ کو طے کیا جا سکتا تھا۔ عام طور پر خیال تھا کہ فرانسیسی نہایت تیزی سے جنوبی جرمانیہ میں گھس پڑیں گے۔ بیڈن، ورٹم برگ اور بویریہ کی فوجیں بہت کمزور تھیں اور شمال کے جنگی مرکزوں سے بُعدِ مسافت کے باعث کوئی ایسی مدد نہیں بھیجی جا سکتی تھی کہ حملہ آوروں کی فوری یورشوں کا معقول سدباب کر سکے۔ اسی لحاظ سے مولٹکے نے مشورہ دیا کہ جنوبی فوجیں اپنی اپنی ریاستوں سے ہٹ کر شمال میں چلی آئیں اور پالاٹی نیٹ یا وسط رہائن کے علاقے میں پروشیہ کی سپاہ سے آملیں تاکہ پوری جرمانیہ کی قوت سے حملہ آوروں کے عقب یا بازو پر ضرب لگائی جائے۔ اور جس صورت میں کہ فرانس والے اس طرح حملہ نہ کریں تو قرار پایا تھا کہ جرمانیہ کی اس مجموعی قوّت سے اقدامی کام لیا جائے اور خطِ سار برو گن تا لنداؤ سے بڑھ کر خود فرانس پر حملہ کر دیا جائے

پروشوی منصوبے۔

۱؎ شہنشاہ نپولین کا مضمون "ریوو دے دیٔو موند" یکم اپریل ۱۸۷۳ء کو اور گرامون کا مضمون "ریوو دو فرانس" میں ۱۷۔ اپریل ۱۸۷۸ء (اندریاس ممور" کے نام سے)، وغیرہ وغیرہ۔

اور شمال کی جانب یلغاری نقل و حرکت کر کے ان فرانسیسی فوجوں کا سلسلہ رسل و رسائل پیرس سے منقطع کر دیا جائے [1]

جرمن سپاہ کا اجتماع۔

جرمانیہ کی فوجی تنظیم، ملک کی تقسیم اضلاع کے مطابق رکھی گئی ہے کہ ہر ضلع اپنے فوجی مرکز پر ایک چھوٹی سی مگر مکمل فوج رکھتا ہے۔ ایسی ہر فوج کا خاکہ زمانۂ امن میں تیار رہتا ہے اور اس کا اپنا جداگانہ توپ خانہ، ذخائر حرب اور تمام ضروریات مہیا ہوتی ہیں۔ حکم اجتماع کے ساتھ ہر شخص جو فوجی خدمت بجالانے کا پابند ہے مگر عملاً نوکری پر نہیں، اپنی مقامی جمعیت سے جا ملتا ہے اور معیّن مدت کے اندر ہر ضلعے کا جیش اپنی پوری تعداد سے میدان میں آنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جنگ شروع کرنے میں پہلا مرحلہ ہر جیش کا اپنے مرکز پر مجتمع اور تیار ہوتا ہے۔ جب تک یہ نہ ہو جائے سرحد کی جانب فوجوں کا کوچ شروع نہیں ہوتا۔ اس موقع پر پروشیہ کے فوجی عمّال نے نقل و حرکت کے اوقات، مثلاً تیاری کے پہلے مرحلے میں جو وقت درکار تھا، اس کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ اور سپہ سالار مولٹکے کے تخمینے کے مطابق، ۱۶۔ جولائی کو اجتماع کا حکم دیا گیا، تو پوری فوج جس سے جنگ شروع کرنے کا ارادہ تھا، ۴۔ اگست تک سرحد پر پہنچ کر اپنی اپنی جگہ حملے کے لئے تیار ہو جانی چاہیئے تھی، بشرطیکہ اس اثنا میں خود فرانسیسی اقدام نہ کریں۔ لیکن چونکہ قوی اندیشہ تھا کہ کم سے کم دشمن کا ایک حصہ فوج تاریخ مذکورہ سے قبل جرمانیہ میں گھس پڑے گا، لہذا اپنی سرحد تک پہنچنے سے قبل ہی جرمن سپاہ کا مغرب کی طرف کوچ رک گیا۔ حالانکہ ابھی وہ سرحد سے کافی فاصلے پر تھی۔ مطلب یہ تھا کہ فوجیں اپنے مقام اجتماع پر پہنچتے ہی غنیم کی زد میں نہ آجائیں۔ چنانچہ اصل سرحد پر صرف دیکھ بھال کے لئے تھوڑے سے آدمی بھیجدیئے گئے کہ وہ چند گھنٹے تک حملہ آوروں کو الجھائے رکھیں اور اتنی دیر میں فوج ہوشیار ہو جائے اور اس پر اچانک حملہ نہ ہونے پائے۔

شہنشاہ فرانس، پروشیہ کی سپاہ کے مقابلے میں اپنی فوجی تعداد کی کمی سے واقف تھا۔

---

[1] ڈرڈیوشس .... وغیرہ۔

باب(۱۵) لیکن اسے امید یہ تھی کہ پروشیوں کے مجتمع ہو سکنے سے قبل وہ اپنی سرعتِ رفتار سے فرانسیسی سپاہ۔ جنوبی جرمانیہ میں در آئے گا اور اس طرح ایک تو جنوبی حکومتوں کو بے دست و پا کر دے گا اور دوسرے اطالیہ اور آسٹریہ کی ملکی افواج سے بالائی ڈینیوب کے علاقے میں اتّصال ہو سکے گا۔ اُس نے ڈیڑھ لاکھ سپاہی میتز پر اور ایک لاکھ اسٹراس برگ پر مہیا کر کے، اِن دونوں کو بوقتِ واحد رہائن کے پار بیڈن میں بڑھانے کی تجویز سوچی تھی، اور شمال مشرقی سرحد پر پروشیہ والوں کو روکنے کی غرض سے ایک تیسری فوج شیلون پر جمع ہونے والی تھی۔ اعلانِ جنگ کے چند روز بعد، جرمن جیوش ابھی اپنے اپنے مقامی مرکزوں ہی پر تھے کہ میتز اور اسٹراس برگ کے گرد بہت کافی تعداد میں سپاہی جمع ہو گئے اور سارا یورپ گوش بر آواز تھا کہ کب حملہ آوروں کی پہلی یورش میں ابتدائی اور پے در پے فرانسیسی فتوحات کی خبروں سے فضا گونج اُٹھتی ہے۔ لیکن ہفتے پر ہفتہ گزرا چلا گیا اور یہ قفلِ سکوت نہ ٹوٹا۔ یہ روایتیں، جو حقیقت میں صحیح تھیں لیکن شروع میں اِن کا سامعین کو یقین نہیں آتا تھا، سرحد کے جرمن مقامات تک پہنچنے لگیں کہ غنیم کے اگلے دستوں کو سامانِ خورد و نوش میسّر نہیں اور بعض فرانسیسی سپاہی جو آلو کے کھیت کھود کھود کر اپنا پیٹ بھرنا چاہتے تھے، قید کئے جا رہے ہیں۔ اتنا تو سب پر ظاہر ہو گیا کہ نپولین کی تیاری اتنی مکمل نہ تھی جتنا کہ عام طور پر لوگوں نے یقین کر لیا تھا۔ بایں ہمہ، فرانسیسی افواج کے مستقروں پر روزانہ جن حالات کا انکشاف ہو رہا تھا؛ بیرونی دنیا کو اِن کا سان و گمان تک نہ تھا۔ دستے کے دستے، جن کا صفِ جنگ کی سرکاری فہرست میں نام تھا، غائب تھے۔ نقل و حرکت کا انتظام ناقص، ذخائر میں سامان مفقود یا نہایت بے ترتیبی سے بھر دیا گیا تھا اور اِن اسباب نے مل کر غیر ممکن کر دیا تھا کہ اس مدّت میں جس کے اندر کامیابی کی تھوڑی بہت امید تھی، جنوبی جرمانیہ پر پیش قدمی بھی کی جائے۔ آخر وہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔ مگر اس میں بھی اتنی دیر ہو گئی کہ جو افواج اندرونِ مُلک سے مارا مار چلی آتی تھیں، اُنھیں بروقت اطلاع نہ مل سکی کہ اب اُنھیں آگے یا پیچھے، اُن احکام کے منشا کے مطابق کہاں جانا چاہیئے، جن میں بعض خود بھی نقشے کی تبدیلی سے بے خبر تھے۔ نپولین کو نظر آ گیا کہ وسطِ رہائن

باب (۶)

بر جو پروشوی فوج جمع ہو رہی ہے اسے بازو پر چھوڑ کر آگے بڑھنا دیوانگی ہوگی۔ پس اُس نے سپہ سالاروں کو لاو تراد ہسار کے خط کے مقابل بڑھنے کا حکم دیا اور چند الگ الگ دستے خاص سرحد تک بھیجدیئے کیونکہ وہ ابھی تک مذبذب تھا کہ آیا خطِ مذکور کی سمت میں بھی وہ دشمن پر حملہ کرسکے گا یا یہ کہ اب سوائے اس کے اسے کچھ کرنا نہیں رہا کہ خود فرانس پر ایک قوی تر دشمن کے حملے کو روکے۔ اولی ویرنے مجلس میں کہا تھا کہ میں اور میرے ساتھی وزیر جنگ میں بے پروائی سے داخل ہوئے ہیں۔ اس میں اگر وہ اتنا اور اضافہ کردیتا کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کے گھسے ہیں تو کچھ غلط نہ ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے ان وزیروں نے فی الواقع آپس میں ایک دوسرے کی بات سننے سمجھنے تک کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔ لیبئوف یہ فرض کئے ہوئے تھا کہ گرامون آسٹریہ سے ایسا انتظام کرچکا ہے کہ پروشیہ والوں کو اپنی بہت سی فوجیں ملک کے اندر رکھنی پڑیں گی اور گرامون نے پروشیہ سے خواہ مخواہ لڑائی نکالی، اور آسٹریہ سے قول قرار کئے تو وہ سب اس یقین پر کہ لڑائی چھڑتے ہی لیبئوف جنوبی جرمانیہ میں پے در پے کامیابیاں حاصل کرلے گا۔ صرف شہنشاہ ایسا شخص تھا کہ فرانس کے بیرونی تعلقات اور جنگی حالات کی اطلاع کے جملہ ماخذ اس کے سامنے تھے لیکن وہ تحقیق و تجسس اور عرق ریزی کے قابل نہ رہا تھا، نہ کوئی مقصد اس کے سامنے تھا۔ اسی کے ساتھ جسمانی درد نے اس کا دماغ پریشان کر رکھا تھا اور مجموعی طور پر وہ نیم مفلوج آدمی رہ گیا تھا۔

فرانس کی جنگی کمزوری کے اسباب۔

سلطنت فرانس کی فوجی تنظیم کا سرتاپا ردی ہونا آئندہ چند ہفتے کے خونی واقعات سے بخوبی آشکارا ہوگیا۔ فوج میں اعلیٰ عہدوں پر وہ لوگ متمکن تھے جن کے گذشتہ کارنامے اچھی قسم کے قزاقوں کے لئے موجب عار ہوتے۔ سرکاری روپے کے ذاتی کاموں میں خرچ کئے جانے کی بدولت فوجی لوازم کی فراہمی میں اور بھی کمی ہوگئی تھی۔ دربارِ شاہی کی بے پروائی، بیہودہ نمائش اور ادنیٰ معیارِ قابلیت و امتیاز کے بُرے اثرات فرانس کی ہر سرکاری محکمے میں نمایاں تھے اور غالباً اُن پر بھی کچھ کم اثر نہ پڑا تھا جنھیں فوج کا انتظام تفویض تھا۔ لیکن ۱۸۷۰ء کی مصیبت کبریٰ، اِن لوگوں کی نظر میں جنھوں نے

باب ۲۶

اسے مشاہدہ کیا محض ارباب حکومت کی نالائقی ہی پر دلالت نہ کرتی تھی۔ بلکہ جرمانیہ، اور اسی کے برابر انگلستان، میں ذی اثر اشخاص کی صدائیں بلند ہوئیں کہ ایک ڈوبنے والی قوم کی بداطواری کا یہ حشر ہوتا ہے اور سادہ مردانگی اور خوفِ خدا کے اوصاف اس طرح سربلند ہوتے ہیں جیسے کہ جرمن افواج کی فتوحات کی صورت میں ہوئے۔ ممکن ہے کہ ان اقوال میں صداقت ہو۔ لیکن ۱۸۷۰ء کے فرانس کے اخلاقی انحطاط اور ۱۸۵۴ء کے اہل فرانس میں، جنھوں نے روس کو نیچا دکھایا اور پانچ سال بعد ۱۸۵۹ء کے فرانسیسیوں میں جنھوں نے سولفرینو میں فتح کے نقارے بجائے، ٹھیک ٹھیک فرق کرنا کسی وجدانی باریک بینی ہی سے ممکن ہے اور اس کے لئے جذباتِ رذیلہ پوری کرنے کی مختلف صورتوں سے بہت ہی جامع واقفیت درکار ہے کہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ پیرس کے سیہ کاریاں برلن کی گہنگاریوں سے کس درجے بڑھی ہوئی تھیں۔ اگر فرانسیسی ایسے ہی سخت ضابط اور محتاط قوم ہوتے جیسے اسپارٹہ والے جو تھرمو پلی میں کام آئے یا ایسے خوش عقیدہ دیندار ہوتے جیسے اہل ٹائرول جو کونگ گراٹز میں ہلاک ہوئے، تو بھی یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اس تعداد سے جو ۱۸۷۰ء میں وہ جرمانیہ کے مقابلے میں لائے اور نپولین ثالث جیسے شخص کے زیر انتظام و انصرام، انھی سپہ سالاروں کے ماتحت جو ۱۸۷۰ء میں قیادت کر رہے تھے، سیاہ فرانس کامل تباہی سے کسی طرح بچ سکتی تھی؟

جرمن غلبہ کا سبب۔

اصل یہ ہے کہ ۱۸۷۰ء میں فرانس و جرمانیہ کے اتنے تفاوت کا خاص سبب بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۶ء تک پروشیہ میں ایسی زبردست حکومت برسر اقتدار رہی جو قوم کی منشا اور مجلس کی آراسب کے علی الرغم خود اپنی فوجی تنظیم کی وسیع تجاویز کو ملک میں جبراً و قہراً نافذ کرنے کی قابلیت رکھتی تھی۔ ۱۸۶۶ء میں گو پروشیہ کی آبادی صرف ایک کروڑ نوے لاکھ تھی لیکن میدانِ جنگ میں وہ فی الواقع ساڑھے تین لاکھ فوج لے کر نکلی یعنی اس نے اپنے ہر چوّن باشندوں میں ایک سپاہی تیار کر لیا۔ اتنی بڑی فوجی تعداد مہیا کرنے میں جنگی مصارف کا جیسا بارگراں رعایا کو اٹھانا پڑا، وہ یورپ کی کوئی اور حکومت بجز روس کے امکانی استثناء کے، خود اپنے وجود کو خطرے میں ڈالے بغیر اپنی رعایا پر عائد نہ کر سکتی تھی۔ نپولین ثالث

بکمال اقتدار کے زمانے میں بھی ایسا نہ کرسکتا تھا اور جب کونگ گراٹز کے بعد اُس نے
کوشش کی کہ ایک جدید نظام کے ذریعے مُلک کی ہر ستّر باشندوں میں سے ایک کو فوج
میں داخل کیا جائے کہ فرانس کی سپاہ کی تعداد حریف سلطنت کے مساوی ہوسکے،
تو مجلس وضع قوانین میں خود اِس کے آزردہ ارکان نے رائے عامّہ کے دباؤ سے
اصلی تجویز کو اتنا کمزور کر دیا کہ فوج کے کارآمد سپاہیوں کی تعداد میں برائے نام اضافہ
ہوا۔ ۱۸۷۰ء کی جرمن فتوحات کی اصلی نظیر ڈھونڈھنی ہے تو وہ ان فتوحات میں ملے
گی جو ۱۷۹۲ء کی فرانسیسی جماعت حفظ عوام اور نپولین اوّل کو حاصل ہوئیں۔ کوئی حکومت
جو اتنی طاقتور ہو کہ مُلک کے تمام مداخل خالص فوجی ضروریات کی نذر کر دے، عام اس
سے کہ وہ سر پھرے جمہوریت پسندوں کے ہاتھ میں ہو یا ایسے من چلے سپاہی کے،
جو تخت سلطنت تک جا پہنچا ہے، یا کسی موروثی بادشاہ کے ہاتھ میں، جس نے قدیم
نظام اور حکمت عملی میں ایک نئی روح بھر دی ہے؛ ایسی حکومت اُن قوموں کو مقابلے
میں پامال کر دے گی جن کے مداخل اس کے برابر یا زیادہ ہوں لیکن ان کی شیرازہ بندی
مختلف اور حریف عناصر سے ہوئی ہو جو مرکزی حکومت پر اپنا مخالفانہ اثر ڈالتے اور جنگی
ضروریات کو دوسری اغراض کے تابع کرتے رہتے ہیں۔ عہد انقلاب کی پہلی حکومت
مخلوط "کوائے لیشن" پر ایام دہشت و خونریزی کے کارکنوں نے جو فتوحات
حاصل کیں ان کا سبب یہی تھا اور شاہ ولیم کے آسٹریہ اور فرانس پر غلبہ حاصل کرنے کا
بھی یہی سبب ہوا۔ مگر یاد رہے کہ جرمن شیرازہ بندی کے بانیوں میں اور ۱۷۹۳ء کے
بعد کی فتوحات کی تنظیم کرنے والوں میں جو یکسانی پائی جاتی ہے وہ صرف اسباب فتح تک
ہے۔ ورنہ ۱۸۷۰ء کی جنگ کے عواقب وہ دراز دستی اور ہوس مُلک ستانی
نہ تھے جس سے فرانس کا فریق غالب متّصف ہوا۔ پرشیہ کا سارا لاؤ لشکر ممالک
جرمانیہ کو خاندان ہوہن زولرن کے ماتحت متّحد کرنے کی غرض سے مرتّب کیا گیا تھا
اور اس کے سوا اور کسی کام پر اسے نہیں لگایا گیا۔ تدبّر کا کارنامہ اور شہزادہ بسمارک
کا فخر یہ ہے کہ جنگ کے دیوتا کی درگاہ میں بروقت چڑھاوا چڑھا کے جو مقصد
پیش تھا جب وہ حاصل ہو گیا، تو اسے یہ بھی خبر تھی کہ اس درگاہ سے رخصت کس طرح
ہوتے ہیں ٭

باب (۶)

ختم جولائی تک، یعنی سرکاری طور پر اعلان جنگ کے بارھویں دن بھی جمع ہونے والی، تین لاکھ ۸۰ ہزار سے کچھ زیادہ جرمن فوج، لاؤتر و سار کے خطے سے کچھ فاصلے پر تھی۔ البتہ نپولین نے اپنی فوج کے بعض دستے فورباخ، ویزن برگ وغیرہ خاص سرحدی مقامات تک بھیجدیئے اگرچہ بہ احوالِ ظاہر اس کا کوئی واضح مقصد نہ تھا۔ باقی سپاہ جس کی مجموعی تعداد ڈھائی لاکھ کے قریب پہنچی تھی۔ میٹز، اور اسٹراز برگ کے گرد یا ان مقامات اور سب سے اگلی چوکیوں کے درمیان خیمہ زن تھی۔ جرمن ٹکڑیوں نے فوجی جاسوسی کا کام کمال چستی سے انجام دیا۔ مگر فرانسیسیوں نے معلوم ہوتا ہے اس قسم کی کوئی دیکھ بھال ہی نہ کرائی کیونکہ آخر میں جب اُنھوں نے یہ معلوم کرنے کا تہیہ کیا کہ ساربروکن میں اُن کے مقابل کون ہے تو وہ پورے پچیس ہزار سپاہیوں کو لئے ہوئے بڑھے حالانکہ وہاں دشمن کی ایک دسواں حصہ جمعیت بھی موجود نہ تھی۔ یہ ۲۔اگست کا ذکر ہے کہ فروسارڈ کا فرانسیسی جیش، جس میں خود شہنشاہ بھی موجود تھا ساربروکن کی طرف بڑھا۔ وہاں کی متعینہ جرمن سپاہ کو نکال باہر کیا اور قصبے پر گولہ باری بھی کی۔ بایں ہمہ اب بھی دریائے سار کے پُل کے پار کے حالات دریافت کرنے تک کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، حالانکہ خود یہ قصبہ پل کے دونوں جانب آباد تھا۔ اُدھر اڑتالیس گھنٹے کے اندر جرمن افواج حملے کرنے کے لئے اپنی اپنی مقررہ جگہ پہنچ گئیں۔ قلب پر شہزادہ فریڈرک چارلس قیادت کر رہا تھا اور اس کی فوج ساربروکن کے عقب میں مشرق و مغرب دونوں طرف پھیل کر اپنے دائیں پر جنرل اسٹین میٹز کی شمالی فوج سے اور بائیں پر شہزادہ ولی عہد کی جنوبی فوج سے آملی۔ یہ جنوبی لشکر پالا ٹی نیٹ کی سرحد کا پاسبان تھا اور اس میں بویریہ اور ورٹم برگ کے دستے بھی شامل تھے یہ اس طرح، تینوں فوجوں کے پھیلاؤ کا رُخ مجموعی طور پر شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف تھا اور چونکہ پیش قدمی ٹھیک مغرب میں ہونے والی تھی لہذا پہلی نقل و حرکت شہزادہ ولی عہد کے لشکر نے کی کہ فرانس میں ساتھ ساتھ بڑھنے کے لئے شمالی افواج کی آورسیدہ میں آجائے۔ اس نے ۴۔اگست کو السا س کی سرحد کو عبور کیا اور ویزن برگ کی طرف پیش قدمی کی۔ یہاں فرانسیسی سپہ سالار دوائے متعین تھا

سرحد۔ ۲ اگست۔

ساربرد کن۔ ۲۔اگست۔

اور اس کے ماتحت بارہ ہزار کے قریب سپاہی تھے لیکن اسے نہ کمک بھیجی گئی نہ ہٹ جانے کا حکم اور اس کے دستے کو اپنے سے کئی گُنے زیادہ غنیم کا مقابلہ کرنا پڑا۔ فرانسیسی بہت جواں مردی سے لڑے مگر ان کی کوشش محض بے کار تھی اور چند گھنٹے کی سخت جنگ کے بعد میدان جرمنوں کے ہاتھ رہا دوائے لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے سپاہیوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی گئی تھی وہ انھوں نے چلنے نہ دی اور پیچھے ہٹ کر میک موہن کے جیش سے جا ملے جو دس میل کے فاصلے پر خیمہ زن تھا۔

ویزن برگ۔ ۴۔ اگست

ولی عہد پروشیہ دشمن کی تلاش میں اور آگے بڑھا میک موہن جو صرف پینتالیس ہزار سپاہی جمع کر سکا، چاہتا تھا کہ پیچھے ہٹے اور کوئی سہارا لیے بغیر نہ لڑے۔ لیکن شہنشاہ، دشمن کے مُلک میں گھس پڑنے کے سیاسی اثرات سے سخت مشوّش تھا۔ اس نے میک موہن کو وہیں لڑانے کے لئے مجبور کیا۔ اور چار و ناچار اُس نے ورت کے قریب کی پہاڑیوں پر مورچے باندھے۔ یہ قریب قریب وہی جگہ تھی جہاں ہوخ نے ۱۷۹۳ء میں پہلی حکومت مخلوط کی فوجوں کا قلع قمع کیا تھا۔

جنگ ورت ۶۔ اگست

۶۔ اگست کو شہزادہ ولی عہد کی اگلی قطاریں گولے کے پٹے پر آپہنچیں۔ اُن میں تقریباً ایک لاکھ سپاہی تھے۔ اور تعداد کی یہ بیشی اتنی زیادہ تھی کہ بظاہر میک موہن کی فوج تمام و کمال ہلاک ہو جاتی یا گرفتار کر لی جاتی اور حملہ آوروں کو جس قدر نقصان ہوا اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوتا بشرطیکہ ولی عہد کے مشیروں نے اپنی پوری قوت سے کام لینے کی جو تدابیر سوچی تھیں، وہ عمل میں آ جاتیں۔ لیکن دستہ ہائے لشکر کے سرداروں کی بیتابی نے ۶۔ اگست کی صبح کو ایک عام جنگ کرا دی۔ فرانسیسیوں نے حملہ روکنے میں انتہا درجے کی ثابت قدمی دکھائی۔ ایک جیش بھی اور پہنچ جاتا، اور توقع تھی کہ جنرل فیلیے کا جیش میدان میں پہنچا چاہتا ہے۔ تو ظاہرہ جرمنوں کو مار کر پسپا کر دینا ممکن تھا۔ لیکن ہر گھنٹے کے ساتھ حملہ آوروں کی تازہ بہ تازہ جمعیتیں میدان میں پہنچ کر حملے میں شریک ہوتی گئیں اور ادھر فرانسیسی سپہ سالار یاس و نومیدی سے رستہ تکتا رہ گیا کہ اسے تباہی سے بچانے والی کمک کب آتی ہے۔ انجام کار جب زرہ پوشوں کی آخری مایوسانہ تاختیں، توپ کی آگ اور رنگیلی گولیوں کی بارش میں پارہ پارہ ہو کے رہ گئیں اور فرانسیسی مورچوں نے

باب (۱۶)

قلب، یعنی موضع فروش ولیر کے ایک ایک مکان پر غنیم نے لڑ کر قبضہ کر لیا تو ساری فوج کی ترتیب بگڑ گئی اور وہ پراگندہ ہو کر میدان سے بھاگ نکلی۔ نو ہزار قیدی اور تیئیس توپیں فتحمندوں کے ہاتھ آئیں جرمنوں کے دس ہزار آدمی مارے گئے لیکن میک موہن کی فوج کا ایک منظم جمعیت کی حیثیت سے انھوں نے خاتمہ کر دیا۔

اس کے بچے کچھے سپاہی میدان کارزار سے کافور ہو گئے اور مغربی راستوں سے جان بچا کے نکل گئے۔ تاآنکہ شالون پہنچ کر ان میں پھر کچھ نظم قائم کیا جا سکا۔ ولی عہد جرمانیہ الساس کے چھوٹے چھوٹے قلعوں کا محاصرہ کرنے کی غرض سے چند دستے چھوڑ کر بے تکلف شمالی واش ٹریس کے علاقے میں بڑھا چلا گیا اور بلندیوں سے اتر کر لونا ویل اور نانسی کے قریب کھلے میدانوں میں آدھمکا اور یہ غیر مستحکم شہر دشمن کو گزرنے سے روکنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔

جس دن ورت میں مذکورۂ بالا لڑائی ہوئی، اسی دن اسٹین میٹز اور شہزادہ فریڈرک چارلس کے ہراول نے سار بروکن کے مقام سے سرحد کو عبور کیا۔ فرانسیسی سردار فروسارد کا جیش ویزن برگ کی شکست سن کر ہی اپنے پہلے مورچے پر ہٹ آیا تھا جو فورباخ اور سرحد کے درمیان تھا اُسکا اسپی کرین کی ڈھلواں پہاڑیوں پر قبضہ تھا جنکے اسپی کرین۔ ۶۔ اگست دامن میں سار برودکن اور وہ جنگل واقع ہے۔ جو جرمانیہ سے فرانس آنے والی شارع عام کے پہلوؤں میں پھیلا ہوا ہے۔ ورت کی طرح یہاں بھی جرمن حکام ۶۔ اگست کو کوئی عام حملہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ صرف چوبیس گھنٹے کی تاخیر انھیں اس قابل کر دیتی کہ فروسارد کے جیش کو گھیر لیں یا بالکل تہس نہس کر ڈالیں۔ لیکن اگلی جمعیتوں کے سردار یہاں بھی جیتا بانہ ان فرانسیسیوں پر جو ان کے سامنے تھے جا پڑے۔ توپ کی آواز سن کر دوسرے دستے بھی مارا مار میدان میں آ پہنچے تاآنکہ اس آویزش نے باقاعدہ لڑائی کی صورت اختیار کر لی گھنٹوں تک فتح کا پلڑا کبھی ادھر کبھی اُدھر جھکتا رہا اور آخر جرمن پیادوں کے پیہم سیلاب نے، عین دشمن کی آتش باری میں گھس کر اسپی کرین کی بلندیوں پر قبضہ کر لیا۔ فروسارد کو مدد نہ پہنچنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔ حالانکہ کئی فرانسیسی فوجیں ادھر اُدھر اور بہت کم فاصلے پر موجود تھیں اور میٹز کے مشرق میں اہم کر لڑائی لڑنے کے لئے اس سے بہتر موقع مشکل سے مل سکتا تھا۔ لیکن جسطرح

ویزن برگ میں ڈوآمے کو مدد نہیں ملی تھی اسی طرح فروسارد کو تنہا کشمکش کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا خواہ حملہ آور جرمنوں کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو۔ فرانسیسی افواج کی سپہ سالاری خود نپولین کے ہاتھ میں تھی اور وہ میٹز کے مستقر سے فوجوں کو لڑا رہا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اب وہ جنگ کی بالکل معمولی ضروریات کا صحیح اندازہ کرنے سے معذور اور رکھے ہوئے خطروں کا سدّباب کرنے سے بھی قاصر ہو گیا تھا۔ کچھ ایسی بُری گھڑی آگئی تھی کہ سوائے یاس و بدحواسی کے اسے کچھ نہ سوجھتا تھا۔

۶۔ اگست کی لڑائیوں کے جنگی نتائج بہت اہم تھے اور ویسا ہی یورپ میں ان کا اثر ہوا۔ آسٹریہ اور اطالیہ کے فرانس کے شریک کار ہونے کی ساری توقعات غائب ہو گئیں۔ اہل جرمانیہ اس خطرۂ عظیم سے واقف نہ تھے جس سے مذکورۂ بالا فتوحات نے انھیں نجات دی تاہم ہفتوں کا جو تذبذب سوہان روح ہوا جاتا تھا، وہ دفع ہوا اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ خود یہ اتفاق کہ انھیں ورت میں فریقین کی غیر مساوی تعداد کا علم نہ تھا، ان کے ازدیاد مسرت کا باعث ہوا اور شہزادہ ولی عہد کی فتح سے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ زیادہ خوشی کا سبب یہ تھا کہ اس فتح میں جنوبی جرمانیہ کے سپاہی جو ۱۸۶۶ء میں اُن کے خلاف صف آرا تھے، آج دوش بدوش ہو کر لڑے اور اپنی تعداد کے مطابق انھوں نے جنگ میں پورا حصّہ لیا۔

پیرس، ۶۔ اگست کے بعد

اُدھر پیرس میں سپک ہوہن کی کامل ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اس لئے اور بھی سراسیمگی پھیلی کہ ایک ہی دن پہلے وہاں یہ خبریں گشت کرائی گئی تھیں کہ لینداو میں فرانسیسیوں کو فتح حاصل ہوئی اور ولی عہد پروشیہ اپنے لشکر سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ اب جو شہنشاہ کا پرچہ چھپا جس میں سپک ہوہن کی شکست اور فروسارد کی پسپائی کی مختصر اطلاع کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ تھے: کہ "اب بھی گذشتہ کی تلافی ممکن ہے" تو ثابت ہوا کہ اس ایک ہی یوم شوم نے جنگ کی امیدوں کو کیا سے کیا کر دیا۔ لوگوں پر اصل حقیقت فوراً منکشف ہو گئی۔ ساتھ ہی پیرس کی شہنشاہی حکومت کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان برپا ہو گیا۔ فوراً مجلس کے دونوں شعبے طلب کئے گئے۔ فریق اختلاف اور راسخ بونا پارٹی دونوں طرف سے اولی ویہ پر اعتراضات کی بوچھار ہوئی اور اس نے عہدے سے

باب (۶)

استعفیٰ دے دیا۔ ملکہ نے کاؤنٹ مالی کاؤ کی صدارت میں رجعت پسندوں کی وزارت مرتب کی جسے ان وزرا کے سوا اور سب لوگ بجا طور پر آخری گھڑی کی وزارت کہتے تھے۔ نئی بھرتی کے احکام صادر ہوئے، افواج محفوظ کے لئے اسلحہ اور سامان رسد کی فراہمی ہونے لگی اور خود پیرس میں محصور ہو کے لڑنے کا انتظام کیا جانے لگا۔ ۱۲۔ اگست کو بادشاہ اپنی سپہ سالاری سے جس کے نتائج ایسے خراب نکلے تھے، دست بردار ہو گیا اور مُہم میکسکو کے ایک سورما مارشل بے زین کو عساکر رہائن کا اعلیٰ سپہ سالار مقرر کیا گیا۔

نپولین میٹز میں۔

میک موہن کی ہزیمت اور پھر جرمنوں کی اسپی کرین میں فتحمندی نے بظاہر کئی دن تک فرانس کے فوجی عمال کو میٹز میں بالکل بدحواس اور معطل رکھا۔ فریڈرک چارلس اور اسٹین میٹز کے جیوش، فتح کے بعد ہی آگے نہیں بڑھے بلکہ انھیں چند روز تک ولی عہد کے واسٹریس میں دور تک بڑھ آنے کا انتظار کرنا ضروری ہوا۔ اس عرصے میں فرانسیسی فوج، جو میٹز کے گرد مجتمع ہو کر دو لاکھ کے قریب ہو گئی تھی آسانی سے اُن مقامات پر پہنچ سکتی تھی جن کی موزیل کی دفاع کے لئے مورچہ بندی ضروری تھی اور یہ نہیں تو وردون اور شالون کی سمت میں کئی منزل پہلے سے ہٹ کر دفاعی انتظام کر سکتی تھی۔ اب تک اس کے صرف ایک قلیل حصے پر شکست کی ضرب لگی تھی۔ ورنہ فرانس کی سب سے چیدہ فوجیں صحیح سالم موجود تھیں اور ہزارہا ایسے جنگ آزما تھے کہ غالباً یورپ کی بہتر سے بہتر فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے اور فوج ردیف کے ساتھ جو شالون یا پیرس کے قریب تر مقامات میں مجتمع ہو رہی تھی، مل کر بڑا درست لشکر مرتب ہو سکتا تھا۔ لیکن ۷۔ سے ۱۲۔ اگست تک نپولین کی عجب حالت رہی کہ خوفزدہ ہو جانے کی وجہ سے نہ تو موزیل کی مدافعت کی ضروری تدابیر کر سکا اور نہ اس کا جی میٹز چھوڑ دینے کو چاہتا تھا۔ پس اسی حیص بیص میں وہ کئی روز تک بیکار وہیں پڑا رہا۔ کہیں ۱۴۔ اگست کو جاکر پسپائی شروع ہوئی مگر اب جرمن عساکر سر پر آپہنچے تھے اور ان کی قائدین کو گوارا نہ ہوا کہ ہچکچاتے دشمن کو بچ کر نکل جانے دیں۔ فرانسیسی رود موزیل کو عبور کر رہے تھے کہ اسٹین میٹز سرعت سے بڑھا اور بورنی اور کورسیل

بورنی۔ ۱۴۔ اگست۔

کے قریب اُن فرانسیسی جماعتوں پر آپڑا جو ابھی تک میٹز کے جنوب مشرق میں ٹھیری ہوئی تھیں۔ بے زین نے پسپائی کا کوچ روک دیا کہ ان حملہ آوروں کو مار کر ہٹا دے جو کم سے کم اس مرتبہ تو تعداد میں کم نظر آتے تھے۔ روزِ جنگ ختم ہوا تو اس وقت بھی یہ فرانسیسی سپہ سالار اسی خیال میں تھا کہ اُسے فتح ہوئی اور اُس نے جرمنوں کو اُنکی پیش قدمی کے خط سے مار کر پسپا کر دیا۔ لیکن حقیقت میں وہ عین آخری وقت پر خود موزیل کو عبور کرنے سے رہ گیا اور اس اثنا میں فریڈرک چارلس کے ماتحت جو جرمن فوجیں چھوڑی گئیں تھیں وہ جنوب میں بڑھکر موزیل کے کنارے پر آپہنچیں بلکہ فی الواقع اس کے پار اُتر رہی تھیں کہ بے زین کی پسپائی کا راستہ روک لیں۔ میٹز کے مغرب میں موضع گریولوت یعنی سات میل تک صرف ایک سیدھی سڑک بنی ہوئی ہے۔ گریولوت پر اس کی دو شاخیں ہوتی ہیں اور اُن میں سے جنوبی

۱۶۔ اگست۔

مارلاتور۔ ڈیوون ویل اور مارلاتور سے گزرتی ہوئی وردن گئی ہے اور دوسری یعنی شمالی سڑک کون فلیس کو چلی جاتی ہے۔ ۱۵۔ اگست کو بے زین کے جیوش جنوبی سڑک پر ڈیوون ویل تک بڑھے۔ باقی فوج ابھی گریولوت ہی میں تھی بلکہ دو لشکر جنھیں گریولوت سے آگے نکل آنا چاہیے تھا، کون فلیس والی سڑک میٹز ہی کے قریب پڑے تھے۔ ادھر پروشوی ہراول جنوب میں نوئیان اور مونتامو سون تک، موزیل، گواتر اتر کے ہر طرف سے اس سڑک کی سیدھ میں بڑھ رہا تھا جہاں بے زین کے مورچے تھے۔ ۱۵۔ کی شام تک پروشیہ کے فوجی حکّام کا گمان یہ تھا کہ خطِ میوز سے پہلے بے زین کو جا لینا اور جنگ پر مجبور کرنا ممکن نہ ہوگا۔ لیکن ۱۶۔ کی صبح کو سوارانِ ہراول کے جوقوں کو جو شمال مغرب میں سب سے آگے نکل آئے تھے، معلوم ہوا کہ فرانسیسی عساکر کے سرے ابھی تک مارلاتور ہی سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ پس اسی وقت کوشش کی گئی کہ سڑک پر قبضہ کر کے دشمن کا سامنے سے راستہ روک لیا جائے۔ شروع میں دونوں طرف سے چھوٹے چھوٹے گروہوں کی مڈبھیڑ ہوئی تھی لیکن قریب کے فرانسیسی دستے یکے بعد دیگرے میدان میں پہنچنے لگے تو اُدھر سے پروشیہ والے دیوانہ وار دوڑے کہ اپنے ساتھیوں کی غنیم کے پورے لشکر کے مقابلے میں دستگیری کریں۔ پروشوی سرداروں نے

باب (۶)

جس طرح آن کی آن میں موقع کا اندازہ کیا، جس شدومد سے وہ اپنے سواروں کو اتنے فاصلے پر لے گرائے جسے پیادہ فوج اتنی دیر میں طے نہ کر سکتی تھی اور تاخیر نہایت مضر ہوتی، اور پھر جس طرح ایک لمحے کا تامل کئے بغیر انھوں نے قوی تر دشمن پر پے درپے رسالوں کے حملے کئے، ان سے جنگ مارلا تور میں جرمنوں کی فن جنگ کی افضلیت واضح طور پر آشکارا ہوگئی۔ اس معرکے میں کثرت و قلتِ تعداد نے کوئی اثر نہ دکھایا۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ بے زین زیادہ قابلیت سے کام لیتا تو کسی ایک مقام پر دشمن کو بالکل دبا کے کچل دیتا۔ لیکن جرمن فوجیں توڑو کی طرح حملے کے اصلی مقام یعنی میدان کے انتہائی مغربی سرے پر امنڈ رہی تھیں اور بے زین کسی مغالطے کی وجہ سے اس خیال میں تھا کہ اس کا مقدم کام یہ ہے جرمنوں کو، بڑھی ہوئی فرانسیسی فوج اور میٹز کے درمیان نہ گھسنے دے۔ اسی خیال سے اس نے بہت سے سپاہیوں کو قلعے کے آس پاس بیکار پڑا رہنے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شام ہوئی تو گو جرمنوں نے سولہ ہزار آدمیوں کا نقصان اٹھایا مگر ورون ویل کے مقام پر سڑک ان کے قبضے میں رہی۔ اور فرانسیسیوں کے لئے آیندہ ناممکن ہوگیا کہ پوری فوج غنیم کے صفوں میں سے جبراً راستہ نکالے بغیر اس طرف اپنی پسپائی کا کوچ جاری رکھ سکیں۔

۱۷۔ اگست کو توقع تھی کہ بے زین دوسری یعنی شمالی سڑک سے فوجوں کو نکال لیجانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے وہ گریولوت اور اس کے اور میٹز کے درمیان کی بلند زمین پر ہٹ آیا کہ وہاں جم کر میدانی لڑائی لڑے۔ اس نے مقام بہت اچھا انتخاب کیا تھا مگر ۱۸۔ کی دوپہر سے پہلے اسٹین میٹز اور فریڈرک چارلس کے دونوں لشکر جن کی تعداد ڈھائی لاکھ تھی، اس کے سامنے تھے اور شاہ پروشیہ کی رائے میں یہ فوجیں حملے کے لئے کافی تھیں۔

گریولوت ۱۸۔ اگست۔

اس موقع پر بھی ورت کے معرکے کی طرح ماتحت سرداروں کی جلد بازی کے باعث ہزاروں آدمیوں کی قربانی کرنی پڑی تب جاکر میدان ہاتھ رہا۔ مولٹکے نے سیکسنی کے جیش سے غنیم کے دائیں بازو پر ہاتھ روگ کے بھرپور وار کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ شمال کا لمبا چکر طے کرنے ہی میں مصروف تھا کہ اسٹین میٹز نے اپنے رہائنستانی جوانوں کو گریولوت کے نالے میں جھونک دیا

اور ایسی آتش باری سے نکال کر لایا جسے کوئی انسان جھیل نہ سکتا تھا۔ چنانچہ وو قشون پاسبانان،، کے ان سپاہیوں کی قطاریں، سان ماریہ سے سان پریوا تک پھیل کر کھلی ہوئی پھسلتی ڈھلانوں پر چڑھیں تو آدھا راستہ طے کرنے سے پہلے ہی ہزاروں جوان بُھن گئے۔[1] خلاصہ یہ ہے کہ جب تک سیکسن جیش کی کاری ضرب شمالی بازو پر نہ پڑی اسوقت تک بے وشوی عسا کرنے جس قدر زمین طے کی وہ بیشتر اپنے تباہ کن توپ خانے کے بل پر کی۔ ورنہ خود گریولوت میں بھی تھوڑی دیر تو ایسا معلوم ہوا کہ عنقریب فرانسیسی سپاہی حملہ آوروں کی صفوں کو درہم برہم کر دیں گے۔ بایں ہمہ بے زین نے ۱۶ تاریخ کی لڑائی کی طرف آج بھی فوج محفوظ کو ان مقامات سے برابر دُور رکھا جہاں اُن کا ہونا نہایت ضروری تھا۔ حتیٰ کہ خود اس کے بیان کے موافق ۱۸ اگست کے معرکے میں اس کے دو تہائی سے بھی کم یعنی کل ایک لاکھ سے زیادہ فرانسیسی سپاہی شریک نہ ہوئے۔[2] جب یہ خونی یوم قتال آخر ہوا تو سیکسنوں کے سان پریوا پر قبضہ کر لینے سے مدافعین کا عقبی رُخ حملہ آوروں کی زد میں آچکا تھا اور فرانسیسی سارے مورچے چھوڑ چھوڑ کے خود میٹز کے دمدموں کی پناہ میں آ گئے تھے۔[3]

جرمنوں نے فوراً میٹز کے گرد تمام راستوں کی ناکہ بندی شروع کی اور بے زین نے انھیں باز رکھنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ چند روز کے اندر اس کے گرد اتنا مضبوط حصار قائم کر لیا گیا کہ محاصرین کسی اچانک حملے کا بخوبی مقابلہ کر سکتے تھے۔ گریولوت میں جو شدید نقصانات ہوئے اُن کا بہت کچھ ذمہ دار اسٹین میٹز تھا لہٰذا اسے سپہ سالاری سے ہٹا کر اس کی فوج بھی، فریڈرک چارلس کے ماتحت اسی شہزادے کی فوج میں شامل کر دی گئی اور میٹز کا محاصرہ اس کے تفویض ہوا۔ لیکن اس لشکر عظیم میں سے ساٹھ ہزار سپاہی جُدا کر کے سیکسنی کے امیر البرٹ کے زیر سپہ سالاری مرتب کیے گئے اور انھیں وردون کے راستے بھیجا گیا کہ میک موہن کے مقابلے میں

میک موہن کو بے زین کی رستگاری کے لئے جبراً بھیجا جاتا ہے۔

---

[2] بے زین، "دو آدمی دور ہیں"، صفحہ ۱۴۷۔

باب (۶)

ولی عہد کے لشکر سے مل کر کام کریں۔[1] میٹز کی گرد و نواح میں روزانہ جو کچھ ہوا، اس کی پیرس میں اعلیٰ حکام کو پوری اطلاع نہ تھی۔ البتہ یہ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر میٹز کا ہاتھ سے جانا گوارا کیا، تو پھر حکومت کے خاتمے کی گھڑی بھی کچھ دور نہیں ہے۔ امید کی صرف ایک جھلک یہ نظر آتی تھی کہ میک موہن جس فوج کو شالون میں مرتب کر رہا تھا اسے بے زین کی مدد کے واسطے شمال مشرق کی طرف بڑھایا جائے اگرچہ شالون و میٹز کے درمیان ولی عہد پروشیہ اڑا کھڑا تھا اور کوچ کے ہر مقام پر اس کی فوج میک موہن سے پہلے پہنچ سکتی تھی۔ نپولین نے ۱۵ کی شام کو میٹز کو چھوڑ دیا تھا۔ ۱۷۔ کو شالون میں بزم شوریٰ منعقد ہوئی اور اس میں یہ طے ہوا کہ پیرس کی طرف ہٹ جانا اور وہیں کے قلعوں کی پناہ میں ولی عہد کے حملے کا انتظار کرنا چاہیے۔ مگر جونہی اس فیصلے کی اطلاع پیرس کے حکام کو دی گئی، اسی وقت ملکہ نے اپنے شوہر کو متنبہ کیا کہ پسپائی کے اثرات کیا نہوں گے اور اصرار کیا کہ بے زین کو محاصرہ سے نکالنے کی کوشش ضرور کی جائے۔[2] میک موہن اپنی ذاتی اور صحیح رائے کے خلاف شمال کی طرف چلنے پر رضامند ہو گیا۔ اول اس نے رہیمز کی جانب کوچ کیا تاکہ دشمن اس کے اصلی ارادے سے خبردار نہ ہو سکے لیکن اس میں کئی دن ضائع ہو گئے۔ پھر ۲۳۔ کو بے زین سے قرارداد کے مطابق، جس کے ہرکارے اُس وقت تک پروشوی پاسبانوں سے بچ کے باہر پہنچ جاتے تھے، وہ مونت مادی کی سمت، شمال مشرق کو روانہ ہوا۔ پروشوی سواروں کو اس نقل و حرکت کا پتہ چل گیا اور اُنھوں نے اپنے بارلادوک کے مستقر پر اس کی ۲۵ تاریخ کو اطلاع پہنچا دی۔ اسی وقت ولی عہد کا مغرب کی جانب کوچ روک دیا گیا۔ اور اس کا لشکر امیر سیکسنی کی فوج کے ساتھ یلغار کرتا ہوا جانب شمال، سیڈان کو روانہ ہوا۔ یہ لوگ شیبنی پہنچے تو ۲۷۔ اگست کے دن میک موہن کو بھی غنیم کے آ پہنچنے کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ میرے نقشے کا حال کھل گیا لہٰذا تہیہ کر لیا کہ وقت ہاتھ سے نکل جانے کے پہلے مغرب کی طرف ہٹ جائے۔ بادشاہ فوج کے ہمراہ تھا

جرمنوں کی حرکت شمال کی جانب - ۲۶ - اگست۔

[1] اسپیر سیکریٹ . . . اینیر - (۱۸۷۵ء) صفحہ ۴۳۳، ۴۰ - ۲

اس نے بھی یہ بات منظور کی لیکن پیرس کے حکّام نے دوبارہ دخل دیا جس نے تباہی کا منھ دکھایا۔ ملکہ اور اس کے مشیروں کو فوج کی سلامتی سے زیادہ خاندان شاہی کے قائم رہنے کی پڑی تھی اور انھوں نے ہٹ کی کہ میک موہن اپنا کوچ جاری رکھے۔ بظاہر نپولین، اس وقت سارے اختیارات سے دست بردار ہو چکا اور ذمہ داری کو بالائے طاق پھینک چکا تھا۔ اس نے موزون اور آستانے کی جانب کوچ کی اجازت دے دی میمنے پر فیلیے کا جیش تھا اور قبل اس کے کہ وہ آستانے کے مقام پر میوز ندی کو عبور کر سکے، غنیم نے ۲۹- کو اس پر حملہ کیا اور شمال کی طرف بیوموں میں ڈھکیل دیا۔ طرفہ تر یہ کہ سردار فوج یہاں پہنچ کر سمجھا کہ بہت محفوظ مقام پر آگیا ہے۔ حالانکہ دوسرے ہی دن غنیم نے اسے اچانک آ دبایا اور شکست دے کے، اور راوپر، موزون کی سمت ہٹا دیا۔ اس عرصے میں میک موہن کا میسرہ میوز کو اتر کے مشرق میں کاری نان کی طرف جا رہا تھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ فوج کے دونوں بازو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر الگ ہو گئے اور بیچ میں میوز ندی آگئی۔ ۳۰- تاریخ کی لڑائی میں فیلیے کی فوج کے بہت سے سپاہی اسیر جنگ بنا لئے گئے یا میوز کے مغرب میں منتشر ہو گئے۔ باقی ماندہ جمعیت اپنے سردار کے ساتھ بے ترتیبی سے مارا مار ندی کے پار بھاگ آئی اور جن پلوں سے اتری تھی، انھیں توڑنے میں بھی غفلت کی۔ میک موہن کو معلوم ہو گیا کہ اگر اسی طرح کوچ جاری رہا تو اس کے جیش یکے بعد دیگرے دشمن کے ہاتھ میں پھنستے رہیں گے۔ پس ان سپاہیوں کو جو کاری نان پہنچ چکے تھے اس نے واپس بلا لیا اور سیڈان کے قریب فوج جمع کی کہ جم کر لڑائی لڑے۔ اس بستی کے شمال و جنوب میں میوز کے معبروں پر جرمنوں نے قبضہ کر لیا۔ اس وقت مولٹکے کے تحت میں دو لاکھ چالیس ہزار سپاہی تھے اور میک موہن کی فوج تعداد میں قریب قریب اس کے نصف تھی۔ جرمنوں کا خاص مقصد دشمن کو شکست دینے سے زیادہ یہ تھا کہ وہ سرحد بلجیئم کی طرف بچ کر نہ نکل جائے۔ یکم ستمبر کی صبح کو ادھر تو بویری دستے نے فرانسیسیوں کی جانبازانہ مزاحمت کے باوجود موضع بازیلی کو ہجوم کر کے چھین لیا اور ادھر ہیس و پرشیہ کے غول پہ غول چند میل مغرب میں دو ن شیرے پر میوز کو عبور کر آئے۔ پھر اسی خط کے دونوں سروں پر جیش پہ جیش

یوم سیڈان یکم ستمبر

باب (۶)

فرانسیسی موریچوں کو گھیرتا ہوا اور راستے پر ہر جگہ غنیم کو دھکیلتا ہوا شمال میں بڑھا اور شاہ پرشیہ، اس کے سپہ سالار اور صدرِ اعظم کی آنکھوں کے سامنے اُس آتشیں کمان کی صورت میں اپنی اپنی جگہ پہنچ گیا جسکی مار کے نیچے فرانس کی شہنشاہی برباد ہونے والی تھی۔ اس نقل وحرکت کا جس کمال سے نقشہ بنایا گیا تھا اسی کمال سے اُس پر عمل بھی ہوا۔ فرانسیسی جھلّا جھلّا کے لڑے مگر بے کار: محض دشمن کی کثرت اور محض حلقے کا مکمل ہونے کے بعد تنگ ہوتے جانا ساری مزاحمت کو پامال کر دینے کے لئے کافی تھا۔ گریو لوٹ کی سی بے ڈھنگی خونریزی کی بھی نوبت نہ آئی۔ ایک ایک مورچے سے مدافعین پسپا ہوتے ہوئے خود سیڈان میں سمٹ آنے پر مجبور ہوئے۔ بستی کے گلی کوچوں میں شکست خوردہ پیادہ وسوار کا اژدہام آلگا۔ جرمنوں کا ایک قدم آگے بڑھانا گویا خود بستی کا انکے توپ خانے کی زد میں آجانا ہوتا۔ شام ہوتے آتش باری روک دی گئی کہ شاید فرانسیسی قبولِ اطاعت کی گفتگو شروع کریں۔ لیکن جب اُس قسم کی کوئی علامت نظر نہ آئی تو پوری توپ خانے سے پھر آتش باری ہونے لگی اور خاص بستی کے اندر گولے گر گر کے پھٹنے لگے۔ تب نپولین نے قلعے پر سفید جھنڈا بلند کرایا اور شاہ پرشیہ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اپنے سپاہیوں کے درمیان مرنا تو میری قسمت میں نہ تھا لہذا اب سوائے اس کے کہ اپنی تلوار اعلیٰحضرت کے حوالے کر دوں اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں ہے۔ شاہ ولیم نے امان دینا قبول کیا اور لکھا کہ میری جانب سے امان دہی کی شرطیں طے کرنے میں جنرل مولٹکے قائم مقام ہوگا۔ ادھر، میک موہن زخم سے بیکار اور فرانسیسی فوج کا سپہ سالار جنرل ویمپ فن ہوا تھا، نپولین کی طرف سے اس نے گفتگو کی۔ رات ہوئے پر دیر تک یہ نامہ وپیام جاری رہے۔

سقوط سیڈان ۲۔ستمبر

فرانسیسی سپہ سالار کو اصرار تھا کہ اس کی فوج کو بلجیم کی حدود میں چلے جانے اور وہیں ہتھیار رکھنے کی اجازت دی جائے اور ادھر مولٹکے اڑا ہوا تھا کہ تمام فوج کو بہ حیثیت اسیر جنگ ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ بسمارک ڈرا کہ کہیں نپولین کی التجا شاہ ولیم کی نیک نفسی پر اثر کر جائے لہذا پہلے سے اُس نے ایسی کارروائی کی تھی کہ اس کا بادشاہ شرائط امان طے ہونے تک بہت فاصلے پر ہی رہے۔ ۲۔ستمبر کی صبح کو نپولین خود پر شوی مستقر کی طرف چلا لیکن بسمارک نے

راستے ہی میں استقبال کیا اور اتنی دیر تک باتیں کرتا رہا کہ جرمنوں کے حسب مراد شرائطِ امان کی تکمیل ہو گئی۔ تب بسمارک نپولین کو قریب کے قصرِ بیلوئے میں لے کر آیا جہاں شاہ ولیم، ولی عہد پرشیہ اور امیر سیکسنی اس سے ملاقات کو آئے۔ بدنصیب شہنشاہ کے نصیب میں ایک اور رنج کا کھانا یہ لکھا تھا کہ شاہ پرشیہ سے ملاقات کے وقت تک وہ اس خیال میں تھا کہ سیڈان پر مجھے گھیرنے میں ساری جرمن فوجیں شریک ہیں اور اسی لئے اطمینان کا ایک یہ پہلو تھا کہ میری تباہی سے پیرس کو تو نجات میسر آگئی ہو گی۔ لیکن اب اثنائے گفتگو میں ضمناً اسے معلوم ہوا کہ فریڈرک چارلس میٹز کے سامنے سے ہلا تک نہیں۔ یہ سن کر نپولین کے چہرے پر عجیب طرح کی کرب کی کیفیت پیدا ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ بہرحال فاتح اور مفتوح کی ملاقات میں طوالت ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو سکتی تھی کیونکہ قیدی بننے کے بعد نپولین شرائطِ صلح پر گفتگو کرنے کا مجاز نہ تھا۔ تھوڑی دیر کی بات چیت کے بعد شاہ پرشیہ پرشوی مستقر کی طرف چلا آیا اور نپولین دوسری صبح تک اسی قصر میں رہا اور پھر کاسل کے قصر وِلہلم شو ہے کی طرف روانہ کر دیا گیا جو اس کی نظر بندی کے واسطے منتخب کیا گیا تھا۔ ۱؎

اگست کی آخری تاریخوں میں فوج کی ہزیمت و شکستہ حالی کی افواہیں تو پیرس پہنچی تھیں لیکن ہر بری خبر کے جواب میں حکومت اپنی فتح کی پے در پے جھوٹی ڈینگیں ہانکتی رہی تھی۔

جمہوریت کا اعلان ۴ ستمبر

تاآنکہ ۳ ستمبر کو وہ ایسی ہولناک اطلاع شائع کرنے پر مجبور ہوئی کہ گذشتہ ایام کے بد سے بد اندیشیوں سے بھی کہیں زیادہ بدتر تھی۔ شہنشاہ اور اس کی تمام فوج کے غنیم کے ہاتھ میں قید ہونے کے بعد یہ تو کسی کے خیال میں بھی نہ آسکتا تھا کہ اب خاندان نپولین کی فرماں روائی رہے گی۔ سوال صرف یہ تھا کہ بادشاہی کی بجائے کس قسم کا نظامِ حکومت اختیار کیا جائے۔ عین آدھی رات کو مجلس مبعوثین کا اجلاس ہوا۔ ژول فاورے نے شہنشاہ کی معزولی کی تحریک پیش کی اور سب دم بخود سنتے رہے۔ چند گھنٹے کے واسطے اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

۱؎ روزنامچہ شہنشاہ فریڈرک۔ ۲ ستمبر۔

باب (۶)

۴-ستمبر کی صبح کو تھیر نے تجویز کی کہ خود مجلس ایک جماعت عاملہ کو مقرر کر دے اور جلد سے جلد جب حالات اجازت دیں مبعوثین کا از سر نو انتخاب کیا جائے۔ تھیر خاندان اورلیان کی بحالی کا راستہ کھلا رہنا چاہتا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری تجویزوں کا کوئی فیصلہ ہوا بلوائیوں نے مجلس ہی پر دھاوا بول دیا۔ **گان بیتا**، پیرس کے بہت سے مبعوثین کو ساتھ لے کر "ہوتیل دویل" یعنی ایوانِ بلدیہ میں چلا آیا اور وہاں جمہوریت قائم ہونے کا اعلان کیا۔ ملکہ نے راہِ فرار اختیار کی۔ دفاع قومی کے نام سے ایک حکومت مرتب ہوئی جس میں صدر جنرل **ترو** کو، وزیر خارجہ **ژولے فاور** اور **گان بیتا** وزیر داخلہ مقرر ہوا۔ خاندان نیولین یا شخصی سلطنت کے آئین کی حمایت میں کسی نے انگلی تک نہ ہلائی۔ دار المبعوثین اور دار الاعیان اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ہی غائب ہو گئے تھیر کو جمہوریت اور اس کا اس طرح قائم ہونا پسند نہ تھا لیکن اپنے رفیقوں کو اس نے صلاح دی کہ اسے تسلیم کر لیں اور خود بھی نئی حکومت کا معین رہا۔ ۶-ستمبر کو ژولے فاور نے ممالک یورپ میں فرانس کے قائم مقاموں کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں نپولیانی سلطنت کے استیصال کی وجوہ بیان کیں اور فرانس کی جدید حکومت کو غیر جانب دار سلطنتوں کے حسنِ ظن اور دوستی کا مستحق قرار دیا۔ جنگ کی ذمہ داری نیولین ثالث پر عائد کی اور اس پر زور دیا کہ جب یہ خاندان شاہی نہیں رہا تو پھر جنگ جاری رکھنے کی وجوہ بھی معدوم ہو گئیں۔ فرانس صرف ایک دیرپا امن وصلح کا متمنی ہے۔ لیکن ایسی صلح میں فرانس کے علاقے بجنسہ چھوڑنے لازم ہوں گے کیونکہ بے عزتی کی صلح بجز اس کے کہ آیندہ جانی دشمنی کی جنگ کا پیش خیمہ ہو اور کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔ اس نے اپنا اصول موضوعہ ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ "اپنی سرزمین کا ایک چپہ اور اپنے قلعوں کا ایک پتھر بھی ہم (غنیم کے) حوالے نہیں کریں گے"۔[1]

ژولے فاور کا گشتی مراسلہ ۶-ستمبر۔

---

[1] فاور کے مراسلے میں شاہ پروشیہ سے ایک یہ اعلان منسوب کیا گیا تھا کہ میری لڑائی فرانس کے ساتھ نہیں بلکہ صرف خاندان شاہی کے ساتھ ہے۔ حالانکہ شاہ ولیم نے ایسی کوئی بات کبھی نہیں کہی۔ البتہ فرانس

حریف کے ان جوش انگیز فقروں کے جواب میں جرمن صدرِ اعظم کے پاس کوئی مسجع اور فصیح و بلیغ تقریر تو بنی بنائی موجود نہ تھی مگر جنگ سیڈان جیتنے کے بعد ہی پر شوری مستقر پر یہ طے کر لیا گیا تھا کہ السا س لورین کو الحاق کئے بغیر فرانس کے ساتھ ہرگز صلح نہ کی جائے گی۔ بسمارک نے کہا ہے کہ خود میں اسٹراس بورگ کے لے لینے پر بس کرتا لیکن مولٹکے اور فوج کے عمائد نے فتویٰ دیا کہ جب تک میٹز فرانس کے قبضے میں ہے جرمانیہ حملے سے محفوظ نہیں سمجھی جا سکتی یہی رائے بادشاہ نے قبول کر لی۔ شروع میں خیال تھا کہ سیڈان کی فتح، فریق غالب کی شرطوں کے مطابق جنگ کا فیصلہ کر چکی۔ مگر یہ امید بہت جلد زائل ہو گئی اور ولی عہد کی فوج نے تضیع اوقات کئے بغیر پیرس پر پیش قدمی شروع کر دی۔ ستمبر کے تیسرے ہفتے میں حملہ آور دارالسلطنت کے قریب آپہنچے۔ ۶۔ ستمبر کے گشتی مراسلے کے باوجود فاور کچھ لے دے کے صلح کر لینے کے خلاف نہ تھا۔ اور اپنی تدابیر استمالت کی کامیابی پر بھروسہ کر کے اس نے جرمن صدر اعظم سے ملاقات کرنی چاہی۔ یہ استدعا منظور ہوئی ۱۹۔ ستمبر کو فارئر میں بسمارک نے اس سے ملاقات کی اور اگلے دن بھی گفتگو جاری رہی۔ پیرس کے خود ساختہ حکام کو ایک مستقل حکومت کے ارکان ماننے میں بسمارک کو تامل تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کچھ روز کے لئے جنگ ملتوی کر دی جائے کہ فرانس میں باقاعدہ مجلس مبعوثین کا انتخاب عمل میں آئے جس سے جرمانیہ شرائط صلح طے کر سکے۔ لیکن اس متارکے کی شرطیں اس نے یہ پیش کیں کہ اسٹراس بورگ اور تول کے قلعے حملہ آوروں کے حوالے کر دیئے جائیں۔ حقیقت میں، تول کی مدافعت کرنے والوں میں کچھ سکت نہ رہی تھی اور اسٹراس بورگ اور دس دن بھی حملہ آوروں کو نہ روک سکتا تھا۔ مگر اس حقیقت کی پیرس کے حکام کو خبر نہ تھی۔ چنانچہ بسمارک نے جو شرطیں پیش کی تھیں، وہ فرانس کے لئے توہین آمیز بتا کے مسترد کر دی گئیں اور جنگ کو اپنے

فاورے اور بسمارک

۱۹۔ ستمبر

بقیہ نوٹ صفحہ (۳۷۲) میں داخل ہوتے وقت اس نے صرف یہ اعلان کیا تھا کہ جنگ، فرانسیسی فوج سے کی جائے گی اور فرانس کے باشندوں سے جب تک کہ وہ خاموش رہیں، کوئی تعرض نہ ہوگا۔ بظاہر یہی اعلان ہے جس کی طرف فاور نے اپنے خط میں اشارہ کیا تھا۔

باب (۶) حال پر جاری رہنے دیا۔ اسی وقت، جب کہ فاؔدر فاؔرئیر میں گفتگو کر رہا تھا، جرمن ہراول پیرس کے مغرب تک بڑھکر اُسے گھیرنے میں مصروف تھا۔ ایک فرانسیسی جمعیت نے ۱۹۔ تاریخ کو اُن پر شاتی یون میں حملہ کیا تو اسی کو شکست فاش ہوی اور وہ بدحواس ہوکر بھاگی۔ اسی تاریخ وارسیلز پر جرمنوں کا قبضہ ہوا اور تھوڑے ہی دن کے اندر محاصرے کا خط پایۂ تخت کے گرد مکمل ہو گیا ہے

جنگ کے خونی تماشے کا اب دوسرا باب شروع ہوا۔ ۱۸۴۰ء کے قریب تھیرس نے شہر کے مورچے اور دمدمے اس وقت تیار کرائے تھے جب محمد علی کے قضیے میں اندیشہ تھا کہ یورپ کی بعض سلطنتیں مل کر فرانس سے لڑیں گی۔ شہر سے ان کا فاصلہ اس قدر تو نہ تھا کہ ۱۸۷۰ء کی لمبی مار کی توپوں کی زد اس تک نہ پہنچ سکتی لیکن خود وہ شہر کی حفاظت کے واسطے اتنے مضبوط ضرور تھے کہ حملے کا خیال بھی نہ آسکتا تھا اور محاصرین مجبور تھے کہ فتح کے لئے اہل شہر کی فاقہ کشی پر انحصار کریں گو اس میں کتنی ہی دیر لگے۔ ۱۸۶۷ء میں محکمۂ تعمیرات نے اندازہ کیا تھا کہ شہر کے اندر اس قدر سامانِ رسد جمع کیا جاسکتا ہے کہ دو ماہ تک کافی ہو۔ لیکن ۱۸۷۰ء میں اس کثرت سے سامان رسد فراہم کیا گیا کہ آبادی کے دُگنے ہو جانے کے باوجود، چار مہینے تک اکتفا کر سکتا تھا۔ پس، گو فرانس کی فوجیں جنگ میں تلف اور اسیر ہوئیں، تاہم مستقبل سے مایوسی نہ تھی بشرطیکہ، ادھر تو غنیم کے چار لاکھ آدمی پیرس و میٹز کے محاصرے میں الجھے رہیں اور اُدھر اضلاع فرانس کے باشندے جوش و خروش کے ساتھ مقابلے پر اٹھ کھڑے ہوں اور چند مہینے کی جنگی مشق کے بعد اس سے بھی زیادہ فوج آراستہ کر لیں جتنی کہ اب تک ضایع ہوئی تھی اور محاصرین پر ہر طرف سے وقت واحد میں ہجوم کریں اور ان کی آمد و رفت کے سب راستے کاٹ دیں۔ لیکن ایسی قومی مقاومت کی تنظیم محصور پایۂ تخت کے اندر رہ کر نہ ہو سکتی تھی۔ لہذا طے کیا گیا کہ حکومت کا دوسرا مستقر تُوار کو بنایا جائے اور قبل اس کے کہ پیرس کے تمام راستے بند ہوں تین وزیر ایم کریمیو کی سرداری میں پیرس سے تور روانہ ہو گئے۔ کریمیو بہت سن رسیدہ قانون پیشہ آدمی تھا اور وہ اپنے مفوضہ کام سے عہدہ برآ نہ ہو سکا مغرب اور جنوب کے اقطاع میں اس کی حکومت ماننے میں لوگوں نے حجت کی اور

محاصرۂ پیرس ۱۹۔ ستمبر

تور

باب (۱۱)

انقلاب انگیز تحریکات سے اندیشہ ہونے لگا کہ دفاع قومی کے کام میں نااتفاقی نہ پیدا ہو جائے۔ غرض زیادہ سخت گیر ہاتھ اور تا ہر قوتِ ارادی کی ضرورت تھی اور ایسا ہاتھ اور ایسی قوتّ ارادی گان بیتا کی تھی جو قومی افواج کی تنظیم اور اضلاع کے نظم ونسق کی غرض سے ۷۔ اکتوبر کو پیرس سے روانہ ہوا اس وقت غنیم نے ایسی مضبوط ناکہ بندی کرلی تھی کہ معمولی طریق سے آمد و رفت تو ممکن نہ تھی، لہٰذا گان بیتا غبارے میں اڑ کر جرمن صفوں کے پار گیا اور صحیح سلامت تور آپہنچا جہاں پہنچتے ہی اُس نے اپنے کمزور ساتھیوں کو تو الگ بٹھایا اور تمام اختیارات اپنے طاقتور ہاتھ میں لئے۔

گان بیتا تور میں

اس کے کام سنبھالنے کا اثر فرانس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوراً محسوس ہوا۔ بڑے بڑے شہروں میں جو بدامنی پھیلی ہوئی تھی، وہ دُور ہوئی اور صدر حکومت کے ارکان کی باہمی رقابت کا خاتمہ ہوا۔ گان بیتا میں بیجا جوش، مفرط خود اعتمادی اور ایک عیب یہ تھا کہ فن سے متعلق معاملات میں اپنی لاعلمی کے باوجود وہ اہلِ مہارت کی پوری طرح بات نہ سنتا تھا۔ بایں ہمہ اس میں وہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے جو ملک پر ایسی خطرناک آفت آنے کے وقت کسی واحد اور مختارِ کل حاکم میں ہونے چاہئیں۔ یعنی وہ انتہا درجے کی بیباکانہ جرأت رکھتا تھا۔ اسے وطن کے ساتھ سادہ اور بچوں کی سی سچی شیفتگی تھی اور اسی محبت نے اُس تنہا مقصد کے لئے جس پر اس وقت فرانس کی زندگی منحصر تھی، یعنی جنگ کے لئے، کام کرنے میں کسی تامّل و تردّد کی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔ اس نے سارے مُلک میں جوش کی ایک آگ پھونک دی۔ اس کی جنگی غلطیاں اور فوجی سرداروں کے معاملے میں بیجا مداخلت بھی فرانس کے بالآخر شکست کھانے کی کتنی ہی بڑی وجہ ہوئی ہو، اس میں شبہ نہیں کہ گان بیتا نہ ہوتا تو دنیا کبھی نہ جان سکتی کہ فرانس میں جدوجہد کی کیسی کچھ قابلیت پنہاں تھی۔ اسکی عملی قوتّ کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس کی وفات کے وقت تک جرمن قوم کو اس سے کمال نفرت اور خوف رہا۔ اگر عساکر میٹز کی سرداری پر گان بیتا کی عشر عشیر قابلیت کا بھی کوئی آدمی ہوتا تو عجب نہیں کہ فرانس لڑائی کو کامیابی کے ساتھ نہیں تو کوئی علاقہ ہاتھ سے دئے بغیر ختم کرتا۔ گان بیتا کے پیرس چھوڑنے سے قبل ہی، اسٹراس بورگ کی تسخیر نے جنرل ورڈر کی محاصر فوج کو دوسری طرف توجہ کرنے کی فرصت دے دی اور جرمن حکام

سقوط اسٹراس بورگ ۲۹۔ ستمبر

باب (۲۶) کو السیس میں دیوانی حکومت قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر اس نئے صوبے کی جنوبی حد انہوں نے قرار دی، وہ اتنی صحت کے ساتھ دیکھ بھال کے کھینچی گئی تھی کہ ۱۸۷۱ء میں صلح ہوئی تو سرحد کا خط، پہلے فرانسیسی نقشوں کی بجائے اسی جدید نقشے کے مطابق قائم کیا گیا جسے جرمن فوجی عمال نے مرتب کیا تھا۔ اس عرصے میں گان بیتا نے پہلا کام یہ کیا کہ ملک کو چند حصوں میں تقسیم کیا جن میں سے ہر ایک کا جنگی مرکز، فوج اور سپہ سالار الگ تھا۔ ایسے چار اقطاع بنائے گئے جن کے مرکز لیل، لاماں، بورژے اور بے ساں سون تھے۔ پہلی تنظیم نے بورژے اور اس کی نواح میں سب سے اچھی ترقی کی اور شروع اکتوبر ہی میں

عساکر لوار	جرمن رسالوں کو جو دیکھ بھال کے لئے جنوب کی طرف بھیجے گئے تھے، معلوم ہوا کہ لوآر کے کنارے فرانسیسی افواج

جمع ہو رہی ہیں۔ پیرس کی محاصر فوج میں سے مولٹکے نے ایک بویری سردار ٹان کو جدا کر کے حکم دیا کہ اورلیان پر قبضہ کرلے۔ ٹان بہ عجلت جنوب میں بڑھا اور ۱۱ اکتوبر

ٹان کا قبضہ اورلیان پر۔ ۱۲۔ اکتوبر۔	کو فرانسیسی فوج کو شہر سے باہر شکست دے کر اورلیان پر قابض ہو گیا۔ فرانسیسی فوج بورژے کی طرف پسپا ہوئی اور گان بیتا نے شکست خوردہ

سردار کو برطرف کر کے جنرل اورل ڈ پلاڈینے کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ ٹان کو ہدایت ہوئی تھی کہ سوار کو اتر کے بورژے کے ذخائر اسلحہ کو برباد کردے لیکن اس نے اطلاع دی کہ یہ کام میری طاقت سے باہر ہے لہذا مولٹکے نے جنرل ورڈر کو حکم دیا کہ اسٹراس بورگ کی فوج علے کے بورژے پر بڑھے اور راستے میں بے ساں سون میں جمع ہونے والی فرانسیسی فوج کو منتشر کردے۔ ورڈر اس خطرناک مہم پر روانہ ہوا لیکن وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ ناگہاں ایک ایسی قوت لوار کی فرانسیسی جمعیتوں کے مقابل آکھڑی ہوئی جس کی نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ واضح رہے کہ ۱۸۔ اگست کو گرے ولوت ہی کی لڑائی میں بے زین نے فرانسیسی

فوجوں کو اس طرح لڑایا تھا کہ شبہ ہوتا تھا کہ اس کا ارادہ غنیم کی صفوں کو چیر کو میٹز سے

بے زین، میٹز میں۔	نکل جانے کا نہیں ہے۔ تاہم ٹھیک نہیں کہا جاسکتا کہ ملکی اقتدار کی ہوس نے، جو اس کے فوجی فرائض سے کوئی مناسبت نہ رکھتی تھی

اس کے دماغ پر کس وقت غلبہ پایا۔ میکسکو کی سپہ سالاری کے زمانے میں بھی داؤں گھات

لگا تار رہا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ اب جو اس نے نپولین کو اس قدر خوار و رسوا ہوتے دیکھا اور فرانس کی ایک ہی کارگر فوج کو اپنے قبضے میں پایا تو اسے ذاتی اقتدار کے منصوبے سوجھنے لگے۔ صاف نظر آتا ہے کہ بادشاہی کے سرنگوں ہونے تک اس نے عمداً بیکار پڑے رہنے کی ٹھان لی تھی تاکہ اس کی ساری فوج صحیح سالم رہے۔ حتیٰ کہ سیڈان کی جنگ سے ایک دن پہلے، اس نے میک موہن کی مدد کے لئے قرارداد کے مطابق قلعے سے نکل کر جو تاخت کی اس میں بھی فوج کو بہت بے دلی اور عدم استقلال کے ساتھ لڑایا۔ پھر جب پیرس میں جمہوریت کا اعلان ہوا تو بے زین کا بے حس و حرکت پڑے رہنا اور بھی نمایاں ہوگیا۔ رنیے نامی ایک آوارہ گرد نے کوشش کی کہ اہل پرشیہ اور ملکہ یوژینی کے درمیان مفاہمت کی گفتگو شروع کی جائے۔ ان ریشہ دوانیوں نے بے زین کو اور بھی مطمئن کر دیا کہ اس ارادے کے مطابق اپنی فوج کو فرانس کا حق نمک ادا کرنے نہ دے۔ ہفتے پر ہفتے گزرے چلے گئے۔ محاصرین میں تقریباً فوج کا پانچواں حصہ علالت سے بیکار ہوگیا، بایں ہمہ بے زین نے قلعے سے نکل جانے کے لئے ایک دفعہ بھی ہاتھ پاؤں نہ ہلائے اور علیحدہ علیحدہ جمعیتوں کو بھی نکل جانے کا موقع نہ دیا کہ میٹز کے ذخائر رسد کو کام میں لانے والوں ہی کی تعداد کچھ کم ہو جاتی۔

۱۲۔ اکتوبر کو اس نے پہلے تو شمال کی طرف چھاپہ مارنے کا حیلہ کیا اور پھر ورسیلز کے جرمن مستقر سے نامہ و پیام شروع کر دئے۔ بسمارک نے میٹز کی فوج کو بلا تعرض جانے دینے پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ قلعہ جرمنوں کے حوالے کر دیا جائے اور فوج یہ عہد کرے کہ وہ صرف ملکہ کی حمایت میں کام کرے گی اور خود ملکہ اس بات کی پابند ہو جائے کہ اہل پرشیہ صلح کی جو شرطیں بھی پیش کریں، انھیں بے چون و چرا تسلیم کرے گی۔ جنرل بوائیے کو انگلستان بھیجا گیا کہ ان شرطوں سے ملکہ کو مطلع کرے۔ جواب میں ملکہ نے انھیں ماننے سے انکار کر دیا۔ دو ہفتے اور اس کوشش میں گزرے کہ کسی چال سے بوناپارٹی خاندان کو بادشاہی پر بحال کیا جائے مگر کوئی تدبیر نہ چلی اور اس مدت میں بے زین کی رسد وغیرہ ختم ہونے کو آئی۔ آخر ۲۷۔ اکتوبر کو میٹز کے تحویل نامے پر دستخط ہو گئے

میٹز کی حوالگی، ۲۷۔ اکتوبر۔ خود قلعہ بے حساب توپیں اور ساز و سامان جنگ ایک لاکھ ستر ہزار سپاہیوں سمیت، جن میں شفاخانوں کے چھبیس ہزار بیمار و زخمی بھی شامل ہیں، جرمنوں کے پاس منتقل ہو گیا۔[1]

[1] دیو تشی۔ فرانستو سیشی۔ کرہگ جلد ۳۔ ص ۱۰۴۔ بازین اص ۱۶۶ بروسے ڈبی بازین۔ ریگیر صفحہ ۲۔ ہائ ۳۔ ۱۷۱

باب (۶)

ایک عرصے کے بعد بے زین پر فوجی عدالت میں مقدمہ قائم ہوا اور ادائے فرض میں قصور ثابت ہونے کی بنا پر سزائے موت کی تجویز ہوئی اس فیصلہ پر عمل نہیں کیا گیا۔ تاہم حق یہ ہے کہ اگر کوئی رسوائی، موت سے بھی بدتر ہو سکتی ہے، تو وہ کلنک کا ٹیکا بے زین کے ماتھے سے کبھی دُور نہیں ہوگا۔

بے زین

فرانس پر جیسا وقت گزر رہا تھا اس حال میں میٹز کا سپہ سالار جو کچھ جتن اور جتنی بڑی قربانی بھی کرتا، کم تھی۔ محاصرین کو قلعے کے گرد پوری تعداد میں رہنے پر مجبور کرنے کے لئے اسکی آدھی فوج بھی کافی تھی جتنی کہ فی الواقع بے زین کے تحت میں تھی۔ اگر دشمن کی صفیں توڑ کر نکلنے کی پیہم کوشش میں اس کی نصف فوج بھی کٹ جاتی تو کچھ حرج نہ تھا۔ بہادر سپاہیوں کا کام ہی میدان جنگ میں جان دینا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ جاں بازی بے نتیجہ رہتی تو بھی اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کی موت سے محصورین میٹز کا ہفتوں بلکہ مہینوں تک اور جم کر لڑتے رہنا ممکن ہو جاتا۔ میٹز کی شہری آبادی صرف ساٹھ ہزار تھی اور اہل فوج ان سے تگنے تھے۔ پس پیرس کی مثل یہاں ذخائر خوراک کو ختم کرنے والے لاکھوں عورتیں اور بچے نہ تھے جو لڑائی میں کوئی حصّہ نہ لے سکتے تھے بلکہ یہاں کھانے والے زیادہ تر وہی سپاہی تھے جن کا فرض تھا کہ سر بیچ کر اپنے ملک کی مدافعت کریں۔ اگر وہ غنیم کی صفیں توڑ کر نہ نکل سکے، تو بھی ان کا فرض تھا کہ لڑائی میں کٹ مریں۔ میدان میں آنے سے خود انھوں نے تو کوئی سستی نہیں دکھائی اور اگر دکھاتے تو بھی بے زین کو سامنے آکر سب سے پہلے اپنی جان دینی چاہیے تھی۔ یہ امر کہ اگر نپولین ثالث فرمانروا رہتا، تو بے زین اپنے فرائض کی انجام دہی میں قصور نہ کرتا، نہ صرف مشکوک بلکہ ذرا بھی یقین کے قابل نہیں۔ کیونکہ اس نے سیڈان کی تباہی سے پہلے ہی جمود اختیار کر لیا تھا۔ بعد میں وہ یہ جھوٹا عذر کیا کرتا تھا کہ نپولین کی گرفتاری سے حکومت اہل فساد کے ہاتھ میں آگئی ہے اور حملہ آوروں سے بچانے کی نسبت یہ زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ میری فوج ملک کو اس جدید حکومت سے نجات دلائے۔ لیکن فرانس بھر میں ایسا خیال کرنے والا وہی اکیلا تھا۔

۴۔ ستمبر کو قائم ہونے والی حکومت میں کیسے ہی اسقام ہوں، وہ اتنی اچھی ضرور رہی تھی کہ وراثت پسند، اورلیانی، بوناپارٹی وغیرہ ہر گروہ کے اشخاص، اور لاکھوں دلیر محبانِ وطن بلا امتیازِ فرقہ و گروہ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو رہے تھے۔ مارشل بے زین

بھی اگر اس کو تسلیم کر لیتا تو اُس میں کوئی قباحت پیدا نہ ہو جاتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اہلِ فرانس کو
اس سیاسی اور اخلاقی تغافل کا خمیازہ بھگتنا ضرور تھا جو اُنھوں نے ۱۸۵۱ء کے ملکی انقلاب
اور پھر شہنشاہ کی غلامی کو چُپ چاپ قبول کر کے دکھایا تھا۔ وہ میکسکو، چین و الجزیرہ کے
شرمناک کارناموں اور جھوٹی شیخیوں کے مزے لیتے رہے تھے۔ اس تغافل اور ان
مزوں کا تقاضا قدرت نے بلے زین کی صورت میں اُن سے انتقام لیا۔

بہر حال، میٹز کے سقوط نے شہزادۂ فریڈرک چارلس کے لشکرِ عظیم کو آزاد کر دیا
جو اس قلعے کو اب تک گھیرے پڑا تھا اور ساتھ ہی فرانس کی وفاعِ وطن کی جنگ میں
مایوس کن تغیر پیدا ہو گیا۔ جرمانیہ کے دو لاکھ فتح مند جنگ آزما، اپنے بعض بہترین
سپہ سالاروں کے تحت میں اب بالکل خالی اور تیار تھے کہ شمالی فرانس میں لوآر کی نئی
بھرتی کی ہوئی فوجوں پر پلٹ پڑیں جن کی ترتیب سے امید ہوئی تھی کہ شاید وہ پیرس کو
محاصرے سے چھڑا دیں۔ اب وہ لشکر جو پہلے اسٹین میٹز کے تحت میں تھا ازسرِ نو مرتب
کیا گیا اور اسے جنرل مان ٹوفل کے ماتحت امیان کی جانب روانہ کیا گیا۔ اپنی باقی ماندہ
فوج کو لے کر شہزادۂ فریڈرک چارلس نے وادیٔ لوآر کی طرف حرکت کی۔ گان بیتا جان
گیا کہ اس فوج کے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگ سکتی، لہذا اس نے زور دیا کہ
اوریل ڈی پلادینے پیرس کی جانب کوچ شروع کر دے۔ اس فرانسیسی سردار نے کول میٹیر

ٹان کی پسپائی اورلیان سے ۹۔ نومبر

کے میدان میں ۹۔ نومبر کو ٹان پر حملہ کیا اور شکست دے کے
اورلیان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اور یہی پہلی فتح تھی جو ساری جنگ
میں فی الواقع فرانسیسیوں کو حاصل ہوئی۔ اس خبر نے وارسیلز کے
جرمن مستقر پر فوجی عمال کو نہایت پریشان کیا۔ محاصرے کی ناکامی کے امکانات پر بحث
ہونے لگی۔ بوڑھی سپہ سالار کی مدد کے لئے مارا مار چالیس ہزار سپاہی روانہ کئے گئے۔
بایں ہمہ اوریل نے دار السلطنت پر پیش قدمی نہیں کی۔ ابھی تک اُس کے سپاہی اس
مہم کے قابل نہ تھے۔ لہذا فوجوں کی درستی، اور کمک کے انتظار میں وہ اورلیان کے
شمال میں پڑا رہا کہ فریڈرک چارلس اُدھر آئے تو ایک مضبوط مقام سے اس کا مقابلہ
کر سکے۔ نومبر کے تیسرے ہفتے میں میٹز کے فاتحین کی اگلی جمعیتیں آ پہنچیں اور اُنھوں
نے پیرس اور اورلیان کے درمیان مورچے تیار کر لئے۔ گان بیتا نے پھر اصرار کیا کہ

باب (۶)

دار السلطنت کو چھڑانے کی کوشش کی جائے۔ اوریل اڑتا رہا لیکن آخر میں حکم ماننے پر مجبور ہوا۔ اس عرصے میں پیرس کی محصور فوج نے محاصرین کے مورچوں پر کئی حملے کئے جن میں سب سے پُرقوت لابورژے کا حملہ تھا جو ۳۰۔ اکتوبر کو ہوا اور فریقین میں سنگین چلنے کی نوبت بھی آئی۔ یہ سب حملے ناکام رہے۔ لیکن اب یہ قرار پایا کہ نومبر کے آخری ایام میں جنرل تروشو جنوب کی طرف سے غنیم کا حلقہ توڑنے کی سعی کرے اور اسی کے ساتھ لوآر کی فوج سامنے سے دشمن پر آپڑے اور اس کی صفیں چیر کر پیرس میں داخل ہو جائے۔ ۲۸۔ تاریخ کو اورلیان کے شمال میں جرمنوں پر حملہ شروع

اورلیان کے معرکے۔ ۲۸۔ نومبر تا ۲۔ دسمبر۔

ہوا اور کئی روز تک اوریل اور فریڈرک چارلس کے دستے برابر آپس میں زور آزمائی کرتے رہے۔ آخر فتح نے جرمنوں کا ساتھ دیا۔ فرانسیسی مورچوں کے قلب کا مقام دشمن نے چھین لیا اور میمنہ اور میسرہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر مجبور ہوئے کہ ایک تو لوار کی جانب پسپا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف ہٹ جائے۔ ۵۔ دسمبر کو اورلیان جرمنوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ اُدھر پیرس والوں نے باہر نکل کر جو لڑائی شروع کی اس میں مارنے کے پار شامپینی پر جنرل دوکرو کی ابتدائی تاخت کامیاب تو ہوئی لیکن چند روز

شامپینی کی تاخت ۲۹۔ نومبر تا ۴۔ دسمبر۔

کے مقابلے میں جرمن دوبارہ کھوئے ہوئے مورچوں پر قابض ہو گئے اور جنرل دوکرو شہر کے اندر ہٹ آیا۔ اسی ہفتے مان ٹیوفل نے فرانس کی شمالی فوجوں کی خبر لی جو پیرس کو چھڑانے

معرکۂ آمیان ۲۷۔ نومبر۔

کے واسطے تیار ہوئی تھیں اور آمیان کے قریب تیز و تند لڑائی میں انھیں شکست دے کے خود آمیان پر قبضہ کر لیا۔

آمیان کی تسخیر کے بعد مان ٹیوفل نے روآن پر پیش قدمی کی۔ یہ شہر بغیر کسی مزاحمت کے اس کے ہاتھ آگیا۔ فتحمند مغرب کی طرف بڑھے چلے گئے تا آنکہ دیپے کے مقام پر

قبضہ روآن ۶۔ دسمبر

ان فوجوں نے جو جرمانیہ کے مشرقی سرے سے آئی تھیں، پہلی مرتبہ سمندر کا نظارہ کیا۔ ان کامیابیوں کے باوجود، جمہوری سپاہ کا ایک ہی ضرب میں اس طرح خاتمہ نہ ہو سکتا تھا جس طرح کہ جرمنوں نے شروع کی لڑائیوں میں فرانس کی فوجوں کا کر دیا تھا۔ چنانچہ فیدارب کی سپہ سالاری میں شمال

کی فوج نے آمیان پر بڑی مستعدی سے دوبارہ چڑھائی کی - جرمن سردار گیبن، خط سومے کی حفاظت پر مامور تھا - وہ اس کے مقابلے کو نکلا اور ۲۳ - دسمبر کو شکست دے کے اسے ارا میں پسپا کر دیا - لیکن ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ فائدھربے نے دوبارہ چڑھائی کی اور گیبن کی کمزور جمعیت کو باپوم میں اس بری طرح رگیدا کہ اگر خود فرانسیسی پہلے نہ ہٹ جاتے تو دوسرے دن جرمنوں کو اپنے مورچے چھوڑنے پڑتے - لیکن فیدارب کمکی افواج سے ملنے کے لئے خود ہی پیچھے ہٹ آیا -

باپوم - ۳ - جنوری -

چند روز دم لیکر، ایک مرتبہ پھر وہ پیرس کا راستہ جیت لینے کے درپے ہوا اور اس دفعہ مشرقی سمت سے سان کواں تین کے راستے پیش قدمی کی - اسی قصبے کے سامنے گیبن نے اس پر حملہ کیا اور فرانس کی شمالی فوج کی یہی آخری لڑائی تھی جو ۱۹ - جنوری کو ہوئی - فرانسیسی سردار اپنی ہزیمت پر پردہ ڈالتا رہا، لیکن جرمن سپہ سالار کا جو کچھ مدعا تھا، وہ اسے حاصل ہو گیا - فیدارب کی سپاہ بے ترتیبی کے ساتھ شمال کی جانب پسپا ہوئی اور اس جنگ میں آئندہ کوئی حصہ لینے کے قابل نہ رہی ۔

معرکہ سان کواں تین - ۱۹ - جنوری -

نوار کی طرف جرمنوں نے دسمبر کے آخری تین ہفتوں میں کوئی جنگی کارروائی نہیں کی بلکہ اس طرف بالکل سکوت رہا - خیال یہ تھا کہ فرانسیسی فوج کا مشرقی جزو سردار بورباکی کے ماتحت پھر اورلیان پر بڑھے گا اور شانزی کی سپاہ سے مل جانے کی کوشش کرے گا - مگر گان بیتا نے دوسری تدبیر سوچی تھی۔

نوار کی فوجیں اور مشرقی سپاہ

اس کا خیال یہ تھا کہ شانزی ان جمعیتوں کو ساتھ لے کر جو برتیانی میں مرتب ہو رہی ہیں شہزادہ فریڈرک چارلس سے نمٹ لے گا - لہذا اُس نے ارادہ کر لیا کہ بورباکی کے لشکر کو جنوب کی طرف سے کمک پہنچا کر خود جرمانیہ پر جھونک دیا جائے - یہ بڑی دلیری کا منصوبہ تھا اور اگر دونوں فرانسیسی فوجیں اس قابل ہوتیں کہ گان بیتا نے جو کام اُن سے لینا چاہا تھا، اسے سرانجام کر سکتیں تو بیڈن پر یورش یا فقط الساس کی دوبارہ فتح ہی پیرس کے جرمن محاصرین کو خاصی طرح متزلزل کر سکتی تھی - لیکن گان بیتا نے ایک آزمودہ کار دشمن کے مقابلے میں اپنی نئی اور ناتربیت یافتہ فوج کی قوت کا، جسے نہ پورے ہتھیار میسر تھے نہ رسد کا ٹھیک انتظام تھا، غلط اندازہ کیا تھا - جرمنوں نے پے درپے چند گھمسان کے معرکوں میں جنرل شانزی کی

باب ۶

افواجِ لوآر کو شکستیں دیں اور آغاز جنوری میں اسے واندوم سے لاماں تک دھکیل لائے۔ ۱۲۔ تاریخ کو آخر الذکر شہر کے سامنے شانزی نے مورچہ باندھ کر اپنی آخری لڑائی لڑی لیکن سپاہ میں خود اس نے جان توڑ کے مقابلہ کیا لیکن میمنے پر بریتانی کے جو دستے متعین تھے وہ ہمت ہار بیٹھے اور راسی طرف سے حملہ آور بڑھ کر اس کے عقب میں آ پہنچے اور خود شہر پر قبضہ کر لیا۔ شانزی ہزاروں قیدی دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ کر اپنی فوج کی صرف

لاماں - ۱۲- جنوری -

باقیات کو لئے ہوئے لاواَن کی طرف پسپا ہو گیا، مگر اس اثنا میں بورباکی، بلفورٹ کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کے تحت میں فوج کثیر موجود تھی لیکن سازوسامان نہایت ناقص اور ردی تھا۔ پیرس کے قریب

بورباکی -

جرمن مستقر پر، اس کے مشرق کی سمت حرکت کرنے کی خبر پہنچی تو اوّل کسی کو اس کا یقین نہ آیا۔ اور جنرل ورڈر کو بغیر کمک چھوڑ دیا گیا کہ حملے کا سارا بار خود برداشت کرے۔ ورڈر دیژون کے قریب معرکہ آرائی میں مصروف تھا اور گیری بالڈی کے چند امدادی دستے اس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن جب وقت اصل حال معلوم ہوا تو مان ٹیوفل کو حکم ملا کہ مارا مار خطرے کے مقام تک اپنے آپ کو پہنچائے۔ اس عرصے میں ورڈر دیژون کو خالی کر کے ویزول پر ہٹ آیا تھا اور اس کی فوج کا ایک حصہ ہنوز بلفورٹ کے محاصرے میں مصروف بورباکی قریب پہنچا تو ورڈر فوج کے حصّۂ اعظم کو لے کر چلا کہ ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں سے محاصرین بلفورٹ کو دشمن کے حملے سے بچایا جا سکے اور اپنے ایک ماتحت سردار کو ولیر سیکسل میں متعین کر گیا کہ بورباکی پر جناحی حملہ کرے۔ اس حملے نے جو محاربۂ فرانس و پرشیہ کی سب سے خونریز لڑائیوں میں شمار ہوتا ہے، فرانسیسی پیش قدمی میں دو دن کی تاخیر کرا دی اور ورڈر کو مہلت مل گئی کہ مون بیلیار کے قریب جن مضبوط مورچوں کو انتخاب کیا تھا، وہاں اپنی صفیں جما دے۔ ۱۵۔ جنوری کو اسی مقام پر معرکہ

مون بیلیار ۱۵ تا ۱۷ جنوری

پڑا جو تین دن تک رہا۔ فرانسیسیوں کی تعداد اگرچہ کہیں زیادہ تھی لیکن بھوک سے جاں بلب اور سردی سے ہلاک ہوئے جاتے تھے۔ جرمن خندقوں پران کی یورشیں کچھ کارگر نہ ہوئیں اور ۱۸۔ جنوری کو بورباکی میدان سے واپس روانہ ہوا۔ ورڈر اس کا تعاقب نہ کر سکتا تھا اور مان ٹیوفل کی کم تعداد فوج ابھی بہت فاصلے پر تھی اسی لئے

بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا کہ اگر بورباکی مغرب کی طرف جھپٹ کر چلا تو اس کمکی سپاہ کا قلع قمع کر ڈالے گا۔ گان بیتا نے بورباکی کو اس بات کی کوشش کرنے کا حکم بھی بھیجا لیکن فرانسیسی سپہ سالار نے ایسے سپاہیوں سے جو دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتے انھے مزید مصیبت مول لینے سے انکار کر دیا اور اس امید میں کہ لیون کو نکل جائے گا، پون تارلیر کی جانب پسپا ہوا۔ مگر اب خود مان ٹیوفل نے سامنے سے اسے آلیا اور شمال کی طرف سے ورڈر کی فوجوں نے دبانا شروع کیا جس سے راہ گریز مسدود ہو گئی۔ گان بیتا کے تار نے بدقسمت سپہ سالار کو اپنے عہدے سے معزول کیا تو اُس نے ایک مرتبہ خودکشی کا بھی اقدام کیا۔ بہرحال پہلی فروری کو اس کی زبوں حال بچی کھچی فوج کو سوائے سوئزرلینڈ کی سرحد میں پناہ لینے کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اسوقت بھی فرانسیسیوں کی تعداد پچاسی ہزار تھی لیکن مصائب نے ان کو حد درجے خستہ و شکستہ کر دیا تھا۔

مشرقی سپاہ کا سرحد پار سوئزرلینڈ میں پناہ لینا۔ یکم فروری۔

جنگ اب ختم ہو گئی۔ بورباکی کے مون بے لیار پر زک کھانے کے دو دن بعد پیرس کے محصورین نے آخری مرتبہ باہر نکل کر حملہ کیا اور ناکام رہے۔ شہر میں اب صرف پندرہ دن کا آذوقہ اور رہ گیا تھا۔ اجناس کے قحط سے چالیس ہزار آدمی پہلے ہی ہلاک ہو چکے تھے۔ اس بات کی کوئی امید باقی نہ رہی کہ فاقہ کشی کی نوبت آنے سے پہلے کوئی بیرونی فوج محاصرے سے نجات دلا سکے گی۔ ۳ جنوری کو فاور، جرمن صدر اعظم کی تلاش میں وارسیلز آیا کہ متارکۂ جنگ اور پیرس کو امان دینے کی شرطوں پر گفتگو کرے۔ یہ گفتگو چند روز تک جاری رہی۔ ۲۸۔ تاریخ کو متارکے کی دستاویز پر فریقین کے دستخط ہوئے جس کی غرض یہ قرار دی گئی کہ ایک قومی مجلس ملکی کے واسطے فی الفور انتخابات کا انتظام بلا دقت کیا جا سکے۔ اور یہی مجلس فیصلہ کرے کہ جنگ جاری رکھی جائے یا نہیں اور صلح کی شرطیں کیا ہوں۔ خود التوائے جنگ جن شرائط پر منظور کی گئی وہ یہ تھیں کہ پیرس کے سب قلعے جملہ ساز و سامان حرب سمیت جرمنوں کے حوالے کر دئے جائیں گے شہر کے دمدموں پر سے توپیں اتار لی جائیں گی اور پیرس میں باقاعدہ فوج کے جتنے سپاہی ہیں، وہ بہ حیثیت اسیران جنگ اپنے ہتھیار جرمنوں کے حوالے کر دیں گے۔

سقوط پیرس اور متارکۂ جنگ ۲۸۔ جنوری۔

باب ۱۶

صرف قشونِ قومی کو اپنے اسلحہ اور توپیں اپنے پاس رکھنے کی اجازت مل گئی اور قرار پایا کہ پہلی اور تیسری شرط کی بجا آوری کے ساتھ ہی پیریس میں رسد رسانی کے لئے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچا دی جائے گی۔[1]

مذکورۂ بالا شرائط پر قرارداد کے مطابق عمل درآمد ہوا اور ۳۰۔ جنوری کو پرشیہ کا علم دار السلطنت فرانس کے قلعوں پر لہرانے لگا۔ حکومت نے اضلاع میں احکام بھیج دیئے کہ مبعوثین کا انتخاب بلا تاخیر شروع کر دیا جائے۔ بسمارک کو شروع شروع میں اندیشہ تھا کہ گان بیتا کسی ہنگامی صلح کو جو اس کے ساتھی پیریس میں کر رہے ہیں۔ تسلیم نہ کرے گا۔ لیکن یہ اندیشہ درست نہ نکلا۔ گان بیتا نے اعتراض تو کیا کہ یہ کارروائی میری اور میرے ساتھ کے وزیروں کی رائے لئے بغیر جو بورڈو میں تھے کیوں عمل میں آئی تاہم اس نے قرارداد ہ شرطیں مسترد نہیں کیں۔ البتہ قوم کو ابھارا کہ اس فرصت میں تازہ فوجیں آراستہ کرے۔ پھر مجلس مبعوثین سے تسلسلِ جنگ کے موافق فیصلہ کرانے کی امید میں ایک حکم شائع کیا کہ نپولین ثالث کی حکومت میں جن لوگوں کا حصہ تھا، ان میں سے کوئی بھی منتخب نہ ہوگا۔ اس حکم پر بسمارک نے اسی وقت اعتراض کیا اور اسی کے ایما سے وزرائے پیریس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ تب گان بیتا نے استعفیٰ دے دیا۔ آخر ۸۔ فروری کو انتخابات ہو گئے اور ۱۲۔ فروری کو قومی مجلس کا بورڈو میں انعقاد ہوا۔ ہنگامی حکومت اب اپنے اختیارات سے دست بردار ہو گئی اور کشتی سلطنت کی ناخدائی کے لئے متفقہ رائے سے تھیر منتخب ہوا کیونکہ وہی ان قلعوں کا بانی تھا جنھوں نے بادشاہی فوجوں کا قلع قمع ہونے کے بعد بھی چار مہینے تک جرمنوں کو پیریس میں قدم نہ دھرنے دیا۔ وہی جولائی ۱۸۷۰ء کی بحرانی کیفیت کے وقت جہاں تک ممکن تھا بادشاہی حکومت اور مجلس کو جنگ سے باز رکھنے کی جد و جہد کرتا رہا اور وہی تھا جو نپولین کے زوالِ دولت کے بعد، یہ پیر ہفتاد سالہ ہونے کے باوجود، انگلستان، خیرال، لندن، سینٹ پیٹرزبرگ، فلورنس، ویانا میں دوڑتا پھرا کہ شاید فرانس کی دستگیری کی کوئی صورت نکل آئے۔ برسرِ حکومت ہوتے ہی تھیر نے وزرا مقرر کئے اور مجلس سے استدعا کی کہ ابھی فرانس کے آئندہ طرزِ حکومت کے متعلق

قومی مجلس کا انعقاد بورڈو میں ۱۲۔ فروری۔

کوئی بحث نہ چھیڑی جائے۔ پھر بذاتِ خود شرائط صلح طے کرنے کی غرض سے دار سیلز گیا۔ یہ ضعیف العمر محبِ وطن بسمارک سے اہل پروشیہ کے ایک ایک مطالبے پر گھنٹوں تک الجھتا اور جھگڑتا رہا۔ بسمارک، السلس اور مشرقی لورین کے اقطاع اور چھ ارب فرانک مانگتا تھا نیز مصر تھا کہ مجلس کے شرائط صلح قبول کرنے تک خاص شہر پیرس کے ایک حصے پر جرمنوں کو قبضہ دیا جائے۔ تھیئر نے میٹز کو بچانے کے لئے سبھی جتن کیے، مگر اس بات پر جرمن فوجی عمال نے ذرا نرمی نہ کی۔ آخر اسے تاوان جنگ میں سے ایک ارب فرانک کم کرانے میں کامیابی ہوئی۔ اور یہ اختیار بھی دیا گیا کہ یا بلفورٹ سے ہاتھ اٹھا لے اور یا جرمن سپاہیوں کا شہر پیرس پر عارضی قبضہ گوارا کرے۔ تھیئر کے حُبِ وطن نے اس بارے میں ایک لمحے کا تامل بھی جائز نہ رکھا۔ اس نے جرمنوں کو اجازت دی کہ وہ پیرس میں داخل ہو جائیں اور بلفورٹ کو فرانس کے لئے بچا لیا۔ ۲۶۔ فروری کو مبادیات صلح پر دستخط ہو گئے

مبادیات صلح ۲۶۔ فروری

اور پہلی مارچ کو تین ہزار جرمن سپاہی شہر کے اندر کامپ الیسا میں پہنچ گئے۔ لیکن اسی دن مجلس نے بورڈو میں شرائط صلح قبول کر لیں اور اڑتالیس گھنٹے کے اندر پیرس اپنے فاتحین سے خالی ہو گیا۔ صلح کے دفعات میں تاوان جنگ کی ابھ اقساط ادائی کے ساتھ، جس کے لئے تین سال کی مدت رکھی گئی تھی، جرمنوں کا فرانس کو خالی کرتے جانا طے ہوا تھا۔ بعض امور خاص کر مالیات کے متعلق جزئیات کا فیصلہ آئندہ پر اُٹھا رکھا تھا مگر ان کے تصفیے میں بہت سخت اور طول طویل مناقشے ہوئے اور بالآخر ۱۰۔ مئی کو جا کر فرنیک فرٹ میں مکمل صلح نامے پر دستخط ہوئے۔

فرانس نے یہ جنگ ممالک جرمانیہ کے اُس جزئی اتحاد کو درہم برہم کرنے کی غرض سے شروع کی تھی جو پروشیہ نے ۱۸۶۶ء میں سرانجام کیا تھا۔ لیکن جنگ کا نتیجہ بالکل معکوس یہ نکلا کہ لڑائی ختم ہوئی تو تمام ممالک جرمانیہ ایک متحدہ سلطنت کی صورت میں شیرازہ بند ہو گئے۔ ویرت کی فتح کے بعد ہی ولی عہد پروشیہ کو نظر آ گیا تھا کہ اس تفریق کو جس نے جنوبی جرمانیہ کو شمالی اتحاد سے جدا کر رکھا ہے، مٹا دینے کا وقت آ گیا ہے۔ اس شہزادے کے اپنے ذہن میں قومی اتحاد کی بہترین صورت

اتحاد جرمانیہ

ساری جرمانیہ کی ایک بادشاہی سلطنت تھی جس کا صدر برلن میں مقیم ہو۔ یہ بات کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ شہزادہ بسمارک نے شمالی اور جنوبی جرمانیہ کو متحد کرنے کا کوئی منصوبہ نہ سوچا ہو۔ لیکن ولی عہد اور وزیر میں ہمیشہ سے ناچاقی چلی آتی تھی اور سیڈان کے بعد ان کی مستقبل کے متعلق باہم گفتگو ہوئی تو شہزادے کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا بسمارک نے ریاست ہائے جرمانیہ کی شیرازہ بندی اور شہنشاہی اغراض کی بحالی پر غور ہی نہیں کیا اور گویا وہ اس کو پسند بھی کرے گا تو خاص خاص حدود میں۔ اصل یہ ہے کہ بسمارک کی حکمت عملی کا ایک جزو یہی تھا کہ جہاں تک ممکن ہو شہزادہ ولی عہد کو ملکی معاملات سے الگ رکھا جائے اور اس کا عجیب و غریب حیلہ اس نے یہ تراشا تھا کہ ملکۂ وکٹوریہ کے ساتھ شہزادے کی رشتہ داری سے دربارِ انگلستان، جو فرانس کی طرف مائل ہے، ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ ورنہ اگر بسمارک سیڈان کی جنگ کے بعد بھی ولی عہد کی دخل دہی سے بگڑنے کی بجائے اُسے ازراہِ عنایت اپنا محرم راز بنا لیتا تو بہت ممکن ہے کہ جرمانیہ کے مستقبل کے متعلق ان دونوں کے ارادے یکساں ثابت ہوتے اور ان کے خیالات میں اختلاف ہوتا بھی تو وہ صرف حصولِ مقاصد کی تدابیر اور ظاہری آئین کے بارے میں ہوتا۔ بہر حال اتحادِ جرمانیہ کی تکمیل میں ان دونوں مختلف مزاج والوں نے جو کچھ ابتدائی تدابیر کی ہوں، اس میں شک نہیں کہ جس وقت یہ کام اتمام کو پہنچا تو معنوی اور ظاہری دونوں اعتبار سے اس کی نوعیت وہی تھی جو شہزادہ ولی عہد نے سوچی تھی۔

ماہ ستمبر میں جنوبی ریاستوں کے شمالی جتھے میں داخل ہونے کی گفتگو شروع ہوئی۔ اور ان میں صرف بویریا ایسی ریاست تھی جس نے اس معاملے میں رکاوٹیں ڈالیں اور اس قسم کی شرطیں پیش کیں جنہیں حکومت پروشیا کسی طرح قبول نہ کر سکتی تھی۔ بسمارک نے میونخ والوں پر زیادہ دباؤ ڈالنے سے پہلو تہی کی لیکن تمام حکومتوں کو دعوت دی کہ ان معاملات کا تصفیہ کرنے کی غرض سے اپنے وکیلوں کو وارسیلز بھیجیں۔ کچھ دیر کے لیئے دربارِ میونخ نے فرمانروائی ورٹم برگ کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا اور وارسیلز میں ورٹم برگ کے وکیلوں کو احکام پہنچ گئے کہ وہ بسمارک کے مجوزہ معاہدے پر دستخط سے انکار کرنے میں اہلِ بویریا کا ساتھ دیں۔ اس شاہی حکم پر ورٹم برگ کے

وزیروں نے استعفیٰ دے دیا۔ بیڈن اور ہیس ڈرامسٹاڈ کی ریاستوں نے دستخط ثبت کر دیے اور اختلاف کرنے والے رئیسوں کو نظر آیا کہ قریب ہے کہ وہ متحدہ جرمانیہ سے خارج کر دیے جائیں۔ تب اُنھوں نے مخالفت ترک کر دی اور نومبر کے اخیر میں وہ عہدنامے مکمل ہو گئے جن سے جنوبی ریاستیں شمال کے بنے بنائے حلقۂ اتحاد میں داخل ہو گئیں۔ البتہ بویریہ کو حزب اتحاد کے دوسرے اعضا کی نسبت سب سے الگ اور وسیع تر حقوق حاصل رہے۔

اِن معاہدوں سے جرمانیہ کی سیاسی شیرازہ بندی تو ہو گئی لیکن اُن میں کوئی دفعہ ایسی نہ تھی جس سے وہاں کے صدر فرماں روا کے لقب میں تبدیلی ہوتی۔ بایں ہمہ بسمارک نے پہلے ہی ضد کرنے والے رئیسوں کو مطلع کر دیا تھا کہ اگر انھوں نے شاہ ولیم کو از خود شہنشاہی القاب پیش نہ کیے تو شمالی جرمانیہ کی مجلس میں یہی تحریک کی جائے گی۔ پس نومبر کے آخر میں شاہ بویریہ نے اپنے سب بھائی والیانِ ریاست کو خط بھیجا کہ شاہِ پروشیہ کو جدید اتحاد جرمانیہ کے صدر نشین کی حیثیت سے "شہنشاہ جرمانیہ" کا لقب اختیار کرنا چاہیے۔ پھر تھوڑے ہی دن میں اسی نے یہ درخواست شاہ ولیم سے ایک خط کے ذریعہ کی جسے بسمارک نے املا کرایا تھا۔ شمالی جرمانیہ کی "ریشتاگ" کے ایک وفد نے والیانِ ریاست کی اس تجویز پر اپنا صاد کیا۔ ریشتاگ کا صدر ڈاکٹر سمسون اس وفد کا سرگروہ تھا اور اس نے اکیس برس پہلے دسمبر ۱۸۷۰ء میں بھی تاج شہنشاہی فریڈرک ولیم شاہ پروشیہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ توقع تھی کہ ختم سال سے قبل ہی ہر ریاست کی مجلس، جدید سیاسی تغیرات کو منظور کر لے گی۔ اور اسی خیال سے لقب شہنشاہی اختیار کرنے کی رسم کا دن پہلی جنوری مقرر کر دیا گیا۔ لیکن بویریہ کے ایوانِ مبعوثین میں اس شدومد سے مخالفت ہوئی کہ مذکورہ تقریب کو ۱۸۔ جنوری پر ملتوی کرنا پڑا۔ پھر بھی اس تاریخ تک میونک نے منظوری کی آخری رائے نہیں دی۔ دوبارہ التوا اس موقع کی شان کے بالکل خلاف ہوتی۔ لہٰذا ۱۸۔ جنوری کے دن وارسیلز کے "آئینہ محل" میں، والیانِ ریاست اور افواج جرمانیہ کے اکابر و عمائد کے مجمع میں، شاہ ولیم نے شہنشاہ جرمانیہ کا لقب اختیار کیا اور دو مہینے کے بعد تمام ممالک

شہنشاہی کا اعلان ۱۸۔ جنوری ۱۸۷۱ء۔

باب (۶)

جرمانیہ کی پہلی شہنشاہی مجلس معقنین برلن میں منعقد ہوئی ہے

فرانس کی بدنصیبی، دارالسلطنت کے سقوط اور سرحدی اضلاع کے ہاتھ سے نکل جانے پر ہی ختم نہیں ہوی۔ بلکہ ۱۸۷۱ء کے خونی کھیل کے آخر میں خانہ جنگی کا تماشا ہونے لگا۔ تاریخ فرانس کی ترتیب میں یہ بھی گویا مقررہ جزو ہے کہ جب کبھی وہاں کی جمی جمائی حکومت کا تختہ الٹا اور دوسری حکومت نے اس کی جگہ لی تو اس دوسری حکومت پر بھی برابر پیرس کے باغیوں نے حملہ کیا اور یہ کوشش ضرور ہوئی کہ ملک پر

"پیرس کی "مجلس قریہ""

دارالسلطنت کے عوام الناس فرماں روائی کریں یا وہ لوگ جو وقت کے وقت ان کے سرگروہ مانے جاتے تھے ۱۷۹۳ء میں، ۱۸۳۰ء میں، اور ۱۸۴۸ء میں ایسا ہی ہوا تھا اور ۱۸۷۱ء میں بھی یہی ہوا۔ نپولین ثالث کے زوال دولت کے بعد فاور، تروشو اور حکومت دفاعی کے دوسرے ارکان نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم سے بہتر سلطنت کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ لیکن پیرس میں اور سینکڑوں آدمی موجود تھے جن کا اپنی نسبت بھی بعینہ یہی خیال تھا۔ لہذا جب محاصرۂ پیرس کا شکنجہ سخت تر ہونے کے ساتھ ساتھ نئی حکومت کی ہر دلعزیزی اور اعتماد و توقیر میں کمی آنے لگی تو قدرتی بات تھی کہ ادنی سیاسی طبقے کے جاہ طلب اور بے قابو مزاج کے لوگوں کو خیال آیا ہو کہ کیوں نہ اس وقت دفاع پیرس کی خدمت کو اپنی نگرانی میں زیادہ بہتر طریق پر انجام دینے کی صورت نکالی جائے؟ اکتوبر کے ختم ہونے سے پہلے ہی حکومت کو درہم برہم کرنے کی کوششیں کی گئیں اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان کا اعادہ ہوا لیکن ان میں کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم یہ شورش "قشون قومی" کے سپاہیوں میں سرایت کر گئی۔ اور چونکہ یہ فوج لوئی فلپ کے "قشون قومی" کے خلاف زیادہ تر مزدور پیشہ طبقے کے افراد پر مشتمل تھی، لہذا حکومت کا قوت بازو ہونے کی بجائے وہ اس کے حق میں گرگ بغل بن گئی۔ سقوط پیرس نے تو معاملے کو بہت ہی نازک بنا دیا۔ فاور نے کہ دیا تھا کہ "قشون قومی" سے ہتھیار رکھوا لینا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ شہر کے گلی کوچوں میں خون کے دریا بہ جائیں۔ اسی کے کہنے سے بسمارک نے ان سپاہیوں کے پاس ہتھیار رہنے گوارا کر لئے مگر

حکومت کے اسی خوف کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں کو کامیابی کی راہ مل گئی۔ جس وقت جرمن پیرس کے مغربی حصے پر قبضہ کرنے کے لئے داخل ہونے والے تھے، اس وقت قشونِ قومی اپنی توپیں مون ماتر پہ ہٹا لائے اور وہاں خندقیں کھود کے باقاعدہ مورچہ بندی کرلی۔ پھر دس بارہ دن بعد جب شرائط صلح کے موافق جرمنوں نے مغربی قلعوں کو خالی کیا تو حکومت اور قشونِ قومی کے درمیان جو اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے، کوئی چیز حائل نہ رہی ۱۸ مارچ کو جنرل لیکونت کو حکم ملا کہ مون ماتر پر جو توپ خانہ لگایا گیا ہے اُسے جاکر اپنے قبضے میں کرلے۔ لیکن اس کے سپاہیوں کو قشونِ قومی نے گھیر لیا اور کہہ سُن کر ایسا پرچایا کہ اُنھوں نے اپنے سردار کا ساتھ چھوڑ دیا۔ باغیوں نے لیکونت کو پکڑ لیا اور جنرل کلیمان تھوماس کے ساتھ جان سے مار ڈالا۔ ایوانِ بلدیہ

فوجوں کا وارسیلز میں ہٹالیا جانا۔ ۱۸۔ مارچ۔

پر انقلاب انگیزوں کی صدر جماعت نے قبضہ کیا اور وہ فوجیں جو ابھی تک حکومت کی وفادار تھیں، وارسیلز میں ہٹالی گئیں۔ جہاں تھیر نے مجلس مبعوثین کا انعقاد کیا تھا۔ نہ صرف شہر بلکہ مونت وٗلاریاں کے سوا تمام غربی قلعوں پر باغی قابض ہوگئے۔ ۲۶۔ مارچ کو اُن کی حکومتِ عوام کے واسطے انتخابات عمل میں آئے۔ امن پسند اہلِ شہر نے الکا میں شرکت سے احتراز کیا تاہم ایک مجلس منتخب ہوگئی جس میں چند بے ضرر اور نیک نیت اشخاص کے

"مجلس قریہ"

ساتھ فوج ایسے لوگوں کی تھی جو علانیہ انقلاب کے حامی تھے۔ پھر جب صلح و آشتی کی کوئی کوشش نہ چلی تو پیرس اور وارسیلز میں

جنگ ٹھن گئی۔

مجلس عوام کی طرف سے لڑنے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو صداقت کے ساتھ اس لڑائی کا مقصد اہل شہر کی آزادی سمجھتے تھے۔ ایک اور گروہ ان کا تھا جن کے نزدیک وارسیلز کی رجعت پسند جماعت کا وجود حکومت جمہوری کے حق میں خطرناک تھا۔ اور ان کا یہ خیال ذرا بھی بے جا نہ تھا۔ بایں ہمہ یہ شورش

پیرس کا دوسرا محاصرہ ۶۔ اپریل تا ۲۱ مئی۔

مجموعی طور پر اُن سرپھرے فتنہ انگیزوں کا کام تھا جو خود اپنی حکومت کے علاوہ ہر حکومت کا استیصال کرنا چاہتے تھے۔ رہے وہ کم نصیب عوام، جو اِن صاحبوں کے پیچھے ہو لئے

تو سوائے اُس روزینے کے واسطے لڑنے کے جس پر محاصرے کے زمانے میں اِن کی زندگی کا مدار تھا، اور اُنھیں کچھ خبر نہ تھی کہ کیوں لڑ رہے ہیں! جس قدر اس کشاکش نے طول کھینچا اسی قدر طرفین میں جنگ نے ظالمانہ تشدد اور سفاکی کی نوعیت اختیار کر لی۔ لیکونت اور تھوماس کے خون کا انتقام وارسیلز کی فوجوں نے اس طرح لیا کہ جو قیدی شروع میں ہاتھ آئے، اُنھیں تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس پر مجلس قریہ نے مخالفین کے بال بچوں کو بطور یرغمال گرفتار کر لیا۔ قشون قومی کے تین سو آدمیوں کو کلامار کے مقام پر محاصرین نے اچانک جا دبایا اور نہایت بے رحمی سے مار ڈالا تو شہر اولیا کو گویا قتلِ عام کرنے کا سبق مل گیا۔ آخر جب چھ ہفتے کے محاصرے کے بعد، جس میں پیرس کو جرمنوں کی گولہ اندازی کی نسبت کہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا، وارسیلز کی فوجیں دار السلطنت میں در آئیں تو معلوم ہوتا تھا کہ شیطانی سفاکیوں نے تہذیب و انسانیت کو نابود کر دیا ہے۔ مدافعین پسپا ہوتے وقت یرغمال کے قیدیوں کو ذبح کرتے گئے اور محلات اور نوادر خانوں میں، کہ ملک بھر کا اُس کے صدر مقام میں قومی ترکہ یہی تھا، آگ لگاتے گئے۔ ادھر فاتحین نے کئی روز تک جسے لڑتے دیکھا اُسے نشانۂ بندوق بنایا اور بار بار قیدیوں کے گروہ کے گروہ بلا امتیاز قتل کرا دیے۔ فوج کا مزاج ہی کچھ ایسا اعتدال سے باہر تھا کہ اگر اعلیٰ احکام چاہتے بھی تو بھی غالباً اس طوفانِ انتقام کی شدائد کو کم نہ کر سکتے تھے۔ لیکن حکّام ہوں یا غیر حکّام ہوں رحم کا کہیں اثر آثار نظر نہ آتا تھا۔ جنگ کی گرمی اور اشتعال فرو ہونے کے بعد بھی عرصۂ دراز تک جنگی عدالتیں موجود اور قتل کی سزائیں دی جاتی رہیں۔ ایک سال گزر گیا اور ان عدالتوں کی سرگرمی میں فرق نہ آیا۔ سرکار کی دادرسی کی پیاس دس ہزار سے زیادہ قیدیوں کو خارج البلد یا قیدی کی سزا دینے سے پہلے نہ بجھ سکی۔

مادّی اور مالی نقصانات جو فرانس کو حملہ آوروں کے ہاتھ سے اور خانہ جنگی کی بدولت برداشت کرنے پڑے تھوڑے دن میں پورے کر لئے گئے لیکن وِرت کے ون سے لے کے مجلس قریہ کے استیصال تک فرانس کا نام دولِ یورپ کی فہرست سے گویا خارج ہو گیا اور اس اخراج سے دو سلطنتوں نے جو اس کی دشمن نہ تھیں خوب فائدہ اٹھایا ایک تو روس نے دولِ یورپ کی منظوری سے وہ قیود منسوخ کر دیں جو بحرِ اسود کے متعلق بروئے معاہدہ

سنہ ۱۸۶۴ء اس پر عائد کی گئی تھیں اور دوسرے اطالیہ نے رومہ کا قبضہ حاصل کر لیا۔ اور اعلان جنگ ہونے کے تھوڑے دن بعد ہی فرانسیسی فوجیں پاپائی علاقے سے ہٹائی گئیں جو ۱۸۴۹ء میں چند مہینے کے ایک وقفے کے سوا، مسلسل اکیس برس تک وہاں متعین رہی تھیں۔ گیوسی تا دیکیا کا تخلیہ کرتے وقت نپولین نے وکٹر امانوئیل سے جو کچھ بھی قرارداد کی ہو، حقیقت میں اطالیہ کو آزادی، سیڈان کی جنگ نے دلائی۔ اور ۲۰ ستمبر کو ایک معمولی سی ظاہری مزاحمت کو فرو کر کے، قومی فوج شہر رومہ میں داخل ہو گئی۔ اطالیہ کا اتحاد بالآخر تکمیل کو پہنچ گیا۔ فلورنس کو پائے تخت رکھنے کی احتیاج باقی نہ رہی۔ اطالوی مجلس نے قوانین کا ایک مجموعہ، جسے "ضمانات" کے نام سے موسوم کرتے ہیں، مدون و منظور کیا۔ اس میں پاپا کو ایک فرماں روا کے سے اعزاز اور آزادیوں سے اختصاص بخشا اور قصر واٹیکن اور محلات لاتران اسی کے تصرف میں چھوڑ دئے گئے اور ایک بیش قرار آمدنی عطا ہوئی۔ اسقفوں کے تقرر اور عام کلیسائی نظم و نسق میں اتنے کامل اختیارات اس کے ہاتھ میں رہنے دئے کہ یورپ کے کسی ملک میں اسے حاصل نہ تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود پاپا پائس اپنے دنیاوی اقتدار کا نقصان گوارا کر کے صلح و آشتی پر کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ اُس نے اطالوی قوم کے ساتھ مصالحت کے موقع کو جو ۱۸۷۰ء کے بعد پہلی مرتبہ میسر آیا تھا ٹھکرا دیا اور اعلان کیا کہ رومہ پر ڈاکوؤں نے قبضہ جما لیا ہے۔ وکٹر امانوئیل اور اطالوی حکومت کے ساتھ وہ ہمیشہ حقارت کا ایسا اظہار کرتا رہا جس میں تکلف کی ایک خاص ادا پائی جاتی تھی اور تا زندگی دنیا کے سامنے، جسے اپنی مصروفیتوں میں یہ نقل دیکھنے کی بہت کم فرصت تھی، واٹیکن کے مظلوم قیدی کا بھیس بھرے رہا۔

اطالیہ سپاہ کا داخلہ رومہ میں ۲۰۔ ستمبر ۱۸۷۰ء۔

پاپا کا رتبہ اور اختیارات۔

باب ہفتم



ذیلی عنوان:- فرانس ۱۸۷۱ء کے بعد — سلاطین ثلاثہ کا پیمانِ مودت — ہرزی گووینہ کی بغاوت — اندراسی کی یادداشت — سالونیکا میں قنصلوں کا قتل — برلن کی یادداشت — انگلستان کا اختلاف — سلطان عبدالعزیز کا خلع - بلغاریہ کے قتل عام — سرویہ اور جبلِ اسود کا اعلانِ جنگ — اہلِ انگلستان کی رائے — ڈزرائیلی — بادشاہوں کی ملاقات ریکس ٹیڈ میں — محاربۂ سرویہ — زار کا اعلان — استنبول کی مشاورۃ — اس کی ناکامی — اقرارنامۂ لندن — روس کا اعلانِ جنگ — بلقان میں پیش قدمی — عثمان پاشا پلونا میں — پلونا پر دوسری یورش — درۂ شپکا — رومانیہ — پلونا پر تیسری یورش — ٹوڈل بن — سقوطِ پلونا — بلقان سے عبور — متارکۂ جنگ — انگلستان — دردانیال میں بیڑے کا داخل ہونا — عہدنامۂ سان ستی فانو — انگلستان و روس کا خفیہ قرارداد — ترکی سے اقرارنامہ — موتمر برلن — عہدنامہ برلن — بلغاریہ ۔

۱۸۷۱ء کے طوفان کے بعد چند سال یورپ میں امن وسکون کے گزرے۔ لڑائی نے فرانس کو جو زخم پہنچائے تھے اُن سے وہ تعجب انگیز سرعت کے ساتھ شفایاب ہوا اور جرمانیہ کو تاوانِ جنگ کی قسطیں نہایت آسانی سے ادا کر دیں۔ چنانچہ معاہدۂ فرنیک فرٹ میں جو مدت مقرر کی گئی تھی، اس سے قبل ہی اس کی زمین اجانب کے قدموں سے پاک ہو گئی۔ اس کی مجلس مبعوثین رجعت پسندوں پر مشتمل تھی لیکن تھیر نے ان کی کچھ چلنے نہ دی اور قابو میں رکھا۔ اور اگرچہ بادشاہی حکومت

کی بحالی سے اسے بعض یورپی سرکاروں میں حلیف و مددگار مل سکتے تھے مگر اُس نے بادشاہی پر جمہوریت ہی کو ترجیح دی کہ اس طرزِ حکومت کے متعلق اہلِ فرانس میں سب سے کم اختلاف تھا۔ مجلس وارسیلز کی بادشاہ پسند اکثریت کونت وشامبور یا خاندان اورلیان کے صدر کو تخت نشین کرنے کے درپے تھی لیکن تھیر دو سال تک اس گروہ کو زچ کرتا یا دبائے رہا۔ اور اس طرح اُس نے مُلک کو سب سے بڑی آفت یعنی خانہ جنگی کے دوبارہ چھڑ جانے سے بچا لیا۔ ۱۸۷۳ء میں حریفوں کے جتھے نے مل کر اسے شکست دی اور میک موہن اس کی بجائے صدر نشین ہوا مگر عہدے پر آتے ہی اُسے معلوم ہوا کہ کونت وشامبور نے سہ رنگ جھنڈا اختیار کرنے سے انکار کر کے بادشاہ پسندوں کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا اور فرانس سالہا سال کی آزمائش و ابتلا کے بعد قطعی طور پر جمہوریت کا حامی ہے۔ ادھر امیر کبیر بسمارک ان منصوبوں کو خاک میں ملانا جانتا تھا جو جرمانیہ کی کامیابی سے نقصان میں رہنے والی سلطنتیں بنا رہی تھیں کہ جرمن فتحمندوں کے مقابلے میں ایک اور جتھا تیار کیا جائے۔ انھیں جرمانیہ کی فتوحات سے خسارہ رہا یا اس کی عظمت ان کی اغراض و مفاد کے معارض تھی۔ بسمارک کو نظر آیا تھا کہ اگر فرانس کے تخت پر کوئی بوربن یا نپولین متمکن ہوا تو جمہوری سلطنت کے کسی میعادی صدر کی نسبت، اس کے ساتھ ویانا اور سینٹ پیٹرزبرگ میں کہیں زیادہ اتحاد و عنایت کا برتاؤ کیا جائے گا۔ پس اُس نے پیرس کے جرمن سفیر کونٹ ارنیم کو نپولیائی بحالی کی حمایت کرنی چاہتا تھا، حکم لکھ بھیجا کہ جمہوری حکومت کو کمزور کرنے کی ہر کوشش سے احتراز کرے۔ ۱۸۱۵ء کے مصائب کے بعد فرانس کو اپنے بہترین یار و مددگار سینٹ پیٹرزبرگ میں ملے تھے لیکن اب جرمن مدبر کو اس طرف سے کچھ خطرہ نہ تھا۔ بسمارک نے روس کے عہد نامہ پیرس کے نسیاً منسیا کرنے میں تائید کی تھی اور فرانس کے ساتھ صلح ہو جانے کی اطلاع میں جرمانیہ کے نئے شہنشاہ نے نہایت مودبانہ لہجے میں زار کی نسبت لکھا تھا کہ ۱۸۷۰ء کی جنگ کو پھیلنے سے روکنے میں جو کار نمایاں فرماں روائے روس نے انجام دیا ہے وہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ غرض روسی رعایا کے خیالات جو کچھ بھی ہوں خود الکزنڈر کو یہی یقین تھا کہ روس کو سرکار برلن سے زیادہ سچا اور یکا رفیق دوسرا نہیں مل سکتا۔ البتہ آسٹریہ کے ساتھ امیر کبیر بسمارک کو معاملہ کرنے میں زیادہ دقت کا سامنا تھا۔ جب تک وہاں بیوسٹ کا اقتدار تھا کسی دوستانہ مفاہمت کی امید نہ ہو سکتی تھی۔

اتحاد سلاطین ۔

لیکن ۱۸۷۰ء کے واقعات نے بیوسٹ کے سارے ساز باز کو جو وہ پروشیہ کے خلاف جتھا بنانے کے لئے کر رہا تھا، خاک میں ملا دیا اور قطعی طور پر آسٹریہ کے ممالک جرمانیہ میں دخل پانے کا راستہ روک دیا جس سے اس آسٹروی وزیر کے اقتدار میں بھی تنزل پیدا ہو گیا۔ بسمارک طاقتور سلطنت جرمانیہ کی جانب سے آمادہ تھا کہ فرانسس جوزف کی طرف پر تپاک دوستی کا ہاتھ بڑھائے بشرطیکہ آسٹریہ ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۰ء کے انجام پائے ہوئے کام کو صاف دلی سے قبول کر لے۔ یاد ہو گا کہ کونگ گراٹز کی فتح کے بعد اس نے اپنے بادشاہ کو آسٹروی علاقے پر قبضہ کرنے سے باز رکھا تھا اس نے صلح کی کوئی ایسی شرط نہیں منوائی تھی جس کی مغلوب دشمن کے دل میں ہمیشہ کے لئے خلش باقی رہ جاتی۔ اس عاقبت اندیشی کا اب اسے پھل ملا۔ یعنی فرانسس جوزف نے پیمان اتحاد کو جو جرمانیہ کی طرف سے پیش ہوا تھا، قبول کر لیا اور کونٹ بیوسٹ کو عہدے سے برطرف کر کے اس کی بجائے ہنگری کے وزیر اندراسی کو مقرر کیا۔ اور اندراسی اذعان اور زبان دونوں سے سلطنت جرمانیہ کے قیام اور جرمن معاملات سے آسٹریہ کے قطعاً علیحدہ ہو جانے کا حامی تھا۔ ۱۸۷۲ء کی گرمیوں میں تینوں بادشاہوں نے اپنے وزیروں کی معیت میں برلن میں باہم ملاقات کی۔ کوئی باضابطہ عہدنامہ نہیں ہوا لیکن ایسے دوستانہ روابط ضرور قائم ہو گئے ہیں کہ بسمارک کو اس بات کا کوئی خطرہ نہ رہا کہ فرانس کی کسی کو حلیف بنانے کی کوشش سرسبز ہو سکے گی۔ یہ سلاطین ثلاثہ کی بے نام نہاد حزب اتحاد پانچ سال تک قائم اور کم و بیش باثر رہی اور اس نے فرانس کو سب سے الگ تھلگ ایک کونے میں ڈالے رکھا۔ اہل فرانس کا گمان یہ تھا کہ جرمانیہ کا پانچ ارب فرانک نگل کے بھی پیٹ نہیں بھرا اور وہ ندیدے کنگلے کی طرح کسی نئی لڑائی کا موقع ڈھونڈھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ جرمن قوم ۱۸۷۰ء کی لڑائی میں بادل ناخواستہ میدان میں آئی تھی۔ اور آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس کا فرماں روا اپنے بڑے مقصد کے حاصل ہو جانے کے بعد، نہ صرف قولاً بلکہ فعلاً بھی امن و آشتی کا خواہاں تھا۔ پیرس اور دوسرے مقامات میں خوف و دہشت کی جو خبریں اڑائی جاتی تھیں ان کی مشکل سے کوئی بنیاد ہو گی۔ اور آئندہ یورپ کے امن میں خلل پڑا تو وہ وسط یورپ میں تجدید جنگ کی صورت میں نہ تھا بلکہ مشرق میں تصادم سے پیدا ہوا اور ہر چند اس میں بے شمار جانوں کا

(ب)

نقصان اور خوفناک مصائب لوگوں کو اٹھانے پڑے تاہم وہ محض قوموں کے بے معنی عناد و حسد کی لڑائی نہ تھی بلکہ زمانۂ جدید کی تمام جنگوں سے زیادہ نتیجہ خیز جد و جہد ثابت ہوئی جس نے یورپی ولایات کو سلطنت عثمانیہ کے پنجے سے نجات دلائی اور بلقانی آبادیوں میں ایک فرسودہ بربریت کے طوفان بے تمیزی کی بجائے کم سے کم آئندہ قومی خود مختاری کے عناصر کو اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

ہرزی گوینہ کی بغاوت۔ اگست ۱۸۷۵ء۔

۱۸۷۵ء کی گرمیوں میں ہرزی گوینہ نے اپنے ترکی فرمان رواؤں کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور بوسینہ کے اندر مسیحی اور اسلامی آبادیوں میں ہر جگہ آویزش و پیکار ٹھن گئی۔ بغاوت کو سرویہ اور جبل اسود والوں نے اگرچہ چھپے چوری مگر پورے شد و مد سے مدد دی اور اسے فرو کرنے میں بابِ عالی کی کوششیں کئی مہینے تک ناکام ثابت ہوئیں۔ ہزاروں مسیحی تاراج شدہ علاقوں اور بے رحم دشمنوں کے خوف سے فرار ہو ہو کر آسٹریہ کی سرحد میں پناہ گزیں ہوئے۔ باغیوں کے اسلافی ہم قوموں اور ہمسایوں کی شورش نے خود آسٹریہ کا امن خطرے میں ڈال دیا جہاں اسلافی اور مگیار ایک دوسرے کے ایسے ہی خون کے پیاسے تھے جیسے مسیحی اور ترک۔ اندراسی نے سینٹ پیٹرزبرگ اور برلن کی حکومتوں سے اس بارے میں خط کتابت شروع کی تاکہ تینوں سلطنتیں مل کر بابِ عالی کے معاملے میں یکساں حکمت عملی اختیار کریں۔ پھر تینوں ملکوں کے وزیروں نے باہمی مشورے سے اصلاحات کی تجویز مرتّب کی جن کا منشا باغی صوبوں میں آتشِ فساد کو فرو کرنا تھا۔ اس مسودے کی جو اندراسی کے مراسلے کے نام سے موسوم ہوا انگلستان و فرانس نے بھی تائید کی اور اس میں بابِ عالی سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ رعایا کو کامل مذہبی آزادی دی جائے، وصول محاصل میں مستاجری کا طریقہ اڑا دیا جائے۔ بلا واسطہ محاصل سے جو رقم بوسینہ اور ہرزی گوینہ میں وصول ہوتی تھی اسے انہی صوبوں کی ضروریات پر صرف کیا جائے اور ایک محکمۂ نظارت قائم کیا جائے جس کے ارکان میں مسیحی اور مسلمان برابر کی تعداد میں شامل ہوں اور ان ناظروں کا کام یہ ہو کہ ان مجوزہ اور بابِ عالی کی موعودہ اصلاحات پر عمل درآمد کرائیں۔ آخری تجویز یہ تھی کہ بنجر زمینوں کو جو سرکار کی ملکیت میں رعایا کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے کہ ان کی زرعی حالت بہتر ہو سکے۔

مراسلۂ اندراسی ۳۱ جنوری ۱۸۷۶ء۔

یہ مراسلہ ۳۱۔ جنوری ۱۸۷۶ء کو استنبول میں پیش کیا گیا۔ بابِ عالی پہلے ہی باغیوں سے فیاضانہ وعدے کر رہا تھا۔ بعض جزئیات کے متعلق

اس نے اعتراض کیے لیکن آخر میں اُس نے دول کی پیش کردہ مراعات کے جزوِ اعظم کو منظور کرنے پر اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔[1]

جب یہ اطمینان ہو گیا تو آسٹریہ کے عمال نے کوشش کی کہ باغی ہتھیار رکھ دیں اور مفرورین اپنے گھروں کو واپس جائیں۔ مگر اس کا جواب اُدھر سے یہ ملا کہ معلوم نہیں ایسے کتنے وعدے سلطان کی طرف سے پہلے ہو چکے ہیں لہٰذا اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کاغذ پر کیا لکھا گیا بلکہ یہ ہے کہ ان وعدوں پر عمل کی کیا صورت ہوگی۔ دولِ عظمیٰ کی جانب سے کسی ضمانت کے بغیر پناہ گزینوں نے اپنے آپ کو ترکوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے سے اور رہرزیگووینہ کے عمائد نے اپنے جرگوں کے ہتھیار کھلوانے سے انکار کر دیا۔ لڑائی تازہ تر قوت کے ساتھ پھر چھڑ گئی۔ دول کی دخل دہی سے امن ہونا تو درکنار، مسلمانوں میں الٹی عیسائی رعایا اور اجانب کے خلاف جن سے عیسائیوں نے حمایت پانے کے فریاد کی تھی، مذہبی اور قومی شورش کی، سیاسی بے چینی اور وحشیانہ غیظ و غضب کی ایک طوفانی ہوا سلطنت عثمانیہ پر چل گئی۔ ۶ مئی کو سلانیک میں پروشیا اور فرانس کے قنصلوں پر بلوائیوں نے حملہ کیا اور جان سے مار ڈالا۔ سمرنا اور استنبول میں فرنگی باشندوں کے خلاف خطرناک تحریکیں پیدا ہوئیں۔ بلغاریہ میں اُنہی دنوں حکومت نے قفقازی آبادکار اور فوج بے قاعدہ کے گروہ بھیج دیئے تھے۔ وہ موقع کی تاک میں تھے کہ متوقع بغاوت ہوتے ہی باشندوں پر ٹوٹ پڑیں اور ملک میں خون کے نالے بہا دیں۔

سلانیک میں قنصلوں کا قتل۔ ۶ مئی۔

جس وقت یہ ظاہر ہوا کہ کونٹ اندراسی کے مراسلے سے رفعِ فساد نہیں ہو سکتا تو تینوں سلطنتوں کے وزیروں نے تہیہ کیا کہ باہم ملکر مزید سیاسی کارروائی کرنے کا متفقہ فیصلہ کیا جائے۔ اسی زمانے میں زار برلن آنے والا تھا طے پایا کہ اسی شہر میں وزرا ملاقات کریں اور اس کی تاریخ مئی کے دوسرے ہفتے میں مقرر کی گئی۔ یہ بسمارک کے بلاوے اور زار کے مع شہزادہ گورٹ شاکوف اور کونٹ اندراسی کے برلن پہنچنے کے درمیان کے وقفے کا

برلن کی یادداشت ۱۲ مئی۔

[1] کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۷۶ء

ذکر ہے کہ سلانیک (سالونیکا) میں فرانس و پروشیہ کے قنصلوں کے مارے جانے کی اطلاع ملی۔ اس واقعے نے وزرا کی باہمی غور و بحث کو زیادہ پُر وزن بنا دیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر غیر سلطنتوں کے وہ قائم مقام ایک پُر امن شہر میں اس طرح دن دہاڑے مارے جا سکتے ہیں اور حکام اسے روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر باغی صوبوں کے مسیحیوں کا اپنے تئیں ایک بگڑے ہوئے دشمن کے حوالے کرنے سے انکار کر دینا کوئی تعجب کی یا ناواجب بات ہے۔ پس باب عالی نے جو وعدے کئے تھے ان کے پورا ہونے کی کوئی کارگر ضمانت حاصل کرنی بالکل ناگزیر ہو گئی۔ پھر وزیروں کی قرارداد میں ایک یادداشت کی صورت میں مرتب کی گئیں جس میں اعلان تھا کہ فریقین سے دو ہفتے کے لئے التوائے جنگ کرا دینا ضروری ہے۔ اور یہ کہ وہ مخلوط نظارت جس کی اندراسی کے مراسلے میں تجویز تھی، بلا تاخیر قائم ہونی چاہیے اور اس کا میر مجلس ہرزیگووینہ کا ایک عیسائی باشندہ مقرر کیا جائے۔ اور جن اصلاحات کا باب عالی نے وعدہ کیا ہے اُن پر دول یورپ کے قائم مقاموں کی نگرانی میں عمل ہو۔ اگر التوائے جنگ کے آخر تک باب عالی ان شرائط کو تسلیم نہ کرے، تو بادشاہی حکومتوں نے اعلان کیا کہ ہمیں ان سیاسی کوششوں کو انجام دینے کے لئے زیادہ کارگر کارروائیاں کرنی پڑیں گی۔[۱]

جس روز اس یادداشت پر دستخط ہوئے اسی دن امیر کبیر بسمارک نے برطانیہ، فرانس اور اطالیہ کے سفیروں کو مدعو کیا کہ وہ اس کے مکان میں روس اور آسٹریہ کے وزیروں سے ملاقات کریں۔ چنانچہ یہ لوگ اس کے ہاں گئے۔ انھیں یادداشت پڑھ کے سنائی گئی اور تاکیدی درخواست کی گئی کہ جس طرح اندراسی کے مراسلے کی تائید کی تھی اسی طرح فرانس، برطانیہ اور اطالیہ اس برلن کی یادداشت کی بھی تائید کریں۔ شہزادہ گورٹشاکوف اور اندراسی صرف دو دن اور برلن میں ٹھیر سکتے تھے لہذا وہ چاہتے تھے کہ مذکورۂ بالا حکومتوں کے جواب بذریعہ تار اڑتالیس گھنٹے کے اندر برلن پہنچ جائیں۔ چنانچہ فرانس اور اطالیہ کے جواب آ گئے اور انھوں نے یادداشت کو منظور کر لیا۔ لندن سے جواب پانچ دن سے پہلے وصول نہ ہوا اور

صرف انگلستان برلن کی یادداشت کو مسترد کرتا ہے۔

[۱] کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۷۶ء۔

باب (۷)

اس میں اطلاع تھی کہ حکومت برطانیہ مجوّزہ طریق عمل میں دول کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اس بارے میں مزید خط کتابت جاری رہی لیکن کوئی تصفیہ ہونے سے پہلے پانچوں سلطنتوں کے جنگی جہاز سلانیک آ گئے کہ قنصلوں کے خون کی تلافی کا مطالبہ کریں۔ لندن کی مجلس وزراء نے دول یورپ کے جتھے میں شریک ہونے سے انکار کیا اور بیان کیا کہ گو برطانیہ کسی قسم کی دھمکی دینے کی نیّت نہیں رکھتی لیکن وہ مشرق میں بغیر اپنی رائے کی شرکت کے تقسیم ممالک کی کسی ردّ و بدل کو جائز نہ رکھیگی۔ ساتھ ہی انگریزی بیڑا خلیج بسیکا میں بھیجدیا گیا۔ اس وقت تک انگلستان میں باب عالی کی مسیحی رعایا کی بغاوت یا اس کے عام سیاسی اثر کے متعلق لوگوں نے بہت کم توجّہ کی تھی۔ لیکن اب واقعات کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس نے انگریزی قوم کی توجّہ بلکہ جذبات کو غیر معمولی طور پر مشتعل کر دیا۔ استنبول کے ہیجان میں شدّت آ رہی تھی۔

سلطان عبدالعزیز کی معزولی
۲۹-مئی۔

۲۹-مئی کو مدحت پاشا اور حسین عونی نے سلطان عبدالعزیز کو تخت سلطنت سے اُتار دیا۔ ان میں مدحت حامی اصلاح فریق کا سرگروہ تھا اور حسین عونی کو ترکوں کے اُس قدیم جنگی اور وطنی جوش کا ترجمان سمجھنا چاہیئے جو عبدالعزیز کے روسیوں کی متابعت کرنے سے مشتعل ہو گیا تھا۔ چند روز کے بعد سلطان مخلوع کو قتل کر دیا گیا۔ اور حسین عونی اور مدحت کے ایک اور رقیب کو عین بزم شوریٰ کے اجلاس میں ایک سر پھرے نے ہلاک کر دیا۔ مراد خامس تخت پر بٹھایا گیا۔ وہ محض ایک ہیچ تھا۔ پس مدحت، جس کی نسبت ترکی کے باہر اکثر لوگ یقین رکھتے تھے کہ وہ سلطنت عثمانیہ میں نئی روح پھونکنے والا ہے، سلطنت میں قریب قریب سب سے بلند مرتبے پر پہنچ گیا۔ جون کے اواخر میں مغربی یورپ میں اس قسم کی خبریں آئیں کہ بلغاریہ میں بغاوت ہوئی اور اسے کمال سفاکی سے فرو کر دیا گیا۔ سرویہ اور جبل اسود کے لوگ مدّت سے اپنے ہتھیار بند رشتہ داروں کو عملی مدد دے رہے تھے، اب اُنھوں نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ بلغاریہ کی اطلاعیں شروع میں مبہم تھیں اب رفتہ رفتہ زیادہ واضح صورت میں شائع ہونے لگیں۔ آخر کار جرمن نیز انگریزی اخباروں کے نامہ نگار بلقان کے جنوبی اضلاع تک آ پہنچے اور وہاں جو کچھ گزرا تھا، دیہات میں ڈھانچ اور انسانی باقیات

بلغاریہ کے قتل عام۔
سرویہ اور جبل اسود کا اعلان جنگ
۲-جولائی۔

کی شکل میں اس کی شہادتیں معائنہ کیں۔ برطانیہ کے وزرا نے استنبول کے سفیر سر ہنری الیٹ کے بیان کے بھروسے پر شروع شروع میں ان قتل ہائے عام کو ایسا سنگین نہیں مانا البتہ ہدایت کی کہ سفارت خانے کا کوئی عہدہ دار خاص موقع پر جاکر تحقیقات کرے اور سفارت خانے کے معتمد مسٹر بیرنگ اس کام کے لئے بلغاریہ بھیجے گئے بیرنگ کی اطلاع نے ان بیانات کی تصدیق کردی جنھیں اس کے بالادست نے باور نہیں کیا تھا۔ اور مظلوم مقتولین کی تعداد، غلط تھی یا صحیح، کم سے کم بارہ ہزار قرار دی ہے[1]

انگلستان کی رائے عامہ

بلغاریہ کے مقاتل نے ۱۸۷۶ء کے یورپ پر وہی اثر کیا جو خیوس کے ذبح عظیم نے ۱۸۲۲ء کے یورپ پر کیا تھا۔ خاص کر انگلستان میں ان سفاکیوں نے انتہا درجے کا غم و غصہ پیدا کر دیا اور ترکوں کے متعلق وہاں کی رائے عامہ کا بالکل رنگ بدل گیا اس سے پہلے عوام الناس مشکل سے مشرق کے مسائل نزاعی سے واقف تھے۔ ہرزیگووینہ، بوسینہ، اور بلغاریہ یونان کی مثل زبان زد نام نہ تھے۔ انگریزی قوم کو عام طور پر خبر بھی نہ تھی کہ یہ ولایتیں کہاں ہیں، یا ان میں ترکوں کے علاوہ بھی کوئی قوم آباد ہے۔ محاربۂ کریمیہ نے سلطان سے جو دوستانہ تعلقات قائم کئے ان کی یاد باقی تھی۔ یہ بھی خیال کہ ترکی بھی یورپ کی مملکت کے کوئی ملک ہے، سوائے اس کے کسی طرح دور نہ ہوسکتا تھا کہ کوئی خاص صدمہ پہنچے یا یکایک بجلی سی گر پڑے اور انگریزوں کو بلقان کی مسیحی اقوام سے باخبر کردے کہ عثمانی آقاؤں کے ماتحت ان پر فی الحقیقت کیا گزر رہی ہے۔ سو بلغاریہ کے مقاتل نے یہ کام نہایت کارگر طریق پر انجام دیا۔ اور اسی وقت سے انگریزی قوم جو اہل اطالیہ و ہنگری کی استحصال آزادی کی جد و جہد میں ان کے ساتھ پرجوش ہمدردی رکھتی تھی، ذرا گوارا نہ کرسکی کہ سلطنت برطانیہ کے اثر سے اسلافیوں پر ترکی تسلط برقرار رکھنے میں مدد دی جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اگر ۱۸۷۶ء میں قوم کو اظہار رائے کا موقع دیا جاتا یعنی از سر نو پارلیمنٹ کے انتخاب کا انتظام ہوتا تو انگریز اصرار کرتے کہ برطانیہ بھی سلطنتوں کے ساتھ

[1] کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۷۶ء۔

باب (۷)

مل کر عملی تدابیر اختیار کرے جو بابِ عالی پر اصلاحات کے لئے جبر کرنے تک آمادہ تھیں۔ لیکن ۱۸۶۲ء کی پارلیمنٹ کو مرتب ہوئے صرف دو سال گزرے تھے۔ حکومت کی طرفدار اکثریت میں ابھی تک کمی نہ آئی تھی اور مجلس وزرا کا سرگروہ ایسا شخص تھا جسے اپنے مقصد پر جمے رہنے کی غیر معمولی قابلیت عطا ہوئی تھی۔ وہ اپنی بات دوسروں سے منوا لینے کی بڑی قوت رکھتا تھا اور جس راستے پر چلنا چاہتا تھا اُس کا نہایت صاف تصور اس کے ذہن میں تھا کہ اس میں نہ کسی کی رورعایت تھی نہ کسی شے کا خوف و وسواس۔ اس عہد کا یہ بھی سب سے عجیب غریب واقعہ ہے کہ جس وزیر نے اپنی طویل خدمت کے دوران میں اب تک معاملات خارجہ پر خفیف ترین اثر بھی نہ ڈالا اور جو خود انگریزی قوم کا آدمی بھی نہ تھا، اب اسی کی شخصیت کا ہماری بیرونی حکمت عملی میں ہر جگہ جلوہ نظر آتا ہے۔ وہی اس نازک موقع میں، جس سے یورپ گزر رہا تھا، انگلستان کو جبراً پیش پیش لا رہا ہے اور نتیجہ خواہ اچھا ہو یا بُرا، وہی اس طرزِ عمل کو بالکل الٹ دیتا ہے جس کی وجہ سے انگلستان ۱۸۵۹ء کی اطالوی جنگ کے بعد سے بظاہر حالِ یورپ کے معاملات میں دخل دہی سے روز بروز دور ہوتا جاتا تھا۔

ڈزرائیلی۔ پارلیمنٹ کی سیاسیات کے متعلق ڈزرائیلی کا تصور اس کے استخفاف سے خالی نہ تھا مگر اہل برطانیہ اسی میں خوش تھے کہ اُن کے ایک بڑے سیاسی گروہ کی سیادت صرف اس بنا پر ایک صاحبِ فطانت کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اپنے معاصرین کے بعض عجیب تخیلات کی ہمنوائی کرتا ہے۔ چنانچہ جب سے سر رابرٹ پیل نے غلے کے قوانین منسوخ کئے اور اس پر ڈزرائیل نے اعتراضات کی بوچھاڑ کی، اُس وقت سے لے کر بیس سال، یعنی ۱۸۶۷ء تک جب کہ اُس نے اپنے فریق کو مجوزہ جمہوری اصلاحات کی خوبیاں سمجھائیں، ڈزرائیل بڑی خوبصورتی سے وہ سب روپ دھارتا رہا جو اُس کے فریق چاہتے تھے اور جو کسی قدر عجیب اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ لیکن ۱۸۷۴ء کے بعد جب سے کہ وہ پارلیمنٹ کے دونوں شعبوں میں ایک قوی اکثریت کا اور مجلس وزرا میں اطاعت گزار ارکان کا سرگروہ ہوا، اس وقت سے یہ نقالی کی ادائیں ختم ہوئیں۔ اور اس تدبر و حکمت عملی کے دور کا آغاز ہوا جو عوام کے مسلک سے بالکل جدا، خود اس مدبر کے

ذاتی افکار و آرا کا نتیجہ تھی۔ اس زمانے میں جب کا وور دھان ہوتا تھا اور بسمارک کو اسکی تحصیل کے باہر کوئی جانتا تک نہ تھا، ڈزرائیلی نے "ٹان کرڈ" (Tancred) میں دنیا کے سامنے ایک وسیع مشرقی سلطنت کا خاکہ پیش کیا تھا۔ اس میں پُراسرار شیخ منقولے سوچ رہے تھے کہ عرب و شام میں ایک زندہ مذہب کے فدائیوں سے جہاد کرا کے ایشیا کے تن بدن میں نئی روح دوڑا دیں۔ اور باتوں باتوں میں ملکہ وکٹوریہ کے تحت سلطنت کے لندن سے دہلی منتقل ہونے کا ذکر آجاتا تھا۔ بایں ہمہ دنیا میں کوئی شے عیب سے بری نہیں ہے۔ ڈزرائیلی کی چشم تخیل دُور کی چیزوں کو تو غیر معمولی صفائی کے ساتھ دیکھتی تھی لیکن نزدیک تر معاملات میں جو اہمیت سے خالی نہ تھے، اس کی نظر ایسی صائب و بے خطا نہ ثابت ہوئی۔ اطالیہ کی خود مختاری کی کوششوں کو وہ محض وہاں والوں کی بدعنوانی سمجھتا رہا۔ جرمانیہ کے مستقبل کی نسبت اس نے بسمارک کے خیالات سے اور اُنھیں فقط ایک جرمن زمیندار کی شیخیوں سے تعبیر کیا۔ ربع صدی تک ڈزرائیلی دارالعوام کی نگاہوں کو خیرہ اور دلوں کو خوش کرتا رہا، اور اُن مقاصد عظیمہ میں سے جن کی طرف یورپ کی توپیں جھک رہی تھیں، بہ احوال ظاہر وہ کسی ایک مقصد کو بھی معلوم نہ کر سکا اور نہ اُن مقاصد سے اس کے دل میں کوئی تازہ تحریک یا ولولہ پیدا ہوا۔ تاآنکہ خود اُس کے شہنشاہی منصوبے کے عمل میں آنے کا وقت آگیا اور اس سے قبل کہ یورپ کے سیاسی افق پر مسئلہ مشرقیہ بلند ہو کر سامنے آئے، ڈزرائیلی نے وزیر اعظم انگلستان کی حیثیت سے ایشیا اور افریقہ میں اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ ولی عہد برطانیہ کو روانہ کر چکا تھا کہ ہندوستان میں شیر مارے اور دربار جمائے۔ اس نے ملکۂ وکٹوریہ کے قیصرۂ ہند ہونے کا اعلان کرا دیا تھا اور خدیو مصر سے نہر سویز کے حصے خرید لئے تھے۔ اس حد تک بھی اہل الرائے مذبذب تھے کہ وزیر اعظم کی حکمت عملی فقط نمود و نمائش کے واسطے ہے یا اس کی تہ میں بھی کچھ ہے؟ لیکن جس وقت قوم کے افراد کثیر یہ استدعا کرنے لگے کہ ترکوں کے خلاف مشرقی مسیحیوں کی حمایت میں انگلستان مداخلت کرے تو اس وقت ظاہر ہو گیا کہ ڈزرائیلی ایک خاص اور محکم مقصد رکھتا ہے۔ یعنی یہ کہ روس کی طرف سے گہری بدگمانی اور خوف سے متاثر ہو کر وہ اسی حکمت عملی پر آگیا جو کیننگ کے زمانے سے پہلے ٹوری حکومتوں کی تھی کہ وہ برطانوی اغراض کو دولت عثمانیہ کی بقا سے وابستہ سمجھتی تھیں۔

باب ۱ اب اگر نئی نسل کے مغلوب الجذبات لوگ، کسی مظلوم قوم کی ہمدردی کی خاطر اپنی سلطنت کی شان و شوکت کو قربان کرنے پر آمادہ تھے، تو ہوا کریں، ڈزرائیلی اُن کا آلۂ کار بننے والا نہ تھا۔ جب دفتر دارالعوام میں بلغاریہ کے قتلِ عام کا تذکرہ آیا تو اُس نے اہلِ قاف کی دیانت و راستی کے اوصاف سراہنے شروع کئے۔ مجرموں کو ایذا دہی کی نظیریں پیش کی گئیں تو اُس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مشرقی قومیں عام طور پر مجرموں کا قضیہ چکانے میں دیر نہیں لگاتیں ہیں[1]۔

واضح رہے کہ انگلستان میں اور بہت سے انگریز موجود تھے جو اپنے وطن سے اتنی ہی محبت رکھتے تھے جتنی ڈزرائیلی کو تھی اور جنھوں نے اپنی حبِ وطن کو ایسی قربانیاں کر کے ثابت کیا تھا کہ ان کی مثل قربانیاں کرنے کی ڈزرائیلی کو نوبت بھی نہ آئی تھی۔ اور یہ لوگ اس بات کو موجب عار سمجھتے تھے کہ انگلستان کی عظمت، دوسری قوموں کے دُکھ پانے اور غلامی کرنے کے مول خریدی جائے۔ یا یہ کہ سلطنت برطانیہ کا تحفظ ترکوں کی حکومت جیسی ذلیل شئے پر مبنی سمجھا جائے۔ مگر یہ وہ خیالات تھے جن کی ڈزرائیلی کی نظر میں کوئی خاص وقعت نہ تھی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک شے ضروری تھی اور وہ روس کو دبائے رکھنا تھی۔ پھر، اس بارے میں کیننگ تو یہ سمجھتا تھا کہ روس کو قابو میں رکھنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ انگلستان، یونان کو خودمختار بنانے میں روس کے ساتھ جنگی اتحادِ عمل کرتا رہے لیکن اس کے برخلاف ڈزرائیلی شروع سے ہر ایسے منصوبے پر غور کرنے سے انکار کرتا رہا جس کا منشا سلطان کو اصلاحات کے لئے مجبور کرنا ہو۔ البتہ اُسے یہ تردّد ضرور تھا کہ سلطان دوسری سلطنتوں کا مقابلہ کرے تو برطانیہ کو کس حد تک اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ خود اس کے بعد کے بیانات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسے اپنے حسبِ منشا کام کرنے میں رکاوٹ پیش نہ آتی تو وہ صاف صاف زار کو اطلاع دے دیتا کہ اگر روسیوں نے بابِ عالی سے لڑائی چھیڑی تو انگلستان، ترکی کا حلیف ہوگا۔ مگر انگلستان کی رائے عامہ کے سامنے یہ طریقِ عمل اختیار کرنا ممکن نہ تھا۔ قفقازی (چرکاشی) اور باشی بزوق کی چھری برطانیہ کلاں کے ساتھ ترکوں کے اس رشتۂ اتحاد کو قطع کر چکی تھی جس نے

[1] مباحثہ پارلیمنٹ - ۱۰- جولائی ۱۸۷۶ء - (بلفظہ) -

۱۸۵۴ء میں ترکی کو سلامت رکھا۔ اب تو ڈزرائیلی (جو آئندہ سے "ارل اوف بیکنس فیلڈ" کے لقب سے ملقب ہوا)، سرویہ پر صرف پُرجوش فسادی ضلالت کی بوچھار کرسکتا تھا کہ اس گستاخ ریاست کو بھی یہ جرأت ہوئی کہ اپنے مالکِ جائز اور ولی نعمت پر اس نے تلوار کھینچی۔ یا اُن از خود رفتہ انگریزوں کو لعنت ملامت کرسکتا تھا جو اُس مشہور برک شخص کی طرح، جس کا نام بیکنس فیلڈ کے دوش بدوش آتا ہے، یہ رائے رکھتے تھے کہ حکومت عثمانیہ جیسی بلائے بد کو جس طرح بھی دور کیا جائے، دُنیا کو ان وسائل کے متعلق زیادہ باریک بینی اور خردہ گیری کرنے کی ضرورت نہیں ہے[1]۔

انگلستان کے برلن کی یادداشت کو مسترد کرنے اور سرویہ وجبلِ اسود کے اعلان جنگ کرنے کے بعد ہی تینوں شہنشاہی سرکاروں میں روابطِ اتحاد زیادہ مستحکم ہوئے۔ زار اور فرانسس جوزف نے اپنے وزیروں سمیت ۸۔ جولائی کو بوہیمیہ کے قصبے ریکس ٹیڈ میں باہم ملاقات کی۔ سرکاری بیانات کے بموجب تو اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بادشاہوں نے فی الحال عدم مداخلت کا فیصلہ اور یہ طے کیا کہ تمام یورپی سلطنتوں کو بوقتِ ضرورت مشترک طرزِ عمل اختیار کرنے پر آمادہ کرتے رہیں۔ لیکن افواہ اُڑ گئی اور بعد میں وہ صحیح بھی ثابت ہوئی کہ اس گفتگو کا منشا یہ تھا کہ یورپی ترکی کو آگے چل کر آپس میں تقسیم کرلیا جائے۔ بلکہ درحقیقت ایک عہدنامہ پر دستخط ہو گئے تھے جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر روس، بلغاریہ کو بزورِ شمشیر آزاد کرا دے تو آسٹریہ، بوسینہ اور ہرزیگووینہ پر قبضہ کرلے۔ گویا اس قیمت پر آسٹریہ کی تو غیر جانب داری خرید لی گئی اور روس کو آزادی مل گئی کہ اگر دول یورپ کا جتھا ترکی میں جبراً اصلاحات نافذ نہ کرائے تو

ریکس ٹیڈ کی ملاقات اور معاہدہ - ۸ - جولائی -

[1] ملاحظہ ہو برک کی تقریر روس کی ہتھیار بندی کے متعلق، مورخہ ۲۹ - مارچ ۱۷۹۱ء نیز ترکی کے بارے میں اس کا قول "وحشیانہ، پراگندہ نظم، استبداد" جو اس کی کتاب "انقلابِ فرانس پر افکار و آرا" میں درج ہے۔ برک کی زندگی مقام بیکنس فیلڈ میں گزری اور وہیں وہ مرا اور اس کی قبر ہے۔ بایں ہمہ اس روایت کی کوئی شہادت نظر نہیں آتی کہ اسے خطاب بیکنس فیلڈ کے ساتھ رتبۂ نوابی ملنے والا تھا اور محض اس کے فرزند کی موت نے ان امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔

باب(۲)

روس خود جو چاہے کارروائی کرے۔ چنانچہ چند ہی روز میں کہ شاید اتنی جلد روسی وزیر اعظم گورٹ شاکوف کو توقع بھی نہ تھی، روسی قوم کے مذہبی جوش اور ڈمنوب پار کے ہم عقیدہ اور ہم نسل لوگوں کے ساتھ ہمدردی نے زآر کو مجبور کر دیا کہ وہ زوردار کارروائی کرے۔ سرویہ میں ہزاروں روسی مطوعین باغیوں کو مدد دے رہے تھے

سرویہ کے معرکے جولائی تا اکتوبر۔

اور روسی جنرل تیرنائف اہل سرویہ کی قیادت کر رہا تھا۔ بایں ہمہ ترکوں کے مقابلے میں انھیں شکست ہوی۔ انگریزوں نے اُن شرطوں پر جنھیں لندن میں صلح کے لئے ناگزیر سمجھا جاتا تھا، صلح صفائی کرا دینے پر آمادگی ظاہر کی مگر باب عالی نے اسے قبول نہ کیا۔ شرطیں یہ تھیں کہ سرویہ کے سابقہ حقوق بدستور رہیں اور بوسینہ، ہرزی گووینہ اور بلغاریہ والوں کو اپنے صوبے میں حکومت خود اختیاری دے دی جائے۔ چند روز رکے رہنے کے بعد ستمبر میں پھر جنگ چھڑ گئی۔ سرویہ کی فوجوں کو ترکوں نے ان کے مورچوں سے مار بھگایا۔ الکسی ناتیز کے سر ہونے سے بلگریڈ تک راستہ صاف ہو گیا اور دکھائی دینے لگا کہ بلغاریہ کا جو حشر ہوا تھا وہی مفتوح سرویہ کا ہونے والا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ترکوں نے پانچ مہینے کی ہنگامی صلح پر امادگی ظاہر کی تھی کہ موسم سرما کی صعوبات جنگ سے بچ جائیں اور آئندہ بہار میں پہلے سے زیادہ فوجیں جمع کر کے دشمن کا قلع قمع کر ڈالیں[۱] لیکن روس کے مشورے سے سرویہ والوں نے ایسی صلح قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۳۰۔ اکتوبر کو سفیر اگناٹیف نے استنبول میں روس کی طرف سے آخری حجت کے طریق پر باب عالی کو مطلع کیا کہ اڑتالیس گھنٹے کے اندر سرویہ سے دو مہینے کی ہنگامی صلح اور التوائے جنگ منظور کی جائے ورنہ خود روس میدان میں اُتر آئے گا۔ باب عالی نے یہ تجویز مان لی اور بوسینہ، ہرزی گووینہ نیز سرویہ اور جبل اسود کے علاقوں میں

روس جبراً ہنگامی صلح کراتا ہے۔ ۳۰۔ اکتوبر۔

[۱] جیساکہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، مصنف کو ترکوں سے دلی تعصب ہے اور اسی کی وجہ سے کہیں کہیں صریح غلط بیانی کے علاوہ عام طور پر وہ تاریخی واقعات کو نہایت مغالطہ آمیز پیرایے میں بیان کرتا ہے۔ ناظرین اس پہلو کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ مترجم۔

جہاں کہیں اسلافی اور عثمانی آمنے سامنے کھڑے تھے، لڑائی موقوف ہوگئی۔ اکتوبر کے اواخر میں روس ترکی کی جنگ ٹلتی دیکھی اور روسیوں کو اہلِ سرویہ کی اسطرح صریحاً پشتی لیتے پایا تو خواہ مخواہ حکومت برطانیہ کو تشویش ہوئی۔ اس تشویش

زار کا اعلان - ۲- نومبر

کو زار نے ایک اعلان کے ذریعے جس میں صاف صاف اپنے خیالات کو بیان کر دیا تھا، دُور کرنے کی کوشش کی۔

اس نے ۲- نومبر کو برطانوی سفیر لارڈ اے لوفٹس سے گفتگو شروع کی اور اسے اپنا قول دے کر یقین دلایا کہ میں استنبول کو لینے کی ہرگز نیت نہیں رکھتا۔ اور اگر مجھے بلغاریہ کے کسی حصہ پر قبضہ کرنا ہی پڑا تو بھی میری فوج صرف اس وقت تک وہاں رہے گی جب تک کہ صلح اور مسیحی آبادی کے حفظِ حقوق کی طرف سے اطمینان ہوجائے۔ نیز یہ کہ مجموعی طور پر بھی اس سے بڑھکر میری اور کوئی تمنا نہیں ہے کہ یورپ میں قیام امن اور ترکی میں مسیحی باشندوں کی اصلاحِ حال کے معاملے میں روس اور انگلستان پوری طرح ایک دوسرے کے ہمدم وہمنوا ہوجائیں۔ اسی کے ساتھ زار نے پوری صفائی سے انگریزی سفیر سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر بابِ عالی یورپ کی مجوزہ اصلاحات پر عملدرآمد کرنے سے اسی طرح انکار کرتا رہا اور دولِ یورپ اس پیہم انکار کو انگیز کرتے گئیں تو روس سے جو کچھ ہوسکے گا، تنہا کرے گا۔ بکمال صداقت آمیز الفاظ میں اس نے ہوسِ ملک گیری سے تحاشی کی اور احتجاج کیا کہ انگلستان کیوں اس کی حکمتِ عملی کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پھر استدعا کی کہ اس کے یہ الفاظ پیامِ صلح و آشتی کے پیرائے میں انگلستان میں شائع کر دیے جائیں[1]۔ لہٰذا وزیر خارجہ لارڈ ڈربی نے اس اطمینان بخش

انگلستان مجلس مشاورۃ کی تجویز کرتا ہے۔

گفتگو کی اطلاع پاتے ہی اعلان کیا کہ حکومت انگلستان زار کے اس قول و قرار کو بالکل کافی وشافی سمجھتی ہے۔ اور دوسرے دن لندن سے تمام دول کے نام بلاوا بھیجا گیا کہ ایک مجلس مشاورۃ کے لئے استنبول میں اپنے وکیل روانہ کریں۔ اور سلطنت عثمانیہ کی سلامتی وصیانت کو

[1] کاغذات پارلیمنٹ ۱۸۷۶ء و ۱۸۷۷ء۔

باب (۷) اصول مسلّمہ قرار دے کر گفتگو کی جائے۔ ساتھ ہی ہر سلطنت اقرار کرے کہ کسی دست درازی یا بطورِ خود فائدہ اُٹھانے کا قصد نہیں رکھتی ہے۔ اس مشاورۃ کی تجویز کرتے وقت انگریزی حکومتِ زار کے اپنے مُنہ سے کہی ہوئی آرزو کے مطابق کام کر رہی تھی۔ لیکن خود اربابِ حکومت آپس میں متفق نہ تھے۔ لارڈ بیکنس فیلڈ کا بس چلتا تو وہ قطعی طور پر روس کو مطلع کر دیتا کہ سلطان پر حملہ ہوا تو انگلستان سلطان کا ساتھ دے گا۔ مگر اس سے انگریزی قوم اور وزرا نے منع کر دیا۔ تاہم وزیرِ اعظم کو اظہارِ خیالات کے اور موقعے میسّر تھے۔ اور وزیرِ خارجہ کو زار کے پیامِ دوستی کا اعتراف کئے چھ روز ہی گزرے تھے بلکہ ابھی اس پیام کے عام طور پر ملک میں شائع ہونے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ ۹۔ نومبر کو گلڈ ہال کی دعوت میں لارڈ بیکنس فیلڈ نے ایسے الفاظ کہے کہ اگر وہ محض یاوہ گوئی نہ تھے تو ان کا مدعا سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو سکتا تھا کہ زار کو دھمکی اور خود انگلستان میں حامیٔ جنگ فریق کو لہکا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ "گو انگلستان کا منشا امن و صلح برقرار رکھنا ہے تاہم کوئی ملک لڑائی کے لئے اس قدر تیار نہیں ہے جس قدر کہ ہمارا مُلک۔ اور انگلستان حق کے واسطے جنگ کے میدان میں داخل ہوا تو اس کے وسائل و ذرائع بے حساب ہیں۔ وہ ایسا مُلک نہیں ہے کہ ایک معرکہ شروع کرے تو پھر اسے یہ سوچنا پڑے کہ مجھ میں دوسری اور تیسری معرکہ آرائی کا بھی بوتا ہے یا نہیں؟ وہ تو جس معرکے میں داخل ہوتا ہے پھر اسے ختم نہیں کرتا جب تک کہ جو حق بات ہے وہ پوری نہ ہو جائے"

لارڈ ڈربی نے استنبول میں جس مجلسِ مشاورۃ کی تجویز کی تھی اسے سب طاقتوں نے منظور کیا اور اُنھی بنیادی شرطوں پر جو انگریزوں نے قرار دی تھیں۔ وزیرِ ہند، لارڈ سالسبری، انگلستان کی طرف سے نامزد ہوا کہ سفیرِ استنبول سر ہنری الیٹ کے ساتھ فرائضِ نیابت انجام دے۔ یہ وزیر ممالک یورپ کے صدر مقامات سے ہوتا ہوا استنبول گیا اور برلن میں اُس نے سنا کہ قیصرِ جرمانیہ اور زار کی دوستانہ مفاہمت کے دائرے میں مشرقی معاملات بھی داخل ہیں۔ یہ بات، کہ اس وقت تک انگریزی حکومت کو ریخس ٹیڈ کے عہدنامے کی کوئی معتبر اطلاع بھی مل چکی تھی، یا نہیں، مشتبہ ہے۔ لیکن بادی النظر میں تو یہی معلوم

باب ۷

ہوتا تھا کہ لارڈ بیکنس فیلڈ کے ناخوشگوار لب ولہجہ کے باوجود، اس مرتبہ مسیحی ولایات کو کسی نہ کسی شکل میں مقامی آزادی مل جائے گی اور یہ مشرقی قضیئے کے طے ہو جانے کے ایسے آثار تھے کہ اس سے بہتر کبھی ظہور میں نہ آئے تھے۔ باب عالی کو بھی دول کے بڑے تیور نظر آ گئے اور اس نے مجلس مشاورت سے پیش از پیش بازی لے جانے کی غرض سے آئینی اصلاحات کا ایک ایسا مسودہ تیار کیا کہ سرویہ یا ہرزیگووینہ کے بڑے سے بڑے مطالبے کرنے والے کے خواب وخیال میں نہ آیا ہوگا۔ اس کی رو سے تمام سلطنت عثمانیہ کو مجلسی حکومت کا مکمل آئین، فرانس و بلجیم کی تازہ ترین جدّتوں کے ساتھ عطا ہونے والا تھا۔ یہ بات، کہ اس مسودے کا مصنف مدحت پاشا فی الواقع آئینی تغیّر کی فکر میں تھا، خلاف امکان نہیں ہے لیکن استنبول کے شاہی عمال کی جماعت کثیر تو ان تجاویز کو محض اہل یورپ کو خود انہی کی مخترعات سے پریشان کرنے کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ اور مجوّزہ آئین کے برائے نام نافذ ہو جانے کے بعد بھی چھوٹے بڑے تمام حکام کا بالکل وہی طرز عمل رہا جیسا آئین سے پیشتر تھا۔ جدید آئین کی اصطلاحیں تک، سوائے ان لوگوں کے جو بیرونی سفارت خانوں میں رہ آئے تھے، ملک میں کوئی نہ سمجھتا تھا۔ پس ان تجاویز کا پیش کرنا ایسا ہی تھا جیسا حکومت کا یہ اعلان کردینا کہ وہ کوہستان بلقان کو تعزریا کے درختوں سے ڈھانپ دینا چاہتی ہے۔

عثمانی آئین کا مسودہ۔

دسمبر کے دوسرے ہفتے میں یورپ کے چھ بڑی طاقتوں کے قائم مقام استنبول میں جمع ہوئے۔ اپنے مطالبات کو سارے یورپ کی طرف سے بالاتفاق باب عالی کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے فیصلہ ہوا کہ مجلس کے باضابطہ افتتاح اور ترکوں کے ساتھ گفتگو چھیڑنے سے پہلے، آپس میں شوریٰ کے کئی جلسے اور ملاقاتیں کرلی جائیں۔ ان جلسوں میں، جب اگناٹیف اس تجویز سے دست بردار ہو گیا کہ روس، بلغاریہ پر قابض ہو جائے تو پھر دول میں کوئی اختلاف نہ رہا اور کامل اتفاق آراء کے ساتھ قرار پایا کہ باب عالی سے چند چھوٹے ضلعے، سرویہ اور

مطالبات، ابتدائی جلسوں میں طے کئے جاتے ہیں۔ ۱۱، ۱۲ دسمبر۔

باب (۷)

جبلِ اسود کے حوالے کر دینے کا، بوسینہ، ہرزیگووینہ اور بلغاریہ میں انتظامی آزادی دینے کا اور اِن تینوں صوبوں میں عیسائی صوبہ دار مقرر کرنے کا مطالبہ کیا جائے - صوبہ داروں کی میعادِ عہدہ پانچ سال اور اِن کے نامزدگی کے لئے دول کی منظوری لازمی قرار دی گئی - ترکی فوجوں کو صرف قلعوں کے اندر رکھنے، قفقازی چرکسوں کے ایشیا میں منتقل کر دئے جانے اور آخر میں ان اصلاحات پر ایک بین الاقوامی محکمۂ نظارت کی نگرانی میں عملدرآمد کئے جانے کا بھی مطالبہ تھا اور اِس محکمے کے ماتحت ۶ ہزار فوجی پولس کے جوان رکھنے کی تجویز تھی جو سوئٹزرلینڈ یا بلجیم میں بھرتی کئے جائیں - اِن تدابیر سے یورپ کے اہل الرائے خیال کرتے تھے کہ مسیحی آبادی بھی ترکوں کے جوروزرستانی سے محفوظ ہو جائے گی - اور سلطان کی فرماں روائی اور سلطنت عثمانیہ کی صیانت میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا ؛

دول یورپ کے قائم مقاموں کے باہمی اختلافات سب دُور ہو گئے تو ۲۳ - دسمبر کو ترکی وزیر خارجہ **صفوت پاشا** کی صدارت میں باقاعدہ مجلس مشاورت کا افتتاح ہوا - کارروائی شروع ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ بڑے زور سے توپیں چلنے کی آواز آئی - مجلس کی کارروائی رُک گئی - تب صفوت پاشا نے بتلایا کہ دولت عثمانیہ کا جدید آئین نافذ کیا جا رہا ہے اور شلک جو اراکین مجلس نے سنی سلطان المعظم کے ممالک میں عالمگیر انبساط و خوش حالی کے ایک نئے عہد کے وجود میں آنے کی منادی ہے - پھر اراکین مجلس کو تھوڑی ہی دیر بعد معلوم ہو گیا کہ اس اکسیر اعظم کے سامنے عیسائی سلطنتوں کی کسی کوشش اصلاح کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ؛ یہ تو صفوت پاشا نے شروع ہی سے کہہ دیا تھا کہ دوسرے معاملوں میں جو کچھ بھی رعایت کی جائے، یہ کبھی نہ ہو گا کہ سلطان کی حکومت اصلاحات کی نگرانی کے لئے بیرونی اشخاص کی نظارت قائم کرنا منظور کرے یا اپنے صوبوں پر صوبہ دار مقرر کرنے میں تمام دولِ یورپ کی رائے کے پابند ہو - ہر چند حجت کی گئی کہ دول کی ایسی نگرانی کے بغیر کوئی ضمانت یورپ کے ہاتھ نہیں آسکتی کہ بابِ عالی کے وعدے اور نیک ارادے وہ کیسے ہی اطمینان بخش کیوں نہ ہوں، عمل میں بھی آئیں گے - اسکا

ترکیہ مجلس مشاورت کے مطالبات مسترد کرتے ہیں - ۲۰ - جنوری ۱۸۷۷ء -

کوئی اثر نہ ہوا۔ صفوت نے جواب دیا کہ ۱۸۵۶ء کے عہد نامے میں دولِ یورپ اعلان کر چکی ہیں کہ دولت عثمانیہ کا مرتبہ ٹھیک ٹھیک وہی تسلیم کیا جائے گا جو یورپ کی کسی دوسری بڑی سلطنت کا ہے۔ نیز وہ صراحتاً اپنے آپ کو اس حق سے محروم کر چکی ہیں کہ کسی حال میں بھی دولت عثمانیہ کے اندرونی انتظامات میں دخل دیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ترکی قائم مقام کی مجلس پر معقول حجت یہی ہو سکتی تھی۔ عہد نامۂ پیرس میں کمال احمقانہ صراحت کے ساتھ دول نے اپنے ہاتھ پاؤں باندھ لیے تھے۔ اور اس معاہدے کو برابر اُن کے مُنہ پر مارے جانے سے ترک تھکنے والا آدمی نہ تھا۔ مگر اس موقع پر قانونی دانوں اور معاہدوں کی کچھ پیش جانے والی نہ تھی۔ اہل مشاورہ نے ترکی وزیروں کی جرح قدح اور پیش کردہ تجویزیں سُن لیں اور اپنے مطالبات پر دوبارہ غور کر کے ترکوں کی خواہش کے مطابق بعض اہم ترمیمیں کر دی گئیں، بایں ہمہ وہ حکمۂ نظارت کے قیام اور یورپ کی صوبہ داروں کے انتخاب میں نگرانی کے مطالبے پر جمے رہے تو مدحت پاشا نے جواب وزیر اعظم ہو گئے تھے سلطنت عثمانیہ کی مجلس عظمیٰ کو مجتمع کیا اور اس کے سامنے اہل مشاورہ کے مطالبات پیش کیے۔ انھیں ترکی مجلس شوریٰ نے بالاتفاق مسترد کر دیا۔ لارڈ سالسبری نے سلطان کو پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا کہ اگر ترک اڑے رہے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ پس مدحت پاشا کا مختتم جواب مل گیا تو دول کے ان قائم مقاموں کے ساتھ جنھیں خاص مجلس مشاورہ کے لیے بھیجا گیا تھا، تمام سلطنتوں کے سفرائے متعینۂ استنبول بھی ترکی سے رخصت ہو گئے۔[1]

اوائل نومبر سے روس عملاً جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ دول متحدہ کی کوشش ناکام رہنے کی صورت میں زار جو کچھ کرنے کی نیت رکھتا تھا، اُس کے متعلق اُس نے دنیا کو کسی شک و شبہ میں رہنے نہ دیا تھا۔ اب اسے اتنا دریافت کرنا باقی رہ گیا کہ مجلس مشاورہ کی صاف اور واضح تجاویز اصلاحات کے مرتب ہونے اور باب عالی کے انھیں مسترد کرنے کے بعد بھی آیا دولِ یورپ اپنا فیصلہ منوانے کی کوئی کارروائی کریں گی یا نہیں؟ انگلستان نے صلاح دی کہ سلطان کو اپنے نیک ارادوں پر عمل کرنے کے واسطے ایک سال کی مہلت دی جائے۔ گورٹشاکوف نے دریافت کیا کہ اگر سال ختم ہونے پر بھی اصلاح

[1] مقالہ لندن ۲۱ - مارچ -

باب ششم

عمل میں نہ آئی تو کیا انگلستان عملاً کوئی کارروائی کرنے کا عہد کرتا ہے؛ لیکن اس قسم کا کوئی اقرار نہ کیا گیا۔ تب اس غرض سے کہ ہوسکے تو دول کے مل کر کام کرنے کی کوئی صورت نکالی جائے، اور یا اس لئے کہ روس کی جنگ چھیڑنے کی تیاریاں زیادہ مکمل ہوں اور جنگ کے واسطے زیادہ مناسب موسم آجائے، اگناتیف کو بھیجا گیا کہ تمام یورپی سرکاروں میں گشت لگائے۔ وہ انگلستان آیا اور کچھ عرصے کے بعد اس نے روسی سفیر لندن کنونٹ شووالوف کی مدد سے ایک قرارداد مرتب کی جسے برطانیہ اور ممالک یورپ کی حکومتوں نے پسند کیا یہ تحریر مفاہمۂ لندن کے نام سے مشہور ہے اور ۳۱۔ مارچ کو اس پر سب کے دستخط ثبت ہوگئے۔ اس میں باب عالی کے مواعید اصلاح کا حوالہ دے کر بیان کیا گیا تھا کہ دول یورپ کا ارادہ ہے کہ اپنے سفیروں کے ذریعے پوری توجّہ سے نگراں رہیں کہ ان وعدوں پر عمل کس طریقے سے کیا جا رہا ہے۔ پھر اگر انھیں اپنی امیدوں میں ایک مرتبہ اور مایوسی ہو تو وہ سمجھ لیں کہ صورت حالات یورپ کی اغراض کے موافق نہیں ہے۔ اور ایسی حالت میں متفقہ فیصلہ کریں کہ مسیحی آبادی کی سود و بہبود اور یورپ کے امن عامّہ کی اغراض کے واسطے بہترین شکل کیا ہوگی۔ روس کے اسلحہ کھلوا دینے کے متعلّق بھی بعض دفعات کا اضافہ کردیا گیا کہ اس وقت حکومت برطانیہ کے یہی خاص مقصد پیش نظر تھا۔ لیکن حقیقۃً اس قرارداد میں کوئی پختہ اقرار اس قدر کم تھا کہ اگر اصلاح کی کسی اور ضمانت کے بغیر روس ہتھیار کھلوا دیتا تو یہ تعجب کی بات ہوتی۔ مگر اتنے کمزور ہونے کے باوجود بھی اس مفاہمت نامے کو

باب عالی مفاہمۂ لندن کو قبول نہیں کرتا۔

باب عالی نے ماننے سے انکار کردیا۔ ایک مرتبہ پھر اسی پیرس والے معاہدے کا حوالہ دیا گیا اور پھر سلطان نے اپنے ناقابل تغیر حقوق میں دول کی دست اندازی پر صدائے اعتراض بلند کی؛

اب بھی لارڈ بیکنس فیلڈ کی وزارت نے یہ ماننے سے کہ معاملہ ختم ہوگیا، انکار کیا اور یہی کہے گئی کہ آئندہ رسل و رسائل کے ذریعے معاملے کے روبراہ ہونے کی امید ہے لیکن باقی ماندہ یورپ کی نہ توقع تھی نہ استدعا کہ اب بھی روس صبر کیے جائے[۱]۔ حملے کے

[۱] فائن[؟] مصنف نے اس تمام بیان کو اس طرح لکھا ہے کہ گویا ترکی میں اصلاحات کا نافذ کرانا زارِ روس کا

واسطے روسی فوج پہلے سے پرتھ کے کنارے خیمہ زن تھی زار کا بھائی امیر کبیر نکولاس اسکا سپہ سالار نامزد ہوا اور ۲۴-اپریل کو حکومت روسیہ نے جنگ کا اعلان شائع کردیا۔

روس کا اعلانِ جنگ ۲۴-اپریل -

روس کی سرحد اور ڈینیوب کے درمیان ریاست رومانیہ واقع تھی - آغازِ جنگ سے قبل ہی ایک معاہدے کے ذریعے روسیوں کو اس علاقے میں سے فوج لے جانے کی اجازت حاصل ہوگئی تھی اور آگے چل کر تو رومانیہ بھی روس کی حلیف بن کر جنگ میں شریک ہوئی - بایں ہمہ جون کے چوتھے ہفتے سے قبل ممکن نہ ہوا کہ حملہ آور ڈینیوب کو عبور کرسکے ہوں - ان کے سات جیش رومانیہ میں مجتمع تھے ان میں سے ایک مشرقی ڈینیوب کو اتر کر دبروجہ میں داخل ہوا - دو رومانیہ میں فوج محفوظ کے طور پر رہنے دیئے گئے اور چار نے بلغاریہ میں معرکہ آرائی کی غرض سے دریا کو سس توا کی نواح میں عبور کیا - روسیوں کا منشاء یہ تھا کہ اپنی فوج کے وسطی حصہ کو رودِ جنترا کے خط پر بڑھا کر بلقان میں پہنچ جائیں - میسرہ مقامِ رشچک اور بلغاریہ کے مشرقی قلعوں کی ترکی افواج کے خلاف پیش قدمی کرے اور میمنہ نکوپولس کو فتح کرکے وسطی جیوش کی حفاظت کرتا رہے کہ مغرب کی طرف سے اس پر کوئی جناحی حملہ نہ ہونے پائے - لیکن یورپ وایشیا دونوں جانب روسیوں نے اپنے حریف کی قوت کا غلط اندازہ کیا اور ناکافی فوجیں لے کے میدان میں اترے - ان کی یورپی فوج رومانیہ کو طے کرنے نہ پائی تھی کہ ارمینیہ میں ان کی فوجوں نے شروع شروع میں جو مقامات فتح کئے تھے وہ چند ہفتے کے اندر ان سے چھن گئے - یہ بایزید وغیرہ بعض قصبے تھے کہ روسیوں کی پہلی یورش میں ان کے ہاتھ

ڈینیوب کو روسیوں کا پار کرنا ۲۷-جون -

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۱۴، ایسا قدرتی اور ناگزیر حق تھا کہ اس کے بغیر اسے قرار ہی نہ آسکتا تھا - مگر وہ اس بات کو بھولے ہوئے ہے یا بھلائے رکھنا چاہتا ہے کہ یہی زمانہ ہے جبکہ روس نے ترکستان کی آزادی کو سلب کیا اور وہاں کے مسلمان باشندوں پر وحشیانہ مظالم کر رہا تھا اور خود اپنے مسیحی ہم وطنوں کو جو روس کی اصلاح وفلاح یا آئینی آزادی کے طالب تھے، زار روس ریلیں بھر بھر کر سائبیریا کے برفانی دوزخ میں بھیج رہا تھا۔ مترجم -

باب (۷) آ گئے اور پھر مختار پاشا کے ماتحت ترکوں نے دوبارہ انھیں لے لیا۔ جس وقت یورپ میں معرکہ آرائی شروع ہوئی اُس کے چند روز بعد ہی ایشیا کی روسی فوجیں ہر جگہ سے پیٹ پیٹ کر اپنی سرحدوں کی طرف پسپا ہونے لگیں۔ یہی کیفیت بلغاریہ کے معرکوں کی ہوئی کہ پہلی یورش میں تو حملہ آوروں کو پے درپے فتوحات حاصل ہوئیں اور پھر ایشیا کی طرح یہاں بھی انجام یہی ہوا کہ فوجوں کی کمی کے باعث اُنھیں سخت ہزیمتیں اُٹھانی پڑیں۔ ڈینیوب پر کوئی بڑی مزاحمت نہ ہوئی تو روسی فوجیں جنترا کے خط

بلقان کی طرف پیش قدمی۔ جولائی۔

پر تیزی سے بلقان کی طرف بڑھیں۔ ترکی فوج بلغاری قلعوں میں منتشر تھی اور یہ قلعے مغربی سرے پر ودین سے لے کر مشرقی بلقان کے دامن میں قلعہ شملا تک پھیلے ہوئے تھے۔ روسی سپہ سالاروں نے سوچا تھا کہ مشرقی بلغاریہ میں ترکوں سے لڑنے کے لئے دو جنگی جیش درکار ہوں گے اور ایک جیش کا مغرب میں رکھنا کافی ہوگا کہ حملہ آوروں کی دستی فوج کی حفاظت کرے۔ اس حساب سے، رومانیہ کے دو جیش محفوظ اور ایک جیش کو چھوڑ کر جو دبروجہ پر قابض تھا، صرف ایک جیش بلقان اور ادرنہ پر پیش قدمی کے لئے باقی رہ گیا اور اسی فوج کے ہراول کی قیادت جنرل گورکو کے تفویض ہوئی جو بلقان میں بڑھتے چلا گیا اور درۂ شپکا پر قبضہ کر کے جنوبی بلغاریہ

گورکو بلقان کے جنوب میں ۱۵۔ جولائی۔

میں جا پہنچا۔ ترکوں کو کسان لک اور اس کی سگر اسے ہٹا دیا گیا اور گورکو اپنے چند صد سواروں کو لئے ہوئے اتنا بڑھ آیا کہ ادرنہ وہاں سے دو دن کی مسافت پر رہ گیا۔

کل روسی فوج کا صدر مستقر اب ٹرنووا بنا لیا گیا جو بلغاریہ کا سابق پایۂ تخت اور ڈینیوب و بلقان کے تقریباً بیچ میں واقع ہے۔ دو جنگی جیش نارووچ (شہزادے) کی سرکردگی میں جانب مشرق، رشچک کو، روانہ ہوئے کہ ترکی کے نام نہاد قشون ڈینیوب سے لڑیں۔ دوسری جمعیت جنرل کروڈینر کے ماتحت مغرب کی طرف مڑی اور نکوپولس پر قبضہ کر لیا۔ وہاں قلعے میں جو فوج تھی وہ بھی روسیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئی۔ رود جنترا کے مغربی مقامات جیسے لوواٹز وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے دستے متعین کر دیئے گئے لیکن اس قسمت میں روسیوں کی دیکھ بھال کا انتظام ایسا خراب

عثمان پاشا کا قبضہ پلونا پر ۱۹۔ جولائی۔

پلونا کا پہلا معرکہ۔ ۲۰ جولائی

کیا گیا تھا کہ انھیں ودین سے پورے پینتیس[1] ہزار ترک جوانوں کی فوج کے آنے کی بھی اس وقت تک خبر نہ ہوئی جب تک کہ وہ ایک بازو کی طرف سے اُن کے سر پر نہ آپہنچے۔ پھر اس سے قبل کہ روسی اسے روک سکیں عثمان پاشا نے اپنے مقدمۃ الجیش سے نکوپولس اور لووا ٹز کے درمیان، قصبۂ پلونا اور اس کی بلندیوں پر قبضہ کر لیا۔ ۲۰۔ جولائی کو روسیوں نے اس فوج پر حملہ کیا وہ ابھی تک اس کی اصلی تعداد سے بے خبر تھے۔ پس لڑائی میں انھیں شکست ہوئی اور کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ چند روز بعد عثمان پاشا کے ایک دستے نے روسیوں کے قلب سپاہ پر ضرب لگائی اور ان سے لووا ٹز سے نکال دیا۔ روسی سپہ سالار نے کروڈنیر کو کمک بھیجی اور حکم دیا کہ جو ہو سو ہو پلونا کو تسخیر کئے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ کروڈنیر کے سپاہیوں کی تعداد پینتیس[2] ہزار ہو گئی لیکن اسی عرصے میں تازہ ترکی دستے عثمان پاشا سے آملے اور اس کی فوج کا شمار پچاس ہزار کے قریب ہو گیا[1]۔ جس نے پلونا کی بلندیوں کے گرد جہاں روسی حملہ کرنے والے تھے، دن رات محنت کر کے خندقیں کھود دیں۔ روسی حملہ ۳۰۔ جولائی کو ہوا اور خوفناک خونریزی کے بعد روسیوں کو مار کے پسپا کر دیا گیا۔ روسی فوج نے ایک پانچواں حصہ میدان میں کٹوا کر پیٹھ پھیر دی۔ اگر عثمان پاشا خود پیش قدمی کرتا اور رآوم کا ترکی سپہ سالار پوری قوت سے حملہ آور روس کے جنگی خط پر دباؤ ڈالتا تو غالباً بلغاریہ میں روسیوں پر بری بن جاتی۔ گورکو کو بلا تاخیر جنوبی بلقان سے ہٹنا پڑا۔ اس کی سپاہ درۂ شپکا میں ہٹ آئی تھی۔ اور وہیں جنوب کی طرف سے سلیمان پاشا نے اس پر حملہ کیا۔ سلیمان پاشا کی فوج کی تعداد کہیں زیادہ تھی وہ اپنے سپاہیوں کا

پلونا کا دوسرا معرکہ ۳۰۔ جولائی۔

درۂ شپکا ۲۰ تا ۲۳ اگست

[1] یہ مصنف کی صریح غلط بیانی ہے۔ کیونکہ یہ مسلّم واقعہ ہے کہ غازی عثمان پاشا کے پاس تیس پینتیس ہزار سے زیادہ فوج کبھی نہیں ہوئی اور وہ قریب قریب ہر لڑائی اپنے سے زیادہ تعداد کے دشمن سے لڑتے رہے ان کی آخر میں بے دست و پائی بلکہ اس جنگ میں ترکوں کی شکست کا اصلی سبب ہی بعض اعلیٰ ترک عمال کی خیانت و غدّاری تھا نہ کہ روسیوں کی جنگی برتری۔ (مترجم)

باب ۲۷

خون بہانے میں بھی مُسرف تھا اور خالی زور زبردستی پر بھروسا کر کے روزانہ فوج کو روسی مورچوں پر جھونکتا رہا (۲۰ تا ۲۳- اگست) ایک وقت ایسا بھی گزرا جب کہ روسیوں کو بالکل مایوسی ہو گئی اور سپاہیوں نے اپنے ولی نعمت زار، کو آخری پیام عقیدت بھیجا جیسا کہ ادائی فرض میں جان دینے والے بھیجا کرتے ہیں۔ مگر اس انتہائی خطرے میں اُنھیں کمک پہنچ گئی جو تعداد میں تھوڑی لیکن جنگ کا پانسہ پلٹ دینے کے لئے کافی تھی سلیمانؒ کی سپاہ درے کے جنوبی سرے پر شپکا گاؤں میں ہٹ آئی اور خود درہ، شمالی بلغاریہ سے آنے کے راستے سمیت، روسیوں کے ہاتھ میں رہا۔

پلونا کی دوسری جنگ سے عیاں ہو گیا کہ روسی اپنی موجودہ ساری قوت سے لڑائی نہیں جیت سکتے۔ بحر اسود کے ساحل کی حفاظت کے واسطے جو دو فوجی جیش چھوڑے گئے تھے وہ طلب کیے گئے اور خاص روس میں چند نئے جیش بھی مجتمع ہوئے اور ڈین یوب کی طرف چل پڑے۔ بایں ہمہ فوری ضرورت ایسی شدید تھی کہ زار کو مجبوراً رومانیہ کے سامنے دستِ استمداد بڑھانا

رومانیہ

پڑا۔ یہ امداد اسے دی گئی اور کروڈیہنر کی ہزیمتوں نے روسی فوج میں جو رخنے ڈال دئے تھے وہ رومانیہ کے اعلیٰ درجے کے سپاہیوں نے بھر دیئے اور پلونا کے سامنے کی پوری فوج رومانیہ کے شہزادے چارلس کی قیادت میں دی گئی۔ ستمبر کے آغاز میں روسی دوبارہ حملے کے لئے تیار تھے۔ اُنھوں نے لوواتز پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور وہ لشکر جس نے اسے سر کیا تھا ایک متحدہ حملۂ عظیم میں حصہ لینے کی غرض سے سیدھا پلونا پر بڑھا۔ یہ زبردست حملہ خاص زار کی آنکھوں کے سامنے ۱۱- ستمبر کو ہوا۔ شمال میں روسی اور رومانی فوج نے مل کر گری وٹزا کے دمدمے پر یورش کی اور شدید خونریزی کے بعد اسے سر کر لیا۔ جنوب میں سپہ سالار اسکوبِ لِفنٹ ترکوں کے پہلے مورچوں تک پہنچ گیا لیکن دوسرے خط دفاعی میں

پلونا کا تیسرا معرکہ ستمبر ۱۱ و ۱۲

ؒ اگرچہ مصنف یہ لکھنا اپنے ممدوح روسیوں کے خلاف شان سمجھتا ہے لیکن جیسا کہ سب کو معلوم اور مسلم ہے، سلیمان پاشا روسیوں سے رشوت لے کر مل گیا تھا اور حقیقت میں اسی کی غداری نے روسیوں کو اس مشکل جنگ میں کامیاب کیا۔

ذرا بھی رخنہ نہ ڈال سکا۔ دن چھپا تو بارہ ہزار روسی لاشیں میدان میں پڑی تھیں اور ترکوں کے دفاعی مورچے جوں کے توں سلامت تھے۔ صبح ہوئی تو خود ترکوں نے حملہ کیا۔ اسکوبلف اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور حریف کی زد میں آگیا اُس نے مدد کے لئے ہزار منّت کی پذیرائی نہ ہوئی۔ اس کے سپاہی ان مورچوں میں جنھیں ترکوں سے لیا تھا، کھڑے ہوئے حملے پہ حملے روکتے رہے تاآنکہ غنیم نے دبوچ لیا اور وہ میدان سے نکال دیئے گئے۔ دوسرے دن کی لڑائی ختم ہوئی تو روسی ہر مقام سے دھکّے کھا کے اپنے پہلے خط پر پسپا ہو چکے تھے بجز گرِوِٹ زا کے دمدمے کے، جو ترکوں کے بیرونی استحکامات کا محض ایک مورچہ تھا کہ اس کے آگے مستحکم تر اندرونی مورچے موجود تھے۔ حملہ آوروں کو نقصان بھی اتنا شدید ہوا جتنا کہ جرمنوں کو گریولوٹ میں پہنچا تھا حالانکہ روسیوں کی فوج تعداد میں جرمنوں سے ایک ثلث ہی تھی۔ الغرض عثمان پاشا کی قوّت آغاز جنگ کے وقت سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی نظر آنے لگی اور کوئی شخص اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ روس کو آخری فتح پانے کی خاطر ابھی کس قدر قربانیاں کرنی پڑیں گی۔

پلونا پر تین شکستوں نے روس کے جنگی انتظام اور اعلیٰ عمّال کی قابلیت کے متعلق سخت بدظنی پیدا کر دی۔ سپاہی کمال شجاعت سے لڑے۔ جمعیتوں کے سردار، اسکوبلف وغیرہ نے جو کچھ ایسے موقع پر انسان کر سکتا ہے اسے کرنے میں قصور نہیں کیا۔ خرابی جو کچھ تھی وہ صدر حکام یا اُن سرداروں کی تھی جن میں خاندان شاہی کے اراکین گھرے رہتے تھے۔ پلونا میں جب تیسری مرتبہ روسیوں پر مصیبتیں پڑیں تو رائے عامہ نے قابل تر اشخاص کے تقرّر اور اُن لوگوں کے عہدے سے علیحدہ کرنے کا تقاضا کیا جو ان مصائب کا باعث ہوئے تھے۔ چنانچہ سباستوپل کی مدافعت کرنے والے سردار ٹوڈل بین کو بلغاریہ میں طلب کیا گیا جسے اب تک کسی نامعلوم وجہ سے کہیں سپہ سالاری کی خدمت نہیں ملی تھی۔ اب پلونا کی افواج کی حقیقی قیادت اس کے ہاتھ میں دی گئی۔ ٹوڈل بین کو نظر آگیا کہ عثمان پاشا کا مستحکم مقام باقاعدہ محاصرے کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اُس نے بلا تاخیر ہر طرف فوج پھیلا کے پلونا کو نرغے میں

ٹوڈل بین۔ پلونا کا محاصرہ کرتا ہے۔

باب (۷)

لے لیا۔ کچھ عرصے تک عثمان پاشا نے جنوب مغرب کی جانب سلسلۂ رسل و رسائل قائم رکھا اور گولہ باروت اور سامانِ رسد کی لدی ہوئی گاڑیاں پلونا میں پہنچتی رہیں۔ لیکن آخر کار محاصرہ مکمل ہوگیا اور پلونا کی سپاہ کا بیرونی دنیا سے قطع تعلق کر دیا گیا۔ ادھر اس اثنا میں اندرونِ روس سے برابر فوجوں پر فوجیں یلغار یہ میں چلی آتی تھیں۔ جنرا کے مشرق میں تقدیر کے بہت سے انقلابات کے بعد بالآخر ترک روڈو کوہ سے ہٹا دیئے گئے۔ درۂ شپکا کو روسی مدافعین سے چھیننے کے لئے سلیمان پاشا نے ہاتھ پاؤں مارے مگر ناکام رہا۔ ان تین پر تشویش مہینوں میں کہ حملہ آور ایک تنگ محدود محاذ پر بڑی دشواری سے پاؤں جمائے رہے ان کی تازہ دم افواج کثیر ملک میں پہنچ گئیں اور جنوب اور مغرب میں بلقان کی ڈھلانوں تک پھیل گئیں۔ اس انتظار میں کہ ادھر پلونا فتح ہو اور وہاں کی روسی فوج کا حملہ آوروں میں اضافہ ہو اور راہ معروہ کوہستان کی بلندیوں سے ہر جانب دوڑ پڑیں اور دشمن کو استنبول کی دیواروں تک سمیٹ دیں، انجام کار دوسرے ہفتے میں عثمان پاشا کا سامانِ رسد ختم ہوگیا۔ تین معرکوں کے فاتح کو ایک مرتبہ اور کشمکش کئے بغیر ہتھیار رکھنا گوارا نہ ہوا اور

سقوط پلونا ۱۰۔ دسمبر

۱۰۔ دسمبر کو سپاہیوں میں بچی کھچی رسد تقسیم کر کے اس نے مغرب کی طرف سے دشمن کی صفیں توڑ کر نکل جانے کی جانبازانہ کوشش کی۔ لیکن اس کے سپاہی محاصرین کی صفوں سے ٹکراتے رہے اور پشت پر غنیم بڑھ کر اُن مورچوں میں آگیا جنھیں ترکوں نے خالی کیا تھا۔ تب سیڈان کی طرح ترکی فوج ایک آتشی کے اندر آگئی اور جب ہزاروں آدمی کٹ جانے کے باوجود بھی کوئی امید کامیابی باقی نہ رہی تو اس سپہ سالار اور فوج نے جو پانچ مہینے تک سلطنت روس کی تمام مجتمعہ افواج کو روکے رہی تھی، حملہ آوروں کی اطاعت قبول کر لی۔

جنگ کے ابتدائی مراحل میں جو واقعات پیش آئے اُن سے تو روسیوں کی جنگی قابلیت کچھ قابلِ فخر ثابت نہ ہوئی البتہ آخر میں اِن کی مستعدی نے تلافی مافات کر دی۔ سردی کا موسم پوری شدت پر تھا اور بلقان برف و یخ کا ایک تودہ بن گیا تھا لیکن کوئی شے حملہ آوروں کی پیش قدمی کو نہ روک سکی۔ پلونا کے جنوب مغرب میں ایک روسی فوج جمع ہوگئی تھی، اسے گورکو دسمبر کے اواخر میں اترو پول کے ادپر سے

لے کر چلا اور پہاڑوں کو طے کر کے اُس نے صوفیہ سے ترکوں کو ہٹا دیا۔ اور فلپو پولس اور اڈرنہ کی طرف دبائے چلا آیا۔ اس کے آگے مشرق میں دو لشکر کچے راستوں سے بلقان کو عبور کر کے درۂ شپکا کے عقب میں دائیں بائیں پر آ گئے اور پلٹ کر درۂ شپکا پر بڑھے جہاں ابھی تک ترکی فوج اسکے جنوبی دہانے کو روکے پڑی تھی۔ روسی لشکروں نے اس پر عقب سے حملہ کیا اور ساتھ ہی شمال کی طرف سے ایک فوج بڑھی اور سامنے سے ترکوں پر حملہ آور ہوئی ایک تیز و تند جنگ کے بعد پوری پینتیس ہزار ترکی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور اب استنبول اور حملہ آوروں کے درمیان ترکوں کی صرف ایک قابلِ لحاظ فوج باقی رہی۔ یہ سپاہی سلیمان پاشا کے تحت میں فلپو پولس کے کسی قدر مشرق کی طرف اس شارع عام کو روکے پڑے تھے جو ماریٹزا کے کنارے کنارے آئی ہے۔ اس کے مقابلے کے لئے گورکو تو مغرب سے چلا اور شپکا کے فاتح کسان ٹک سے گزرے اور سیدھے جنوب میں اتر کے اُنھوں نے اڈرنہ کی طرف ترکوں کی پسپائی کا راستہ روک لیا۔ محاربے کی آخری لڑائی ۱۷-جنوری کو ہوئی۔ سلیمان پاشا کی سپاہ شکست کھا کے بحال خراب بچ کر ساحلِ ایجین پر ہٹ گئی اور ۲۰-جنوری کو روسی اڈرنہ میں داخل ہوئے۔ اگلے چند روز میں ان کا ہر اول روڈستو میں بحرِ مرمرہ کے کنارے تھا۔ سقوطِ پلونا کے بعد ہی بابِ عالی نے دولِ یورپ سے بیچ بچاؤ کرا دینے کی درخواست کی تھی۔ ایشیا میں ہزیمتوں نے اسے متنبہ کر دیا تھا کہ صلح کر لینے میں دیر نہ لگائے۔ کیونکہ وسط اکتوبر میں مختار پاشا اپنے مورچوں سے پسپا کر دیا گیا اور قارص کو یورش کر کے روسیوں نے سر کر لیا تھا۔ ساتھ ہی روسی فوجیں ارمنیہ میں گھس پڑیں اور ارض روم کے بیرونی دمدمے تک اُنھوں نے فتح کر لئے۔ ہر روز جو گزر رہا تھا دولتِ عثمانیہ کی کامل تباہی کو نزدیک تر لا رہا تھا۔ سرویہ نے دوبارہ اعلانِ جنگ کیا اور جبلِ اسود والوں نے ساحلی قریوں پر قبضہ جما کے شمال و جنوب کے سرحدی علاقے بھی دبا لئے۔ یونان کے میدان میں آنے کے قوی آثار نظر آتے تھے۔ اس حال میں دولِ یورپ نے کسی متفقہ مداخلت سے پہلو تہی کی تو

بلقان سے روسیوں کا گزر جانا - ۲۵ دسمبر تا ۹ جنوری۔

سقوط درۂ شپکا - ۹ - جنوری۔

روسی اڈرنہ میں داخل ہوتے ہیں - ۲۰ - جنوری ۱۸۷۸ء۔

باب ۱۱

متارکہ۔ ۱۳۔ جنوری۔

سلطان کو بذاتِ خود ملکۂ انگلستان سے جنگ بند کرانے کی درخواست کرنی پڑی۔ لندن کے تار کے جواب میں زار نے صلح پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ بابِ عالی براہِ راست روسی عمال سے نامہ وپیام شروع کرے۔ ۱۴۔ جنوری کو ترک وکلا کسان لِک بھیجے گئے کہ امیر کبیر نکولاس کے ساتھ متارکۂ جنگ اور مبادیاتِ صلح کی گفتگو کریں۔ روسیوں کو اب پورا غلبہ حاصل تھا اور غنیم سے صلح صفائی کرنے کی کچھ جلدی نہ تھی لہذا نکولاس نے وکیلوں سے فرمائش کی کہ اس کے ہمراہ اَدرنہ چلیں اور ۳۱۔ جنوری سے قبل ہنگامی صلح اور مبادیات پر دستخط نہ ہو سکے۔

جس وقت ترک وکلا روسی مستقر کی طرف جا رہے تھے لندن میں پارلیمنٹ کے اجلاس کا افتتاح ہوا۔ آغازِ جنگ کے وقت انگریزی حکومت نے اعلان کیا تھا

انگلستان۔

کہ جب تک برطانیہ کے اغراض معرضِ خطر میں نہ پڑیں گے، وہ غیر جانب دار رہے گی۔ اور ان اغراض کو اُس نے کافی صراحت سے ان مراسلات میں جو روسی سفیر کو لکھے اور پارلیمنٹ کے سامنے سرکاری بیانات میں ظاہر کر دیا تھا۔ یعنی قرار دیا کہ ملکۂ معظمہ کی حکومت نہر سویز کی ناکہ بندی کو یا جنگی کارروائی کا دائرہ مصر تک پھیلنا گوارا نہ کرے گی۔ نہ اس سے یہ ہو سکے گا کہ استنبول کو موجودہ مالکوں کے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے قبضے میں جاتے دیکھے اور خاموش بیٹھے رہے۔ اور بوسفورس و درِ دانیال میں جہاز رانی کے متعلق دولِ یورپ نے بالاتفاق جن قواعد کو منظور کر لیا ہے ان میں کوئی اہم رد و بدل کیا گیا تو بھی اسے سخت اعتراض ہوگا[1]۔

لارڈ ڈربی کے جس مراسلے میں برطانیہ کی غیر جانب داری کی یہ شرطیں تحریر تھیں، اُن کے جواب میں گورٹ شاکوف نے دوبارہ زار کا یہ اقرار نقل کیا کہ استنبول کو لینا ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے۔ اور مصر کے بارے میں بھی لکھ بھیجا کہ جنگی کارروائی کا دائرہ وہاں تک وسیع نہ ہوگا۔ بایں ہمہ اُس نے یہ جتا دیا تھا کہ دورانِ جنگ میں ممکن ہے کہ کسی دوسرے سدِ مقام کی طرح استنبول کو بھی تسخیر کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔

---

[1] کاغذات پارلیمنٹ .....

اجلاس پارلیمنٹ کے افتتاح کے وقت کی بادشاہی تقریر میں وزرا نے بیان کیا کہ انگلستان کی غیر جانب داری جن شرائط پر مبنی ہے انھیں فریقین جنگ میں سے کسی نے اب تک نہیں توڑا لیکن لڑائی نے طول پکڑا تو کچھ عجب نہیں کہ کوئی ناگہانی واقعہ ایسا پیش آجائے کہ حفظ ماتقدم کی تدابیر اختیار کئے بغیر چارہ نہ رہے۔ اور ان تدابیر کے واسطے لامحالہ پارلیمنٹ سے فیاضانہ روپیہ دینے کے لئے کہنا پڑے گا۔ لارڈ بیکنس فیلڈ کے ساتھی وزرا کی بعد کی تقریروں سے مترشح ہوتا تھا کہ مجلس وزارت کو اس امر کا اندیشہ تھا کہ کہیں روسی فوج زار کے قابو سے باہر ہو کر اپنے آپ استنبول پر قبضہ اور مستقل پنجہ جمانے کی کوشش نہ کرے۔ ۲۳- جنوری ۷۸ء کو امیر البحر ہورن بی کے نام جو خلیج بسیکا کے بیڑے کا سردار تھا، حکم بھیج دیا گیا کہ وہ دردانیال سے گزر کر استنبول پہنچ جائے۔ لارڈ ڈربی کو اس جنگی نوعیت کی کارروائی کی کوئی ضرورت نظر نہ آتی تھی تاوقتیکہ ادرنہ میں جو گفتگو ہو رہی تھی اس کا کوئی نتیجہ نہ معلوم ہو۔ لہٰذا یہ وہ عہدۂ وزارت سے سبکدوش ہو گیا اور صرف اس وقت دوبارہ وزارت میں شرکت کی جبکہ مذکورہ بالا حکم منسوخ کر دیا گیا ۲۸- جنوری کو کونٹ شووالوف نے مبادی صلح کی حکومتِ برطانیہ کو اطلاع دی۔ لیکن ہنوز ان پر دستخط نہیں ہوئے تھے جبکہ وزیر خزانہ نے ساٹھ لاکھ پونڈ کی منظوری طلب کی کہ ملک کے جنگی ساز و سامان میں اضافہ کیا جائے۔

تحریک سامان جنگ۔ ۲۸- جنوری تا ۸ فروری۔

اس تحریک کی اوّل اوّل اس بنا پر شد و مد سے مخالفت ہوئی کہ انگلستان کی غیر جانب داری کی شرطوں میں سے کسی میں بھی خلل یا رخنہ نہیں پڑا ہے اور ترکی و روس کی صلح جن شرطوں پر ہو رہی ہے ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ برطانیہ کی اب تک جو حکمت عملی رہی، اسے بدلنا ضروری سمجھا جائے۔ لیکن ان مباحثوں کے دوران میں استنبول میں الیٹ کے جانشین مسٹر لیارڈ کا ایک تار پہنچا کہ ہنگامی صلح کر لینے کے باوجود روسی دارالخلافت کی طرف بڑھے چلے آتے ہیں۔ ترکوں کو ساحل مرمرہ پر سلیوریہ کو خالی کرنا پڑا اور روسی سپہ سالار شتالجہ پر قبضہ کرنے والا ہے جو استنبول کے آخری خط دفاع کا بیرونی مورچہ ہے اور شہر سے پورے تیس میل دور بھی نہ ہو گا۔ نیز یہ کہ باب عالی کو سخت تشویش و خوف ہو رہا ہے اور وہ حیران ہے

باب ۷

کہ اِن کارروائیوں سے روسیوں کا مطلب کیا ہے ؟ [1] اب انگریزی بیڑے کو بلا تاخیر استنبول پہنچ جانے کا حکم دے دیا گیا۔ وزرا کی تحریک مصارفِ جنگ کی مخالفت کا آغاز مسٹر فورسٹر نے کیا تھا۔ اب خود وہ اپنی ترمیم سے دست بردار ہو جانے کا خواہاں تھا۔ دوسرے دن متارکۂ جنگ کی دفعات آگئیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ روسی فقط قرار دادہ خط تک بڑھے اور لیارڈ کے تار روانہ کرتے وقت ہی باب عالی کو اس قرار داد سے ضرور واقفیت ہوگی، بایں ہمہ لندن میں جو ہل چل مچ گئی تھی وہ رفع نہ ہوئی اور سامانِ جنگ کے اضافہ کی تحریک دو سو ارکان کی اکثریت سے منظور کی گئی [1]

انگریزی بیڑہ دردانیال سے گزرتا ہے۔ ۶۔ فروری۔

کوئی حریفِ غالب ہنگامی صلح کی گفتگو کے وقت اپنی پیش قدمی موقوف کرتا ہے تو اس کی لازمی شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ مقامات بھی اس کے حوالے کر دیئے جائیں جو ہر چند گفتگو شروع کرنے کے وقت اس کے قبضے میں نہیں لیکن، لڑائی نہ روکی جاتی تو بہ احوالِ ظاہر وہ چند روز میں ضرور انھیں فتح کر لیتا۔ معرکۂ مرنگو کے بعد نپولین نے آسٹریہ سے ہنگامی صلح کرنی منظور کی تو ساری شمالی اطالیہ خالی کرالی گئی تھی۔ محاصرۂ پیرس کے شروع میں بسمارک حکومت دفاعی سے متارکۂ جنگ پر آمادہ ہوا تو اس کی شرطوں کی رُو سے اسٹراس بورگ اور تول فرانسیسیوں کو دشمن کے حوالے کرنے پڑے پس روسیوں کو اگر اصرار تھا کہ ان کا فوجی خط قریب قریب استنبول کی فصیلوں کے نیچے قائم کیا جائے تو وہ یقیناً اس سے زیادہ طلب نہیں کر رہے تھے جتنا کہ صرف چند ہفتے بلکہ چند روز لڑائی جاری رہنے کی صورت میں ان کے ہاتھ آجاتا۔ ہنگامی صلح کی ان شرطوں سے انگریزوں میں بہت خلفشار پیدا ہوا مگر اس کے باوجود، حقیقت یہ ہے کہ روس و انگلستان کی نزاع کا کوئی اصلی سبب اگر ہو سکتا تھا تو وہ ان شرطوں میں نہیں، بلکہ آیندہ مستقل صلح کی شرطوں میں پایا جاتا ہے۔ بہر حال، وقت کے وقت تو روسیوں کا گیلی پولی اور خطوطِ شتالجہ تک بڑھ آنا، جس کے ساتھ ہی برطانیہ کا بیڑا استنبول روانہ کر دیا گیا، روس و برطانیہ کو جنگ کے بالکل قریب لے آیا۔ لارڈ ڈربی نے ہر چند تاویلیں کیں کہ بیڑا محض برطانوی رعایا کی جان و مال کی حفاظت کی غرض سے بھیجا گیا ہے۔ مگر

انگلستان سے جنگ کا ٹل جانا۔

[1] کاغذاتِ پارلیمنٹ ...

یہ سب بے سود سخن سازی تھی۔ گورٹ شاکوف اِس قسم کی باتیں بنانے میں حریف سے زیادہ مشاق تھا۔ اُسنے جواب دیا کہ روسی حکومت کی غرض بھی ٹھیک یہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ روسی اپنی حفاظت کے دائرے میں تمام مسیحوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں اور اسی لئے انگریزی بیڑا باسفورس میں نظر آیا تو روسی فوج کو انسانی ہمدردی کے اِس کام میں خواہ مخواہ شرکت کرنی پڑے گی اور وہ شہر قسطنطنیہ میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ دھمکی سُن کر لارڈ بیکنس فیلڈ دب گیا۔ اور حکم دیا کہ انگریزی بیڑا بحر مرمرہ ہی تک کسی مناسب مقام پر ٹھہر جائے۔ دونوں طرف فوری جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں ہمارے (یعنی انگریزوں کے) جہازوں پر لڑنے کے لئے توپیں چڑھائی گئیں۔ ادھر روسیوں نے کھاڑیوں میں تارپیڈو بچھا دئے۔ اگر ایک روسی سپاہی بھی گیلی پولی کی پہاڑیوں پر نظر آتا یا ایک انگریز بھی باسفورس کے ایشیائی ساحل پر اترتا تو اسی وقت جنگ شروع ہو جاتی۔ لیکن انتہائے خطرے کے چند ہفتے گزرنے کے بعد فریقین کے اس قدر قریب ہونے سے جو اندیشہ تھا وہ زائل ہو گیا۔ امن یا جنگ کا فیصلہ غصے اور بے کے اتفاقی واقعات پر مبنی نہ رہا بلکہ اربابِ بست وکشاد کی منعقدہ مجلس بحث و مشاورۃ میں منتقل ہو گیا۔

عہدنامۂ سان سٹی فانو ۳۔ مارچ

جن بنیادوں پر ادرنہ میں ہنگامی صلح منظور ہو چکی تھی، اصولاً وہی شرطیں اس عہدنامۂ صلح کی رہیں جس پر ترکی اور روس نے سان سٹی فانو میں ۳۔ مارچ کو دستخط کئے۔ یہ بحر مرمرہ کے کنارے ایک گاؤں ہے اور یہاں جو معاہدہ ہوا اُس کی رُو سے بابِ عالی نے سرویہ، جبلِ اسود اور رومانیہ کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا بلکہ پہلی دو ریاستوں کو معتدبہ علاقہ بھی اپنے پاس سے دیا۔ بلغاریہ ایک باج گزار، مقامی طور پر آزاد ریاست قرار پائی اور اس کو ایک مسیحی حکومت اور اپنی علٰحدہ فوج بے قاعدہ مرتب کرنے کا بھی حق عطا ہوا۔ اس کی حدود اتنی وسیع کر دی گئیں کہ یورپی ترکی کا حصۂ اعظم اس میں داخل ہو گیا اور سرحدی خط باسفورس سے صرف ساٹھ میل کے فاصلے پر بحرِ اسود کے ساحلی مقام میڈیا سے کھینچا گیا۔ اور سیدھا مغرب کی طرف آگے ادرنہ سے ذرا شمال میں ہٹ کر بحرِ ایجین کی جانب مڑا اور وہاں سے سمندر کے کنارے کنارے تھریسی کرسونیس تک آیا۔ پھر صرف سلانیک (سالونیکا) کو بچا کر اندر کی طرف مغرب میں مڑ گیا۔ یہاں سے وہ

باب ۷، اڈریاٹک سے پچاس میل مسافت کے اندر سرحد البانیہ تک آیا اور پھر اسی صوبے کی سرحد سے گزرتا ہوا سرویہ کی نئی سرحد تک پہنچتا تھا۔ یہ بھی معاہدے کی شرط تھی کہ رئیس بلغاریہ کو وہاں کی آبادی اپنی رائے سے انتخاب کرے اور اسکی تصدیق دول یورپ کی رضامندی سے باب عالی کی جانب سے ہو۔ نظم ونسق کا نیا آئین مرتب کرنا عمائد بلغاریہ کی ایک مجلس کے تفویض ہوا اور بلغاریہ میں دو سال تک اس کے نفاذ اور عمل کی نگرانی ایک روسی ناظر کے سپرد کی گئی۔ قرار پایا کہ دیسیوں کے باقاعدہ فوج تیار ہونے تک روسی فوج کا، جس کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ نہ ہو، ملک پر قبضہ رہے گا۔ لیکن یہ قبضہ اتنی مدت میں محدود رہے گا جو دو سال کے اندر ہو۔ بوسینہ اور ہرزی گووینہ میں ان تجاویز پر فوری عمل درآمد کی قرارداد ہوئی جو ۱۸۷۶ء کی مجلس مشاورہ کے پہلے اجلاس میں باب عالی کے سامنے پیش کی گئی تھیں مگر ان میں اس قسم کا ردّو بدل جائز رکھا گیا جو ترکی، روس اور آسٹریہ بالاتفاق آپس میں طے کرلیں۔ باب عالی نے ذمہ لیا کہ جزیرۂ کریت میں صداقت کے ساتھ اس تنظیمی قانون کا نفاذ کرے گا جو وہاں کے باشندوں کی سابقہ استدعا کو پیش نظر رکھ کے ۱۸۶۸ء میں مرتب کیا گیا تھا۔ اسی قسم کا قانون مقامی ضروریات کا لحاظ رکھ کے اور زار کو دکھا کے اپی رس، تھسالیہ وغیرہ یورپی ترکی کے ان مقامات میں نافذ ہونے والا تھا جس کے لئے معاہدے میں کوئی خاص آئین طے نہیں ہوسکا۔ ہر صوبے میں ایک ایک محکمۂ نظارت بنانے کی تجویز تھی جس میں وہاں کے باشندے تعداد کثیر میں لئے جائیں اور وہ نئی تنظیم کی جزئیات کو طے کرنے کی خدمت انجام دیں۔ ارمینیہ میں سلطان المعظم نے اقرار کیا کہ بغیر تاخیر مزید وہ اصلاحیں اور ردّو بدل عمل میں لائے جائیں گے جن کی مقامی ضروریات متقاضی ہیں اور ارمنوں کی، کُردوں اور قفقازیوں کی دست درازی سے، حفاظت کی جائے گی۔ نقصانات اور مصارف جنگ کے تاوان میں باب عالی نے تسلیم کیا کہ اسے ایک ارب چالیس کروڑ روبل روسیوں کو ادا کرنے ہیں۔ لیکن سلطان المعظم کی خواہش کے مطابق اور ترکی کی مالی پریشانیوں کے خیال سے زار رضامند ہوگیا کہ اس رقم کے حصۂ اعظم کے عوض میں یورپ میں دبروجہ اور ایشیا میں اضلاع اردھان، قارص، باطوم و بایزید روس کے حوالے کردیئے جائیں۔ تیس کروڑ روبل کا مطالبہ

پھر بھی باقی رہتا تھا اور اس کی ادائی یا کفالت کے متعلق قرار پایا کہ دونوں حکومتیں آپس میں طے کر لیں گی۔ نیز یہ کہ زار، دوبروجہ کو رومانیہ کے حوالے کر دے اور اس کے معاوضے میں اس ریاست سے بیسا ریبیہ کے اضلاع خود لے لے۔ آخر میں یہ کہ روسی تین مہینے کے اندر یورپی ترکی اور چھ مہینے میں ایشیائی ترکی کا بالکل تخلیہ کر دیں گے۔

مشاورہ کی تحریک۔

روسی حکومت شروع سے مانتی تھی کہ ایسے مسائل جن کا اثر سارے یورپ کی اغراض پر پڑتا ہے، محض روس و ترکی کے باہمی عہد و پیمان سے طے نہیں ہو سکتے بلکہ انھیں تمام دول ہی کو مل کر طے کرنا چاہیے۔ آغاز فروری میں بادشاہ آسٹریہ نے تحریک کی تھی کہ دولِ یورپ کی مجلس مشاورۃ خود اس کے پائے تخت میں منعقد ہو۔ لیکن پھر یہ طے ہوا کہ وی آنا کی بجائے برلن، انعقادِ مجلس کا مقام ہو اور مجلس مشاورۃ کی بجائے باقاعدہ موتمر منعقد کی جائے یعنی سب سے باوقار بین الاقوامی جماعت، جس میں ہر سلطنت کی نیابت محض سفیر یا قائم مقام نہیں بلکہ اس کے ممتاز وزرا انجام دیتے ہیں۔ مگر تجویز کے ساتھ سوال پیدا ہوا کہ آیا روسی حکومت کے ذہن میں سان سٹی فانو کے معاہدے کے متعلق اس قسم کا کوئی امتیاز بھی ہے کہ اس کی صرف بعض دفعات کا اثر یورپ کے عام ممالک کی اغراض پر پڑتا ہے اور باقی حصے بجز روس و ترکی کے دوسرے ملکوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے؟ اور آیا ایسا امتیاز ہونے کی صورت میں روس آمادہ بھی ہوگا کہ امتیاز کی واقعیت کا فیصلہ یورپ کرے یا برخلاف ازیں، وہ مدعی ہے کہ اس معاہدے کے جس حصہ کو چاہے یورپ کی عدالت میں پیش کرنا ہی ضروری نہ سمجھے۔

انگلستان و روس کے مقاصد میں تخالف۔

لارڈ ڈربی نے انعقادِ مجلس کے خیال کی تائید برطانیہ کی جانب سے اس شرط پر کی تھی کہ معاہدے کی تمام دفعات بلا استثنا مجلس کے سامنے پیش ہوں گی۔ گو یہ ضروری نہ ہوگا کہ مجلس کی منظوری ہر دفعہ کے متعلق واجب قرار دی جائے بلکہ غرض یہ ہے کہ دول ہر دفعہ کے بارے میں خود یہ فیصلہ کریں کہ ان کی منظوری ضروری ہے یا نہیں۔ گورٹ شاکوف نے برطانیہ کی اس شرط کی شدت سے مخالفت کی اور دعویٰ کیا کہ روس خود مختار ہوگا کہ کسی مسئلے کے متعلق دول کی رائے کو مانے یا نہ مانے۔ روسیوں کی یہ حجت مان لی جاتی تو گویا

باب (۷)

میں ہا روس کے اختیار میں ہوتا کہ انھیں مسائل کو یورپ کے سامنے پیش نہ ہونے دے جو دوسری سلطنتوں کے نزدیک یورپ سے نہایت اہم تعلق رکھتے تھے۔ اختلاف کو رفع کرنے کی غرض سے عبارت میں ردّ و بدل کی تجویزیں کی گئیں مگر حسنِ بیان کی کوئی صورت حریف سلطنتوں کے مقاصد کے تخالف پر پردہ نہیں ڈال سکتی تھی۔ انعقاد موتمر کی امید روز بروز کم ہونے لگی اور روس و برطانیہ میں جنگ کے قرائن زیادہ یقینی نظر آنے لگے۔ لارڈ بیکنس فیلڈ نے فوج محفوظ کو طلب کیا اور ہندوستان سے فوجیں بلوائیں۔ حتیٰ کہ خود سلطان کے روسی اثرات کے ماتحت آجانے کی صورت میں ایشیائے کوچک کی کسی بندرگاہ پر جبراً قبضہ کر لینے کی تجویز بھی زیر بحث آئی۔ ان شدومد کی کارروائیوں کو ڈربی کسی طرح اپنے منشا کے موافق نہ سمجھ سکا۔ وزیراعظم کے ساتھ اسے بہت دن سے اختلاف تو تھا ہی اب وہ قطعی طور پر مجلس وزرا سے علیحدہ ہو گیا (۲۸۔ مارچ) اور مارکوئس آوف سالسبری اس کا جانشین ہوا۔ وہ اپنے عزیز اور پیشرو کو ٹٹس اوٹس (Oates titus) سے تشبیہ دیتا تھا جس سے سیاسی دنیا میں انگریزی تاریخ کے ایک ایسے عہد سے دلچسپی زیادہ ہو گئی جو اب فراموش ہو چکا ہے۔

نئے وزیر خارجہ کو عہدے پر آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ لندن سے ایک مراسلہ تمام دول خارجہ کے پاس بھیجا گیا جس میں معاہدہ سان سٹی فانو پر انگلستان کو جو اعتراض تھے اُن کی صراحت کی گئی تھی۔ اس میں اوّل تو یہ جتایا تھا کہ ایک طاقتور اسلافی ریاست روس کے زیر اقتدار قائم ہو جائے گی کہ بحر اسود کے سواحل اور ایجین کے جزائر کی طرف اچھی اچھی بندرگاہیں اس کے قبضے میں ہوں گی اور اس طرح دونوں سمندروں میں روس کو سیاسی اور تجارتی غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ پھر یہ کہ یونانیوں کی ایک معقول تعداد اسلافی اکثریت کے نیچے دب جائے گی۔ بلغاریہ کی حدوں کے جزائر ایجین تک وسیع ہو جانے سے سلطان کے باقی ماندہ البانی اور یونانی صوبے دارالخلافت سے بالکل جدا ہو جائیں گے۔ بیسارابیہ اور باطوم پر روسیوں کا قبضہ بحر اسود میں آس پاس کے علاقوں پر انھیں حاوی کر دے گا۔ ارمینیہ کے قلعوں کا استحصال اس ولایت کی آبادی کو براہ راست اسی سلطنت کے زیر اثر بنا دے گا جو ان قلعوں پر قابض ہو اور ادھر بایزید کے منتقل

مراسلہ یکم اپریل۔

کر دیے جانے سے ترابزون کے راستے ممالک یورپ کی جو تجارت ایران سے ہے اس میں روسی نظام تجارت کی ناقابل گزر رکاوٹوں کی بدولت، خلل آنے کا قوی اندیشہ رہے گا۔ آخر میں یہ کہ اتنے بھاری تاوانِ جنگ عائد کرنے سے جسے ادا کرنا ترکی کی طاقت سے باہر ہے، اور طریقۂ ادائی یا کفالت کا فیصلہ آیندہ پر ملتوی کرنے سے روس کو یہ موقع مل گیا ہے کہ یا تو وہ ترکوں سے جبراً اور بھی وسیع تر علاقہ حاصل کر لے اور یا انھیں دبا کے اس قسم کے عہد و پیمان کا پابند بنا لے جس سے ترکی حکومت کو ہر معاملے میں سینٹ پیٹرزبرگ کے منشا کے موافق چلنا پڑے۔

اس مراسلے سے لارڈ سالسبری کا مدعا یہ تھا کہ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو عہد نامۂ سان سٹی فانو سے یورپ کا امن و اغراض معرضِ خطر میں پڑ سکتے ہیں اور اس لئے علٰحدہ علٰحدہ ہر دفعہ کی مخالفت یا موافقت میں جو کچھ کہا جائے، دراصل پورا عہد نامہ مجلس دول کے روبرو پیش ہونا چاہیے، نہ کہ صرف بعض بعض دفعات جنھیں ایک سلطنت نے بطور خود چن لیا ہو۔ ورنہ بحث و تنقیح محض دھوکا رہ جائے گی۔ یہ حجت بالکل صحیح اصول پر مبنی تھی۔ بایں ہمہ روسیوں کو خواہ مخواہ یہ گمان ہوا کہ معاہدے کی بعض دفعات خاص طور پر برطانیہ کو ناپسند ہیں۔ لہٰذا **شووالوف** نے جو فی الواقع امن کا خواہاں تھا، یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ بیکنس فیلڈ کی وزارت کون کون سی ترمیمات سے مطمئن ہو جائے گی۔ تب اسے معلوم ہو گیا کہ اگر روس مجلس دول میں معاہدے کی ایسی ترمیم قبول کرے جس سے بلغاریہ کا جنوب اور مغرب میں رقبہ کم کر دیا جائے اور بحر ایجین تک اس کی حدود کو وسعت نہ دی جائے بلکہ بلغاریہ کے صرف دو صوبے رہیں اور باقی اضلاع بلقان، فوجی سرحد کی حیثیت سے سلطان المعظم کے قبضے میں رہیں، نیز بایزید کا ضلع واپس دیا جائے اور رابی رس، تھسالیہ وغیرہ بابِ عالی کی مسیحی ولایات کی تنظیم میں روس کے علاوہ دوسری سلطنتوں کو بھی رائے زنی کا حق ہو، تو اس صورت میں انگلستان معاہدۂ سان سٹی فانو کی دوسری دفعات کو بغیر کسی اہم تبدیلی کے قبول کر سکتا ہے۔ ۷ مئی کو شووالوف لندن سے سینٹ پیٹرزبرگ روانہ ہوا کہ برطانیہ کی مجلس وزرا سے جو کچھ گفتگو ہوئی ہے اس کے نتائج زار کے سامنے پیش کرے اور اطلاع دے کہ انگلستان کی عام رائے اسپارے میں

کاؤنٹ شووالوف۔

گیا ہے۔ جنگ یا امن کا سارا انحصار اب اسی سفر کے نتیجے پر منحصر تھا۔ بارے شوواآلوف نے اپنے مقصد میں، جس کی شہنشاہ جرمانیہ کے مشوروں سے بھی تائید ہوئی کامیابی پائی۔ زار نے فیصلہ کیا کہ چند اختلافی مسائل پر اڑے رہنے سے جو مہتم بالشان نتائج حاصل ہو چکے ہیں انھیں بھی جوکھوں میں نہ ڈالے۔ اور شوواآلوف مجاز ہو کر لندن آیا کہ حکومت برطانیہ سے مذکورۂ بالا بنیادوں پر ایک اقرار نامہ مرتب کرے۔

خفیہ اقرار نامہ مورخہ ۳۰ مئی۔

چنانچہ ۳۰۔ مئی کو انہی اصول کے مطابق ایک مخفی اقرار نامہ پر دستخط ہو گئے اور مجلس دول کے انعقاد میں جو پورے عہدنامے پر غور کرے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ لیکن لارڈ بیکنس فیلڈ کو باطوم اور آرمینیہ کے قلعے روسیوں کے قبضے میں دینے سے بہت تاسف اور تردد تھا اور مخفی اقرارنامے میں اس نے شوواآلوف سے یہاں تک اقرار لے لیا تھا کہ ترکی کے ایشیائی علاقے کی طرف روسی سرحد کی کوئی توسیع نہ کی جائے گی۔ اس کے باوجود اس کی حکمت عملی نے یہیں اکتفا کرنا گوارا نہ کیا۔ بلکہ ۴۔ جون کو سلطان کے ساتھ انگریزوں نے علیحدہ

ترکی کے ساتھ معاہدہ۔ ۴۔ جون۔

عہدنامہ کیا جس میں برطانیہ نے ذمہ لیا کہ اگر روسیوں نے ایشیائی ترکی میں اور دست درازی کی تو انگریز بزورِ شمشیر اس کی مدافعت کریں گے۔ اس کے عوض میں سلطان نے ضروری اصلاحات جو ان دو سلطنتوں میں آیندہ طے پائیں، جاری کرنے کا وعدہ کیا جن سے ان علاقوں میں بابِ عالی کی مسیحی اور دوسری رعایا کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔ مزید برآں جزیرۂ قبرس کو انتظام کے لئے

جزیرۂ قبرس۔

برطانیہ کی تحویل میں دینا منظور کیا۔ آخر میں از رہِ خوش طبعی یہ دفعہ بڑھادی گئی تھی کہ اگر روس اپنی ارمنی فتوحات ترکوں کو واپس دے دے تو قبرس کا انگلستان تخلیہ کر دے گا اور اس معاہدے کو بھی سمجھا جائے گا کہ ختم ہو گیا[1]

۱۳۔ جون کو برلن کی موتمر کا افتتاح ہوا۔ برطانیہ کی جانب سے خود وزیر اعظم اور لارڈ سالسبری اس میں شریک ہوئے گو اصولاً انگلستان و روس کی مصالحت سرسری طور پر ہو چکی تھی بایں ہمہ فروعات کے تصفیے میں پے در پے ایسی مشکلات پیش آئیں کہ ایک

[1] کاغذات پارلیمنٹ وغیرہ۔

برلن کی موتمر، ۱۳- جون تا ۱۳- جولائی—

سے زیادہ مرتبہ موتمر کے درہم برہم ہونے کی نوبت آگئی - لیکن بالآخر امیر کبیر بسمارک کے استقلال اور دانش مندی سے مجلس کا کام اتمام کو پہنچا کہ پیچیدہ مسائل کی بحث کو وہ ایوانِ مجلس کی بجائے اپنے مہمانوں کی نجی ملاقاتوں میں منتقل کر دیتا تھا اور جب کبھی گورٹشاکوف رخصت ہونے کے لئے اپنے نقشے لپیٹتا یا لارڈ بیکنس فیلڈ اپنی خاص ریل گاڑی تیار کرنے کا حکم دیتا تو بسمارک ہی ان میں صلح صفائی کراتا تھا۔

عہد نامۂ برلن -۱۳- جولائی

۱۳- جولائی کو عہد نامہ برلن پر دستخط ثبت ہو گئے - اس کی رُو سے بلغاریہ کی خود اختیاری حکومت اضلاع بلقان کے شمال میں محدود کر دی گئی اور اس کا نظامِ حکومت مکمل و نافذ ہونے تک معاہدۂ سان سٹی فانو نے جو اختیارات روسی ناظر کو دیئے تھے اُن میں کمی کر دی گئی - بلقان کے جنوب میں بلغاریہ کے ایک ٹکڑے کو مشرقی رومیلی کے نام سے جداگانہ ولایت قرار دیا گیا لیکن اس کی حدیں مغرب میں وادیٔ مارتزا سے اور جنوب میں کوہ رہوڈوپ سے آگے نہ تھیں اور طے ہوا کہ گو یہ اپنے اندرونی انتظام میں آزاد ہو گا لیکن اس پر سیاسی اور فوجی قبضہ سلطان کا قائم رہے گا۔ اور اس کے ساحل یا بری سرحد پر سلطان کو قلعے بنانے اور فوجیں متعین کرنے کا اختیار ہو گا۔ روسی فوجوں کے قبضے کی مدت کو بلغاریہ اور مشرقی رومیلی دونوں ولایتوں میں گھٹا کے صرف نو ماہ کر دیا - بوسینہ اور ہرزی گووینہ سلطنت آسٹریہ کی تحویل میں دے دیئے کہ وہ ان کا انتظام کرے - سرویہ اور جبل اسود کو جو اضلاع، سان سٹی فانو کے معاہدے کی رُو سے، دیئے جانے قرار پائے تھے، ان میں اصلاح رد و بدل کیا گیا کہ دونوں ریاستوں کے درمیان ایک ترکی پٹی حائل رہے - ایشیا کے حوالہ کردہ اضلاع میں سے بایزید کو خارج کر دیا اور باطوم کے متعلق زار نے اعلان کیا کہ وہ اسے آزاد بندرگاہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہے جو زیادہ تر تجارتی رہے گی جو فرانس کے ایما سے ترکی کے یونانی صوبوں کے متعلق جو دفعات تھیں وہ نکال دی گئیں اور ان کی بجائے خود صوبوں کو یونانی مملکت میں شامل کر دیئے جانے کی رائے دی گئی - یعنی سلطان سے سفارش کی گئی کہ تھسالیہ اور اپی رس کے ایک جزو کو یونان کے حوالے کر دے اور دول کا یہ حق محفوظ رہا کہ اس معاملت میں سہولت کے لئے

باب ۷

حسبِ ضرورت ثالثی کریں۔ دیگر معاملات میں عہد نامہ سان سٹی فانو کی دفعات کی بغیر کسی بڑی تبدیلی کے تصدیق کردی گئی۔

لارڈ بیکنس فیلڈ، بقول خود، عزت کی صلح سے کے لندن واپس آیا۔ انگریزی سفیروں کو معاہدۂ برلن کی نقل کے ساتھ جو مراسلے بھیجے گئے ان میں مجلس وزرا مدّعی تھی کہ حکومت برطانیہ نے سان سٹی فانو کے عہدنامے پر جو اصولی اعتراضات کئے تھے "اِن معاہدوں میں اُن کا بالکل ازالہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ لارڈ سالسبری محوّلۂ بالا مراسلے میں تحریر کرتا ہے کہ "اب بلغاریہ کی سرحد، ڈینیوب کی دریائی سد قرار دی گئی ہے جس کے باعث وہ نہ صرف جزائر ایجیین کی طرف کوئی بندرگاہ نہ حاصل کرسکی بلکہ اس سمندر سے سو میل سے بھی زیادہ دور ہٹادی گئی۔ بحر اسود پر بورغاس کی کارآمد بندرگاہ ترکی کے حوالے کردی گئی، اور اس طرح بلغاریہ کے قبضے میں سان سٹی فانو کی قرارداد کی نسبت نصف سے بھی کم ساحل اور صرف وارنا کی کھلی ہوئی بندرگاہ رہ گئی جو سوائے تجارتی اغراض کے مشکل سے کسی دوسرے کام آسکتی ہے۔ بورغاس اور بحر اسود کے جنوبی نصف ساحل کے ترکی حکومت کو دوبارہ مل جانے سے اور باطوم کی حیثیت خالص تجارتی قرار دیئے جانے سے بحر اسود میں جہازرانی کی آزادی کے خطرات بہت کچھ کم ہوگئے دولتِ روس کے سیاسی نفوذ کی سرحد بلقان کے پار ہٹادی گئی اور سلطان المعظم کے ممالک کے واسطے ایک عمدہ دفاعی سرحد فراہم کردی گئی۔"

(حاشیہ: ان دو معاہدوں کا موازنہ۔)

اس تمام تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ روس تو عہد نامہ سان سٹی فانو کے ذریعے یورپی ترکی کے ایک بڑے علاقے کو آزاد کرنے کے بہانے سے دراصل اِن ولایات پر خود قبضہ جانا چاہتا تھا اور انگریزی حکومت نے بلغاریہ کے دو حصے کراکے اس تدبیر کو چلنے نہیں دیا بلکہ بلقان کے تمام جنوبی مُلک پر ترکی کا مضبوط جنگی قبضہ بحال کرادیا۔ اس میں تو شبہ کی بہت کم گنجائش ہے کہ لارڈ بیکنس فیلڈ نے خوب کیا کہ مقدونیہ کو بلغاریہ کی اسلافی ریاست سے الگ کرادیا۔ لیکن جیساکہ ہر سال جو گزرتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ علیٰحدہ کرانے کے بعد یہ اُس نے بُرا کیا کہ حُسنِ انتظام کی یورپ کو ضمانت دلوائے بغیر مقدونیہ کو یونہی چھوڑ دیا۔ پھر خود بلغاریہ کے ساتھ اُس نے جو سلوک کیا اُس کا دُوراندیشی پر مبنی ہونا بھی آیندہ واقعات کو پیش نظر رکھکر ایک اختلافی امر ہوگیا ہے

انصافاً یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ بلغاریہ کے متعلق فیصلہ کرنے میں انگریز مدبروں کو مجموعی طور پر ایک نامعلوم شئے سے سابقہ پڑا تھا۔ بایں ہمہ اگر وہ اپنی راہ نمائی بلقان کی دوسری ریاستوں کی تاریخ سے چاہتے تو نظیر کا فقدان نہ تھا نہ یہ نظیریں بے محل اور دور کی ہوتیں۔ اسی (انیسویں) صدی کے اندر اس علاقے میں جو پہلے عثمانی تھا تین مسیحی ریاستیں بنائی گئیں: سرویہ، یونان اور رومانیہ۔ ان میں سے ایک بھی روسیوں کا صوبہ نہیں بن گئی نہ ان میں سے کسی نے اپنی جداگانہ قومیت کے نشو و نما اور تحفظ کرنے میں قصور کیا۔ سرویہ میں کوشش کی گئی تھی کہ بابِ عالی کا قلعوں میں فوجیں متعین کرنے کا حق بحال رہے۔ لیکن ثابت ہوگیا کہ یہ غلطی تھی اور جب تک اس پر عمل درآمد ہوا اس وقت تک یہ حق، خوف و بے اطمینانی کا باعث بنا رہا۔ تاآنکہ خود بابِ عالی نے اس سے ہاتھ اُٹھالیا۔ یونان کے معاملہ میں روس نے اپنی غرض پیش نظر رکھ کے، شروع میں تجویز کی تھی کہ اس مُلک کو چار ریاستوں میں تقسیم کردیا جائے جو اندرونی معاملات میں آزاد مگر سلطان کی باج گزار رہوں۔ خود یونانیوں نے اس تجویز کے خلاف آواز بلند کی اور کیننگ نے ان کی تائید کی اور تجویز کو منسوخ کرانے میں کامیاب ہوا۔ سینٹ پیٹرز برگ کا ایک سابق وزیر کاپوڈس ٹریاس ۱۸۲۷ء میں یونان کا پہلا صدرِ حکومت مقرر ہوا مگر اس واقعے سے بھی آزادی یافتہ مُلک، روس کے اثر میں نہ آسکا۔ اور گذشتہ نصف صدی میں مغربی یورپ کے ہر مُلک کے ہر سیاسی فرقے میں یہ خیال مسلّم بلکہ پامال مضمون بن چکا ہے کہ ۱۸۳۲ء میں دول نے یونان کی جو سرحد مقرر کی اسے کہیں زیادہ وسیع ہونا چاہیئے تھا اور ایسا نہ کرنا، دول کی سخت غلطی تھی۔ رومانیہ کے معاملے میں برطانیہ نے روس کے خوف سے ۱۸۵۶ء میں اصرار کیا تھا کہ مولداویہ اور ولیشیہ کے صوبوں کو جُدا رکھا جائے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے باشندے انگلستان کے علی الرغم آپس میں متحد ہوگئے اور چند ہی سال گزرے ہوں گے کہ خود انگلستان میں ایک بھی سیاست داں ایسا نہ تھا جو اس اتحاد کو بجز اطمینان کے کسی اور نظر سے دیکھتا ہو۔ غرض شرقی مسائل کا کوئی حل اگر تاریخ سکھاتی تھی تو وہ یہ تھا کہ جو علاقے بابِ عالی کے ملکی اقتدار سے نکال دئے گئے ان میں اس کے جنگی اقتدار کو بحال رکھنے کی کوشش بے سود ہوگی۔ اور روس کے نفوذ کو روکنے کی سب سے بہتر صورت بھی

بار

باب ۸

بجائے ملک کو تقسیم کرنے کے، یہ ثابت ہوئی کہ جن ریاستوں کو عثمانی تسلط سے نجات دلائی گئی تھی ان کو اور قوی اور پیوستہ بنایا جائے۔

بے شبہ ۱۸۷۸ء میں انگریز مدبروں کو یہ سمجھنے کا اختیار تھا کہ جزیرہ نمائے بلقان میں جو کچھ پہلے گزر چکا ہے اس کا مسائل حاضرہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور بلغاریہ کی حالت یونان، سرویہ اور رومانیہ سے بالکل جداگانہ اور ایسی حکمت عملی کی مقتضی ہے جو گزشتہ تجربے کی بجائے افضل و اعلیٰ دماغوں کے خداداد اجتہاد پر مبنی ہو۔ اب اگر سنین آیندہ کی تاریخ سے یہ خیال صحیح ثابت ہو یعنی بلقان فی الواقع ترکی کی جنگی سرحد بن جائے، شمالی بلغاریہ پست ہوتے ہوتے روس کا محکوم صوبہ رہ جائے اور مشرقی رومیلی اپنے ان محکوم برادری والوں سے جدا ہو کے، عثمانی مصلحین کی چھاونیوں کے سائے میں راحت اور بے فکری سے زندگی گزارے تو لارڈ بیکنس فیلڈ کا بے شبہ بڑا نام ہوگا کہ وہ ان مدبروں میں داخل ہے جن کی ربانی پیش بینی کو مخالف تجربات کے گرد و غبار نے بھی دھندلا نہیں کیا بلکہ مستقبل کے سر مکنوں تک اُن کی نگاہ رسا ہوئی اور اسی کشف کی بنا پر انھوں نے قوموں کی قسمت کا فیصلہ کیا۔ یہ آیندہ مورخ کا کام ہے کہ لارڈ بیکنس فیلڈ نے جن باتوں کے عمل میں آنے کی پیشین گوئی کی تھی، ان کے ظہور کو دیکھے اور اندازہ کرے کہ مجلس برلن سے ٹھیک کتنی مدت کے بعد یہ عل چشم ظاہر کے سامنے آیا۔ باقی وہ لوگ جن کی نظر صرف دس سال کے زمانے تک محدود ہے، بدنصیبی سے یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ مقدونیہ کو اسلافی ریاست سے جدا رکھنے کے سوا، لارڈ بیکنس فیلڈ کے مشرقی یورپ کے متعلق اور جو کچھ خیالات، مقاصد یا توقعات تھیں، واقعات نے ان کو باطل ثابت کیا۔ اور جو کچھ یونان، سرویہ اور رومانیہ میں ہوا تھا، وہی بلغاریہ میں پیش آیا۔ گذشتہ تجربات کو انگریز وزیروں نے تو ۱۸۷۸ء میں طاق نسیان پر رکھ دیا تھا مگر جو لوگ ان تجربات سے متاثر تھے، بر سر حق وہی نکلے۔ بلقان بھر میں کسی ترکی چھاونی کا نشان نہیں نظر آتا۔ بورغاس سلطان کے قبضے میں ایسا ہی آزاد ہے جتنا ایتھنز یا بلگریڈ۔ کوئی ترکی سپاہی اس علاقے میں قدم نہیں دھر سکا جس کا نام بھی "مشرقی رومیلی" اس لئے رکھا گیا تھا کہ ترکی اقتدار کی اس پر مہر ثبت کر دی جائے۔ قومی آزادی کا جوش

جس طرح یونان، سرویہ و رومانیہ میں ایک زندہ قوت ثابت ہوا، اسی طرح بلغاریہ میں بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہا۔ روس کی کوششیں کہ جس قوم کو تلوار کے زور سے آزادی دلائی ہے، اس پر اپنا اقتدار قائم کرے ناکام رہیں اور اہل بلغاریہ نے غیر متوقع استقامت کے ساتھ ان کوششوں کی مزاحمت کی۔ پھر رومانیہ کے قطع کردہ اجزا کی شکل، بلغاریہ کے ٹکڑے بھی باہم متحد ہوئے بغیر نہ رہے۔ اس اتحاد اور ریاست بلغاریہ کی روز افزوں مادی اور اخلاقی طاقت میں آج مغربی یورپ کو وہ شے نظر آتی ہے کہ مشرقی یورپ کے مستقبل کی نسبت خود اس کی دلی تمناؤں کے عین موافق اور دولت روس کی توسیع فرماں روائی کے بالکل نا مساعد ہے۔ طرفہ تر یہ کہ وہی وزیر جو لارڈ بیکنس فیلڈ کے ساتھ برلن کی موتمر میں شریک تھا، آج یہ توجیہیں کر رہا ہے کہ ۱۸۷۸ء میں بلغاریہ کے دو حصے کر دینے سے انگریز وزرا کا منشا ہی یہ تھا کہ بالآخر اس کے اتحاد کا راستہ تیار کریں اور اس کے جنوبی ٹکڑے کو سلطان کے حوالے کر دینے سے اس کی آیندہ خود مختاری کی بنیاد قائم کر دیں! اور یہ کہتے وقت اسے اس حقیقت کا بھی پاس نہ ہوا کہ جس بلغاریہ نے ایسی طاقتور فوجی اور ملکی تنظیم مہیا کی جو قومی اتحاد کی نقیب تھی، وہ اس کا جنوبی ٹکڑا نہ تھا بلکہ بلقان کے پار کی شمالی بلغاریہ تھی۔

تمت

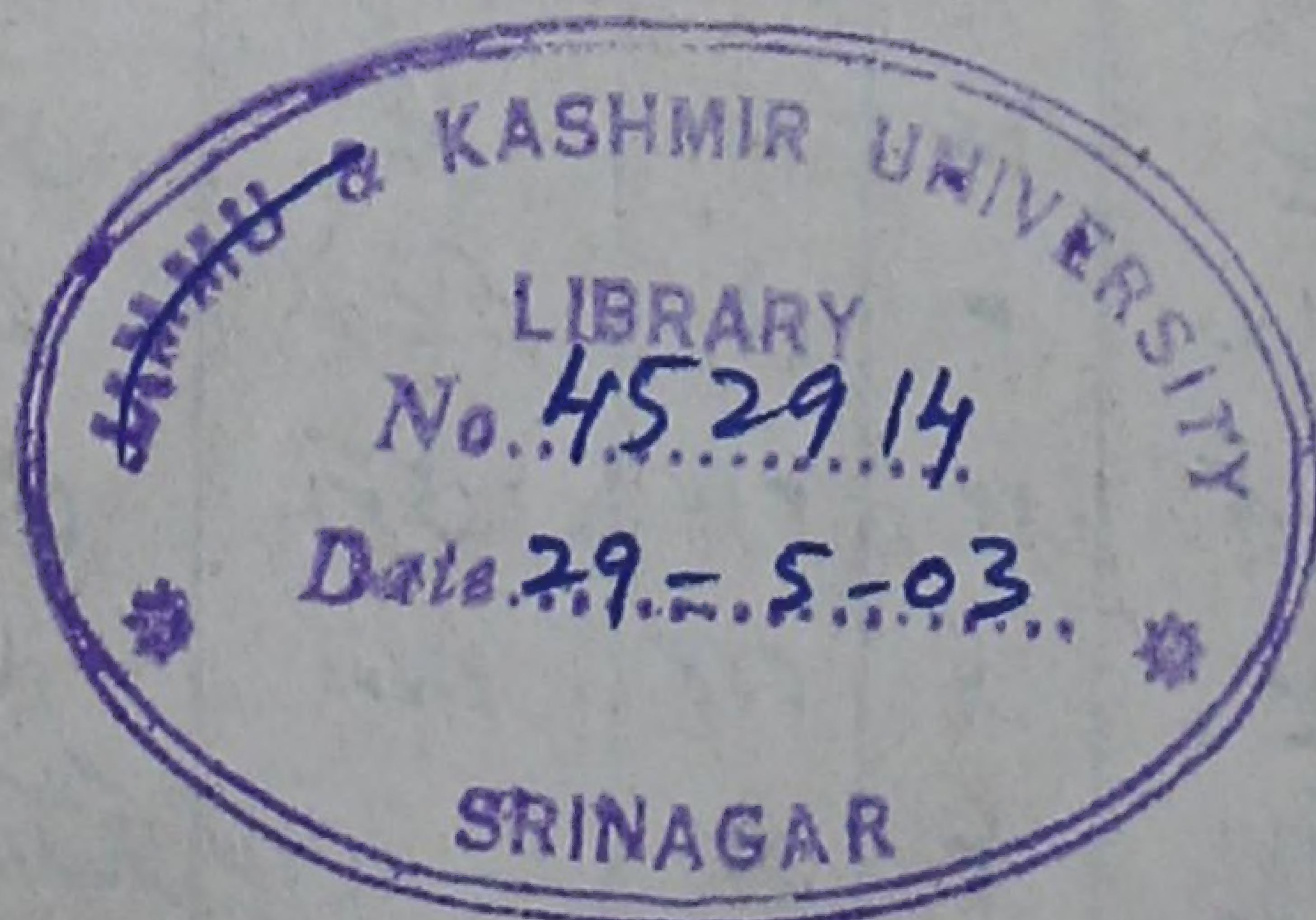
یورپ کا عصر جدید جلد سوم

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۶	موجوکی	موجودگی	۱۷۵	۱۲	نہ کیں	نہ کیں
۷	۱۳	لی	کی	۱۸۴	۹	قت	وقت
۹	۱۱	جب قومی	حب قومی	۲۲۲	۲۵	ولافرانسکار	ولا فرانکا
۴۵	۱۹	اسلامی	اسلافی	۲۳۴	۱	ے	سے
۵۱	۱	اپڑا	آپڑا	۲۳۵	۱۰	سازانہ کرے	سازنہ کرے
۵۲	۶	نے	بلانے	۲۴۴	۱۷	کہرانے	لہرانے
۵۸	۷	امیروکبیر	امیر کبیر	۲۴۷	۶	جمہو یت	جمہوریت
۵۹	۲۰	سقوت	سقوط	۲۵۵	۱۲	ثمنوہی	ثنوہی
۶۱	۸	ے	کے	۲۶۰	۸	قطعے	قطعی
۶۵	۱۵	طلیہ	طلبہ	۲۸۲	۳	پڑ	پڑا
۸۲	۱۷	ٹسنی	ٹسکنی	۲۹۱	۲۵	سیاہ	سپاہ
۸۵	۱۹	گھر کے	گھرنے کے	۲۹۴	۳	دربارہ	دوبارہ
۹۲	۱۶	انتونبیلی	انتونیلی	۳۱۶	۲۲	تجویریں	تجویزیں
۹۹	۱۵	وزناء	وزراء	۳۲۴	۶	لیا	کیا
۱۴۹	۶	قدرتی روک کر	قدرتی راستے روک کر۔	۳۴۰	۳	پاپاتی	پاپائی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۳	۱۰	ہے	سے	۳۹۰	۹	وآسکینز	وارسلز
۳۴۹	۱۲	ایس	ایز	"	۲۱	براشت	برداشت
۳۵۲	۱۴	سفر	سفیر	۳۹۲	۲	ساطین	سلاطین
۳۵۳	۲۴	تریبیں	تہیبیں	۳۹۲	۱۶	مقر	مقرر
۳۵۸	۱۲	ٹائروں	طائروں	۴۰۱	۳	پرطا	پہ
۳۵۹	۱۸	جاتی	پائی جاتی	۴۰۱	۱۳	یہ	یہ
۳۶۰	۲۴	آورہ	اورہ	"	۲۳	ہے	سے
۳۶۱	۲۰	قیلے	فیلے	۴۰۴	۱۱	بھر	پھر
۳۷۴	۸	۹۱	۱۹	۴۱۶	۱۷	حلقہ	حلقے
۳۸۸	۱۴	کی	کمی	۴۱۷	۵	گرزجانا	گذرجانا

تمت



Dave

Dare